فتاوٰی رضویہ
مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات
امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
19
رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور
پاکستان

Contents

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۱۹

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۲۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۱۹
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج وتصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۹۲
اشاعت ________ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ / فروری ۲۰۰۱ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ" سال کے مختصر عرصہ میں انیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی پر مشتمل اٹھارہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار حسب ذیل ہے :

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطھارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطھارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطھارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطھارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشھادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰

انیسویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے شروع سے صفحہ ۲۵۵ تک ۲۹۶ سوالوں کے جوابات اور ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف

نے کیاہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولھویں، سترہویں اور اٹھارویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) فتح الملیک فی حکم التملیک (۱۳۰۸ھ)

ہبہ اور تملیک میں فرق کا بیان

(۲) اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری (۱۳۰۲ھ)

دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی

(۳) المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر (۱۳۱۱ھ)

منی آرڈر کی فیس کا شرعی حکم

ذیقعد ۱۴۲۱ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

فروری ۲۰۰۱ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

کتاب العاریۃ

کتاب الھبۃ

کلام علماء سے مسئلہ کی توضیح اور اس امر کا بیان کہ انشاء عقود میں اس بات پر قرینہ حالیہ موجود ہے کہ تملیک بلاعوض ہے۔	۲۴۸	کتب مذہب سے اس بات کی تائید کہ تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے۔	۲۵۱
مقام انشاء میں بھی جہاں خلاف پر قرینہ ہو تملیک سے ہبہ مراد نہیں لے سکتے۔	۲۴۸	تملیک عین بلاعوض ہبہ کے علاوہ کچھ ہوتا تو کتب فقہ میں اس کے لئے علیحدہ باب ہوتا۔	۲۵۱
امام خیر الدین رملی کی عبارت کی توضیح وتوجیہ۔	۲۴۹	عرف عام میں بھی تملیک عین بلاعوض کو ہبہ تسلیم کرتے ہیں۔	۲۵۲
تحریری تملیک نامہ قطعاً ہبہ نامہ ہے۔	۲۴۹	ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں ہبہ کے لئے قبضہ ضروری ہونے کی دلیل سے اس بات پر استدلال کہ تملیک عقد علیحدہ نہیں۔	۲۵۲
تملیک زبانی میں مدار کار قرینہ پر ہے، قرینہ حالیہ ہو یا مقالیہ۔	۲۵۰	مفتاح کے استدلال پر تنقید۔	۲۵۲
تملیک زبانی میں ہبہ کے خلاف قرینہ ہو تو ہبہ قرار نہیں دیں گے۔	۲۵۰	کسی کے لئے کسی چیز کی ملکیت کا اقرار کرنے سے اس کا دینا اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اخبار ہے، نہ یہ ایسے عقد کا انشاء جس کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔	۲۵۳
اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں۔	۲۵۰	مسئلہ کی "در" سے تائید۔	۲۵۳
تملیک وہبہ کو علیحدہ علیحدہ سمجھنے پر علامہ "ط" کے خیال کی تصحیح۔	۲۵۱	علماء کے اس قول سے تائید مزید کہ "جمیع مالی لزید" کو انہوں نے انشائے ہبہ قرار دیا۔	۲۵۳
مفتاح کے مصنف کا پتہ نہیں، نہ اس کا اندراج کتب مذہب میں ہے۔	۲۵۱	خلاصہ کلام یہ کہ تملیک اخبار ہونے کی حیثیت سے بیع اور ہبہ دونوں کو شامل ہے، اور انشائے عقد کی صورت میں صرف ہبہ ہے۔	۲۵۴
تملیک عین کی ہوگی یا منافع کی، اور بلاعوض ہوگی یا بعوض، یہ تقسیم عقلی اور حاصر ہے۔	۲۵۱	کسی چیز کے بارے میں یہ اقرار کرنا کہ میں فلاں سے اس کا مالک ہوں، اس بات کا اقرار ہے کہ اس نے اس کو ہبہ کیا، تو یہ قبضہ کا بھی اقرار ہے، اور یہ اقرار کہ فلاں نے مجھے ہبہ کیا، تو قبضہ کا اقرار نہ ہوا۔	۲۵۴
تملیک منافع نہ ہو تو تملیک عین ہے، اور بے عوض ہو تو ہبہ ہے، پس تملیک میں ہبہ داخل ہے۔	۲۵۱		

شامی اور فتح القدیر سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۲۳	ایسی صورت میں مچھلیاں زمینداروں کی اور قیمت خریداروں کی، دونوں ایک دوسرے کو واپس کریں، اور اگرخریداروں نے مچھلیاں خرچ کردیں توان کی قیمت بازار بھاؤ سے ادا کریں، اور بیچ دی ہوں تو وہ بیع زمینداروں کی اجازت پر موقوف ہوگی، زمینداروں کو اختیار چاہے مچھلیاں واپس لیں چاہے یہ بیع فضولی جائز کریں۔	۴۲۷
جس صورت میں مچھلیوں کے مالک زمیندار ہوں، پکڑنے والوں کو ان کی محنت کی اجرت مثل ملے گی جو نصف مچھلیوں کی رقم سے زائد نہ ہوگی۔	۴۲۴	زمینداروں نے بیع جائز نہ کی تھی کہ مشتریان ثانی نے مچھلیاں خرید کردیں تو زمیندار دونوں مشتریوں میں سے جس سے چاہیں قیمت وصول کریں۔	۴۲۸
اباحت کی صورت میں اگر زمیندار نے وقت متعین کرکے ان کو اجیر رکھا ہو تو پکڑی ہوئی مچھلیاں سب زمیندار کی۔	۴۲۵	بیع باطل ہونے کی صورت میں عوام پر بڑی دقتیں لازم آتی ہیں۔	۴۲۸
اجیروں کو اُجرت مثل ملے گی، اور وقت متعین نہ کیا ہو تو مچھلیاں پکڑنے والوں کی ہوئیں، اور زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہوگا۔	۴۲۵	امام صاحب اور امام محمد سے ایک روایت یہ کہ بیع فاسد ہوتی ہے۔	۴۲۹
تنویر الابصار اور درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۲۵	یہی قاضی اسبیجابی اور دیگر اساتذہ امام سرخسی اور امام ابوالحسن کرخی کا مختار، امام ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی اور تنویر میں اسی کو مقدم رکھا۔	۴۲۹
ایسے تالابوں کی مچھلیاں بیچنا، یہاں بھی وہی تین صورتیں ہیں۔	۴۲۶	یہی من حیث الدلیل اظہر ہے اس قول پر عقد ناجائز وممنوع اور قابل رد لیکن مچھلیاں جب مشتریوں کے قبضہ میں آگئیں تو بیع صحیح ہوگئی۔	۴۲۹
تیسری صورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی نہیں، ان کی بیع ناجائز اور وہ پکڑنے والوں کی ملک ہیں۔	۴۲۶	دونوں قول قوت پر ہیں، دونوں طرف اصحاب ترجیح وفتوی ہیں، پہلا قول من حیث الروایت اقوی، دوسرا من حیث الدرایت اجلی، اول پر دقتیں لازم اور ثانی پر سب مرتفع۔	۴۳۱
پہلی دوصورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی ہیں اگر جال وغیرہ کے بغیر شکار ممکن تو بیع جائز ورنہ ناجائز، اور بطلان بیع میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۴۲۶	مسلمانوں پر آسانی کا حکم ہے لہٰذا دوسرا قول ہی انسب اور الیق ہے۔	۴۳۱
شیخ الاسلام ومشائخ بلخ اور اساتذہ امام سرخسی وغیرہ ایک جماعت کے مذہب پر یہ بیع باطل ہے، اور یہی امام ثلجی کا فتوی، یہی مختار ہدایہ، اور یہی ظاہر الروایہ۔	۴۲۶	(۲) بنجر زمین کی گھاس بیچنا، اگر زمینداروں نے وہ گھاس اگائی اور خودرو کی دیکھ دیکھ اور نگرانی کرائی تو گھاس اس کی اور بیع جائز، ورنہ وہ گھاس سب کے لئے مباح، اور جو قیمت لوگوں سے وصول کی واپس کریں۔	۴۳۲

تحقیق اکراہ کے لئے صورت اکراہ وقت فعل موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ تہدید سابق واندیشہ لاحق اور مکرہ اور مکرِہ کے قابو میں ہونا کافی ہے خیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۶۱۲	در مختار، شامی، عالمگیری، طحطاوی کی عبارات۔	۶۱۶
مکرِہ کے قابو سے نکل گیا ہو تو صرف اس اندیشہ سے آئندہ قابو پاسکتا ہے اکراہ نہیں مانا جائے گا۔	۶۱۲	فالج زدہ کو جبکہ وہ شطرنج کھیلے مجنون کہا جاسکتا ہے یا نہیں، اور ایسے شخص کے تصرفات سے سوال۔	۶۱۸
رجسٹری آفس میں زر ثمن نہ دیا گیا ہو تو مشتری کے ذمہ حوالگی ثمن کا بارِ ثبوت ہے۔	۶۱۳	فالج دماغی مرض ہے مگر اس کو جنون لازم نہیں۔	۶۱۸
حجت شرعیہ تین ہیں: گواہی، اقرار، انکار۔	۶۱۳	تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر یہ مرض سال بھر ممتد ہو تو مریض کا حکم تندرستوں کا ہے، اور اس کے تمام تصرفات نافذ ہیں۔	۶۱۸
مکرَہ کا اقرار باطل ہے۔	۶۱۳	شطرنج وغیرہ کھیلنا اختلال عقل نہیں بلکہ سلیم الحواسی کا کام ہے۔	۶۱۸
اگر اقرار اور عتَہ شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو تو قبالہ کی تقریر بحالت صحت نفس وثبات عقل غیر معتبر ہے۔	۶۱۳	شطرنج کھیلنا شان علم کے لائق نہیں، اور کسی کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے شرعاً اس کے تصرفات باطل نہیں ہوتے۔	۶۱۸
کتاب الحجر		امام شعبی شطرنج کھیلتے تھے مگر کوئی انہیں مخبوط الحواس نہیں کہتا۔	۶۱۸
ایسی عورت جس پر کبھی کبھی جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے وہ معتوہ ہے۔	۶۱۵	جاہلوں کو عالموں پر طعن و تشنیع روا نہیں۔	۶۱۸
عورت معتوہ تبرعات جیسے ہبہ وغیرہ کی اہلیت نہیں رکھتی اور کسی امر میں اس کی شہادت مقبول نہیں۔	۶۱۵	ایک ایسے شخص سے سوال جو چار سال سے مرض فالج میں مبتلا ہے پہلے تمام اعضاء و حواس پر آفت تھی، پھر ہاتھ کھلے پھر پاؤں پھر زبان، اسی حالت میں حج کیا اور تمام تصرفات کرتے ہیں۔ اس دوران دو تین دفعہ غفلت اور بیخودی بھی طاری ہوئی۔	۶۱۹
افاقہ کا وقت معلوم نہ ہو تو یہ احکام دائمی ہیں۔	۶۱۶	مسلوب الحواس کی اعلیٰ قسم جنون اور ادنٰی قسم عتَہ ہے۔	۶۱۹
صرف باتوں سے افاقہ کا پتہ نہیں چلتا ہے۔	۶۱۶	عتَہ میں تدبر کی خرابی، سمجھ کی عدم درستگی، باتوں کا بے تکا ہونا داخل ہیں، ایسے شخص سے شرعی تکالیف مرتفع ہو جاتی ہے۔	۶۲۰
افاقہ کا وقت معلوم ہے تو اس وقت اس کا حکم عقلاء کا ہے۔	۶۱۶		

وقف کاسامان مصرف کے خلاف استعمال کرنا حرام ہے۔	۶۸۹	کتب خانہ کے ملازم نے کچھ کتابیں نذر کیں، بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے کتب خانہ کی کتابیں دی ہیں، تو وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں، دینے والے کو واپس کردی جائیں، شبہہ کے بعد احتیاط بچنے میں ہے۔	۶۹۱
تعمیر چاہ کے لئے جمع شدہ رقم خازن نے بیت المال بناکر اس سے قرض بانٹنا شروع کیا، کچھ لوگوں نے اس سے قرض لیا اس دوران بیت المال کو چندہ دیا بعد میں پھر بند کردیا، کیاایسے خزانہ کانام بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یانہیں۔	۶۹۰	غاصب الغاصب نے چیز غاصب کو واپس کردی ذمہ سے بری ہوگیا۔	۶۹۱
ایسے بیت المال کے مخالفین کو کلام اللہ کے مخالف کہنا کیسا ہے۔	۶۹۰	عامۃالورود جگہ مثلًا سرائے سے کسی مسافر کاسامان گم ہوگیا سرائے کے مالک پرتاوان کی ذمہ داری نہیں۔ کسی شخص پر سرقہ کانادیدہ حکم روانہیں۔	۶۹۲
قوم اس روپیہ کاحساب اس خازن سے لے سکتی ہے یانہیں۔	۶۹۰	عامۃالورود جگہ میں رکھے ہوئے سامان کی ذمہ داری جگہ والے پر نہیں۔	۶۹۲

فہرست ضمنی مسائل

نابالغ لڑکے کے نام جائداد خریدی اور بعد میں کہا کہ یہ جائداد میری ہے، لڑکے کے نام اسم فرضی تھا، باپ کا قول غلط، جائداد لڑکے کی ہوگی۔	۱۹۶	مروجہ وکالت جس میں عموماً حق کو ناحق اور جھوٹ کا کاروبار ہوتا ہے ناجائز ہے۔	۹۵
دعوی بلابینہ مقبول نہیں۔	۳۳۴	مقر کا اپنے اقرار سے پھر ناشرعاً جائز نہیں۔	۱۱۲
اعیان سے ابراء قضاءً نافذ ہوتا ہے دیانۃً نہیں، اس کا مفاد یہ ہے کہ قاضی اس شیئ کے بارے میں برات کرنے والے کا دعوی نہیں سنے گا، نہ یہ کہ دیانۃً بھی اس کا حق ختم ہوگیا۔	۳۷۶	عقد مضاربت ہنود کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔	۱۲۹
تمادی کا مسئلہ بھی اس وقت ہے جب مدعا علیہ ملک مدعی کا منکر ہو، اقرار کی صورت میں تمادی نہیں۔	۳۷۹	تعین نفع پر معاملہ مضاربت حرام ہے۔	۱۲۹
قاضی کو ایسے مقدمات کی سماعت منع ہو تو امیر خود مقدمہ کی سماعت کرے۔	۳۸۲	صاحب مال کو ایسا نفع لینا اور مضاربت کو دینا دونوں کے لئے حرام ہے۔	۱۳۰
عہد قضاء زمان، مکان اور خصوصیت کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے۔	۳۸۲	جو جی میں آئے دے دینا اس طرح مضاربت جائز ہے۔	۱۵۱
قرضہ کی وصولی کے لئے مقدمہ کرنا پڑا مدعی صرفہ کا حق نہیں۔	۴۴۰	چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر ہوتا ہے اس کی مرضی کے مصرف میں خرچ ہونے کے بعد جو باقی بچا اس کو واپس کیا جائے یا اس کی اجازت سے کسی اور مصرف خیر میں خرچ ہو۔	۱۶۱
حظر واباحت		عورت ماں باپ کے پاس شوہر کا مال کب امانت رکھ سکتی ہے اور کب نہیں۔	۱۶۳
وکیل مطلق کو اگر صراحۃً موکل نے معاف کرنے کی اجازت دی ہو تو وکیل اور موکل کوئی بھی واپسی کا مجاز نہیں، اور مبہم اجازت ہو تو موکل کے عدم رضا کی صورت میں معاف کردہ رقم لے سکتا ہے۔	۹۵	زید کو کسی نے امانۃً کچھ روپے دیئے، زید اپنی طرف سے ماہ بماہ کچھ پیسے تبرعاً دیتا رہا، اس میں کوئی حرج نہیں، اور اس روپیہ کو اجازت یا بغیر اجازت صرفہ میں لایا اور اس کی وجہ سے وہ ماہانہ دیا تو سود، اور تبرعاً دیا تو سود نہیں، مگر احتراز اولٰی، اور بے اجازت کی صورت میں غاصب بھی ہوگا۔	۱۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

مسئلہ ۱: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار محلّہ گھوسیاں مرسلہ شیخ غلام احمد صاحب ۴رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

جناب مولٰنا! بعد تقدیم سلام عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے جلد مشرف فرمائیں۔

بعض شخصوں نے کچھ روپے زید کو دئے کہ ان کی کتابیں دینیہ لے کر طالبعلموں کو دے دو۔ زید کے پاس خود وہ کتابیں دینیہ موجود تھیں اس نے اپنے پاس سے حسب نرخ بازار کتابیں لے کر طالبعلموں کو تقسیم کردیں اور وہ روپے اپنی کتابوں کی قیمت میں آپ رکھ لئے اور یہ سمجھا کہ میں نے یہ بیع اصالۃ اور خرید وکالۃ کی ہے اور مقتضائے حال سے قطعاً معلوم ہے کہ مالکوں کو ہرگز کچھ غرض اس سے متعلق نہ تھی کہ بازار ہی سے کتابیں خریدی جائیں اسی واسطے انھوں نے معاملہ میں یہ قید نہیں لگائی ان کا اصل مقصد تقسیم کتب سے تھا وہ زید نے بخوبی کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کتب مالکوں کی طرف سے ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے؟ کتابیں واپس نہیں ہوسکتیں، بالکل یاد نہیں رہا کہ وہ طالبعلم کون کون تھے، زیادہ زمانہ گزر گیا۔ اور مسئلہ میں شبہ اب پڑا اور وہ روپے بھی باقی نہیں رہے، **بیینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید کو اصلاً یہ اختیار نہ تھا۔نہ وہ بیع ان روپیہ دینے والوں کے ہاتھ ہوئی۔

فان الواحد لایتولی طرفی العقد فی البیع وامثالہ بخلاف النکاح۔	کہ بیشک ایک ہی شخص بیع جیسے عوض کے معاملات میں خرید اور فروخت دونوں کا ولی نہیں بن سکتا بخلاف نکاح کہ اس میں بن سکتا ہے۔(ت)

تو یہ کتابیں اس کی اپنی گئیں روپے کے مالکوں کو ان کا روپیہ واپس کرے۔

فی الدر المختار لایعقد وکیل البیع والشراء والاجارۃ ونحوھا مع من ترد شھادتہ لہ الا اذا اطلق لہ المؤکل کبع ممن شئت فیجوز بمثل القیمۃ وفی السراجیۃ لوصرح بھم جاز اجماعا الا من نفسہ[1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار عن منح الغفار عن السراج الوھاج لو امرہ بالبیع من ھؤلاء فانہ یجوز اجماعا الا ان یبیعہ من نفسہ فلا یجوز قطعا وان صرح بہ الموکل اھ[2] باختصار۔واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے بیع شراء اور اجارہ ان جیسے معاملات کا وکیل ایسے لوگوں سے عقد نہیں کرسکتا جن کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہیں مگر اس صورت میں جبکہ موکل نے اسے عام اختیار دیا ہو مثلاً یہ کہہ دے تو جس سے چاہے بیع کر،تو ایسی صورت میں وہ ان لوگوں سے بازاری قیمت پر عقد کرسکتا ہے اور سراجیہ میں ہے اگر موکل نے ایسے لوگوں سے عقد کی صراحتا اجازت دی تو بالاجماع بیع جائز ہے لیکن خود اپنے لئے خرید نہیں کرسکتا اھ مختصراً۔اور ردمختار میں ہے منح الغفار کے حوالہ سے السراج الوھاج سے منقول ہے کہ اگر موکل نے ایسے لوگوں سے بیع کا اختیار دیا ہو تو بالاجماع ان لوگوں سے بیع جائز ہے لیکن اپنی ذات کے لئے خریدنا تو یہ قطعاً جائز نہیں اگرچہ مؤکل نے اس کو صراحۃ یہ اجازت بھی دی ہو اھ مختصراً۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں وکیل مطلق اگر کسی کو کچھ معاف کردے اور اس کو اختیارات کامل معاف کردینے کے حاصل ہوں تو پھر وہ رقم معاف شدہ از روئے شرع شریف کے پانے کا مستحق

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۷

[2] ردالمحتار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۰۷

ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر صراحۃً معاف کردینے کی اجازت مؤکل نے دے دی تھی جب تو اس کا معاف کیا ہوا بعینہٖ موکل کا معاف کیا ہوا ہے جہاں خود اپنی معافی کو واپس نہیں لے سکتا وکیل کی معافی بھی واپس نہ ہوسکے گی اور شرعاً اس رقم کا مستحق نہ رہے گا، اگر صرف وکیل عام کیا یا کہہ دیا کہ اس کا جملہ ساختہ پر داختہ مثل میرے ذات کے ہے تو معاف کردینے کا وکیل کو اختیار نہ ہوگا، موکل اگر قبول نہ کرے تو رقم معاف کردہ لے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اعلم ان الوکیل وکالۃ عامۃ مطلقۃ مفوضۃ انما یملك المعاوضات لاالطلاق والعتاق والتبرعات به یفتی [1] زواہر الجواہر، تنویر البصائر۔	واضح رہے کہ جس وکیل کو مطلق عام وکالت تفویض کی گئی ہو وہ صرف عوض والے معاملات میں مختار ہوگا، طلاق، عتاق اور تبرعات کا اختیار اسے نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، زواہر الجواہر، تنویر البصائر (ت)

اور بزازیہ میں ہے:

انت وکیل فی کل شیئ جائز امرك ملك الحفظ والبیع والشراء الا العتق والتبرع وعلیه الفتوی [2] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تجھے ہر جائز معاملہ میں میری وکالت ہے۔ تو اس سے وکیل کو حفاظت، بیع اور شراء کا اختیار حاصل ہوگا، عتق اور تبرعات کا اختیار نہ ہوگا اور اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳: از دفتر محکمہ زراعت پنجاب لاہور مسئولہ محمد نصر اللہ صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشتر وکالت ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ سچ

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الوکالۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۰-۴۵۹

بولنا چاہے تو کہتے ہیں اگر سچ کہو گے تو تمھارا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا، جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں۔ جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں۔ قطعی حرام ہے، اور ایسی ہی وکالت آج کل فروغ پاسکتی ہے، وہ جو کامل تحقیقات کے بعد جسے حق پر جان لے صرف اس کی وکالت کرے، محض بطور حق کرے، جھوٹ بولنے یا بلوانے سے پرہیز کرے اس کی وکالت اس زمانے میں اصلا نہیں چل سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الاقرار

(اقرار کا بیان)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک امر کا پیش قاضی اقرار کیا اور اس اقرار کا معترف تھا، اب اس امر سے انکار کرتا ہے، آیا یہ انکار اس کا معتبر ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید اپنے اقرار پر ماخوذ اور انکار اس کا مردود ہوگا،

فی العالمگیریۃ ان کان الواھب اقر بذلك عند القاضی والعبد فی یدہ اخذ باقرارہ [1] وفی الاشباہ والنظائر اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطألم تقبل کمافی الخانیۃ [2]. واللہ تعالٰی اعلم۔	عالمگیری میں ہے اگر ہبہ کرنے والے نے یہ اقرار کیا حالانکہ غلام اس کے قبضہ میں ہے تو وہ اپنے اقرار کی بناء پر ماخوذ اور پابند ہوگا۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے جب کوئی کسی چیز کا اقرار کرلے پھر اقرار کے خطا ہونے کا دعوی کرے تو یہ دعوی مقبول نہ ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۹۸

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰

مسئلہ ۵: از گورکھپور محلّہ گھوسی پورہ مرسلہ مولوی حکیم محمد عبداللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعی متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مرض موت میں بحضور ایک جماعت معززین زوجہ کے مہر کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے ذمہ پچاس ہزار روپیہ دین مہر میری زوجہ کا واجب الادا ہے وہ اب تک مجھ سے ادا نہیں ہوا اب ادا ہونا اس کا ضروری ہے، لہٰذا میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتاہوں کہ وہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے، بعدہ زوجہ نے بناء برہدایت شوہر اپنے کل جائداد شوہری پر قبضہ اپنا کرلیا، بعدہ ورثہ مقر باہم مختلف ہوئے، اکثر نے اقرار اپنے مورث کا تسلیم کیا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ دعوی اقرار غلط ہے اور مہر زوجہ کا اس قدر نہیں بندھا تھا۔ اب استفسار یہ ہے کہ اقرار مورث جو کہ بشہادت معزز لوگوں کے ثابت ہے شرعا قابل اعتبار ہے یا نہیں، اور مقدار مہر مطابق اقرار مورث کے شرعا واجب الثبوت ہے یا نہیں، اور قبضہ زوجہ مقر کا بعوض دین مہر اپنے جائداد شوہری پر شرعا قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ مرض موت میں وارث کے لئے اقرار بے تصدیق دیگر ورثہ معتبر نہیں۔

کما نصوا علیہ قاطبۃ وعللوہ بان حقھم تعلق بمالہ ففی تخصیص البعض بہ ابطال حق الباقین۔	جیسا کہ اس پر سب نے نص فرمائی ہے اور انہوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ تمام ورثاء کا حق میت کے تمام ترکہ سے متعلق ہے تو ترکہ سے کچھ ورثاء کی تخصیص میں باقی ورثاء کے حق کو باطل کرنا ہے (ت)

مگر جبکہ نکاح معروف ہو تو عورت کے لئے مہر مثل تک اقرار صحیح ومقبول ہے وجہ اس کی یہ کہ مہر مثل موجب اصلی نکاح ہے کما صرح فی الھدایۃ وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ ت) تو خود ثبوت نکاح اس کے اثبات میں کافی، فان الشیئ اذا ثبت ثبت باحکامہ (کیونکہ جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے احکام سمیت ثابت ہوتی ہے۔ ت) ولہٰذا عورت کی بلابینہ اس مقدار تک تصدیق کی جاتی ہے۔

فی وصایا الخانیۃ رجل مات عن اولادہ الصغار وادعت المرأۃ مھرھا قالو ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذٰلك	خانیہ کے وصایا میں ہے ایک شخص فوت ہوا نابالغ اولاد چھوڑی اور عورت نے ترکہ پر اپنے مہر کا دعوی کیا تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر عورت سے میت کا نکاح معروف ومعلوم ہے تو عورت کا مہر مثل تک دعوی قبول کیا جائے گا اور اتنا مہر عورت کو

الیھا[1] اھ ملخصا۔	دے دیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

تو اس قدر میں مریض کی تصدیق اس کے اقرار سے کسی امر غیر ثابت کا ثابت کرنا نہیں بناء بر اں واجب القبول ہوا۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے:

سأل فیما اذا اقر بحضرۃ بینۃ شرعیۃ فی مرضہ بان فی ذمتہ لزوجتہ خمسۃ وعشرین دینارا ذھبا مھرا مؤجلا وصدقتہ فیہ وصدق علی ذٰلک بعد موتہ بعض ورثتہ وکذب البعض فھل الاقرار المذکور صحیح ام لا (اجاب) الاقرار بالمھر صحیح حیث کانت ممن یؤجل لھا مثل المقر بہ کما صرح بہ فی جامع الفصولین وغیرہ معللا بقولہ اذ یقبل قولھا الی تمام مھر مثلھا بلا اقرار الزوج[2] اھ بتلخیص۔	ان سے سوال ہوا اس صورت کے متعلق کہ جب کوئی شخص اپنی مرض موت میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ اس کی بیوی کا اس کے ذمہ پچیس دینار سونا مہر مؤجل ہے اور بیوی اس اقرار کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے بعض ورثاء بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ بعض ورثاء اس کو جھوٹ قرار دیتے ہیں تو کیا مذکورہ اقرار صحیح ہوگا یا نہیں، تو امام خیر الدین رملی نے جواب دیا کہ وہ عورت ایسی ہو کہ اس کے لئے اقرار میں بیان کردہ مہر کی مقدار مؤجل ہوتی ہے۔ تو مہر کا یہ اقرار صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین وغیرہ میں اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ علت بیان فرمائی کہ خاوند کے اقرار کے بغیر بھی مہر مثل کی حد تک عورت کا قول قبول کیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

پس اگر پچاس ہزار روپے عورت کے مہر مثل سے زائد نہیں تو اس پوری مقدار میں مریض کا اقرار مقبول ہوگا اور زائد ہیں تو صرف مقدار مہر مثل تک معتبر اور قدر زائد میں تصدیق ورثہ یا اقامت بینہ عادلہ شرعیہ کی حاجت ہوگی۔

فان البینۃ کاسمھا مبینۃ والثابت بالشھادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔	کیونکہ بینہ اپنے عنوان کے مطابق واضح کرنے والا ہے اور شہادت کے ساتھ ثابت شدہ چیز گویا وہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔ (ت)

خیریہ کے فتوٰی مذکورہ میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۰

والحاصل ان الاقرار لها بالدنانير المذكورة مهرا صحيح حيث لا زيادة فيه على مايؤجل لمثلها ولا يحتاج فيه الى تصديق الورثة وان كان فيه زيادة لايصح بها الابه ويصح فيما هو مهر مثلها[1]۔	حاصل یہ کہ بیوی کے لئے مذکورہ دنانیر مہر کا اقرار تب صحیح ہوگا جب اس جیسی عورت کے مہر مؤجل کے برابر ہو زائد نہ ہو اور اس میں ورثاء کی تصدیق کی ضرورت نہیں، اور اگر اس سے زائد ہو تو پھر ورثائے کی تصدیق کے بغیر اقرار صحیح نہ ہوگا اور یہ بھی مہر مثل کی حد تک صحیح ہوگا۔

اس قدر سے سوال کہ دو امر کا جواب منکشف ہوگیا۔ رہا امر ثالث یعنی زوجہ کا جائداد مورث پر بعوض مہر بے رضائے ورثہ قبضہ کرلینا، واضح ہو کہ دین ایک مال حکمی ہے کہ ذمہ پر ثابت ہوتا ہے **کما فی الحاوی القدسی** (جیسا کہ الحاوی القدس میں ہے۔ ت) اور اس کی ادا اس کے مثل ہی سے ہوتی ہے،

فقد نصوا ان الديون تقضٰى بامثالها كما فى الاشباه وغيرها۔[2]	تو بیشک سب نے تصریح کی ہے کہ دیون کی ادائیگی اس کی مثل سے ہوگی جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور دین و عین محض متبائن ہیں نہ مثلین، ولہٰذا باجماع ائمہ حق دائن مالیت میں ہے نہ عین میں۔

نص عليه فى غير موضع من الهداية وغيرها عامة كتب المذهب منها فى اقرار المريض ان حق الغرماء تعلق بالمالية لابالصورة[3] اھ۔	اس پر ہدایہ وغیرہ کتب مذہب میں متعدد مقامات پر نص ہے ان میں ایک مقام اقرار المریض میں ہے کہ حق کا مطالبہ کرنے والوں کا تعلق مالیت سے ہوتا ہے کسی معین مال کی صورت سے نہیں ہوتا اھ (ت)

تو بطور خود اخذ عین بعوض دین تجارت بے تراضی ہے کہ بنصوص قطعی قرآن عظیم ممنوع و ناجائز۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ	ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۰۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۵

[3] الهدایۃ باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۴۰

تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]	یہ کہ رضامندی پر مبنی تجارت ہو۔(ت)

ہدایہ میں بیع مال مدیون بے رضائے مدیون کی نسبت فرمایا:

انہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص[2]۔	کہ یہ رضامندی کے بغیر تجارت ہے تو اس کا باطل ہونا نص سے ثابت ہے۔(ت)

اسی لئے ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دائن مال مدین عـــہ سے خلاف جنس دین بے رضائے مدیون، دین میں نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

ان کان دینہ دراہم ولہ عروض لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ جبرا[3] اھ ملتقطا۔	اگر اس پر دراہم قرض ہیں جبکہ اس کے اس موجود صرف سامان ہے تو قرض خواہ کو وہ سامان جبراً حاصل کرنا جائز نہیں اھ ملتقطا(ت)

اور عبارت وصایائے خلاصہ:

المرأۃ تاخذ مہرہا من الترکۃ من غیر رضا الورثۃ ان کانت الترکۃ دراھم او دنانیر وان کانت شیأا مما یحتاج الی البیع تبیع ماکان اصلح ویستوفیہ صداقتہا سواء کانت الوصیۃ من جھۃ زوجھا اولم تکن وتاخذ من غیر رضا الورثۃ[4]۔	اگر ترکہ میں دراہم یا دینار ہیں تو بیوی ترکہ سے اپنا مہر ورثاء کی رضامندی کے بغیر حاصل کرسکتی ہے اور اگر وہ ترکہ ایسا سامان ہے جس کی فروخت کرنے کی ضرورت ہے تو بیوی مناسب نقد پر فروخت کرے اور پنا مہر پورا کرلے خواہ خاوند کی طرف سے وصیت ہو یا نہ ہو، اور بیوی ورثاء کی رضاء کے بغیر حاصل کرے۔(ت)

کہ اس قبضہ کی تجویز جو مفید زوجہ خیال کی گئی ہر گز مفید نہیں بلکہ صاف خلاف پر نص ہے۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا ولعلہ مدیون۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹
[2] الھدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۶
[3] الھدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۷
[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۴۱

الاتری انه رحمه الله تعالٰی خص اخذ العین بما اذا کانت الترکة دراهم اودنانیر وفی غیره انما اجازا لاستیفاء بالبیع لااخذ العین فی الدین ونص انه لابدفیه من البیع حیث قال وان کانت شیئا مما یحتاج الی البیع[1] الخ۔فمعنی قوله وتأخذ الثانی تأخذ المهر من الثمن وان لم یرض الورثة بل اظن وارجو ان اکون فی ظنی صادقا ان "لا" سقطت من تاخذ الثانی من قلم الناسخ وانما العبارة" ولاتاخذ من غیر رضا الورثة"اذبه یحسن المقابلة بین هذا وبین ماقدم من قوله"تاخذ من غیر رضا الورثة ان کانت دراهم او دنانیر"فالمعنی تبیع وتستوفی قهرا علیهم ولا تاخذ العین الابرضا هم فلتراجع نسخ الخلاصة فان النسخة التی عندی قد تقطعت اوراقها من هذا المقام ومن المحال ان	آپ دیکھ رہے ہیں کہ صاحب خلاصہ رحمہ اللہ تعالٰی نے تخصیص کی ہے کہ اگر ترکہ دراہم ودنیار ہیں تو عین ترکہ کو لیناجائز ہے۔اور اگر ترکہ دراہم ودنانیر کا غیر ہو تو انہوں نے فروخت کرکے حق کی وصولی کو جائز کہا ہے نہ کہ اس عین سامان ترکہ کو فروخت کرنے کی ضرورت پر نص فرمائی ہے جہاں انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے الخ اور عبارت میں دوسرے "تاخذ" کا معنی یہ ہے کہ بیوی اس چیز کے ثمن سے مہر وصول کرے اگرچہ ورثاء کی رضانہ ہو بلکہ میرا ظن ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اس ظن میں صادق ہوں،وہ یہ کہ یہاں "تاخذ" سے قبل "لا" نقل کرنے والے کے قلم سے ساقط ہوگیا ہے جبکہ اصل عبارت یوں تھی:ولاتاخذ من غیر رضا الورثۃ،یعنی ورثاء کی رضاکے بغیر نہ لے۔کیونکہ یوں اس عبارت کا پہلی عبارت سے مقابلہ درست ہوجاتا ہے پہلی عبارت کہ اگر ترکہ دراہم ودینار ہو تو ورثاء کی رضاکے بغیر وصول کرلے تو اب دوسری عبارت کا معنی یہ ہوا کہ سامان کو فروخت کرے اور حق کو اس کے ثمن سے جبرا وصول کرے اور عین سامان کو ان کی مرضی کے بغیر نہ لے۔آپ خلاصہ کے مختلف نسخوں کی طرف مراجعت کریں میرے پاس جو نسخہ ہے اس مقام کے

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۴۲۱

یکون المرأة تأخذ العین من غیر رضاہم فانه علی هذا لایبقی الفرق بین النقد وغیره وهوانما فتح الکلام علی التفرقة فلو کان مراده هذا لقال"تأخذ الترکة فی مهرها ولو عروضاوعقارا وان لم یرض الورثة"، **وبالجملة** فهذا مما لا یرضٰی به فقیه ثم لاغرض لنا ههنا یتعلق بنقد مااطلق فی اجازة البیع"وان لم تکن وصیة من قبل زوجها"والا ففیه مجال نظر فانها اذا لم تکن وصیة کان بیعها بیع مال الغیر من دون اذن منه ولا من الشرع بخلاف بیع الوصی فانه مختار المالك وبیع القاضی عند الصاحبین فانه ماذون له من جهة الشرع دفعا للظلم وایصالا للحق الی المستحق واذا رأینا الامام الاجل فقیه النفس استاذ صاحب الخلاصة مولٰینا القاضی الامام فخر الدین رحمهما الله تعالٰی فرض المسئلة فی الخانیة	اوراق اس میں سے کٹے ہوئے ہیں،اور یہ بات محال ہے کہ بیوی ورثاء کی رضا کے بغیر عین سامان کو حاصل کرے کیونکہ اس صورت میں نقد اور غیر نقد کافرق نہ رہے گا حالانکہ صاحب خلاصہ نے یہ کلام دونوں میں فرق کے لئے جاری کیا ہے۔اگر ان کی مراد یہی ہوتی تو پھر کلام یوں ہونا چاہئے تھا: "ترکہ سے مہر وصول کرے اگرچہ سامان ہو یا جائداد ہو خواہ ورثاء راضی نہ بھی ہوں"خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس ظاہر عبارت پر کوئی فقیہ راضی نہ ہوگا پھر مطلق اجازت والی عبارت جس میں ہے اگرچہ خاوند کی وصیت نہ ہو، سے ہماری غرض کا تعلق نہیں ہے ورنہ یہاں اعتراض کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ جب خاوند کی مہر کی ادائیگی کے متعلق وصیت نہیں ہے تو پھر بیوی کا سامان کو فروخت کرنا اور شرع کی اجازت کے بغیر فروخت لازم آتا ہے۔بخلاف وصی کا ترکہ کے سامان کو فروخت کرنا کہ اس میں وہ مالک کی طرف سے مختار ہے،اور صاحبین کے نزدیک قاضی کے فروخت کرنے کا جواز بھی شرعی طور پر ماذون ہونے کی وجہ سے ہے تاکہ قاضی کے عمل سے ظلم ختم اور مستحق کو حق دیا جاسکے،اور جب ہم نے صاحب خلاصہ کے استاد امام اجل فقیہ النفس مولانا قاضی امام فخر الدین رحمہما اللہ تعالٰی کو دیکھا کہ انہوں نے اس مسئلہ کو خانیہ میں عورت کے وصی ہونے پر بیان فرمایا، جہاں انہوں نے خوب فائدہ مند کلام فرمایا (اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے)

فیما اذا کانت المرأۃ وصیۃ حیث افاد واجاد رحمہ الجواد میت اوصی الی امرأتہ وترك مالا وللمرأۃ علیہ مہر ھا ان ترك المیت صامتا عـــہ مثل مہرہ اکان لہا ان تبیع ماکان اصلح للبیع وتستوفی صداقہا من الثمن[1] اھ(ملخصا)۔	کہ ایک میت نے اپنی بیوی کو وصیت کی اور مال ترکہ چھوڑا جبکہ خود اس بیوی کا میت کے مال میں مہر باقی ہو تو اگر میت نے ترکہ میں صامت مال یعنی نقد وسامان چھوڑا جو مہر کی مثل ہو تو بیوی کو (وصی ہونے کی حیثیت سے) اختیار ہوگا کہ وہ مناسب مال کو فروخت کرے اور اپنا حق مہر اس سامان کے ثمن سے پورا کرلے اھ (ملخصا) (ت)

اور زید کا کہنا "میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے" ہرگز اس معنٰی میں نص نہ تھا جو زوجہ نے خواہی نخواہی قرار دے لئے، کہاں جائداد سے وصول کرنا اور کہاں عین جائداد اپنے دین میں لینا آخر علماء یہی عامہ کتب میں فرماتے ہیں کہ ترکہ سے پہلے میت کے دیون ادا کئے جائیں پھر ثلث مابقے سے وصایا، کیا اس کے یہ معنی کہ عین جائداد متروکہ دائنین وموصٰی لہم کو دے دی جائے جو معنی ادا کے کلام علماء میں ہیں بعینہٖ وہی معنی وصول کرلینے کے کلام زید میں، مع ھذا عین بعوض دین دینا نہیں مگر بیع لکونہ مبادلۃ مال بمال (مال کا مال سے تبادلہ ہونے کی وجہ سے۔ (ت) اور مرض نہ بالفعل وارث کے ہاتھ بیع کرسکتا ہے جب تک باقی ورثہ اجازت نہ دیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

اعطاھا بیتا عوض مہر مثلہا لم یجز اذا البیع من الوارث لم یجز فی المرض ولم بثمن المثل[2] (الا اذا اجاز وارثہ)	خاوند نے مرض موت میں بیوی کو مہر کے عوض مکان دیا تو جائز نہیں کیونکہ مرض موت میں کسی وارث کو بیع کردینا جائز ہے اگرچہ وہ بیع مساوی ثمن کے عوض ہو، ہاں اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو جائز ہوجائے گی۔ (ت)

عـــہ: الصامت من المال الذھب والفضۃ والناطق ھو الحیوان (منجد)۔	صامت مال سے مراد سونا چاندی اور ناطق سے مراد حیوانات ہیں (المنجد) (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

نہ وارث کے لئے وصیت کا اختیار رکھتا ہے کہ فلاں شیئ اس کے ہاتھ بیع کی جائے یا یہ خود اپنے ہاتھ بیع کرلے الا لاوصیة لوارث الا ان یجیز ھا الورثة (خبردار، وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر جب ورثاء جائز قرار دیں تو جائز ہوگی۔ت) بہر حال زید کا کلام بھی کچھ بکار آمد نہیں، بالجملہ اگر دین ترکہ کو محیط نہیں جب تو امر نہایت ظاہر کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا۔ اشباہ کے قول فی الدین میں ہے:

قدمنا انه لایمنع ملك الوارث للترکة ان لم یکن مستغرقا ویمنعه ان کان مستغرقا[1]۔	ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ جب ترکہ قرض میں مستغرق نہ ہو تو وارث کے مالک بننے کو مانع نہیں ہاں اگر ترکہ قرض میں مستغرق ہو تو اس کی ملکیت میں رکاوٹ بنے گا۔(ت)

تو زوجہ ملک ورثہ بے رضائے ورثہ کیونکر بطور خود بالجبر لے سکتی ہے اور اگر محیط ہے تاہم ورثہ شارعا اختیار رکھتے ہیں کہ دین اپنے پاس سے ادا کرکے ترکہ کو خالص کرلیں۔ اشباہ کے قول فی الملک میں ہے:

للوراث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا[2]۔	وارث کو قرض ادا کرکے ترکہ کو خلاص کرانا جائز ہے اگرچہ ترکہ قرض میں مستغرق ہو۔(ت)

تو ان کی بے رضا قبضہ کرلینے میں اس کے اس حق کا ابطال ہے اور یہ جائز نہیں۔ ولہٰذا علامہ حموی نے تصریح فرمائی کہ قاضی جب ترکہ کو دین محیط میں بیچے تو بیع بحضور ورثہ ہونا چاہئے کہ وہ حق استخلاص رکھتے ہیں۔

قال فی الاشباہ لاینفذ بیع الوارث الترکة المستغرقة بالدین وانما یبیعه القاضی[3] اھ فقال فی الغمز ینبغی ان یکون البیع بحضرة الورثة لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم[4] الخ۔	الاشباہ میں فرمایا کہ دین میں مستغرق ترکہ کو وارث کا فروخت کرنا جائز نہیں اور صرف قاضی اسے فروخت کرسکتا ہے اھ تو غمز العیون میں فرمایا مناسب ہے کہ قاضی کی بیع ورثاء کی موجودگی میں ہو کیونکہ ورثاء کو حق ہے کہ قرض میں اپنا مال دے کر ترکہ کو روک لیں۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱۵

[2] الاشباہ والنظائر القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰۵

[3] الاشباہ والنظائر القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰۵

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

پس روشن ہو گیا کہ قبضہ زوجہ محض بے جاہ و بے معنی ہے،

وھهنا فتوی للاخصب ماانا بغافل عنها ولا ناس لها لکنها محمولة عندی علی اموال خفیة یظفر بها الدائن الأئس من الوصول الی حقه دون الظاهرة و الاسترسال فی تحقیقه یطول فلتضرب عنها الذکر صفحا اقتداء بجمیع ائمتنا الاقدمین وجماهیر الاجلة المتأخرین حیث لا تیر لها فی کلامهم عینا ولا اثرا ولا ذکرا ولا خبرا کیف وقد وقعت مخالفة للمذهب المجمع علیه بین ائمتنا ومضادة لما اطبقت علیه المتون قاطبة مع الشروح والفتاوی من کتب مذهبنا نعم لاباس بالمصیر الیها عندی الضرورة دفعا للحرج وذٰلك انما یکون عندا الیأس مع القدرة علی الاستیفاء بالاخذ وقلما یجتمعان الا فی مال خفی کما لایخفی علی ذی فهم ذکی، والله سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدة اتم واحکم۔	یہاں الاخصب کا فتوٰی ہے جس سے میں غافل نہیں اور بھولا بھی نہیں لیکن میرے نزدیک اس فتوٰی کا محمل وہ مخفی اموال ہیں جن پر وصولی سے مایوس قرضخواہ قابو پالے نہ کہ اموال ظاہرہ اس کی واضح تحقیق طویل ہے اس لئے متقدمین تمام ائمہ اور جلیل القدر جمہور متاخرین کی اقتداء میں اس سے پہلو تہی مناسب کیونکہ آپ ان کے کلام میں اس کا ذکر، حکایت اور خبر تک نہ پائیں گے، اور ہو بھی کیسے جبکہ یہ بات ہمارے ائمہ کے متفق علیہ مذہب کے مخالف اور تمام متون بمع شروح وفتاوٰی ہمارے مذہب کی کتب سے متضاد ہے، ہاں دفع حرج کے لئے ضرورت کے وقت اس کو اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ اس وقت جب وصولی سے مایوسی ہو اور اپنے حق کو حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو، اور یہ دونوں باتیں اموال خفیہ کے بغیر بہت کم مجتمع ہوتی ہیں جیسا کہ ذکی فہم والے پر مخفی نہیں۔ والله سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۶: ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حسینی بیگم بریلوی نے بارادہ حج بیت اللہ شریف کو جاتے وقت بیس روپیہ اور ایک جگنو طلائی اور ایک زنجیر نقرئی بمبئی میں پاس جمیل النساء کے بایں شرط بطور امانت چھوڑی کہ جس وقت جو شے میں طلب کروں تم بھیج دینا۔ اور درصورت میرے مرجانے کے وہ بیت اللہ شریف میں خیرات کردینا۔ اس کے بعد مکہ معظّمہ پہنچ کر بیس روپے حسینی بیگم نے جمیل النساء سے منگوالئے اور جگنو اور زنجیر جمیل النساء کے پاس امانت رہا، اور زنجیر کی نسبت کہا تھا کہ یہ میری ایک نواسی کی ہے

سہواً میرے ہاتھ چلی آئی ہے، اب حسینی بیگم کا مکہ شریف میں انتقال ہوگیا لہٰذا ازروئے شرع شریف کے جگنو اور زنجیر کا کیا کا جائے گا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے وارث کو مت دینا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں دو چیزیں ہیں، زنجیر کا نواسی کے لئے اقرار اور جگنو کی نسبت کی خیرات کی وصیت سائل مظہر کی حسینی بیگم کی تین نواسیاں ہیں ان سے کہا گیا تو سب نے انکار کیا کہ وہ زنجیر ہماری نہیں پس صورت مستفسرہ میں اگرچہ بربنائے قول اصح کہ مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ مانع صحت اقرار نہیں کیا۔ **نص علیہ فی الھندیۃ من التبیین** (ہندیہ میں تبیین الحقائق کے حوالے سے اس پر تصریح فرمائی گئی ہے۔ت) اقرار مذکورہ صحیح واقع ہوا مگر جبکہ نواسیوں نے انکار کردیا رد ہوگیا۔ یہاں تک کہ اب نواسیاں تصدیق بھی کردیں تاہم معتبر نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ لما تقرر انہ یرتد بالرد الافی ست[1] **الخ وفیہ لو رد المقرلہ اقرارہ ثم قبل لایصح**[2] **الخ۔**	درمختار میں ہے کہ مقرلہ جب مقر کو جھوٹا قرار دے تو مقر کا اقرار باطل قرار پاتا ہے کیونکہ ثابت شدہ امر ہے کہ مقر کا اقرار مقرلہ کے رد کرنے سے رد ہوجاتا ہے ماسوائے چھ امور کے الخ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب مقرلہ اقرار کو رد کرکے پھر بعد میں اسے صحیح قرار دے تو یہ تصحیح جائز نہیں۔ الخ (ت)

پس وہ زنجیر تو بشرائط فرائض وارث حسینی بیگم کو ملے گی۔ رہا جگنو، اگر حسینی بیگم پر کوئی دین نہیں تو یہ کل متروکہ کی تہائی، اور دین ہے تو بعد ادائے دین جس قدر بچے اس کی تہائی سے زائد نہیں یا زائد ہے اور ورثہ وصیت جائز رکھتے ہیں جب تو کل جگنو تصدق کردیا جائے ورنہ اس کا اس قدر حصہ جو ثلث مال باقی بعد ادائے دین کے قدر ہو تصدق کریں باقی وارث کو دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷: از ریاست رامپور مرسلہ امیر احمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک مختار نامہ اس مضمون کا ایک شہر میں تصدیق کرایا کہ میں دوسرے شہر کو بوجہ پورے ہونے ایام حمل کے نہیں جاسکتی ہوں اور اس دوسرے شہر میں مجھ کو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تصدیق کرانا

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۹

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی ۲/ ۱۳۰

منظور ہے کہ میرے شوہر نے جو زمینداری اس شہر کی اپنے روپیہ سے خرید کر بیعنامہ اس کا میرے نام اسم فرضی کرایا ہے میں اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں کہ وہ زمینداری میرے شوہر کی ہے۔ میرا شوہر اس زمیندزری کا اصلی مالک ہے لہذا بدرستی جمیع حواس خمسہ برضاو رغبت خود اپنی جانب سے فلاں مختار کو مختار خاص اپنا قرار دے کر اقرار کرتی ہوں کہ مختار خاص میرا میری جانب سے اقرار نامہ مضمون مندرجہ بالا کی تصدیق کرادے اور جملہ ساختہ وپرداختہ مختار مذکور کا مثل کردہ ذات خود قبول ومنظور ہے۔ پس بعد تصدیق ہونے مختار نامہ کے مختار نے دوسرے شہر میں جاکر اقرار نامہ تصدیق کرادیا اور مضمون اس اقرار نامہ کا مسماۃ کو دکھلادیا اور پڑھ کر سنادیا تھا۔ مسماۃ نے سن کر ثبت مہر کی اجازت دی تھی اور مسماۃ علیل نہیں تھی صحیح وسالم تھی بلکہ بہ سواری ڈولی محکمہ رجسٹری میں خود جاکر بزبان خود رجسٹر صدر سے مختار نامہ تصدیق کرایا تھا تکمیل ہونے مختار نامہ مذکور کے ایک روز بعد اولاد پیدا ہوئی تھی اور اولاد کے پیدا ہونے سے ایک ہفتہ بعد اولاد کے پیدا ہونے کی وجہ سے انتقال کیا کیونکہ بہت دشواری سے اولاد ہوئی تھی ہرگاہ بعد فوت مسماۃ مذکورہ وارثان مسماۃ دعوی باوجود ہونے دستاویز مصدقہ کے بوراثت حقیت مذکورہ بالا کا کرتے ہیں۔ اس صورت میں وہ کلمات کہ جو اقرار نامہ میں اسم فرضی کے ساتھ ملکیت شوہر اپنے کی ازروئے عدالت تصدیق کرچکی ہے نسبت نہ ہونے دعوی کے تحریر ہیں واسطے بری ہونے شوہر مسماۃ کے دعوی وراثت سے کافی ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ عنداللہ وعندالرسول نظر غور فرماکر عاجز مسکین امیر احمد پر بروایت صحیح جواب باصواب تحریر فرمائیں کہ موجب ثواب اجر عظیم کا ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے یہ اقرار اپنی صحت میں کیا تو اب شرعا کوئی دعوی وراثت وارثان زن کا جائداد میں مسموع نہیں ہوسکتا اگرچہ تصدیق اقرار نامہ مختار نے دوسرے شہر میں بحالت مرض الموت زن کی ہو کہ شرعا ملک شوہر ثابت ماننے کے لئے یہی لفظ کافی ووافی تھے جو عورت نے بحالت صحت اس مختار نامہ میں لکھے۔ عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اقرفی صحتہ لدی بینۃ شرعیۃ انہ اشتری المبیع لاختہ والثمن من مالھا واسمہ فی الصك عاریۃ وصدقتہ اختہ علی ذٰلك فھل یعمل باقرارہ المزبور، الجواب نعم، سئل فی رجل اقر	ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی تندرستی میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ فلاں چیز میں نے اپنی بہن کے لئے اسی کی رقم سے خریدی ہے جبکہ رسید میں میرا نام عاریۃ ہے اور اس کی بہن نے اس بات کی تصدیق کردی ہو تو کیا اس کے مذکورہ اقرار پر عمل کیا جائے گا (تو انہوں نے جواب

فی صحتہ ان المبلغ المکتتب باسمہ بذمۃ فلان بموجب صك لفلانۃ واسمہ فی صك الدین عاریۃ فھل یکون اقرارہ المذکور صحیحا الجواب نعم [1] (ملخصا)	میں فرمایا) ہاں عمل ہوگا ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی تندرستی میں اقرار کیا کہ میرے نام کی لکھی ہوئی رسید کہ اتنی رقم فلاں کے ذمہ ہے وہ رقم فلاں عورت کی ہے میرا نام رسید میں عاریۃ ہے تو کیا اس کا مذکور اقرار صحیح ہوگا؟ الجواب، ہاں صحیح ہے۔(ملخصا)(ت)

شوہر جانتا ہے کہ واقع میں بھی یہ اقرار زن سچا ہے فی الحقیقۃ اس کا نام فرضی تھا جب تو عنداللہ بھی وہ اس جائداد کا مالک ہے اور ورثہ زن کا دعوٰی باطل، اور اگر اسے معلوم ہے کہ فی الواقع عورت ہی اس جائداد کی مالکہ تھی یہ اقرار اس نے غلط لکھ دیا اگرچہ اپنی صحت ونفاذ تصرف کی حالت میں برضا ورغبت ہی لکھا تو عنداللہ اس کے لئے اپنے حصہ سے زیادہ حلال نہیں اس پر فرض ہے کہ وارثان شرعی کا حصہ نہ روکے مگر بحالت اقرار مذکور قاضی وحاکم دعوٰی وارثان کو اصلا نہ سنے گا واقع کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔ خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وانقرویہ وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

اقر فی صحتہ وکمال عقلہ ان جمیع ماھو داخل منزلہ لامرأتہ غیر ماعلیہ من الثیاب ثم مات الرجل وترك ابنا فادعی الابن ان ذٰلك ترکۃ ابیہ قال ابو القاسم الصفار ان علمت المرأۃ ان جمیع ما اقربہ الزوج کان لھا ببیع اوھبۃ کان لھا ان تمنع عن الابن بحکم اقرار الزوج وان علمت انہ لم یکن بینھما بیع ولاھبۃ لایصیر ملکا لھا بھٰذا الاقرار [2]۔	ایک شخص نے اپنی تندرستی اور کامل عقل میں اقرار کیا کہ میرے لباس کے ماسوا میرے گھر میں موجود تمام سامان میری بیوی کی ملکیت ہے پھر اقرار کے بعد فوت ہوگیا اور اپنا ایک بیٹا چھوڑا جس نے دعوٰی کیا کہ گھر کا سامان میرے میرے والد کا ترکہ ہے اس پر ابوالقاسم صفار نے فرمایا کہ اگر بیوی اس یقین کا اظہار کرے کہ گھر کا تمام سامان بیع یا ہبہ کے طور میری ملکیت ہے تو بیوی کو حق ہوگا کہ خاوند کے اقرار کی بنا پر اس سامان کو بیٹے سے روک لے اور اگر وہ مذکورہ یقین کا اظہار نہ کرپائے تو پھر وہ خاوند کے مذکورہ اقرار کی بناء پر بیوی کی ملکیت نہ بنے گا۔(ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۶، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاقرار الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۴۴، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاقرار الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۶۳

درمختار میں ہے:

لواقر کاذبا لم یحل له لان الاقرار لیس سببا للملك[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے حلال نہ ہوگا کیونکہ محض اقرار کسی کی ملکیت کا سبب نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸: از رام پور متصل شفاخانہ کلاں سرکاری

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید وغیرہ نے کرایہ کی زمین میں مکان تعمیر کیااور زمین آبچک نہیں چھوڑی، مسمّٰی عمرو جار کہ جس کے مکان کی زمین میں اولتی ٹپکتی مزاحم ومانع ہوا توزید نے بمعیت مالک زمین میر محلّہ کہ جس کی زمین میں زید نے مکان تعمیر کیا تھا سات گرہ زمین واسطے آبچک بجہت عاریت کے استدعا کی چونکہ عمرو کی زمین زر خرید تھی اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ تعدادی ہفت گرہ زمین عمرو سے واسطے آبچک بجہت عاریت کے مستعار لی ہم نے،اور جس وقت عمرو یاوارثان عمرو چاہیں زمین آبچک مذکورہ رجوع کرکے بیدخل کردیں ہم مستعیران یاوارثان مستعیران دعوی ملکیت زمین وباحق آبچک یابیدخل ہونے میں کوئی عذروحیلہ کریں توعندالشرع نامسموع وباطل ہوگااوراقرار نامہ مع گواہی ومواہیر اہل ثقہ ومیر محلّہ یعنی مالک زمین مکان زید مذکور مثبت ہیں اور اقرر نامہ کو تخمیناساٹھ باسٹھ برس کازمانہ گزرا ہوگا حتی کہ معیر ومستعیران فوت ہوگئے زمین کرایہ مذکورہ کہ جس میں زید وغیرہ نے مکان تعمیر کیا تھاوارثان زید نے اب وہ زمین خریدلی باوصف ہمسائیگی وجارکے بیعنامہ پر گواہی وارثان عمرومعیر مذکور نہیں ہے فی الحال وارثان مستعیر نے جو مکان منہدم ہوگیاہے از سرنو تعمیر کرناچاہاتووارثان معیر نے کہاکہ زمین آبچک بجہت عـــہ چھوڑکے تعمیر کردیااولتی ہمارے مکان کی طرف نہ ٹپکاؤ، تم کوخوب معلوم ہے کہ ہمارے مورث نے عاریت زمین آبچک تمھارے مورث کودی تھی بنااول سے بھی ہم کوبہت ضرر تھااب بناء نو سے نہایت ضرر ہوگااور پاخانہ کا راستہ تمام گھرکے آدمیوں کاہے اور اولتی پاخانہ میں بیٹھنے سے سرپر گرتی ہے ہم آبچک مذکور کو رجوع کرتے ہیں اور ہمارااس طرف مکان بنانے کا بھی ارادہ ہے وارثان مستعیر بمعائنہ اقرار نامہ مذکورہ بالاکے چنداشخاص کے روبروواقبال واقرار کیاکہ ہم بموجب اقرار نامہ یعنی مورث مستعیر کی اولتی وارثان معیر

عـــہ:فی الاصل ھکذا اظنه پچھیت ای خلف الدار۔	اصل میں اسی طرح ہے میرے گمان میں یہ الفاظ پچھیت ہے یعنی گھرکے پیچھے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

کے مکان کی طرف نہ ٹپکائیں گے اور اپنا مکان بالکل پختہ بنادیں گے، بعد تیاری مکان وارثان مستعیر اغوائے بعض کسان اولتی طرف مکان وارثان معیر ٹپکانا چاہتے ہیں اور اپنے اقرار سے کہ چند آدمی ثقہ کے روبرو کیا تھا کہ اولتی طرف مکان وارثان معیر نہ ٹپکاوینگے اب منحرف ہوتے ہیں اقرار چند آدمیوں کے سامنے کرکے انکار کرنا مقبول ہے یا مردود۔ پس عندالشرع شریف دخل رجوع عاریت کا وارثان معیر کو حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

وارثان معیر کو بلاشبہ عاریت میں رجوع کا اختیار ہے اور وارثان مستعیر پر واپس دینا فرض ہے جبکہ عاریت ثابت ہے۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کردو۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید مااخذت حتی تردھا[2]۔	ہاتھ نے جولیا وہ اس کا ذمہ دار ہے جب تک واپس نہ کرے۔(ت)

باقی ان کا کہنا کہ اس طرف اولتی نہ ٹپکائیں گے اقرار نہیں وعدہ ہے اور وعدہ کے ایفاء پر حکماً جبر نہیں۔ اشباہ وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[3]۔	وعدہ کے ایفاء پر جبر نہیں۔(ت)

ہاں اگر تسلیم کیا ہو کہ واقعی یہ زمین زمان مورث سے ہمارے اور ہمارے مورث کے ہاتھ میں عاریت ہے اس کا مالک عمرو ہے تو یہ اقرار ہے اور اس سے پھرنا کسی طرح جائز نہیں، اگر بشہادت شرعیہ ان کا اقرار ثابت ہوگا وہ ضرور اس کی پابندی پر مجبور کئے جائیں گے۔ لان المرء مواخذ باقرارہ (کیونکہ اقرار کرنے والا اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الصدقات باب العاریۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۴۱ و ۱۴۷ و ۴۲، العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

مسئلہ ۹و۱۰: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ صفدر علی ومبارک علی خاں ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) زید نے ۱۶اپریل ۱۸۱۸ میں ایک ہبہ نامہ بحق اپنے بیٹے عمرو کے کیااور دستاویز میں یہ اقرار کیاکہ وہ مالک ومختار جائداد ہے ہبہ پورا موہوب لہ کو کردیااور قابض ودخیل کرکے دخل اپنامطلّقااٹھالیا، لہٰذااقرار یہ ہے کہ بعد تحریر ہبہ ھذاکے کچھ حق میرا یا قائم مقامان میرے کااس جائداد موہوبہ میں جزءً وکلًا باقی نہیں رہابعدہ ۲۱جون ۱۹۱۲ء میں بعد انتقال عمرو پسر مذکور زید واہب نے دوسراہبہ نامہ اس ایک جزوجائداد موہوبہ کااپنی مان کراور ہبہ نامہ مذکور کوفرضی ٹھہراکر بنام اپنے نبیرہ گان پسران متوفی کے کیااس میں اقرار اول سے رجوع کیاکہ اس جزوجائداد کامیں مالک وقابض ہوں اور ہبہ نامہ اگرچہ بنام عمرو متوفی تحریر کاتھا مگر قبضہ نہں دیااس لئے وہ انتقال شرعا باطل وکالعدم ہے، آیایہ رجوع زید صحیح ہے یانہیں؟

(۲) دوسرے ۷اکتوبر ۱۹۰۴ء کو عمرو نے ایک بیعنامہ چند مواضع کابنام اپنے والد زید کے کیاجس کے متعلق ۱۱جنوری ۱۹۰۸ء کو زید نے ایک اقرار نامہ بایں الفاظ تحریر کیاکہ بیعنامہ مذکور محض فرضی تھااور س کے ذریعے سے کوئی انتقال ملکیت بحق میرے وقوع میں نہیں آیااور کل جائداد مندرجہ بیعنامہ مذکور کامالک وقابض واقعی میرالڑکاعمرو ہے مجھے کوئی دعوی ملکیت نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگاپھر بعد وفات عمرو زید نے ایک ہبہ نامہ اپنے نبیرہ گان کے بوجہ مساوی بالاشتراک کیااور اس میں بیعنامہ عمرو مورخہ ۷اکتوبر ۱۹۰۴ء کواصلی واقعی ماناہے لہٰذااس صورت میں بیعنامہ عمروفرضی متصور ہوگایاواقعی وہ جائداد ورثائے عمرو کی ملک ٹھہرے گی یاورثائے زید متوفی کی، اور یہ ہبہ زید کامشاع ہونے کے بعث باطل ہوگایانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

شریعت مطہرہ کاقاعدہ ہے کہ کوئی مقر اقرار کرکے اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتانہ اس کے خلاف اسکی بات تسلیم ہوسکے۔ہدایہ و اشباہ ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے **لاعذر لمن اقر**[1] (اقرار کرنے والے کو عذر کاحق نہیں۔ت) دستاویز اول میں جبکہ صاف اقرار کیاکہ میں نے موہوب لہ کو قابض ودخیل کرکے اپنادخل مطلّقااٹھالیاتواب بعد موت موہوب لہ یہ کہناکہ میں نے قبضہ نہیں دیاتھا محض باطل ونامسموع ہے اور پہلی دستاویز ہبہ تام ونافذ وناقابل رجوع ہے۔درمختار میں موانع رجوع

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے: الیم موت احد المتعاقدین [1] (م سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے۔ت) اسی میں ہے: القاف قرابته [2] (ق سے مراد اس کی قرابت ہے۔ت) یونہی جب اس بیع کی نسبت زید صحیح اقرر کرچکا کہ وہ محض فرضی تھی اور اس کے سبب مجھے کوئی ملک حاصل نہ ہوئی وہ بیعنامہ اس کے اقرار سے باطل ہوگیا اسے اس سے رجوع کا کچھ اختیار نہیں اور یہ ہبہ بنام نبیرگان کیا ہے محض باطل ہے کہ یہ جائداد بوجہ ظہور بطلان بیع ملک عمرو متوفی پسر زید ہے زید اس میں سے صرف سدس کا مالک ہے اور اس نے کل کا ہبہ کیا اور اس کا سدس منقسم الممتاز نہ تھا تو یہ مشاع ہوا اور اس سدس میں بھی تمام نہ ہوا اور انتقال زید بلا تقسیم و تسلیم سدس سے باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطارئ فیفسد الکل [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	استحقاق غیر منقسم قارن ہے بعد میں لاحق وطاری نہیں ہے تو کل کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ محمد علی خاں و مظہر حسین خان و سید ضیاء الحق و مسماۃ نجم النساء بیگم چار شخصوں نے **اولا** بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک جائداد کے دو سہام منجملہ سات سہام کے مسمّٰی امداد الرحمان باعث مشترکا بحصہ مساوی خریدے پھر ۱۶/اگست ۱۹۰۸ء کو اشخاص مذکورہ نے چار سہام اسی جائداد کے منجملہ سات سہام کے مسمّٰی عبدالرحمٰن بائع سے بحصہ مساوی مول لئے اور ایک سہم منجملہ سات سہام کے سید سکندر علی نے بلقیس بیگم سے ۱۳ اگست ۱۹۰۸ء کو خرید کیا پھر باہم ہر چہار مشتریان چھ سہام کے جو ذریعہ بیعنامہ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء، ۱۶ اگست ۱۹۰۸ خریدی گئی تھی ایک تقسیم نامہ لکھا گیا جس میں ہر ایک شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام قائم ہو کر چار قطعہ معین ہوگئے جو محمد علی خاں و مظہر حسین خان و سید ضیاء الحق نے تو محکمہ رجسٹری میں تصدیق کرادیا لیکن مسماۃ [عـــہ] احد الشراکاء نے تقسیم نامہ مذکورہ کسی وجہ

عـــہ: اصل میں قلم ناسخ سے نجم النساء کا لفظ چھوٹ گیا ہے ۱۲۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۳

[3] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

تصدیق نہیں کرایا جس کی وجہ سے ہر ایک شریک کا حصہ جدا جدا تقسیم نہ ہو سکا۔ بعدہ، احمد علی خاں برادر محمد علی خاں نے بیعنامہ دو سہام کا منجملہ چار سہام فروخت شدہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء کے ایک شخص مسمٰی فیض الرحمان سے بنام اپنے لکھا لیا بعدہ، احمد علی خاں برادر محمد علی خاں مر گیا۔ اب محمد علی خاں یہ کہتا ہے کہ بیعنامہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ بابت چار سہام کے بنام چاروں مشتریان ناجائز ہوا۔ عبادالرحمٰن خان نے ہم کو دھوکا دے کر چار سہام کا بیعنامہ کیا ہے در حقیقت وہ مالک دو سہام کا تھا اس لئے میں ایک سہام کا ذریعہ شرا اور دو سہام کا ذریعہ ارث برادری کے مالک ہوں اور باقی تینوں شرکاء بھی ایک ایک سہمکے مالک ہیں ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کے مالک نہیں ہیں ہر سہ شرکاء بقیہ یہ کہتے ہیں کہ جب محمد علی خاں نے چار سہام بشرکت باقی تین مشتریان کے بحصہ مساوی خریدے تو اس خرید کے ذریعہ سے عباد الرحمٰن بائع کی ملکیت محمد علی خاں نے تسلیم کرلی اور سب شرکاء کا مساوی حصہ بھی تسلیم کرلیا اور یہ اقرار نامہ بھی ڈیڑھ ڈیڑھ سہام ہر ایک شریک کا تسلیم کرلیا اور ہر ایک شریک کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کا اقرار کرلیا، اب ہر ایک شریک کے ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے محمد علی خاں کا انکار جائز نہیں ہے مظہر حسین خان احدالشرکاء نے جو نالش تقسیم ڈیڑھ سہام بنام بقیہ تین شریکوں کے عدالت دیوانی میں دائر کی تو محمد علی نے خاں احد الشریک نے وہی عذرات پیش کئے بالآخر عدالت دیوانی سے یہ تجویز فرمایا گیا بیعنامہ مصدقہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء اقراری عبادالرحمٰن میں خود محمد علی خاں مدعا علیہ زمرہ مشتریان میں داخل ہے اور شرعاً بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اس لئے وہ محمد علی خاں مذکور پر بھی حجت ہے پس جس طرح محمد علی خاں مدعا علیہ نے بذریعہ بیعنامہ عبادالرحمٰن بائع کی چار سہام مملوک ہونا تسلیم کیا اسی طرح ان چار سہام میں سے ہر ہر مشتری کی ملک بقدر ایک ایک سہم تسلیم کرلیا اور اب اس سے انحراف کا مدعا علیہ مذکور کو کوئی حق نہیں۔ انکار بعد الاقرار شرعاً معتبر (نہیں عـــہ) ہے، اسی کے ساتھ تقسیم نامہ مصدقہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء مشمولہ مثل میں محمد علی خاں مذکور نے ہر ہر شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام بالتصریح تسلیم کرلیا اب اس کا مدعی کو صرف ایک سہم کا مالک بتانا محض اتلاف حق پر مبنی ہے اس لئے دعوی مدعی نسبت دخلیابی ڈیڑھ سہام منجملہ سات سہام کے بذریعہ تقسیم وعلیحدگی حصہ مدعی از چار سہام مشترک بنام مدعا علیہم ڈگری ہو، خرچہ مدعی ذمہ محمد علی خان مدعا علیہ عائد ہو۔ بعد قائم وثابت ہو جانے ڈیڑھ سہام ہر ایک شرکاء اربعہ عدالت دیوانی کے فیصلہ سے پونے دو سال بعد محمد علی خاں احدالشریک نے ہر ایک شرکاء ثلثہ کا ایک ایک سہم اور اپنے تین سہام قائم کرکے نالش تقسیم خلاف بیعنامہ جات واقرار نامہ وفیصلہ عدالت دیوانی دائر کی اس لئے استفسار

عـــہ: یہاں بھی قلم ناسخ سے لفظ معتبر "نہیں" چھوٹ گیا۔ ۱۲

امور ذیل کا مطلوب ہے:

(۱) انکار ملکیت کسی شخص کا بعد اقرار ملکیت شخص مذکور کے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بیعنامہ عاقدین پر شرعا حجت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) محمد علی خاں کو شرعا یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ اس بیعنامہ کو جس میں وہ خود ہی مشتری ہے اور اقرار نامہ تقسیم کو جو بحق ہر سہ مشتریان وہ تحریر و تکمیل و تصدیق کراچکا ہے باطل و ناجائز قرار دے کر ہر سہ مشتریان دیگر کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے بعد اقرار کے انکار کرسکے۔

الجواب:

مدت ہوئی کہ یہ سوال آیا تھا اور سائلوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ جو فیاض الرحمٰن نے احمد علی خان کے نام بیع کیا آیا اس کا کوئی مقدمہ دارالقضاء تک پہنچا اور بحکم قاضی وہ سہام ملک فیاض الرحمٰن قرار پا کر ملک احمد علی خاں ٹھہری یا یونہی خانگی طور پر محمد علی خاں نے اس بیع کو مان لیا مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا، اب ملاحظہ تجویز سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ استحقاق احمد علی خاں بذریعہ قضا ثابت نہ کیا گیا کہ محمد علی خاں شرعا مکذب ہوجاتا بلکہ اس نے بطور خود اپنے نفع کے لئے استحقاق تسلیم کرلیا اگر ایسا ہے تو تجویز کہ ذی علم مفتی صاحب نے دی بالکل حق و بجا ہے محمد علی خاں کو اپنے اقرار سے پھرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

لاعذر لمن اقر [1] من سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه [2]۔	جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر قبول نہیں، جو شخص اپنی طرف سے تام کئے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی سعی کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہوگی۔(ت)

اشباہ میں ہے:

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جب کسی چیز کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو خطا قرار دے تو خطا قرار دینا قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۳۷۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰

مسئلہ ۱۲: ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعی متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بکر کے ہاتھ بیع کیا اور قبضہ مبیعہ پر مشتری کا کرادیا اور بیعنامہ تصدیق ورجسٹری کرادیا، بیعنامہ میں مبیعہ کی حد غربی میں زید نے دیوار عمرو تسلیم کی بعد بیع وقبضہ بکر مشتری نے جب عمرو کی دیوار مذکور میں تصرفات ناجائز شروع کئے اور عمرو مانع آیا تب بکر نے زید بائع سے ایک اقرار نامہ بطور تصحیح نامہ اس مضمون سے لکھایا کہ (بیع کے وقت دیوار غربی کا مشترک ہونا تحریر سے رہ گیا تھا دیوار مذکور مکان مبیعہ ومکان عمرو میں مشترک ہے) سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میں عمرو کی دیوار لکھنے سے اقرار نسبت وملکیت عمرو کی ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور بیعنامہ مذکور شرعاً عاقدین پر حجت ہے یانہیں اور اقرار نامہ مابعد جو بطور تصحیح نامہ کے مرتب ہوا ہے اس سے کل دیوار مذکور کی بابت عمرو کا زوال ملکیت لازم آتا ہے یانہیں اور شرعاً یہ انکار بعد الاقرار ہے یانہیں؟

الجواب:

تحریر بیعنامہ عاقدیم پر حجت ہے اور اس سے پھرنے کا ان کو کچھ اختیار نہیں جس سے وہ شخص ثالث کو ضرر پہنچاسکیں، قاعدہ شرعیہ ہے:

اقرار کرنے والا شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا اور اقرار کرنے والے کو عذر کا حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)	المرء مواخذ باقرارہ ولا عذر لمن اقر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ احمد حسین صاحب ۱۵ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک قطعہ جائداد خریدی اور مسماۃ کے چار بیٹے تھے کچھ دنوں کے بعد وہ مسماۃ انتقال کرگئیں اور ان چاروں بھائیوں میں آپس میں مقدمہ داری ہوئی اسی جائداد پر جو کہ مسماۃ نے خریدی تھی، اس میں کسی وجہ سے ایک بھائی نے کچہری کے روبرو بیان کیا کہ میں اس جائداد میں حقدار نہیں ہوں میرا حق نہیں ہے، تو شرعاً یہ بیان اس کا لغو ہے یا جائز ہے وہ حقدار اس جائداد میں ہے یانہیں؟

الجواب:

وہ اس میں حقدار نہ مانا جاتا لا عذر لمن اقر[2] (جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر مقبول نہیں۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

اگر یہ قول کسی مدعی کے مقابل ہوتا، یہاں یہ صورت نہیں، سائل نے بیان کیا کہ چاروں بھائی اس مکان پر قابض تھے، ایک نے صرف اپنا حصہ تقسیم کرانے کا دعوی کیا تھا نہ کہ اوروں کے حصوں کا، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا اس مکاں میں ہمارا حق نہیں یعنی چاروں بھائیوں کا نہیں تاکہ وہ تقسیم نہ کراسکے اس صورت میں اس کا یہ کہنا محض لغو ہے اور اس کا حق بدستور باقی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال ذوالید لیس ھذا لی او لیس ملکی اولا حق لی او لیس لی فیه حق اوماکان لی اونحو ذٰلك ولا منازع حیثما قال ثم ادعی ذٰلك احد فقال ذوالید ھو لی صح ذٰلك منه والقول قوله الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جب قابض خود کہے کہ یہ میری ملکیت نہیں یا میرا نہیں یا میرا حق نہیں یا میرا نہ ہے اس قسم کے الفاظ کہے، اور یہ الفاظ کہتے وقت کوئی دعویدار نہ بنا، پھر بعد میں ایک شخص نے اس چیز پر دعوی کیا تو اس کے جواب میں اب قابض کہے کہ چیزیں میری اپنی ہے تو قابض کی بات صحیح قرار پائے گی اور اس کی وضاحت مان لی جائیگی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از مراد آباد محلّہ کٹھگر بیچ مرسلہ سید شرافت حسین صاحب ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعوض مبلغ یکصد روپے کے اپنا حصہ واقعہ مکان بدست مسماۃ ہندہ رہن کیا۔ رہن نامہ میں بوقت تصدیق روبرو رجسٹرار صاحب (صہ معہ) نقد وصول پاکر مبلغ (صہ عہ/) کا رجسٹری سے پہلے وصول پانے کا اقرار کیا ہے، اسی تفصیل سے وصول زر رہن کی کیفیت عبارت تصدیق میں درج ہے ہندہ نے واپسی زر رہن کا دعوی کیا ہے۔ زید مدعا علیہ نے جواب داخل کیا ہے کہ رہن نامہ فرضی ہے، وجہ تحریر کی یہ ہے کہ مدعا علیہ کے خُسرال والے مُسر تھے کہ زید اپنا حصہ واقعہ مکان مذکور بحق اپنی زوجہ کے تحریر کردیں۔ اس اندیشہ کی وجہ سے بمشورت باہمی فرضی رہن نامہ بنام ہندہ تحریر کردیا گیا تھا (مہ لعہ/) جو رجسٹری میں بذریعہ عمرو وصول پائے تھے وہ روپیہ بیرون رجسٹری عمرو کو مدعا علیہ نے واپس کردئے تھے اور دستاویز مذکورہ کے فرض ہونے کا مدعا علیہ کو بس بیرون کچہری اقرار ہے اس پر کچہری نے صرف ایک تنقیح قائم کی ہے آیا مبلغ (صہ معہ/) منجملہ سو روپیہ زرہرن کے جو مدعا علیہ کو ذریعہ عمرو روبرو رجسٹرار صاحب مدعیہ سے وصول ہوئے تھے وہ اسی وقت بیرون رجسٹری عمرو مذکور کو واپس دئے تھے ثبوت ذمہ مدعا علیہ،

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۴

تردید ذمہ مدعیہ، اور روبکار تنقیح مذکورہ میں یہ عبارت بھی درج ہے (مدعا علیہ بہ نسبت وصولیابی مبلغ (صہ عہ/) منجملہ زر رہن کے اقرار کاذبہ کرنا بیان کرتا ہے اس کی نسبت مدعا علیہ چاہے تو مدعیہ سے حلف لے سکتا ہے) سوال یہ ہے کہ بحالت مذکورہ مدعیہ پر شرعاً حلف عائد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہاں ہوسکتا ہے اب مدعا علیہ حقیقۃً مدعی اور مدعیہ مدعا علیہ ہے والیمین علی من انکر (قسم منکر پر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اقر ثم ادعی المقر انہ کاذب فی الاقرار یحلف المقرلہ ان المقرلم یکن کاذبا فی اقرارہ عند الثانی وبہ یفتی[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اقرار کرنے کے بعد اپنے اقرار میں جھوٹا ہونے کا دعوٰی کرے تو مقرلہ سے قسم لی جائے کہ قرار کرنے والا اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں ہے۔یہ حکم امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۳

کتاب الصلح
(صلح کا بیان)

مسئلہ ۱۵: ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلو نے دو زوجہ رینا و منی اور بطن منی سے دختر صغرٰی اور دو بھائی چھٹن، عبداللہ۔ اور تین بہنیں چھوٹی، ملوکی، سینا۔ اور چودہ سو روپے نقد اور کچھ غلہ اور پونے دو سو روپے ایک شخص پر قرض چھوڑ کر انتقال کیا، عبداللہ نے مال متروکہ میں سے سو روپے نقد لے کر باقی وارثوں سے فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے ترکہ سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر ملوکی نے دو پسر امام بخش و یار محمد اور دو دختر کہ ان کا نام بھی رینا و منٰی ہے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ کلو کا کس طرح منقسم ہوگا، اور کلو نے اپنا ایک بھتیجا بیٹا کرکے پالا تھا وہ بھی وارث ہوگا یا نہیں۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ فیصلہ کہ عبداللہ نے کیا دو وجہ سے باطل ہے،

اما **اولا** فلمکان الدین فی الترکۃ وقد صالح علی ان لا یکون لہ حق فی شیئ مما بقی فینتظم العین و الدین جمیعا والصلح عن دین	لیکن **اولاً** اس لئے کہ ترکہ میں قرض ہے اور اس نے صلح باقی تمام ترکہ سے لاتعلق پر کی ہے تو یہ موجود مال اور قرض دونوں کو شامل ہے جبکہ قرض پر قرضخواہ اور مقروض کے بغیر ہر ایک کی صلح

باطل الا بین الدائن ومدیونه. فی الدار المختار بطل الصلح ان اخرج احد الورثة وفی الترکة دیون بشرط ان تکون الدین لبقیتهم لان تملیك الدین من غیر من علیه الدین باطل [1] اھ **اقول**: ولا یقتصر الفساد علی التصریح بھٰذا الشرط کما یوھمه ظاھر تقیید التنویر بل ھو ومایؤدی مؤداہ سواء فان المدار علی وقوع تملیك الدیون من غیر المدیون وھو حاصل فیما لوصالح بشیئ عن کل مابقی من الترکة کما قررنا ویرشدك الیه ما فی ردالمحتار لوظھر فیھا دین ان کان الصلح وقع علی غیر الدین لایفسد وان وقع علی جمیع الترکة یفسد کما لو کان الدین ظاھرا وقت الصلح [2] اھ ملخصا. فقد جعل الصلح علی جمیع الترکة کالصلح بتصریح الشرط المذکور وبالجملة فالفساد لایتوقف علی التنصیص بادخال الدین فی الصلح بل الجواز متوقف علی الافصاح باخراجه و لھذا قال البزازی کما فی الشامی ان کان مخرجا من الصلح لایفسد والا یفسد [3] اھ علق الصحة علی	باطل ہے، درمختار میں ہے جب ترکہ میں قرض شامل ہوں تو کسی ایک وارث کو بقیہ ترکہ سے لاتعلق کرکے باقی وارثوں کے لئے کرنے کی، صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے اھ، **اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) فساد کا انحصار اس تصریح کردہ شرط پر نہیں جیسا کہ تنویر الابصار کے قید کے بیان پر ظاہرا وہم ہوتا ہے بلکہ یہ اور جو اس کا ہم معنی ہو متساوی الحکم ہیں کیونکہ فساد کا دار ومدار غیر مقروض کو قرض کا مالک بنانا ہے اور وہ باقی وارثوں کو ترکہ کی کسی شیئ پر صلح میں حاصل ہے جیسا کہ ہم نے تقریر کی ہے اور اس میں ردالمحتار کا بیان تیری رہنمائی کرے گا کہ اگر ترکہ میں دین معلوم ہے اور صلح دین کے غیر پر ہوئی تو فاسد نہ ہوگی، اور اگر تمام ترکہ پر صلح ہوئی تو فاسد ہوگی جیسا کہ صلح کے وقت دین ظاہر ہونے پر وہ فاسد ہوتی ہے اھ ملخصا۔ تو ردالمحتار نے جمیع ترکہ پر صلح کر شرط مذکور پر صریحا صلح جیسا قرار دیا خلاصہ یہ ہے کہ صراحتا قرض کو صلح میں شامل کرنے پر فساد موقوف نہیں بلکہ صلح کا جواز صراحتا قرض کو صلح سے خارج کرنے پر موقوف ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں البزازی کا قول ہے کہ قرض کو صلح سے خارج کیا تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہوگی اھ، انہوں نے جواز کو صراحتًا

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۸۳

الاخراج وعمم فی الباقی الفساد. ثم رأیت التصریح به فی الهندیة عن الظهیریة حیث قال ان کان فی الترکة دین علی الناس فصولحت (یعنی المرأة) علی الکل علی ان یکون نصیبها من الدین للورثة او صولحت عن الترکة ولم ینطقوا بشیئ اٰخر کان الصلح باطلا اھ[1]. **واماثانیا:** فلان نصیب عبدالله من نقود الترکة اکثر مما صالح علیه وذٰلك لان حصته من الف و اربعمائة مثلا وهی سبعا لباقی بعد اخراج الفرضین مائة وخمسون درهما وانما اعطی مائة فکان البقیة شروا مائة وخمسین درهما وزیادة بمائة درهم وهذا هوالربا المحرم قال فی الدرالمختار اخرجت الورثة احدهم عن نقدین وغیرهما باحدا النقدین لایصح الا ان یکون مااعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرز عن الربا[2] اھ ملخصا. و هذ اظاهر اذا لم یکن للازواج مهر علی المورث فان	قرض کے خارج ہونے پر معلق فرمایا اور باقی تمام صورتوں کو فساد میں شامل فرمایا۔ پھر میں نے ظہریہ کے حوالہ سے ہندیہ میں اس پر تصریح دیکھی جہاں انہوں نے فرمایا کہ اگر ترکہ میں لوگوں پر قرض بھی شامل ہے اور بیوی سے یہ صلح ہوئی کہ باقی تمام ترکہ حتی کہ قرض میں بیوی کا حصہ یہ سب ورثاء کا ہوگا یا ورثاء نے بیوی کی باقی تمام ترکہ سے لاتعلّقی پر صلح اور اس سے زائد کوئی وضاحت نہ کی تو صلح باطل ہوگی اھ لیکن **ثانیًا:** اس لئے کہ عبداللہ کا نقد ترکہ میں صلح کی مقدار کے مقابلہ میں حصہ زیادہ بنتا ہے یہ اس لئے کہ مثلا چودہ سو نقد میں سے بیوی اور بیٹی کے دو فرض (حصے) نکالنے کے بعد عبداللہ کلا حصہ دوساتے جو کہ ڈیڑھ سو درہم ہیں جبکہ عبداللہ کو صرف ایک سو دیا گیا تو باقی ورثاء نے گویا ڈیڑھ سو اور کچھ زائد کو ایک سو درہم کے بدلہ میں خریدا اور یہ حرام وسود ہے۔ درمختار میں فرمایا کہ ورثاء نے ایک وارث کو سونا و چاندی (نقدین) اور دیگر ترکہ سے سونا یا چاندی میں سے ایک پر صلح کرکے خارج کیا تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی مگر اس صورت میں جبکہ جس نقد پر صلح کی ہو اس میں اس کے حصہ سے زائد اس کو دیا گیا ہو تاکہ ربا سے بچاؤ ہوسکے اھ ملخصا۔ یہ بیان اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب مورث کے ذمہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۶۹

[2] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

کان وکان بحیث یکون حصة عبدالله مما یبقی بعد اداء الدین اقل من مائة تکون الترکة مشغولة بالدین مانع بنفسه عن صحة الصلح الا اذا عزل مقدار مابقی به و اجری الصلح فی مابقی، فی الشامیة عن البزازیة عن شمس الاسلام التخارج لایصح اذا کان علی المیت دین ای یطلبه رب الدین لان حکم الشرع ان یکون الدین علی جمیع الورثة [1] اھـ وقد کنت اوضحت معنی قوله ای یطلبه رب الدین فیما علقته علی هوامش ردالمحتار ثم رأیت التصریح بعینه فی الهندیة عن الظهیریة و نصها ان کان علیه دین فصولحت المرأة عن ثمنها علی شیئ لا یجوز هذا الصلح لان الدین فی الترکة وان قل یمنع جواز التصرف فان طلبوا الجواز فطریق ذٰلك ان یضمن الوارث دین المیت یشترط ان لایرجع فی الترکة او یضمن اجنبی بشرط براءة المیت او یؤدوا دین المیت من مال اٰخر ثم یصالحوها	بیویوں کا مہر نہ ہو، اگر اس کے ذمہ مہر باقی ہو تو اب ترکہ میں سے یہ دین ادا کرنے کے بعد عبداللہ کا ترکہ میں حصہ ایک سو درہم سے کم ہو جائے تو بھی ترکہ کا دین میں مشغول ہونا صلح کی صحت سے مانع ہے الا یہ کہ قرض ودین کو منہا کرنے کے بعد مابقے پر صلح ہو تو جائز ہوگی۔ فتاوٰی شامیہ میں بزازیہ سے شمس الاسلام کے حوالے سے ہے کہ کسی وارث کو صلح کے طور پر وارثت سے خارج کرنا صحیح نہیں جبکہ میت پر کوئی دین ہو یعنی قرضخواہ کا مطالبہ ہو کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ میت پر دین تمام ورثاء کے ذمہ ہوتا ہے اھ، حالانکہ میں نے ان کے قول کہ "قرض خواہ طالب ہو" کا معنی ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں واضح کردیا تھا۔ پھر میں نے بعینہٖ اس کی تصریح ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالہ سے دیکھی جس کی عبارت یہ ہے اگر میت پر قرض ہو اور بیوی سے کسی چیز کے بدلے اس کے مہر کی رقم پر صلح کرلی گئی ہو یہ صلح جائز نہ ہوگی کیونکہ ترکہ پر قرض کم بھی ہو تو وہ تصرف کے جواز سے مانع ہے اور ورثاء جواز کے طالب ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وارث میت کے قرض کا ضامن بن جائے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ضمان میں ترکہ سے کچھ نہ لے گا، یا کوئی اجنبی شخص اس شرط پر ضامن ہو جائے کہ ضمان سے میت بَری ہے یا ورثاء میت کا دَین اپنے کسی اور مال

[1] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۱

عن ثمنها او صداقها علی نحو ما قلنا وان لم یضمن الوارث ولکن عزلوا عینا فیها لدین المیت وفاء ثم صالحوها فی الباقی علی نحو ما قلنا جاز اھ[1] ۔	سے ادا کرکے پھر بیوی سے اس کی رقم کے بدلے صلح کرلیں جیسا کہ ہم نے بتایا اور اگر کوئی وارث ضامن نہ بنے لیکن پہلے عین ترکہ میں سے میت پر قرض کی مقدار علیحدہ کرلیں پھر باقی میں بیوی سے صلح کا عمل کریں جیسے ہم نے بتایا ہے، تو جائز ہے۔اھ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات اگر زنان کلو دونوں خواہ ایک کا مہر یا اس کے سوا اور کچھ دین ذمہ کلو ہو تو پہلے ادا کریں جو بچے اس کے تہائی سے کلو کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کو ایک سو بارہ[۱۱۲] سہام پر تقسیم کریں سات[۷] سات[۷] کلو کی ہر زوجہ اور چھپن[۵۶] صغرٰی اور بارہ[۱۲] بارہ[۱۲] چھٹن وعبداللہ اور چھ[۶] چھ[۶] چھوٹی سینا اور دو دو امام بخش ویار محمد اور ایک[۱] ایک[۱] دختران ملو کی کو دیں اگر عبداللہ کو اس تقسیم میں سو روپے سے زیادہ پہنچیں تو اس کا حصہ پورا کردیں اور کم ملیں تو جتنا زیادہ پہنچ گیا ہے واپس لیں اور کلو کا بھتیجا جسے اس نے بیٹا کرکے پالا اصلا وارث نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زوجہ شہزادی بیگم اور نظام بیگم پدر حیدر علی دختر اعجاز فاطمہ وارث اور چار ہزار دو سو باون[۴۲۵۲] روپیہ نقد ایک مکان قیمتی ڈیڑھ ہزار روپیہ کا چھوڑ کر انتقال کرگیا شہزادی بیگم کا مہر پانچ ہزار روپے تھا اس کے سوا کوئی قرضہ زید پر نہ تھا اور نہ کچھ متروکہ زید ہے، باہم جملہ ورثاء مذکورین میں یہ فیصلہ وقرارداد ہوا کہ نظام بیگم وحیدر علی ساڑھے سات سو روپے لے لیں اور بقیہ زر نقد ومکان دختر وزوجہ کے حصص شرعی میں اور زوجہ کے مہر میں کردیں زوجہ بھی اس پر راضی ہوئی اب دعوی مہر نہ رہا، پس صورت مستفسرہ میں وہ مکان اور بقیہ روپیہ تین ہزار پانسو دو زوجہ دختر میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ دختر کا مہر وحصتین کے عوض مکان وبقیہ زر پر راضی ہونا تین احتمال رکھتا ہے:

(۱) زوجہ مہر سے دست بردار ہوئی اور اس بقیہ کو اپنی اور دختر پر حسب وارثت تقسیم ہونے پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۶۹

رضا دی، اس صورت میں اس باقی کے ۵ سہام ہو کر ایک زوجہ اور چار دختر کو ملیں۔

(۲) یہ قرار پایا کہ اس بقیہ سے زوجہ اپنا کل مہر لے لے جو بچے زن ودختر میں وراثۃً تقسیم ہو اس صورت میں بقیہ سے پانچ ہزار مہر کے زوجہ لے گی اور دو ایک روپے کی جو مالیت بچی زن ودختر میں انھیں پانچ سہام پر تقسیم ہو جائیگی لیکن اس تقدیر پر دختر کا وقت فیصلہ بالغہ اور اس معنی پر راضی ہونا ضرور ہوگا۔

(۳) یہ ٹھہرا کہ باقی مذکور مہر وحصہ زوجہ وحصہ دختر سب پر حصہ رسد منقسم ہو، اس صورت میں مکان وزر بقیہ سب کے ۸۵۹۵ سہام ہو کر ۵۷۱۹ زوجہ کو ملیں اور ۲۸۷۶ دختر کو ملیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از ریاست رامپور پیش کردہ مفتی عبدالقادر خان صاحب حاکم ریاست ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کی دو زوجہ ہندہ اور زبیدہ تھیں۔ زبیدہ کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر چند اولادیں اس کے بطن سے تھیں اور ہندہ اسکی بیوہ اب تک موجود ہے اور اس سے بھی چند اولادیں ہیں۔ زبیدہ اور ہندہ کی اولادوں میں بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ، پس بعد فوت زید کے اس کی بیوہ نے بوجہ نااتفاقی جملہ وارثان کے اپنے دین مہر کی نالش دائر کرکے عدالت سے متروکہ زید پر ڈگری حاصل کرلی، لیکن ابھی تک ڈگری کا اجراء نہیں ہوا تھا کہ جملہ وارثان میں اتفاق ہوگیا اور ہندہ نے ایک اقرار نامہ متروکہ زید کے بابت رجسٹری میں تصدیق کرادیا جس کی نقل شامل سوال ھذا ہے، اس کے بموجب عملدرآمد ہوگیا اور اپنے تین سہام میں سے ہندہ نے دو سہام بدست بکر کے بالعوض ڈھائی سو روپیہ کے رہن بھی کردیئے، اس کے ایک سال کے بعد اب ہندہ اسی متروکہ پر جس کے بابت اقرار نامہ تصدیق کراکر رجسٹری کراچکی ہے اور عمل درآمد بھی ہوچکا ہے اپنی وہی ڈگری دین مہر کی جاری کرانا چاہتی ہے جس میں سراسر حق تلفی نابالغان متصور ہے اور خلاف اس اقرار نامہ کے اس متروکہ پر اس کا اثر پڑتا ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے حالت میں ہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ڈگری جس کا تصفیہ کرچکی ہے جاری کراکر اسی متروکہ کو نیلام کرکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چند ہفتے ہوئے یہ سوال اور اس پر مجیبنا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب کا لکھا ہوا جواب سائل نے پیش کیا اس کے ساتھ کوئی نقل اقرار نامہ نہ تھی عبارت سوال سے کہ اسی متروکہ کو نیلام کرکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے واضح تھا کہ متروکہ جائداد ہے سائل سے مقدار مہر ڈگری شدہ ومقدار جائداد متروکہ دریافت کی، اس نے بیان کی اس کے بیان کے حوالہ سے یہ عبارت اس جواب پر لکھ دی گئی۔

"بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مہر کی ڈگری تین ہزار کی ہوئی اور جائداد و تقریبا چار ہزار کی ہے لہٰذا ہندہ کا تین سہام پر فیصلہ کرلینا حق نابالغان پر کچھ برا اثر نہیں ڈالتا بلکہ ان کو مفید ہے لہٰذا صلح نافذ ہے اور اب ہندہ کو اس سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں" **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کاغذ فتوی میں جگہ نہ تھی یہ عبارت حاشیہ پر لکھی گئی، سائل نے کہا یہ کچہری میں پیش ہوگا، حسب دستور لکھ کر مہر ہوجاتی۔ کہا گیا نقل کرلاؤ نقل آئی جس میں سائل نے جواب نواب صاحب بھی باقی نہ رکھا سوال اور صرف یہاں کی تحریر نقل کردی، مہر کردی گئی۔ اب یہ سوال مع نقل تقسیم نامہ پیش ہوا جس میں مقدار مہر کا کوئی ذکر نہیں اور جائداد متروکہ تین ہزار کی مالیت بتائی ہے اور اس کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ متروکہ صرف جائداد نہیں بلکہ پانسو روپیہ متوفی کا یا فتنی ایک عورت کے ذمہ دین ہے وہ بھی شامل ترکہ ہے اور تقسیم میں یہ تحریر ہے کہ:

"باہم منمقرہ و دیگر وارثان اس طرح رضامند ہوگئے کہ کل متروکہ متوفی مالیتی تین ہزار پانچ سو روپے کی تقسیم اس طور پر ہوئی کہ زرثمن پانسو روپے مذکور برائے صرف شادی وحیدن بیگم بنت متوفی بطنی زوجہ اولٰی کو دئے گئے اور بقیہ تین ہزار دس سہام ہوکر تین سہام منمقرہ کے حصے میں آئے الٰی آخرہ۔"

باقی سات سہام میں دو سہام متوفی کے پسر کو دئے ہیں اور ایک ایک اس کی چار دختران موجودہ کو جن میں دو کہ بطن ہندہ مقرہ سے ہیں نابالغہ ہیں اور یک سہام متوفی کی پانچویں دختر متوفیہ کے وارثوں کو ظاہر ہے کہ اس صلح سے ہر نابالغہ کو اپنے حق سے کئی حصے زائد پہنچا تو صلح ان کے حق میں بہت نافع تھی اس کا حکم وہی تھا کہ نافذ ہے اور ہندہ کو رجوع کا اختیار نہیں اس لئے سوال میں ذکر دین نہ تھا بلکہ جائداد و نیلام کے الفاظ تھے کہ دین سے علاقہ نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں مفتی عقد صحیح ہی پر حمل کرے گا۔ درمختار میں ہے:

لو لم یذکر فی صك التخارج ان فی الترکۃ دینا امر لا فالصك صحیح وکذا لو لم یذکرہ فی الفتوی فیفتی بالصحۃ ویحمل علی وجود شرائطھا۔ مجمع الفتاوٰی [1]۔	اگر لاتعلّقی کے صلح نامہ میں ترکہ میں قرض ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو صلح نامہ صحیح ہے اور یوں ہی اگر فتوٰی میں اس کا ذکر نہ ہو تو صحت کا فتوٰی ہوگا اور اس کو صحت کی شرائط کے وجود پر محمول کیا جائے گا۔ مجمع الفتاوٰی۔ (ت)

مگر اب ملاحظہ تقسیم نامہ سے ظاہر ہوا کہ ترکہ میں دین بھی ہے اور وہ صلح سے جدا نہ کیا گیا بلکہ یوں داخل کیا گیا کہ

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

احدالورثہ وحیدن بیگم کو اس کا مالک ٹھہرایا تو یہ غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا ہوا اور وہ باطل ہے تو صلح کا یہ حصہ باطل ہوا، اور جبکہ عقد واحد ہے تو اس کے بطلان نے بقیہ صلح کی طرف سرایت کی اور تمام صلح و تقسیم باطل ہو گئی، درمختار میں ہے:

بطل الصلح ان اخرج احد الورثة وفی الترکة دیون بشرط ان تکون الدیون لبقیتهم لان تملیك الدین من غیر من علیه الدین باطل [1]۔	ترکہ میں دین ہو تو کسی وارث کی لاتعلّقی کی صلح اس شرط پر دین باقی وارثوں کے حصہ میں ہیں تو یہ صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم یتعدی البطلان الی الکل لان الصفقة واحدة [2]۔	پھر یہ بطلان تمام میں سرایت کرے گا کیونکہ معاملہ ایک ہے۔(ت)

اور جب صلح باطل ہوئی تو اس کی بناء پر جو باہمی ابراء ٹھہرا تھا کہ "بعد تقسیم مذکورہ بالا ایک وارث کو دوسرے کے حصہ سے کوئی تعلق نہ رہا اگر بعد تقسیم ایک شخص دوسرے پر دعوی کرے تو ناجائز ہوگا۔ یہ بھی باطل ہوگیا۔

لا لما فی الاشباہ اذا بطل الشیئ بطل مافی ضمنه وهو معنی قولهم اذا بطل المتضمن بالکسر بطل المتضمن بالفتح قالوا لو ابراءہ او اقرله ضمن عقد فاسد فسد الابراء کما فی البزازیة [3] اھ لان هٰذا الابراء یکتب فی الصك عادة بعد ماجرٰی بینهم الصلح فلم یثبت کونه فی صلب	الاشباہ میں مذکور کی وجہ سے نہیں کہ جب کوئی چیز باطل ہوتی ہے تو اس کے ضمن والے امور بھی باطل ہوتے ہیں، فقہاء کے قول کہ جب متضمن (کسرہ کے ساتھ) بطل ہو تو متضمن (فتح کے ساتھ) بھی باطل ہوتا ہے۔انہوں نے فرمایا (اگر معاملہ میں فریقین نے معاہدہ کیا) کہ اگر اس کو مالک نے بری کردیا یا اس کے حق میں اقرار کیا تو یہ ضامن ہوگا، تو یہ عقد فاسد ہوگا، براءت بھی فاسد ہوگی جیسا کہ بزازیہ میں ہے اھ، کیونکہ ایسی براءت صلح نامہ میں عقد صلح

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث قواعد فوائد شتی الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

عقد الصلح حتی یکون متضمنا بالفتح ولا لما فی غمز العیون عن الزاہدی عن استاذہ بدیع الدین انه اختیار ان الاقرار وان لم یکن فی صلب عقد الصلح لکنه بناء علی الصلح الفاسد لایمنع الدعوٰی بعد ذٰلك[1] اھ لان حکم الاقرار لایجب ان یکون حکم الابراء فان الاقرار تملیك من وجه فیحتمل الارتفاع والابراء اسقاط والساقط لایعود بل لما فی الاشباہ من قولهم المبنی علی الفاسد فاسد[2] اھ حتی لو اقر بطلاق زوجته ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبیین عدمه لم یقع کما فی الاشباہ[3] والدر وغیرهما۔ **اقول:** و لایرد علیه مافی الحموی عن القنیة ان ابرأہ بعد الصلح عن جمیع دعواہ وخصوماته صحیح وان لم یحکم بصحة الصلح[4] اھ لان الابراء	کے بعد لکھنے کی عادت ہے تو صلب عقد میں اس کا پایا جانا ثابت نہ ہوگا تاکہ اس کے ضمن میں پائی جانے والی متضمن (بالفتح) ہوسکے، اور نہ ہی غمز العیون میں مذکور کی وجہ سے انہوں نے زاہدی سے ان کے استاد بدیع الدین کے حوالے سے ذکر کیا کہ ان کا مختار یہ ہے کہ اقرار اگرچہ عقد صلح کے صلب میں نہ ہو تو بھی بعد میں دعوی کے لئے مانع نہیں کیونکہ اس کی بناء فاسد صلح پر ہے اھ کیونکہ ضروری نہیں کہ جو اقرار کا حکم ہے وہ بَری کرنے کا حکم ہو، کیونکہ اقرار من وجہ تملیک ہے جو کہ ختم ہوسکتی ہے جبکہ ابراء وہ تو اسقاط کا نام ہے جو بحال نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اشباہ میں مذکور فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ "فاسد پر مبنی چیز بھی فاسد ہوتی ہے" اھ حتی کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار اس گمان پر کیا کہ مفتی کے فتوی سے فوطلاق ہوگئی جبکہ بعد میں واضح ہوگیا کہ ایسا نہیں ہے تو اس اقرار سے طلاق نہ ہوگی جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس پر حموی میں قنیہ کے حوالے سے مذکور بطور اعتراض وارد نہ ہوگا کہ صلح کے بعد اس کا تمام دعاوی اور خصومات سے بَری کرنا صحیح ہے اگرچہ صلح کے صحیح ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا اھ یہ اعتراض اس لئے

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

[4] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد فوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

عن جمیع الدعاوی والخصومات شیئ زائد علٰی مفاد الصلح فانہ انما یقطع نزاعا خاصا لاکل خصومۃ بل اذا ادعی دارا ثم صالح مثلا علی نصفھا او قیمتہ فانما تجاوز عن نصف دعواہ لاعن جمیعھا لوصول بعضھا الیہ عینا او بدلا ،واذاکان ھذا زائدًا علی قضیۃ الصلح کان کلاما مستقلا غیر مبتن علی الصلح فلا یضرہ بطلان الصلح ونظیرہ اذا زادفی الکلام علی قدر الجواب لم یجعل مجیب بل صار مبتدئا فلا یعاد السول فیہ کمانصوا علیہ۔	نہ ہوگا کہ تمام دعاوی اور خصومات سے ابراء صلح کے مفاد سے زائد چیز ہے کیونکہ صلح ایک خاص نزاع کو قطع کرتی ہے نہ کہ تمام خصومات کو بلکہ جب کوئی شخص پورے مکان کا دعوی کرکے پھر نصف مکان یا نصف کی قیمت پر صلح کرے تو اس نے صلح میں اپنے نصف دعوی سے اعراض کیا نہ کہ تمام دعوی سے، کیونکہ اس سے اس کو بعض عین یا اس کے بدل کو وصولی ہوئی، تو جب یہ ابراء صلح سے زائد امر ہے تو یہ ایک مستقل کلام ہوگا جو کہ صلح پر مبنی نہ ہوا تو اس لئے صلح کا بطلان اس ابراء کو مضر نہ ہوگا اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی کلام قدر جواب سے زائد ہو تو اس کلام والے کو مجیب نہیں بلکہ ایک مستقل ابتداء والا اقرار دیا جاتا ہے۔لہٰذا اس کلام میں سوال کا اعادہ متصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ اس پر فقہاء نے نص فرمائی ہے(ت)

لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اجراء ڈگری سے کوئی مانع نہیں **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میرے فہم میں ہے جبکہ حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی۔ مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

جو کہ صلح ہے وہ واقع منازعہ حق انسان میں ہے یا حق خدائے تعالٰی میں بھی ہے؟

الجواب:

صلح اگر برضا ہے تو عنداللہ بھی ہوگئی اور دب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب المضاربة

(مضاربت کا بیان)

مسئلہ ۱۹: از میران پور کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لئے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

الجواب:

یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔ مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے۔ مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے۔ اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کرلینا جائز۔

لانه من عقد فاسد وهم لیسوا اهل ذمة ولا مستامنین۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور یہ ہند و نہ تو ذمی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: از موضع مخدوم پور دیہہ ڈاکخانہ مخدوم پور گیا ضلع گیا مرسلہ سید مخدوم بخش صاحب حنفی ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے دوسرے لوگوں کے روپے سے اس طریقہ پر کہ ہر سال بعد تمام اخراجات کے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے ایک رُبع خود اجرت محنت

لیتا ہے اور بقیہ تین رُبع میں جن لوگوں کا روپیہ ہے انہیں دیتا ہے۔ اگر یہ شخص شرکاء سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم کو ہر سال ایک معین مقدار مثلاً بارہ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا تو اس کمی کو ہم پورا کردیں گے اور اس سے زیادہ جو کچھ نفع ہو وہ بھی تمہارا ہے آیا اس معاہدے کے سبب سے نفع تجارت داخل ربا ہو جائے گا یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب مسئلہ کے بحوالہ کتب فقہیہ بقید ابواب و فصول و صفحہ و مطبع سرفراز فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہ معاہدہ حرام ہے۔ مال والے اور یہ تاجر سب گنہگار ہوں گے اگرچہ کبھی کمی نہ واقع ہو اور کمی جو یہ پوری کرے گا اس کا پورا کرنا اسے حرام ہے اور اس زیادت کا لینا ان مال والوں کو حرام و ربا ہے۔ درمختار، صدر کتاب المضاربہ، جلد چہارم ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ ص ۷۴۲ ذکر شرائط مفادات میں ہے:

وکون الربح بینھما شائعا فلو عین قدرًا فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد[1]۔	فریقین میں شائع ہونا (مقدار عین نہ ہونا) اگر کوئی مقدار معین ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم ہونا۔ (ت)

ہندیۃ کتاب المضاربۃ باب اول مطبع قاہرہ ملک مصر جلد چہارم ص ۲۸۷ میں ہے:

فان قال علی ان لك من الربح مائۃ درہم اوشرط مع النصف اوالثلث عشرۃ دراہم لاتصح المضاربۃ کذا فی محیط السرخسی[2]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا نفع میں ایک سو درہم تیرے ہونگے یا نصف یا ثلث کے ساتھ مزید دس درہم کی شرط لگائی تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔ محیط سرخسی میں ایسے ہے۔ (ت)

ہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع مصطفائی جلد دوم ص ۴۳ میں ہے:

الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخال عن عوض شرط فیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سود یہ ہے کہ عقد معاوضہ میں کسی فریق کے لئے ایسی زیادتی کی شرط ٹھہرانا جو عوض سے خالی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶-۱۴۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۷

[3] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

مسئلہ ۲۱الف: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھااور زید وبکر کے درمیان یہ اقرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گااور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چونکہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے ازروئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہوئے سے مال کم آیا۔اب جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمہ رہ گیا ہے تواس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہوسکے توزید بکر سے تیسرے حصہ کے نقصان لینے کاازروئے شریعت کے مستحق ہے یانہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہورہاہے۔کچھ اس کابدلہ زید پر ہے یانہیں؟

تیسرے بکر نے باجازت زیدان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی۔روپیہ وصول نہ ہواتوجو خرچہ نالش میں صرف ہوا زید بکر سے اس خرچہ کے بھی تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تعدی ودست درازی وتضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں جو نقصان واقع ہو سب صاحب مال کی طرف رہے گا، نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہے اس کابدلہ یہی ہے کہ نفع ہو توحسب قرارداد اس میں شریک ہوگا۔پس صورت مستفسرہ میں جو روپیہ وصول نہ ہوا یا نالش میں جو خرچہ ہوا زید اس کا کوئی حصہ بکر سے نہیں لے سکتا۔اور جو محنت بکر پر پڑے وہ اس کا بدلہ زید سے نہیں لے پاسکتا۔ہندیہ میں ہے:

اما الشروط الفاسدۃ فمنھا ماتبطل المضاربۃ ومنھا مالا تبطلھا و تبطل بنفسھا کذا فی النھایۃ قال القدوری فی کتابہ کل شرط یوجب جھالۃ الربح او قطع الشرکۃ فی الربح یوجب فساد المضاربۃ وما	فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں بلکہ یہ خود باطل ہوجاتی ہیں۔نہایہ میں یوں ہے۔قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے۔تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی، اور

لا یوجب شیئا من ذٰلك لایوجب فسادها نحوان یشترطا ان تکون الوضیعة علیهما کذا فی الذخیرة [1]۔	جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلاً دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

کل شرط یوجب جهالة فی الربح یفسده لاختلال مقصوده وغیر ذٰلك من الشروط الفاسدة لایفسدها ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعة علی المضارب [2]۔	ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کردے گی کیونکہ یہ مقصود میں اختلال ہے اور جو شرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گی بلکہ خود باطل ہوجائینگی مثلاً یہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا۔(ت)

عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اخسر المضارب فهل یکون الخسران علی رب المال، الجواب نعم [3]۔	ان سے سوال ہوا کہ جب مضارب کو خسارہ ہوا ہو تو کیا رب المال خسارہ میں شریک ہوگا؟ الجواب: ہاں! (ت)

درمختار میں ہے:

المضاربة ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفة بامره وشرکة ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعده واجارة فاسدة ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل له اجر مثل عمله [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مضاربت ابتداء میں امانت کی کارروائی ہے اور عمل کے بعد وکیل بنانے کا معاملہ بن جاتا ہے کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہوجائے تو شراکت بن جاتی ہے اور اگر مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے خواہ بعد میں رب المال اس کارروائی کو جائز بھی کردے۔ اور مضاربت فاسد ہوجائے تو اجارہ فاسدہ بن جاتا ہے۔ اس

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربہ باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۸۔۲۸۷

[2] الہدایہ کتاب المضاربہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۶

[3] العقود الدریۃ کتاب المضاربہ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۷۲

[4] درمختار کتاب المضاربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

	صورت میں مضارب نفع کا حقدار نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا حقدار ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۔ب: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص کے کارخانہ تجارت میں تھوڑے روپے دے کر شریک ہوجانا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چھتیس روپے سال مجھ کو اس کے منافع میں سے دیا کرو اور اس سے زیادہ جو کچھ ہو تم لے لیا کرو بحق مضاربت، اور اگر کم ہو تو اس کے بھی تم متحمل ہو۔ شرعاً یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز اور گناہ ہے

لقطع الشرکۃ فی الربح ولالزام مانقص منه علی المضارب وکل ذٰلك شرط فاسد والاول مفسد ایضا کما نصوا علیه۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نفع میں شرکت ختم ہوجانے کی بناء پر اور نقصان مضارب پر لازم کرنے کی بناء پر جبکہ دونوں صورتیں شرط فاسد ہیں۔اور پہلی تو مضاربت کے لئے مفسد بھی ہے۔جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲: ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دئے کیونکہ بکر میز کرسی کا تاجر تھا اس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیت خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ اس عرصہ میں بیت بکر نے بھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی۔ ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکورہ اپنے ذمے لے کر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیئے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہوار جائز نہیں۔ لہٰذا جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں چونکہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم وبیش ملے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک رقم تعین کردینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زر زید کو تجارت میں لگائے زید نفع ونقصان دونوں کا متحمل رہے۔ نفع ہو تو جس قدر ہو

اتناہی زید کو دیا جائے اس سے زیادہ اصلا نہ لے۔ یہ بھی اس صورت میں جبکہ وارث بکر محض احسانا اس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اس کے نفع میں اپنا حصہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرارداد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ رب المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی چاہئے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کرلیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو، اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں رب المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اس نے وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے۔ رب المال کے پاس واپس جانے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے۔ یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے مال بچ رہا تو ما بقے کو لوٹا لائے یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کر دے۔ اگر رب المال وقت عقد کے توسیع کر دے کہ جہاں مناسب سمجھے بیچے اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے اختیارات وسیع ہو جائیں گے یا نہیں۔ رب المال کے ذمہ سفر خرچ وخورد ونوش مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیاء بھی مثلا اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شیئ کھالی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اس نے پلاؤ زردہ کھایا یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلا ٹوپی کافی ہو سکتی تھی کہ اس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب:

نفع میں جو حصہ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے۔ اگر عقد بلا تعیین حصہ شائعہ کیا مثلا تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد وحرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ زید وعمر میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں۔ عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہو جائے تو جائز ہو جائے **لان المجلس یجمع الکلمات** (کیونکہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ت) تبدل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہو جائے گا و **المسائل کلہا معلومۃ من الفقہ** (یہ تمام مسائل فقہ میں واضح

ہیں۔ت) درمختار میں ہے:

شرطھا کون الربح بینھما شائعا فلو عین قدرا فسدت و کون نصیب کل منھما معلوما عند العقد [1]۔	مفاربت میں نفع غیر معین مقدار ہونا شرط ہے اور اگر کوئی معین مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم بھی شرط ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

دفع الٰی غیرہ الف درہم مضاربۃ علی مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان عَلِمَ رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربۃ وان لم یعلما لاتجوز وکذا اذا علم احدھما وجھل الاٰخر ھٰکذا فی المحیط۔ولو دفع الیہ مضاربۃ علی ان یعطی المضارب رب المال ماشاء من الربح فھذہ مضاربۃ فاسدۃ کذا فی المبسوط [2]۔	کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت کے طورپر دیا کہ جیسے جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کیا اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے تو اگر رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور ان کو فلاں فلاں کی شرط معلوم نہ تھی تو جائز نہ ہوگی اور یونہی اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو معلوم نہ تھی۔ محیط میں یوں ہے اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لئے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے نفع میں سے رب المال کو دے تو یہ مضاربت فاسد ہوگی جیسا کہ مبسوط میں ہے۔(ت)

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اذن رب المال کی حاجت نہیں جبکہ رب المال اسے مقید نہ کردے۔ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہوجائیگا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا اگرچہ رب المال نے عقد مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہو۔جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اس سے مال نہ خریدا۔خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق ومقید نہیں کرسکتا۔درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷۔۱۴۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۸

یملك المضارب فی المطلقة التی لم تقید بمکان او زمان اونوع (ای اوشخص ش) البیع بنقد ونسیئة متعارفة و الشراء والتوکیل بھما والسفر برا و بحرا لا تجاوز بلدا وسلعة اووقف اوشخص عینه المالك لان المضاربة تقبل التقیید المفید ولو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانه حینئذ لایملك عزله فلا یملك تخصیصه فان فعل ضمن بالمخالفة [1] اھ ملتقطا۔	مضاربہ مطلقہ جو کسی مکان، زمان، قسم (یا شخص ش) سے مقید نہ ہو تو اس میں مضارب کو ہر طرح بیع نقد، ادھار معروف اور خریدنے اور بیع وشراء میں وکیل بنانے اور بری و بحری سفر کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مالک نے علاقہ، سامان، وقف یا شخص کو معین کردیا تو مضارب اس پابندی سے تجاوز نہیں کرسکتا، کیونکہ مال کے سامان تجارت بننے سے قبل مضاربت مفید پابندی کے قابل ہے اگرچہ یہ پابندی عقد کے بعد لگائی ہو مگر مال جب سامان تجارت میں بدل جائے تو اس وقت پابندی موثر نہ ہوگی کیونکہ اس موقعہ پر مالک مضارب کو معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی تخصیص و پابندی کا مالک بھی نہ ہوگا۔ اگر مالک نے قیود کا پابند کیا ہو تو مضارب مخالفت کرنے پر مال کا ضامن ہوگا اھ ملتقطا (ت)

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلا مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہوجائیگا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔ درمختار میں ہے:

لایملك المضاربة والشرکة والخلط بمال نفسه الا باذن او اِعْمَل برایك اذ الشیئ لایتضمن مثله ولا الاقراض والا ستدانة وان قیل له اِعْمَل برایك لانھما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالك علیھما	مضارب مالک کی اجازت کے بغیر آگے مضاربہ، شرکت اور اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے کا مالک نہ بنے گا۔ اجازت یا اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے سے مالک بن سکے گا کیونکہ کوئی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی اور اپنی رائے سے عمل کر۔ کہہ دینے کے باوجود مضارب قرض دینے

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

فیملکھما [1] (ملخصا)	اور ادھار دینے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں عمل تجار کا طریقہ نہیں تودی ہوئی تعمیم میں یہ چیزیں شامل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں کی تصریح نہ کردے۔اگر ان کی تصریح کردی تو ان کا مجاز بنے گا(ملخصا)۔(ت)

مضاربۃ صحیحہ میں جبکہ مضارب مال مضاربت لے کر بغرض مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایام سفر کا نفقہ، کھانا۔پینا۔پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی ودوامی حاجت حسب عادت تجار بقدر معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائیگا جو اسے مجرادے کر بچاوہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔درمختار میں ہے:

واذا سافرولو یومًا فطعامه وشرابه وکسوته ورکوبه ولوبکراء وکل مایحتاج فی عادۃ التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدۃ لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر فنفقته فی ماله کدوائه علی الظاہر ا مااذا نوی الاقامة بمصر ولم یتخذہ دارا فله النفقة ابن عــه ملك ویاخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال ان کان ثمه ربح فلا شیئ علی المضارب [2] (ملخصا)	جب مضارب سفر کرے خواہ ایک دن کا ہو تو خوراک، شراب، لباس، سواری جب کرایہ کی ہو، اور تمام اخراجات جو تجار کی عادت معروفہ ہوں وہ سب مضاربت کے مال سے ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہو تو مضارب اجیر ہے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا، اور اگر وہاں شہر میں ہی کام کیا تو اپنے مال سے نفقہ برداشت کریگا جیسا کہ علاج کی صوت میں ظاہر قول کی بناء پر خود کرے گا۔اور سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہ بنایا تب بھی نفقہ مضاربہ پر ہوگا(ابن ملک)اور اگر مضاربت میں نفع حاصل ہوا اور مضارب نے راس المال(اصل مال) سے نفقہ کیا تو مالک اتنا خرچہ نفع سے وصول کرلے گا تو مضارب کے ذمہ کچھ نہ آئے گا۔ملخصا(ت)

عــه:لعل المراد منه عبداللطیف ابن عبدالعزیز الشھیر بابن ملک۔

---

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

[2] درمختار فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۰

مگر بقدر معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں۔ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے،برف کی قلفیاں،مٹھائی کے دونے،سوڈے کی بوتلیں،یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیے،مال مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔اسی طرح کنگھی،سُرمہ،پھلیل،دوا مال مضاربت سے نہ کرے گا۔عالمگیری میں ہے:

النفقة هی مایصرف الی الحاجة الراتبة وهی الطعام والشراب والکسوة وفراش ینام علیه والرکوب و علف دابته،محیط السرخسی،وغسل ثیابه والدهن فی موضع یحتاج الیه واجرة الحمام والحلاق وانما یطلق فی جمیع ذٰلك بالمعروف حتی یضمن الفضل ان جاوزه هکذا فی الکافی،وروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه سئل عن اللحم فقال کما کان یاکل، ذخیرة،واما الدواء والحجامة والکحل ونحو ذٰلك فی ماله خاصة دون مال المضاربة،ولو استاجرا جیرا یخدمه فی سفره احتسب بذٰلك علی المضاربة، مبسوط[1]،والله تعالٰی اعلم۔	نفقہ وہ عام حاجت کے مصارف ہیں اور وہ کھانا،پینا،لباس، بستر زیر استعمال،سواری،جانور کی خوراک ہے،محیط سرخسی، اور کپڑوں کی دھلائی،ضرورت کے مقام پر تیل،حجام کی اُجرت ان تمام امور کی معروف اجازت ہوگی حتی کہ اگر معروف مقدار سے زائد خرچ کیا تو ضامن ہوگا کافی میں یوں ہے،اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ان سے خوراک میں گوشت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں جو کھانے کی اسے عادت ہو،ذخیرہ،لیکن ذاتی دوائی،سینگی لگانے اور سُرمہ وغیرہ جیسی چیزیں مضارب کے اپنے ذاتی مال سے ہونگی مضاربت سے نہ ہونگی،اور اگر سفر کے دوران خدمت کے لئے اجیر کرایہ پر رکھا تو یہ مضاربت کے حساب سے ہوگا،مبسوط،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴: از موضع سابق

جواب کی بعض عبارات کی تشریح مطلوب ہے:

(۱) جبکہ مضارب کو اختیار دے دیا کہ جہاں چاہے کام کر،اور اس نے شہر ہی میں فروخت کرنا شروع کیا اور مضارب فقیر ہے یعنی اپنے پاس سے خرچ نہیں کر سکتا تو اس صورت میں اس کا نفقہ رب المال

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۱۳۔۳۱۲

کے ذمہ ہوگا یا نہیں **قال** یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائیگا اقول اس کی دو صورتیں اس وقت خیال میں آتی ہیں ایک یہ کہ رب المال نے ایک مجمل رقم مضارب کو دی تھی اس نے اس میں سے اکثر کا مال خریدا اور قلیل اپنے خرچ کے واسطے رکھ لی، جب یہ خرچ ہوگئی مال کی آمدنی میں سے صرف میں لایا، دوسرے یہ کہ رب المال نے ایک رقم معین مال خریدنے کے واسطے دی، مضارب نے اس سب کا مال خریدا اور سفر خرچ وغیرہ اپنے گھر سے کیا۔ ان دو صورتوں میں تو بیشک مضارب مصارف مجرا کرکے نفع کی تقسیم کرے۔ تیسری صورت یہ کہ رب المال نے ایک رقم خاص واسطے خریداموال کے معین کردی اور ایک رقم خاص واسطے نفع وسفر خرچ وغیرہ کے دے دی تو اب یہ مصارف مال مضاربت پر کیوں پڑیں گے۔ بلکہ اس رقم صرف میں سے بعد خرچ کے جتنا بچ رہے گا وہ واپس دینا ہوگا ہاں اگر رقم سب صرف میں آگئی اور کچھ زائد خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی تو اب جو کچھ خرچ ہو وہ مال مضاربت پر پڑے روپیہ بدستور رہنے کی صورت میں جیسے اختیار مطلق کو مقید کرسکتا ہے یوں ہی مقید کو مطلق بھی کرسکتا ہے یا نہیں؟ **افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔**

الجواب:

(۱) جب تک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگرچہ خرید وفروخت وکار مضاربت کرتا رہے اگرچہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقد مضاربت کیا ہو، اسے سفر خرچ دیا جاتا ہے اور یہ جب تک وطن میں ہے مسافر نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطور مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جب تک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائے گا اگرچہ کار مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لیے نہ تھا بلکہ قبل عقد مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرض مضاربت وہاں آئے گا تو سفر خرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرض مضاربت ہے۔ بخلاف وطن مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کرکے خاص کار مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے جب تک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا۔ بدائع ومحیط وفتاوٰی ظہیریہ وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

لو اخذ مالا بالکوفۃ وھو من اھل البصرۃ وکان قدم الکوفۃ مسافرا فلا نفقۃ لہ فی المال مادام فی الکوفۃ	اگر مضارب نے مالک سے کوفہ میں مال وصول کیا جبکہ مضارب بصرہ کا رہنے والا ہے وہ کوفہ میں بطور مسافر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں قیام پذیر رہے گا اس وقت تک مال مضاربت پر اس کا نفقہ نہ آئے گا

فاذاخرج منها مسافرا فله النفقة حتی یأتی البصرة لان خروجه لاجل المال ولاینفق من المال مادام بالبصرة لان البصرة وطن اصلی له فکانت اقامته فیه لاجل الوطن لا لاجل المال فاذا خرج من البصرة له وان ینفق ایضا مااقام بالکوفة حتی یعود الی البصرة لان وطنه بالکوفة کان وطن اقامة یبطل بالسفر فاذا عاد الیها ولیس له بها وطن کانت اقامته فیها لاجل المال[1]۔	توجب وہاں سے سفر کرتے ہوئے نکلے گا تو بصرہ پہنچنے تک اس کا نفقہ ہوگا کیونکہ اس کا اب کوفہ سے نکلنا مضارب کے طور پر ہے اور پھر جب تک بصرہ میں رہے گا وہ خرچہ نہ پائے گا کیونکہ بصرہ اس کا وطن اصلی ہے تو یہاں اس کی اقامت وطن کی وجہ سے ہے مضاربت کے لئے نہیں۔ تواب اگر وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ آیا تو واپس بصرہ پہنچنے تک نفقہ اس کا حق ہے کیونکہ پہلے کوفہ میں اس کا قیام وطن اقامت کے طور پر تھا تو وہاں سے سفر کرنے پر وہ وطن باطل ہوگیا تو اب دوبارہ اس کا کوفہ آنا مضاربت کے لئے کیونکہ کوفہ اس کا وطن نہیں تو وہاں اس کا قیام صرف مال کے لئے ہے۔ (ت)

(۲) مجمل رقم دینا بے معنی ہے مضاربت میں راس المال کا معلوم ہونا شرط ہے ورنہ عقد فاسد وگناہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

اما شرائطها الصحیحة فمنها ان یکون راس المال معلوما عند العقد حتی لایقعان فی المنازعة فی الثانی الخ[2]۔	مضاربت کے صحیح شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عقد کے وقت راس المال کا معلوم ہونا ہے تاکہ بعد میں دونوں کا اختلاف نہ ہو الخ (ت)

(۳) مضارب اگر اپنے پاس سے خرچ کرے گا جب بھی مال مضاربت سے مجرا پائے گا مگر رب المال سے مجرا لینے کا حق نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر مال مضاربت تلف ہوجائے تو اس کا خرچ بھی گیا۔ رب المال سے اس کا مطالبہ نہ کرسکے گا۔ عالمگیری میں ہے:

ان انفق المضارب من مال نفسه اواستدان علی المضاربة	اگر مضارب نے اپنے ذاتی مال سے نفقہ لیا یا اس نے مضاربت کے معاملہ میں قرض لیا تو وہ اسے

[1] ردالمحتار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹۰

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب المضاربة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۸۶-۲۸۵

رجع فی مال المضاربۃ بذٰلك ویبدأ براس المال ثم یثنی بالنفقۃ ثم یثلث بالربح وان ھلك مال المضاربۃ لم یرجع علی رب المال بشیئ کذا فی الذخیرۃ[1]	مضاربت کے مال سے وصول کرے گا یہ مجرائی اولا راس المال سے پھر ثانیا نفقہ سے اور پھر ثالثا نفع سے ہوگی اور اگر مضاربت کا تمام مال ہلاک ہوجائے تو مضارب کچھ بھی رب المال سے وصول نہ کرسکے گا، ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

(۴) رقم خاص جو سفر خرچ کے لئے اسی عقد مضاربت کی بناء پر دی وہ مضاربت ہی میں شامل ہے، ہاں اگر جدا رقم دے کر تصریح کردی کہ میں تیرا سفر خرچ تبرعا اپنے پاس سے دیتا ہوں، جو کچھ راس المال پر بڑھے گا وہ تمام وکمال نفع سمجھا جائے گا اور تو اس سے جدا پائے گا تو یہ اس کا احسان ہے اسے اختیار ہے پھر اگر وہ منع کردے تو اس پر جبر نہیں مَاعَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ۔

(۵) مقید کو ہر وقت مطلق کرسکتا ہے کہ منع رب المال ہی کے حق کے لئے تھا، صاحب حق کو اپنے حق سے در گزر کرنے کا اختیار ہے،

یاحق یاصاحب کل حق بغناك وفقرنا تجاوز عمالك من الحقوق علینا و بکرمك تحمل عناما لعبید فانك اکرم الاکرمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی اکرم الخلق محمد واٰلہ الکرماء اجمعین اٰمین و الحمد للہ رب العالمین، واللہ تعالٰی اعلم۔	یاذات حق، اے ہر حق کے مالک، اپنے غنا اور ہمارے فقر کے وسیلہ سے ہمارے ذمہ جو بھی تیرے حقوق ہیں معاف فرما، اور اپنے کرم کے ذریعہ اپنے بندوں کے حقوق کو ہم سے ختم فرما، کیونکہ تو تمام کریموں سے بڑا کریم ہے اور اللہ تعالٰی کی رحمتیں مخلوق کے بڑے کریم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی کرم والی سب آل پر، آمین، الحمد للہ رب العلمین، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵: از الہ آباد محلّہ حمام حکیم سید قنبر علی صاحب ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے خالد کو جو کہ سوداگر ہے پانچ سو روپے بدیں معاہدہ قرض دیا کہ اس پانسو روپے سے خالد جو کاروبار تجارت مناسب جانے کرے اور جو منافعہ تجارت ہو اس میں سے صرف ایک آنہ فی روپیہ زید کو دے باقی کل رقم منافع خالد اپنے حق المحنت میں لے اور جو نقصان تجارت میں ہو اس میں بعد فہمید وحساب وکتاب زید صرف فی روپیہ کے حساب سے اصل میں مجرا دے گا، باقی کل تاوان خالد ادا کرے گا،

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۱۳

ایسا معاہدہ داخل سود و ناجائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایسا معاہدہ بلاشبہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: از پاٹن شمال گجرات مرسلہ عبدالقادر محمد فضل صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا وشرع عمرو فی العمل فانتخب التجارة بالربح اولا عقب الحساب بینهما اقتسما علی موجب شرطهما ثم اضاف ما نابه من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکة علی نفسه ماکله ومشربه وکسوته ویهب ویتصدق ویزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویحج کل ذٰلك بغیر اذن شریکه وله یظهر الربح بل لحق راس المال خسارة فهل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوه المذکورة حیث کان ذٰلك بغیر اذن الشریك یکون الضمان فی ماله خاصة ام یکون دینا اذا بقی، افتونا ماجورین۔	آپ کا کیا ارشاد ہے (اللہ تعالٰی آپ کے ذریعہ مخلوق کو نفع دے) اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے تجارت کرنے پر بایں طور اتفاق کیا کہ اصل رقم زید کی ہوگی اور عمرو مضارب ہوگا، اور عمرو نے کام شروع کردیا تو اس نے تجارت میں نفع کمایا حساب کے بعد طے شدہ شرط کے مطابق دونوں نے نفع کو تسلیم کرلیا، پھر عمرو نے اپنے حاصل شدہ نفع کو زید کے مال (راس المال) میں شامل کردیا اور کاروباری ذرائع میں مشغول ہوگیا اور مشترکہ مال سے اپنے مصارف کھانے، پینے، لباس، ہبہ، صدقہ اور حج وزیارت پر صرف کیا اور یہ تمام اخراجات اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کئے جبکہ نفع نہ ہوا بلکہ راس المال میں خسارہ ہوگیا، تو کیا مذکورہ مصارف پر اپنے شریک کی اجازت کے بغیر خرچ شدہ مال کا عمرو ضامن ہوگا اور یہ ضمان خاص عمرو کے اپنے مال سے ادا ہوگا یا بقایا ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ دین ہوگا، اجر پاتے ہوئے ہمیں فتوٰی دیں۔ (ت)

الجواب:

کل ما انفق فی الهبات والصدقات والحج والزیارة الشریفة یحسب علیه من مال	عمرو نے ہبہ، صدقہ، حج وزیارت پر جو کچھ صرف کیا وہ عمرو کے ذاتی مال سے شمار ہوگا اس میں سے

نفسه لاشیئ منه علی صاحبه وکذا ما انفق علی نفسه وهو مقیم بمصر المضاربة ای البلد الذی اخذ فیه المال مضاربة او بوطنه سواء کان مولده او اتخذه دارا،وکذا ماانفق فی الخروج الی موضع یغدوالیه ثم یروح ویبیت باهله وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان کانت المضاربة فاسدة فانه لیس فیها للمضارب الاجر مثل عمله نعم اذا کانت صحیحة و خرج المضارب للتجارة الی حیث لایؤویه اللیل بمنزله وان قفل فنفقته بالمعروف طعامه وشرابه و لباسه وفراشه ورکوبه وخادمه ونفقة خادمه کل ذلك فی مال المضاربة حتی یؤب لاالزائد علی المعروف فانه مضمون علیه غیر ان عمرا اضاف الیه شیئا من مال نفسه فینقسم النفقات المعروفة علی کلا المالین بحسبهما فما اصاب مال المضاربة فذٰلك وما اصاب مال عمرو حسب علیه من مال نفسه وکل ماذکرنا انه یحسب علیه ان کفاه ماله فبها وما فضل وتعدی الی مال المضاربة یضمنه و هودین علیه یوخذ منه حیث لاربح،هذا کله اذا لم یخلط اوخلط و کان زید قال له ان اعمل فیه کما

کچھ بھی دوسرے ساتھی پر نہ ہوگا اور یونہی جو کچھ اس نے مضاربہ والے شہر یعنی جس شہر میں اس نے مضاربہ کا مال وصول کیا، یا اپنے وطن خواہ اس کا مولد ہو یا وہاں گھر بنالیا ہو، میں اپنی ذات پر خرچ کیا اور یونہی تمام اخراجات علی الاطلاق اگر مضاربہ فاسدہ ہو کیونکہ فساد کی صورت میں مضارب مثلی اجر کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا،ہاں جب مضاربہ صحیح ہو اور مضارب نے تجارت کی غرض سے ایسی جگہ سفر کیا جہاں سے وہ صبح وشام واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا تو اس کا معروف نفقہ بطور خوراک ولباس،بستر،سواری، خادم،خادم کا نفقہ یہ سب مضاربت کے مال پر ہوگا حتی کہ واپس گھر پہنچ جائے،معروف سے زائد نفقہ نہ ہو کیونکہ زائد ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا،علاوہ ازیں عمرو نے اپنا مال چونکہ تجارت میں شامل کرلیا تو اب تمام معروف اخراجات دونوں مالوں پر علی الحساب منقسم ہوں گے جو مضاربت کے حصہ میں آیا وہ مضاربت پر اور اس کے اپنے مال کے حصہ آئے وہ اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا کہ حساب سے اخراجات اس کے مال پر، اگر اس کا مال ان اخراجات کو کفایت کرتا ہے فبہا ورنہ اخراجات زائد ہونے کی صورت میں جو مضاربت پر پڑے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ وہ دین پر ہوں گے اور اس سے وصول کئے جائیں گے جبکہ نفع کا مال نہ ہو، یہ تمام بیان اس صورت میں ہے جبکہ اس نے اپنا ذاتی

تری اوکان الخلط هناك معروفا بین التجار اما اذا
عرٰی عن هذه الوجود ضمن مال زید تماما لانه
استهلکه بالخلط بغیر اذن ولاعرف فعاد غاصبا
بعد ماکان مضاربا فعلیه وضیعة وله ربحه ولایطهر
له ربح مال المضاربة عندالامام ومحمد رضی الله
تعالٰی عنهما فیتصدق به الا اذا اختلف الجنس فان
الربح لایظهر الا عند اتحاده فی الدر المختار اذا سافر
ولو یومًا (المرادان لایمکنه المبیت فی منزله فان
امکن ان یعود الیه فی لیلة فهو کالمصر لانفقة له بحر
اھ شامی) فطعامه وشرابه، وکسوته ورکوبه ولوبکراء
وکل مایحتاجه فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو
صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی
المصر سواء ولد فیه اواتخذه دار افنفقته فی ماله
کدوائه، اما اذا نوی الا قامة بمصر ولم یتخذه
دارا فله

مال مضاربت کے مال میں خلط نہ کیا ہو یا اس نے خلط کردیا
اور زید نے اسے کہہ رکھا تھا کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو یا
وہاں تجار میں اس طرح خلط کرنا معروف ہے ورنہ اس کے
بغیر خلط سے عمرو زید کے تمام مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اجازت
اور عرف کے بغیر خلط کرکے اس نے مضاربت کے مال کو
ہلاک کردیا اور مضارب کی بجائے وہ غاصب بن گیا اب نفع
ونقصان اس کا ہے اور مضاربت سے حاصل شدہ نفع اس کے
لئے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک
مال مضاربت کا نفع اس کے لئے پاک نہ ہوگا اور صدقہ کرے
گا ہاں اگر نفع اور راس المال کی جنس مختلف تو پاک ہوگا، کیونکہ
نفع اتحاد وجنس میں ظاہر ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے جب
مضارب سفر خواہ ایک دن کا کرے (اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا
سفر ہو کہ واپس آکر رات گزارنا ممکن نہ ہو اگر رات گھر آنا
ممکن ہو تو یہ اپنے شہر کی طرح ہوگا لہٰذا وہ نفقہ کا مستحق نہ ہوگا
بحر، اھ شامی) تو کھانا، پینا، لباس سواری، اگر کرایہ کی ہو اور تجار
میں معروف تمام اخراجات مضاربت پر ہوں گے بشرطیکہ
مضاربت صحیح ہوگا فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہونے کی صورت
میں مضارب اجیر بن جاتا ہے اس کا نفقہ نہیں اور اگر اس نے
اپنے وطن جس میں پیدا ہوا یا جس کو اس نے گھر بنالیا وہاں
کے اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے جیسا کہ علاج
معالجہ ذاتی ہوتا ہے، اگر سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت

النفقة مالم یاخذ مالا (یعنی اما اذا کان قد اخذ مال المضاربة فی ذلك المصر فلا نفقة له مادام فیه ولا یخفی مافیه من الایجاز الملحق بالغاز اھ شامی. **اقول:** مثله لیس من الایجاز فی شیئ بل وقع من القلم اقتصار امخلا) ولو سافر بماله ومالها اوخلط باذن انفق بالحصة واذاقدم رد مابقی "مجمع" ویضمن الزائد علی المعروف. ویأخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال (متعلق بانفق اھ ش) ان کان ثمة ربح فان استوفاہ وفضل شیئ اقتسماہ علی الشرط لان ما انفقه یجعل کالهالك والهالك یصرف الی الربح وان لم یظهر ربح فلا شیئ علی المضارب اھ (باختصارین)[1] وفیه لایملك الخلط بمال نفسه الا باذن اواعمل برأیك[2] اھ (باختصار)۔ قال ش وهذا اذا لم یغلب التعارف بین التجار فی مثله کما	کی نیت ہو اور وہاں گھر نہ بنایا ہو تو وہاں نفقہ کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس شہر میں اس نے مال مضاربت وصول نہ کیا ہو یعنی اس شہر میں اگر مال وصول کیا تو وہاں بھی نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا جب تک وہاں رہے گا، اس کلام میں جو ایجاز ہے مخفی نہیں اھ شامی، **اقول:** میں کہتا ہوں ایسا کلام کسی طرح ایجاز نہیں بلکہ یہ مخل قسم کا اقتصار قلم سے صادر ہوا) اگر مضارب نے مضاربت کے مال اور اپنے مال سمیت سفر کیا اور رب المال کی اجازت سے خلط کیا ہو تو خرچہ حصہ کے مطابق ہوگا جب واپس پہنچے تو بقیہ نفقہ واپس کرے، مجمع اور معروف سے زائد خرچہ کا ضامن ہوگا اور راس المال سے زائد خرچہ کو رب المال وصول کرے گا (راس المال کا تعلق انفق سے ہے اھ شامی) اگر اس میں نفع ہو تو اور خرچہ اس سے پورا کرلینے کے بعد کچھ بچا تو دونوں شرط کے مطابق تسلیم کرلیں کیونکہ خرچ شدہ کو ہلاک شدہ قرار دیا جاتا ہے اور ہلاک شدہ کو نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اگر وہاں نفع نہ ہو تو مضارب پر کوئی ذمہ نہیں اھ (باختصارین) اور اسی میں ہے کہ مضارب کو اپنے مال کے ساتھ خلط کا اختیار نہیں الایہ کہ اجازت صریح ہو یا کہا گیا ہو "اپنی رائے سے عمل کر" اھ (باختصار)۔ شامی نے فرمایا یہ جب ہے کہ وہاں تجار کا غالب عرف ایسانہ ہو جیسا کہ

[1] درمختار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۰، ردالمحتار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹۱۔۴۹۰

[2] درمختار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

فی التاتارخانیۃ اھ [1] ثم ذکر عنہا ما اذا دفع الی رجل الفا بالنصف ثم الفا اخری کذلك فخلط المضارب المالین [2] وفصل صورھا واحکامھا وھی ستۃ عشر وجھا قد بسطھا فی الھندیۃ عن المحیط باوضح لما عــہ نا۔ **اقول:** واستخرجت لھا ضابطۃ ھی ان الخلط اذا وقع علی مال لہ فیہ اذن ولو عرفا او ربح فیہ خاصۃ اولا ربح فی شیئ من مالی المضاربۃ لم یضمنہ والا ضمن تمت الضابطۃ ای اذا وقع علی مالیس لہ فیہ اذن ولا ربح یختص بہ ولا عدم ربح یعمھما بان ربح فی المال الاخر خاصۃ اوفیھما معا فانہ یضمنہ فان کان کلا المالین علی الوجہ الاول لم یضمن شیئا منھما او علی الثانی ضمنھما معا او احدھما علی الاول و	تاتارخانیہ میں ہے اھ پھر علامہ شامی نے تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نے کسی کو نصف نفع کی شرط پر ہزار بطور مضاربت دیا پھر ایک اور ہزار اسی شرط پر دیا تو مضارب نے ان دونوں مالوں کو خلط کردیا، یہاں انہوں نے صورتوں اور ان کے احکام کی تفصیل بیان کی اور یہ سولہ وجوہ ہیں جن کو ہندیہ نے محیط کے حوالے سے مبسوط طورپر بیان کیا اور ہمارے بیان کردہ سے زیادہ واضح ہے۔ **میں کہتاہوں** میں نے اس کے لئے ایک ضابطہ بنایا ہے وہ یہ کہ اگر خلط اس مال میں کیا جس میں یہ اجازت تھی اگرچہ عرفاً ہو یا خاص طورپر اس مال میں ہی نفع ہوا یا مضاربت کے دونوں مالوں میں کوئی نفع نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا، ضابطہ مکمل ہوا ورنہ ضامن ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ خلط ایسے مال میں کیا جس میں یہ اجازت نہ تھی اور نہ ہی اس مال سے مختص نفع تھا اور نہ ہی دونوں مالوں کو شامل نفع ہو بلکہ یوں ہو کہ دوسرے مال سے مختص نفع ہو یا دونوں کو شامل نفع ہو تو ضامن ہوگا، اور اگر دونوں مال پہلی وجہ والے یعنی عدم ضمان والی صورت پر تھے تو دونوں کا کوئی ضمان نہیں یا دونوں دوسری وجہ پر تھے تو دونوں کا ضامن ہوگا، یا ایک مال

عــہ: فی الاصل ھکذا العلہ مما بیناہ۔

اصل میں اسی طرح ہے غالباً یہ لفظ مما بیناہ ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۵

[2] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۵

الاخر علی الثانی لم یضمن الاول وضمن الاخر ،ھذا اذا خلط احد مالی زید بالاخر فکیف اذا خلط بمال نفسه وفی البحر لیس له ان یخلط مال المضاربة بماله و لامال غیرہ الا ان یقول له اعمل برأیك [1] اھ، وقال بعد ثلثة اوراق انما لایضمن لان رب المال قال له اعمل برأیك فیملك الخلط بخلاف ماأذا لم یقل فانه لایکون شریکا بل یضمن کالغاصب [2] اھ،وفی الهدایة مایفعله المضارب انواع،نوع لایملکه بمطلق العقد ویملکه اذا قال له اعمل برأیك مثل خلط مال المضاربة بماله اومال غیرہ [3] اھ(باختصار) و فیها انتظم قوله اعمل برأیك الخلط فلا یضمنه [4] اھ (باختصار)وفی العنایة اعمل برأیك یتناول الخلط فصار شریکاً

پہلی وجہ پر اور دوسرا دوسری وجہ پر تھا تو پہلے میں ضامن نہ ہوگا،دوسرے میں ضامن ہوگا،یہ تمام صورتیں زید کے دونوں مالوں کو آپس میں خلط کرنے میں ہیں تو مضارب کے اپنے ذاتی مال کو اس میں خلط کرنے سے کیونکر نہ ہوں،بحر میں ہے مضارب کو جائز نہیں کہ مضاربۃ کے مال کو اپنے مال یا غیر کے مال سے خلط کرے الایہ کہ اس کو "جو چاہے کر" کہہ کر عام اجازت دی گئی ہو اھ،اور تین ورق کے بعد فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ رب المال نے اسے کہہ کر رکھا ہے کہ "جو چاہے کر" تو وہ خلط کامالک ہوگا،بخلاف جب یہ نہ کہا تو پھر خلط سے شریک نہ بنے گا بلکہ غاصب کی طرح ضامن ہوگا،اھ،ہدایہ میں ہے کہ مضارب کی کارروائی مختلف اقسام پر ہے بعض وہ جن کاعقد کے مطلق ہونے سے مالک بن جاتا ہے اور بعض وہ کہ "جو چاہے کر" کہنے سے ان کا مالک بن جاتا ہے مثلاً مضاربت کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرنا اھ،اور ہدایہ میں ہی ہے کہ مالک کا "جو چاہے کر" کہنا خلط کو شامل ہے لہٰذا ضامن نہ ہوگا اھ (ملخصاً) اور عنایہ میں ہے "جو چاہے کر" خلط کو شامل ہے تو خلط کرنے پر شریک بن جائیگا

[1] بحر الرائق کتاب المضاربۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۵۔۲۶۴

[2] بحر الرائق کتاب المضاربۃ باب المضارب یضارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۷۱

[3] الھدایۃ کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۶۵

[4] الھدایۃ کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۶۸

فلم یکن غاصبا فلا یضمن [1] اھ(ملخصا)وثمہ قال فی الخانیۃ لیس لہ ان یخلط مال المضاربۃ بمالہ اومال غیرہ و لوکان رب المال قال لہ اعمل فیہ برأیك کان لہ ان یخلط [2] اھ(ملخصا)وفیھا لو لم یقل اعمل برأیك الا ان معاملۃ التجار فی تلك البلاد ان المضاربین یخلطون المال و لاینھا ھم رب المال قالوا ان غلب التعارف بینھم فی مثلہ نرجو ان لایضمن وتکون المضاربۃ بینھما علی العرف [3] اھـوفیھا وفی وجیز الکردری واللفظ لھا۔رجل دفع الی غیرہ مالا مضاربۃ ثم ان المضارب شارك رجلا اخر بدراہم من غیر مال المضاربۃ ثم اشتری المضارب وشریکہ عصیرا من شرکتھما ثم جاء المضارب بدقیق من المضاربۃ فاتخذ منہ ومن العصیر فلا یج عــہ قال ان اتخذ الفلایج باذن

غاصب نہ ہوگا تو ضمان نہ دے گا اھ (ملخصا)اور خانیہ کے اسی مقام پر فرمایا مضارب کو اختیار نہیں کہ وہ مضاربہ کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرے،اور اگر رب المال نے اسے "جو چاہے کر" کہہ دیا تھا تو اس کو خلط کا اختیار ہوگا اھ (ملخصا)اور اسی میں ہے اگر مالک نے "جو چاہے کر" نہ کہا ہو مگر اس علاقہ کے تجار کا معاملہ یوں ہے کہ مضاربت والے لوگ مال کو خلط کرتے ہیں اس کے باوجود رب المال لوگ ان پر اعتراض نہیں کرتے۔فقہاء کرام نے فرمایا اگر اس معاملہ میں عرف غالب ہوچکا ہے تو ہمیں امید ہے کہ مضارب ضامن نہ ہوگا اور عرف کے مطابق مضاربت دونوں میں باقی رہے گی اھ۔خانیہ اور وجیز کردری میں ہے جبکہ عبارت خانیہ کی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مضاربۃ پر مال دیا پھر مضارب نے دوسرے شخص کو اس کے کچھ دراہم لے کر شریک بنالیا جبکہ یہ دراہم مضاربۃ میں شامل نہیں کئے پھر مضارب اور اس کے ہم شریک نے اپنی شراکت کے مال سے جوس خریدا پھر مضارب مضاربت کے مال سے آٹا لایا اور آٹے اور جوس سے پیڑے بنائے تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر یہ پیڑے شریک کی اجازت

عــہ:الذی فی البزازیۃ فلاتج بالتاء

بزازیہ میں جومذکور ہے وہ فلاتج (ت کے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷-۶۳۶

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷-۶۳۶

الشریك ینظر الی قیمة الدقیق قبل ان تتخذ منه الفؤلا یج والی قیمة العصیر فما اصاب حصة الدقیق فھو علی المضاربة	سے بنے تو پیڑے بنانے سے قبل آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور یوں جوس کی قیمت کا بھی اندازہ کیا جائے تو جتنا حصہ آٹے کا بنے وہ مضاربہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الفوقانیة وذکر فیھا مانصه اعطاہ الفا وقال اعمل برأیك ثم اشتری المضارب مع شریکه عصیرا علی الشرکة فاتخذ المضارب من دقیق المضاربة و العصیرا لمشترك فلا تج باذن الشریك فالفلا تج علی المضاربة وضمن المضارب لشریکه قیمة العصیر ما یخصه [1] الخ وکتبت علیه مانصه اقول ھذا سبق قلم وانما ھو حکم ماذا فعل باذن رب المال دون الشریك کما سیذکرہ بقوله وان یاذن رب المال لاالشریك فالفلاتج علی المضاربة ویضمن حصة العصیر لشریکه [2] الخ اما حکم ھٰذا فما ذکر فی الخانیة انه ینظر الی قیمة الدقیق الخ ۱۲ منه غفرله۔

ساتھ ہے اور انہوں نے جو ذکر کیا عبارت یہ ہے مالک نے مضارب کو ہزار دے کر کہا "جو چاہے کر" پھر مضارب نے اپنے شریک سے مل کر جوس خرید اشراکت کے طور پر، تو مضارب نے مضاربہ کا آٹا اور شراکت کا جوس ملا کر شریک کی اجازت سے پیڑے بنائے، تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور مضارب جوس کی قیمت کے برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، اور میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے میں کہتا ہوں یہ قلم کی سبقت ہے حالانکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب مضارب نے یہ کارروائی رب المال کی اجازت اور شریک کی اجازت کے بغیر کی ہو جیسا کہ وہ خود اس کو قریب ہی ذکر کریں گے اپنے اس قول میں، کہ اگر رب المال نے اجازت دی اور شریک نے نہ دی تو پیڑے مضاربہ میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ میں برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، لیکن اس مذکور صورت کا حکم وہ ہے جو خانیہ نے ذکر کیا ہے کہ آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا الخ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۶

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۶

وما اصاب حصة العصیر فھو بین المضارب وبین الشریك لکن ہذا اذا کان رب المال قال له اعمل فیه برأیك فان لم یکن قال ذٰلك وفعل المضارب ذٰلك بغیر اذن الشریك فالفلایج تکون للمضارب وھو ضامن مثل الدقیق لرب المال ومثل حصة الشریك من العصیر للشریك فان کان رب المال اذن له فی ذٰلك والشریك لم یاذن فالفلایج تکون للمضاربة والمضارب ضامن حصة شریکه من العصیر وان کان الشریك اذن له بذٰلك ورب المال لم یاذن له فالفلایج تکون بینه وبین الشریك وھو ضامن لرب المال مثل الدقیق [1] اھ فلا ادری مافیھا من قوله المضارب اذا سافر بمال المضاربة ومال نفسه توزع النفقة علی المالین سواء خلط المالین اولم یخلط او قال له رب المال اعمل فیه برأیك اولم یقل له ذٰلك و السفر و مادون السفر فی ذلك سواء اذاکان لایبیت فی اھله [2] اھ لانه ھذا حکم المضاربة واذاخلط بغیر اذن ضمن، و الضمان والمضاربة	ہوگا جو حصہ جوس کا ہے وہ مضارب اور اس کے شریک کا ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب رب المال نے مضارب کو "جو چاہے کر" کہا ہو اور اگر اس نے یہ نہ کہا ہو اور مضارب نے یہ کارروائی اس کی اجازت کے بغیر کی ہو تو اس صورت میں پیڑے مضارب کے ہوں گے اور وہ آٹے کی مثل رب المال کا ضامن ہوگا، اور جوس کے حصہ کا شریک کو ضمان دے گا اور اگر رب المال کی اجازت تھی اور شریک کی اجازت نہ تھی تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ کے برابر شریک کو ضمان دے گا، اور اجازت کا معاملہ بالعکس ہو تو پیڑے مضارب اور اس کے شریک کے ہوں گے اور آٹے برابر رب المال کو ضمان دیگا اھ، اور خانیہ میں جو یہ ہے کہ مضارب جب مضاربۃ اور ذاتی مال کے ہمراہ سفر کرے گا تو نفقہ دونوں مالوں پر منقسم ہوگا خواہ دونوں مالوں کو خلط کیا یا نہ کیا، رب المال نے اس کو "جو چاہے کر" کہا ہو یا نہ کہا ہو، حد سفر ہو یا کم ہو جب وہ رات کو واپس گھر نہ لوٹ سکتا ہو، الخ۔ یہ میری سمجھ سے بالا ہے کیونکہ یہ حکم تو مضاربت کا ہے حالانکہ اگر رب المال کی اجازت کے بغیر خلط کیا ہو تو ضامن ہوتا ہے جبکہ ضمان اور مضاربت اپنے حال

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۳۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۳۸

لایجتمعان کما فی البزازیة[1] من نوع فی هلاك مالها فلیحرر وبقیة الاحکام واضحة دائرة فی الکتب کالخیریة والهندیة وغیرهما وذکرت غیر مرة فی فتاوٰنا۔ والله تعالٰی اعلم۔	پر جمع نہیں ہو سکتے جیسا کہ بزازیہ میں مضاربت کے مال کی ہلاکت کی نوعیت کے بیان میں ہے، اس کی تحقیق ہونی چاہئے، اور باقی احکام واضح ہیں اور کتب فقہ خیریہ، ہندیہ وغیرہما میں مذکور ہیں اور متعدد بار میں نے ان کو اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: از بازار جام تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد سعید صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شرکت کرنا اس طرح سے روزگار میں کہ زید نے عمرو کو سو روپے دئے اور کہا کہ اس سے جو چاہو روزگار، جو چاہو کر، یا فلاں، لیکن مجھ کو دس ۱۰ روپے تم فیصدی دینا، یا یوں کہا کہ جو تیری طبیعت میں آئے وہ دینا یا آنہ روپیہ کا نفع تعین کر دیا، آیا عمرو کو بیشی ہو کہ کمی، خالد کہتا ہے کہ تعین کرنا سود ہے۔ **فقط**

الجواب:

یہ کہ جو طبیعت میں آئے دینا، ناجائز ہے کہ تعین نہ ہوا اور یہ کہ دس فیصدی یا آنہ روپیہ دینا، اگر اس سے مراد ہے کہ جتنے روپے اس کو تجارت کے لئے دئے ہیں ان پر فیصدی دس یا فی روپیہ ایک آنہ مانگتا ہے تو حرام قطعی اور سود ہے اور اگر یہ مراد کہ جو نفع ہو اس میں سے سواں یا سولھواں حصہ دینا، تو یہ حلال ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة کتاب المضاربة الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۳

کتاب الامانات

(امانت کا بیان)

مسئلہ ۲۸: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یعقوب خاں کے مبلغ چھ ۶ روپے نیاز احمد کے ذمہ عرصہ کے چاہئے تھے، نیاز احمد کے پاس یعقوب خاں نے مبلغ بیس روپے دیکھ کر مبلغ چھ روپے اپنے لے لئے، نیاز احمد نے کہا کہ یہ روپے میرے نہیں ہیں عنایت اللہ کے ہیں، یہ کہنا نیاز احمد کا یعقوب خاں نے کچھ نہ سنا، روپے اپنے لے لئے، پھر عنایت اللہ یعقوب خان کے پاس آئے کہ روپے میرے تھے واپس کردو، یعقوب خان نے جواب دیا کہ میں نے نیاز احمد سے روپے لئے ہیں تم نیاز احمد سے طلب کرو مجھ سے کیا واسطہ، پس موافق شرع شریف کے یعقوب خاں کو روپے لینا جائز ہوئے یا نہیں اور عنایت اللہ اپنے روپے کا نیاز احمد سے تقاضا کرے یا یعقوب خان سے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یعقوب خاں کو معلوم تھا یا ثابت ہوگیا تھا کہ فی الواقع یہ روپے نیاز احمد کے نہیں دوسرے شخص کے ہیں، تو لینا ناجائز وگناہ ہوا، ورنہ قبضہ دلیل ملک ہے، اور دائن جب مدیون کا مال اپنے حق کی جنس سے پائے اور وہ دین از قبیل قرض یا معجّل یا اجل گزشتہ ہو تو ہر طرح لے لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

وذالك بالاجماع وانما النزاع فی خلاف الجنس کما فی الدر المختار[1] وغیرہ۔	یہ بالاجماع ہے اور اختلاف صرف جنس کے خلاف میں ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

رہا عنایت اللہ کا مطالبہ، اگر نیاز احمد نے یعقوب خاں کو خود روپے نہ دئے بلکہ یعقوب خاں نے بالجبر چھین لئے تو نیاز احمد سے مطالبہ نہیں یعقوب خان سے ہے فانه امین ولا ضمان علی الامین الا بالتعدی ولا تعدی من المقهور المغلوب (کیونکہ یہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا ماسوائے تعدی کے جبکہ مجبور و مغلوب تعدی کرنے والا نہیں ہوتا۔ت) اور اگر یعقوب خاں کے مانگنے پر یاز بانی اصرار پر دے دئے اگرچہ کتنا ہی اصرار کیا ہو یا یعقوب خاں نے چھیننے چاہے یہ اگر چاہتا تو بچالیتا مگر نہ بچائے بلکہ دے دئے تو نیاز احمد و یعقوب خاں دونوں ضامن ہیں عنایت اللہ جس سے چاہے مطالبہ کرے فان الثانی غاصب بالاخذ والاول بالدفع وترك الحفظ (کیونکہ دوسرا لینے کی بناء پر غاصب اور پہلو دینے اور حفاظت نہ کرنے پر۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

ماقولکم دام فضلکم ایها العلماء العظام والفقهاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیما و تکریما لدیه (اے علماء کرام اور فقہاء عظام! اللہ تعالٰی آپ کو اپنے دربار میں زیادہ تعظیم و تکریم دے، آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) اس صورت میں کہ مثلاً "زید کو ہندہ نے پانچ گنی فروخت کرنے کو دیں، زید نے وہ گنی لے کر اپنے پیسے کی تھیلی میں کہ چار آنیاں اور دوآنیاں جس میں رکھی تھیں کپڑے میں باندھ کر رکھ دئے اور ہنوز ان گنیوں کو فروخت کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید مذکور کہتا ہے کہ ایک شخص کو روپیہ دینے کو تھیلی مذکور میں نے صندوق سے نکال کر بالکل خالی کردی اور اُلٹ دی اور شخص مذکور کو روپیہ دے کر اس خالی تھیلی کو اسی صندوق میں ڈال دیا اور صندوق کو بند کرکے میں دوسرے کام میں مشغول ہوگیا اور ان گنیوں کا میں نے کچھ خیال نہ کیا، اور میں باہر صندوق کے ان کو بھول گیا۔ جب بعد چند روز کے ہندہ مجھ سے وہ گنیاں یا اس کے روپے طلب کرنے کو آئی تو میں نے تلاش گنیوں کی کی لیکن اب وہ گنیاں مجھے نہیں پاتی ہیں، اور مجھے نہیں یاد ہے کہ وہ گنیاں باہر رہ گئیں یا اور کوئی اٹھا لے گیا یا میرے کم خیالی سے اس روپیہ طلب کرنے والے کو دے دی، یہ مقولہ زید مذکور وکیل کا ہے، لہٰذا صورت مذکورہ مسئولۃ الصدر میں گنیاں مؤکلہ ہندہ مذکورہ کی جائینگی یا وکیل زید مذکور کے ذمہ ضمانت دینی لازم آئے گی، بینوا بیانا شافیا توجروا اجرکم اللہ اجرا وافیا (شافی بیان فرماؤ، اپنا اجر کامل اللہ تعالٰی سے پاؤ۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر ضمان لازم ہے کہ ضائع ہونا اس کی تقصیر سے ہے،

فی الھندیۃ رجل دفع الی دلال ثوبا لیبیعه ثم قال الدلال نسیت ولا ادری فی ای حانوت وضعت یکون ضامنا کذا فی فتاوٰی قاضیخان ولو قال وضعت بین یدی فی داری ثم قمت ونسیتھا فضاعت ینظر ان کانت الودیعة مالا یحفظ فی عرصة الدار ولا تعد حرزاله کصرة الدراھم و الذھب ونحوھما یضمن والا فلا کذا فی محیط السرخسی [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دلال کو فروخت کرنے کے لئے کپڑا دیا بعد میں دلال نے کہہ دیا کہ میں بھول گیا مجھے یاد نہیں کہ میں نے وہ کپڑا کس دکان میں رکھا ہے تو دلال ضامن ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں میں یونہی ہے، اور اگر دلال نے یوں کہا کہ میں نے کپڑا اپنے گھر اپنی نگرانی میں رکھا پھر میں چلا گیا اور بھول گیا تو ضائع ہوگیا تو غور کیا جائے گا کہ وہ امانت ایسی ہے جس کی حفاظت کہا جاسکتا ہے، مثلاً دراہم کی تھیلی اور سونے اور اس کی مثل چیز، تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰: از کمپ بریلی لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک نوٹ بکر کو اس غرض سے دیا کہ اس کا روپیہ اپنے آقا کی دکان سے لے کر بھیج دینا اور بکر سے کوئی اُجرت کسی قسم کی نہیں ٹھہری تھی اور وہ نوٹ راستہ میں گر کر گم گیا ہے تو روپیہ اس کا بکر کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ اور نیز آقا سے اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

آقا سے اس کا کچھ تعلق نہیں، نہ بکر پر تاوان آسکتا ہے جبکہ اس نے اپنی بے احتیاطی سے نہ گمایا ہو **کما ھو معلوم من حکم الامین** (جیسا کہ امین کے حکم سے معلوم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱: مسئولہ کرامت خاں بریلی غرہ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے اور وہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۴۳۔۳۴۲

زیورات گم ہوگئے اب وہ اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنادینا چاہتے ہیں۔وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وہ زیور بغیر اس شخص کے تقصیر کے گم ہوگئے تو اس کے بدلے میں اس سے کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی وناخوشی کو دخل نہیں۔بہت لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اس کا لینا حلال ہوجائے گا۔

"اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝" [1] "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]	کیا جھوٹ اور گناہ سے لیتے ہو،آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔(ت)

لہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر باہم شرط اقرار پائی ہو کہ جاتا رہا تو تاوان دیں گے تو یہ شرط بھی مردود و باطل ہے۔درمختار میں ہے:

لاتضمن بالهلاك من غير تعد وشرط الضمان باطل [3] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تعدی کے بغیر ہلاک پر ضامن نہ ہوں گے اور ضمان کی شرط باطل ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ کسی شخص نے کسی شخص کو کہا کہ تم مجھ کو پچاس روپیہ کی ہُنڈی منگادو،انہوں نے اقرار کیا کہ میں منگادوں گا،اس نے جاکر ان کے ملازم کو پچاس روپیہ دے دیا،ان کے ملازم نے یہ کہا کہ ہنڈی اس وقت نہیں ملی صبح کو لادوں گا،اس نے کہا کہ اچھا روپیہ تمھارے پاس رہے،اس نے کہا کہ میں نہیں رکھ سکتا ہوں کیونکہ دکان کا کچھ اعتبار نہیں۔اس نے جواب دیا کہ میں نہیں لے سکتا ہوں کیونکہ میں جن کے واسطے ہُنڈی منگاتا ہوں ان کا نام دفتر میں لکھ چکا۔اس نے یعنی ملازم نے جاکر اپنے مالک کو روپیہ سپرد کردیا کہ میں صبح کہ ہنڈی لادوں گا مالک نے اپنے روپیہ کی صندوقچی میں وہ روپیہ رکھ دیا اور اس صندوقچی کو کھلا چھوڑ کر دکان بند کرکے چلا گیا۔رات دکان قفل بے شکستہ کھلا پایا اور روپیہ جاتا رہا اور کسی چیز میں نقصان نہیں پہنچا اور رات کو

---

[1] لقرآن الکریم ۴/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

پہرہ والا پھرتا تھا انہوں نے دیکھا کہ دکان کا قفل کھلا ہوا ہے، اس نے چوکیدار سے دریافت کیا کہ اس دکان کا مالک کون ہے اور اس کا گھر کہاں پر ہے۔ ان کا گھر دور ہونے کی وجہ سے چوکیدار نے ملازم کا گھر بتادیا پہرہ والا نے ملازم سے کہا کہ تمھاری دکان کا قفل کھلا ہے، اس نے کہا کہ میں تو دکان بند کرکے آیا تھا۔ غرض کہ وہ ملازم پہرہ والا کے ساتھ آیا اور پہرہ والا نے پوچھا کہ کچھ مال وغیرہ تو نہیں گیا۔ پھر اس نے دکان بند کرنا چاہا، پہرہ والا نے منع کیا کہ جب تک کوتوالی میں یہ احوال نہ لکھالو بند نہ کرو، اس نے کرتوالی میں بھی لکھوادیا کہ دکان بے نقصان کھلا ہوا پایا اور صبح انہوں نے کہا کہ روپیہ جاتا رہا اور اکثر دکان کا ایسا اتفاق ہوا کہ دکان بند رہا روپیہ جاتا رہا اور اسی روز کی صبح کو مالک دکان نے دو ۲ ملازموں کو موقوف کیا، ایک ان میں روپیہ لے جانے والا تھا اور دوسرا اور کوئی تھا، بعد اس کے ہُنڈی کے روپیہ والے کو نہ ملازم نے اطلاع دی نہ مالک نے، کوئی بیس روز کے عرصہ کے بعد یہ عذر پیش کیا کہ روپیہ جاتا رہا اب اس صورت پر ازروئے شرع شریف کے روپیہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ روپیہ ملازم پر عائد ہوتا ہے اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے کہ جب اس نے اس شب صراحۃً کہا کہ کچھ نہیں گیا تو یہ اقرار ہوا کہ زرامانت موجود ہے پھر بعد کو یہ دعوی کہ اس وقت روپیہ جاچکا تھا اگلے قول کا صریح خلاف ہے جو ہرگز مسموع نہ ہوگا۔ اور اگر اس کے بعد جانے کا دعوی کرے جب بھی اس پر تاوان لازم ہے کہ جب زرامانت اس وقت تک موجود تھا رات کے وقت ایسی حالت میں کہ بازار بند ہے، کھلی دکان چھوڑ کر کوتوالی کو چلا جانا حفاظت میں تقصیر ہے، ہاں اگر اس کا یہ بیان ہو کہ اس وقت تک روپیہ نہ گیا تھا اور وہ جب کوتوالی لکھوانے کے لئے گیا تو دکان کا مالک یا اور کوئی محافظ جو اس کا اور ملازم کا اجنبی نہ ہو بیٹھا رہا حفاظت کرتا رہا پھر اس نے دکان بند کردی اور اس کے بعد صبح تک میں کسی وقت جاتا رہا تو تاوان نہ آتا۔

ہندیہ میں فصول العمادیۃ کے حوالہ سے ہے جب مالک نے اپنی امانت طلب کی تو رکھنے والے نے کہا کل لینا، پھر کل کو کہا وہ ضائع ہوگئی ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کب وہ ضائع ہوگئی ہے، اگر کہے میرے جواب کا کل لے جانا سے پہلے ضائع ہوئی تو ضامن	فی الھندیۃ عن الفصول العمادیۃ اذا طلب الودیعۃ فقال اطلبھا غدا ثم قال فی الغد ضاعت فانہ یسئل ان قال ضاعت قبل قولہ اطلبھا غدا یضمن وان قال ضاعت بعدہ

<table>
<tr>
<td>
لا للتناقض فی الاول دون الثانی [1]۔وفیھا من التتارخانیۃ قال لفلان عندی الف درہم ودیعۃ ثم قال بعد ذلك قد ضاعت قبل اقراری فھو ضامن ولو قال کانت لہ عندی الف درہم وضاع فالقول قولہ ولاضمان [2]۔وفی العقود الدریۃ عن الخلاصۃ والبزازیۃ یلزمہ الضمان للتناقض لان قولہ اطلبھا غدا اقرار منہ انھا ماضاعت فاذا قال ضاعت کان تناقضا [3]۔وفی الھندیۃ عن الخانیۃ اذا سرقت الودیعۃ من دار المودع وباب الدار مفتوح والمودع غائب عن الدار قال محمد بن سلمۃ رحمہ اللہ تعالٰی کان ضامنا و قال ابو نصر رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن اغلق الباب فسرق منہ الودیعۃ لایضمن یعنی اذا کان فی الدار حافظ [4]۔وفیھا عن التاتارخانیۃ عن النھایۃ استحفظ المودع الودیعۃ فی بیتہ بغیرہ بان ترك الودیعۃ والغیر فی بیتہ وخرج ھو بنفسہ ضمن اھ [5]
</td>
<td>
ہوگا،اور اگر کہے اس سے بعد ضائع ہوئی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں تناقض ہے اور دوسری صورت میں نہیں ہے اور اسی میں تاتارخانیہ سے ہے کہ اس نے کہا میرے پاس فلاں کے ہزار درہم امانت ہیں پھر اس کے بعد کہتا ہے وہ ضائع ہوگئے اور میرے اقرار سے قبل ضائع ہوئے تو وہ ضامن ہوگا اور اگریوں کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہزار امانت تھے جو ضائع ہوگئے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور ضمان نہ ہوگا،عقود الدریہ میں خلاصہ اور بزازیہ سے منقول ہے کہ تناقض کی صورت میں ضمان ہوگا کیونکہ اس کا کہنا مجھ سے کل لے لینا،یہ ضائع نہ ہونے کا اقرار ہے تو اب کہنا ضائع ہوگئے،دونوں باتوں میں تناقص ہے،اور ہندیۃ میں خانیہ سے منقول ہے کہ جب مودع (جس کے پاس امانت رکھی) کے گھر سے امانت چوری ہوگئی درانحالیکہ دروازہ کُھلا رہا اور مودع غائب تھا تو محمد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا اور ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جب دروازہ کھلا رہتا ہو تو چوری ہونے پر ضامن نہ ہوگا،یعنی اس صورت میں کہ گھر پر محافظ موجود رہتا ہو،اور اسی میں تاتارخانیہ سے بحوالہ
</td>
</tr>
</table>

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۵۲
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۵۶
[3] العقود الدریۃ کتاب الودیعۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۷۴
[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۴۴
[5] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۴۱

واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	نہایہ منقول ہے کہ گھر میں امانت کی حفاظت کے لئے دوسرے کو مقرر کیا اور پھر امانت اس کے سپرد کرکے خود چلاگیا تو ضامن ہوگا اھ ،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۳۳: ۱۸ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بتقریب نیاز جناب پیران پیر غوث الاعظم دستگیر علیہ السلام عمرو سے دیگ کرایہ پر لی۔وہ دیگ اسی شب کو زید کے مکان سے چوری ہوگئی،اب عمرو اس کی قیمت مانگتا ہے،بموجب حکم شرع شریف زید کو اس کی قیمت واجب الادا ہے یانہیں؟زید نے چوری جانے کے دیگ کی اطلاع سرکار میں کردی اور اس کی تحقیقات بھی ہوئی لیکن ابھی تک دیگ نہیں ملی،فقط

الجواب:

اگر زید نے دیگ حفاظت کے مکان میں رکھی ہے جہاں وہ اپنے برتن وغیرہ رکھتا ہے تواس پر الزام نہیں اور اس سے تاوان لینا جرم ہے۔ہاں اگر بے خیالی بے پروائی کی ہو غیر محفوظ مکان میں رکھی باہر چھوڑی ہو،تواس صورت میں زید کو ضرور اس کی قیمت دینی آئے گی،اور"**علیہ السلام**"لفظ بالاستقلال حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کے لئے خاص ہے ان کے غیر کے لئے استقلالاً جائز نہیں۔حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: از بدایوں مسئولہ سید حسین علی صاحب بدایونی ۱۵شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ فقیر سید حسین کا جمع کیا ہوا پاس حاجی ذاکر علی صاحب کے موجود ہے جو بغرض اخراجات حج بیت اللہ شریف وبصورت بقائے حیات بنابر خورد ونوش بھائی مولوی سید اشفاق علی حقیقی چچا اہلیہ سید حسین مذکور بایں بیان جمع کیا گیا ہے کہ بھائی صاحب موصوف کو کسی قسم کی تاحیات تکلیف نہ ہو اگر ضرورت ہوگی تو میں سید حسین اور بھیجوں گا اور حسب بیان حاجی ذاکر علی صاحب کے سید حسین نے حاجی صاحب سے کہا کہ اگر خدانخواستہ سید اشفاق علی ممدوح کا انتقال ہوجائے اور زر مجتمعہ مذکور سے کچھ بچ رہے تو بچا ہوا روپیہ سید حسین مذکور کو دیا جائے،اس کے بعد سید اشفاق علی صاحب بہ ہمراہی حاجی ذاکر علی صاحب حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے اور تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب موصوف کے حاجی ذاکر علی صاحب اسی رقم مجتمعہ سے کرتے رہے بقضائے الٰہی بعد ادائے حج شریف

بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ بھائی سید اشفاق علی صاحب موصوف کا انتقال ہوگیا، مرحوم کی تجہیز وتکفین وتدفین میں بھی جو کچھ صرف ہوا وہ بھی رقم مجتمعہ مذکور سے ہوا اس کے بعد حبہ حبہ اخراجات سید اشفاق علی صاحب مرحوم از یوم روانگی ہندوستان تا یوم تدفین سید اشفاق علی صاحب مجرا ہو کر پاس حاجی ذاکر علی صاحب حسب تحریر و بیان حاجی صاحب موصوف مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے باقی بچے وہ بھائی سید لیاقت علی صاحب نے واسطے دینے سید حسین مذکور کے حاجی صاحب موصوف سے طلب کئے، حاجی ذاکر علی صاحب نے فرمایا کہ یہ روپیہ مجھ کو سوائے سید حسین کسی کو نہیں دینا چاہئے وہ مجھ سے کہہ گئے ہیں سوائے میرے کسی کو نہ دیجئے گا میں ذاکر علی سوائے سید حسین مذکور کے کسی کو نہیں دوں گا، اس گفتگو میں کچھ طول ہوا کہ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی جنہوں نے بذریعہ ہجرت سکونت متصل مکہ معظّمہ میں کرلی ہے فرمایا جھگڑا مر گزمت کرو میں بھی بدایون کا رہنے والا ہوں اور اب یہاں رہتاہوں بدایونی کی سخت ذلت ہوگی، نزاع تو صرف اس بات پر ہے کہ روپیہ سید حسین نے جمع کیا اور ان کو ملنا چاہئے سو آپ سید لیاقت علی صاحب اطمینان فرمائے، ابھی حاجی ذاکر علی صاحب کا مال فروخت نہیں ہوا جس وقت حاجی صاحب ممدوح کا مال فروخت ہوگیا میں عزیز بخش ذمہ دار ہوتاہوں اور آپ سید لیاقت علی صاحب سے وعدہ کرتاہوں کہ یہ مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے سید حسین مذکور کے نام سے دہلی والوں کی دکان پر جو یہاں ہے جمع کرادوں گا، ہندوستان میں یہ روپیہ سید حسین مذکور کو مل جائے گا، چنانچہ مطمئن ہو کر بھائی سید لیاقت علی صاحب مکہ معظّمہ سے بشوق دیدار روضہ مبارک حضور سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ والتسلیمات روانہ مدینہ منورہ ہوگئے اور جو تحریر حضور والا کے پاس مرسلہ حاجی ذاکر علی صاحب موصوف معرفت حاجی عبدالرزاق صاحب آئی اس میں تحریر تھا کہ سید حسین مذکور کے جمع کیے ہوئے روپے میں سے بعد تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب ذمہ حاجی ذاکر علی کے پاس (اماصہ عہ/۲) بچا ہے اور جمع ہے تحریر ہذا کی صداقت میں حاجی لیاقت علی شہادت دیتاہوں کہ میں نے اپنا نام شروع تحریر میں بھی لکھ دیا ہے فقط راقم سید حسین قادری، دستخط گواہ بیان تحریر ہذا سید لیاقت علی ۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ

الجواب:

اگر بیان مذکور واقعی ہے تو اس روپیہ کا مستحق سوائے سید حسین کے کوئی نہیں ہے، وارثان سید اشفاق علی کا اس میں کچھ حق نہیں، حاجی ذاکر علی امین پر فرض ہے کہ بقیہ چار سو پچیس روپیہ دو آنہ تمام وکمال سید حسین کو ادا کرے، ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ روپیہ سید حسین نے سید اشفاق علی کو قرض نہ دیا کہ بحال انتقال بقیہ کو واپسی کو کہا تھا۔ قرض ہوتا تو بہر حال تمام وکمال واپس ہونا لازم ہوتا

لاجرم یہ روپیہ ایک امر خیر میں اعانت کے لئے دیا جس طرح مصارف خیر کے چندے ہوتے ہیں ایسی حالت میں وہ روپیہ ملک مالک پر رہتا ہے اور اس کی اجازت سے اسی مصرف خیر میں صرف ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کچھ باقی بچے تو اسے واپس دینا یا اس کی اجازت و رضا سے کسی اور مصرف میں صرف کرنا لازم ہوتا ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل مات فی مسجد قوم فقام احدہم وجمع الدراہم ففضل من ذلك شیئ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ[1]۔	اگر کسی قوم کی مسجد میں مسافر فوت ہوگیا اور ایک شخص نے اس کے کفن کے چندہ سے کچھ دراہم جمع کئے اور کچھ بچ گئے تو اس کو معلوم ہے کہ بچے ہوئے دراہم فلاں کا چندہ ہے تو اس کو واپس کردے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ان فضل شیئ رد للمتصدق[2]۔	اگر بچ جائیں تو جس کا چندہ ہوا سے واپس کرے۔(ت)

بلکہ جو کچھ سید اشفاق علی کی موت و تجہیز و تکفین میں صرف کیا اس کا بھی ضمان حاجی ذاکر علی پر لازم ہے کہ سید حسین نے صرف حیات سید اشفاق علی تک اجازت دی اور باقی کی واپسی کو کہا تھا بلکہ مولوی عزیز بخش کا جواب کہ حاجی ذاکر علی کا مال بک جائے تو دیں گے دلالت کررہا ہے کہ وہ مال حاجی مذکور نے خرچ کردیا جس کی نسبت بیان سائل ہے کہ بمبئی میں اس کا کُل مال حاجی ذاکر علی نے خرید لیا پھر اپنے پاس سے مصارف سید اشفاق علی میں صرف کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو سارا زر ضمانت جس قدر سپرد کیا تھا سب کا تاوان حاجی ذاکر علی پر حسین کے کے لئے لازم ہے پورا واپس دے اور جو کچھ مصارف حیات و وفات سید اشفاق علی میں اٹھایا وہ حاجی ذاکر علی صاحب کا تبرع و احسان تھا جس کے عوض وہ کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا، عالمگیری میں ہے:

رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراہم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد	ایک شخص نے لوگوں سے چندہ جمع کیا تاکہ مسجد تعمیر کی جائے تو اس نے چندہ کی کچھ رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرلی اور اس کے بدلے رقم چندہ میں دے دی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه(الی قوله) لکن ھذا یجب ان یکون فی رفع الوبال اما الضمان فواجب کذا فی الذخیرة[1]۔واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو یہ جائز نہیں۔اگر اس نے ایسا کیا تو وہ رقم دینے والے کو واپس کرے اگر اس کا علم ہو یا پھر اس سے دوبارہ مسجد میں صرف کی اجازت لے،اس کے آخر میں فرمایا لیکن یہ مذکور حکم گناہ کے وبال کو ختم کرنے کے لئے ہے تاہم ضمان تو وہ اس پر بہر صورت واجب ہے۔یوں ذخیرہ میں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۵: مستفسرہ مظہر حسین بہاری پور بریلی رز دوشنبہ ۲۲رجب ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ کے پاس مبلغ پچیس عدد اشرفی بطور امانت کے رکھ دی تھی،بعد چند روز کے جب اس سے وہ اشرفی طلب کی تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں میں جا کر لادوں گی،یہ کہہ کر لینے کو گئی،جب اپنی ماں کے مکان سے واپس آئی تو کہا کہ میری والدہ نے کہا کہ وہ اشرفیاں تیرے باپ نے مجھ سے لے کر تیرے بھائی کے مقدمہ میں صرف کردی ہیں اور یہ کہا ہے کہ بہت جلدی ان کی فکر کردی جائے گی اطمینان رکھو،پھر دوبارہ چند روز کے بعد لینے کو گئی تو پندرہ یوم کے بعد واپس آئی تو جو زیور کہ خود پہنے ہوئے تھی اور اس کے خاوند کا بنوایا ہوا تھا قریب دو سو روپے کے وہ ہیں وہ اپنے والدین میں چھوڑ آئی،جب اس سے دریافت کیا کہ تو نے زیور کس کو دیا،تو کہا کہ ایک عورت قرابت کی ہے اور وہ شادی میں گئی ہے مجھ سے مانگ کرلے گئی،اس کے خاوند نے اس سے کہا کہ تو نے بلااجازت میری اپنا زیور بھی دے دیا اور اشرفیاں بھی دے دیں اور اکثر کام تو میری بلااجازت کرتی ہے تو میرے کام کی نہیں میں تم کو طلاق دیتاہوں یہ کہہ کر طلاق دے دی اور وہ عورت اپنے والدین میں مع اپنے اسباب کے چلی گئی تو اب وہ اشرفیاں کا روپیہ اور وہ زیور خاونداس کا کس سے پاسکتا ہے،آیا اس عورت یا اس کی ماں سے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

زیور کا مطالبہ خاص عورت سے ہے اس کی ماں سے تعلق نہیں۔اشرفیوں کے بارے میں سائل نے بیان کیا کہ جب عورت سے مانگیں تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں اس پر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۸۰

زید ناراض ہوا کہ کیوں بے اجازت اسے دیں اور ماں باپ کے پاس دوسرے کی امانت رکھ دینے میں اکثر علماء کا اختلاف ہے، فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی خلاصہ وغیرہما میں اس کا جواز اس شرط پر ہے کہ وہ اور یہ ایک ہی ساتھ رہتے ہوں ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الابوان کالاجنبی حتی یشترط کونہما فی عیالہ کذا فی الخلاصۃ[1]۔	امانت کی حفاظت کے معاملہ میں والدین اجنبی کے حکم میں ہیں جب تک کہ وہ اس کی عیال میں نہ ہوں عیال میں ہونا شرط ہے۔ یوں خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتفسیر من فی عیالہ فی ھذا الحکم ان یساکن معہ سواء کان فی نفقتہ اولا کذا فی الفتاوٰی الصغرٰی و ھکذا فی فتاوی قاضی خاں[2]۔	اس حکم میں عیال کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ سکونت پذیر ہوں اس کے نفقہ میں شامل ہوں یا نہ ہوں فتاوٰی صغرٰی اور فتاوٰی قاضیخان میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

اور علامہ مقدسی نے فتوٰی اس پر نقل کیا کہ اس کا ساتھ رہنا شرط نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

وفیہ ای فی المقدسی لایشترط فی الابوین کونہما فی عیالہ وبہ یفتٰی[3]۔	اس میں یعنی مقدسی میں ہے والدین کے معاملہ میں ان کا اس کی عیال میں ہونا شرط نہیں ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امین جس کے پاس امانت رکھی اس کا اس مال کی نسبت قابل اطمینان ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے فقط اس امین کے ذاتی مال پر امین ہونا کافی نہیں کہ یہ امر باختلاف مالک مال بدلتا ہے مثلاً اکثر زنان زمانہ اپنی دختر کے مال میں ضرور قابل وثوق ہیں مگر اس سے داماد کے مال پر اطمینان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ بارہا ماں بیٹی دونوں اس کے تلف میں ہم زبان ہوجاتی ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

للمودع ان یدفع الودیعۃ الی من کان فی عیالہ کان المدفوع	مودع کو جائز ہے کہ امانت اپنے عیال کو سپرد کردے اور عیال میں سے بیوی یا اولاد یا والدین ہوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ / ۳۳۹
[3] ردالمحتار کتاب الایداع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۵۱

اليه زوجته او ولده او والديه اذا لم يكن متهما يخاف منه على الوديعة هكذا فى فتاوٰى قاضيخاں [1]۔	بشرطیکہ ان کے پاس امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ فتاوٰی قاضیخاں میں یوں ہے۔(ت)

لہٰذا عورت کا یہ فعل کہ اشرفیاں اپنی ماں کو دے آنا بتاتی ہے مسلم نہ ہوگا۔ عورت پر اشرفیوں کا تاوان ہے اگر معلوم ہو کہ واقعی اپنی ماں کو دے آئی تھی اور ماں نے اس کے باپ کو دیں اس نے مقدمہ میں صرف کیں، گو زید کو اختیار ہے کہ عورت یا اس کی ماں یا اس کے باپ جس سے چاہے اس کا تاوان لے۔

لانهما كغاصب الغاصب فللمالك ان يضمن من شاء، والله تعالٰى اعلم۔	کیونکہ وہ دونوں غاصب کے غاصب کی طرح ہیں تو مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۶: مرسلہ عبدالرحیم وابوالفضل محمد مظہر از ضلع ہگلی وانمباڑی ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ

ایک شخص نے زید کو دو سو روپے دئے کہ اس کا سونا خرید کر زیور بنوا دینا، اس نے سونا خرید کر جیب میں رکھا، سنار کو دینے جارہا تھا کہ جیب سے نکل گیا یا کسی نے جیب کترلی تو یہ نقصان کس کا ہوا۔

الجواب:

وہ شخص امین ہے جبکہ اس نے حفظ میں قصور نہ کیا اور جاتا رہا اس پر تاوان نہیں۔ ہاں اگر اس نے غفلت کی مثلاً جیب پھٹی ہوئی تھی اس میں سے نکل جانے کا احتمال تھا اس نے ڈال لیا اور وہ نکل گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے **لانه متعد والمتعدی ضامن** (کیونکہ یہ تعدی کرنیوالا ہوا اور تعدی کرنیوالا ضامن ہوتا ہے) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب روز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کافر مرگیا اور کوئی وارث قریب و بعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دے دے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے۔ تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو؟

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹

الجواب:

جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنی نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر وثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مر گیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع ملک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص ملک خدا ہے لہٰذا فقراء کو دیا جائے گا یا مساجد یا مصارف دینیہ میں صرف کیا جائے اور اگر فقیر ہے تو آگیا ؏ فیصل ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸: مسئولہ حافظ تعین صاحب ملوکپور بریلی روز یک شنبہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کی بھاوج ہندہ نے دوہزار روپیہ جمع کر دیا ہے زید دس روپے ماہوار اپنی بھاوج وہندہ کو دیتا ہے زید نے کئی مرتبہ ہندہ سے اجازت چاہی کہ روپیہ تجارت میں لگا دے مگر ہندہ نے اس وجہ سے کہ تجارت میں روپیہ لگا دینے سے ہر وقت نہیں مل سکتا ہے اجازت نہ دی، زید نے یہ روپیہ تجارت ہی میں لگا دیا ہے مگر ہندہ اپنا روپیہ جس وقت طلب کرے زید دے سکتا ہے نفع زیادہ ہونے کی حالت میں دس روپے کے علاوہ بھی زید دیتا رہتا ہے مگر کبھی حساب کرکے روپیہ نہیں دیا۔ زید کا قصد ہے اگر اس کی بھاوج اپنا روپیہ لے لے تب بھی کچھ خدمت کرنے کا ہے، ایسی حالت میں یہ دس روپیہ ماہوار کیا سود ہوگا؟ اگر سود ہوگا تو بچنے کی کیا صورت ہے؟ **فقط**

الجواب:

جبکہ ہندہ نے تجارت کی اجازت نہ دی تو یہ مضاربت نہیں ہوسکتی۔ ہندہ نے اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کیا تھا تو یہ قرض نہ تھا ودیعت تھا اس وقت تک زید اگر بطور خود اسے کچھ دیتا رہا تو وہ نہ قرض کا نفع تھا نہ کسی عقد معاوضہ میں زیادتی، لہٰذا سود نہیں ہوسکتا تھا بلکہ زید کی طرف سے ایک تبرع واحسان تھا، اب کہ زید نے بلااجازت ہندہ اسے تجارت میں لگا دیا تو زید غاصب ہوگیا اس پر تاوان آیا اب وہ ہندہ کا مدیون ہوا اگرچہ اس دین کی وجہ سے دیتا ہے تو دینا اور لینا حرام اور سود ہے۔ اور اگر تصریح کردے کہ اس کی وجہ سے نہیں بلکہ خود ایک خدمت کرتا ہے اور اگر روپیہ ادا بھی ہو جائے گا تب بھی کرتا رہے گا تو سود نہیں مگر احتیاط اولٰی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

؏: اصل میں اسی طرح ہے لیکن سیاق عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبارت یہ ہوگی کہ "اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔

مسئلہ ۳۹: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶ صفر ۱۳۳۵ھ

روپیہ مدرسہ اسلامیہ کا اگر کسی مسلمان سیٹھ کے یہاں پر امانت اس کے کاغذات میں جمع کردیا جائے اور وہ رقم بشمول اس کے دیگر کے صرف میں آگئی مگر کاغذات میں امانت ہی جمع ہے اور جب اس کے محافظ اس رقم کو طلب کریں تو فوراً دے سکتا ہے تو ایسا استعمال رقم مذکورہ میں سیٹھ مذکور پر شریعت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے یا کہ اس رقم کو وہ سیٹھ علیحدہ شمار کرکے رکھ چھوڑے۔ بینوا توجروا

الجواب:

زرِ امانت میں اس کو تصرف حرام ہے۔ یہ ان مواضع میں ہے جن میں دراہم و دنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہٖ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا والمسئلۃ منصوص علیہ فی الدر المختار وکثیر من الاسفار (یہ مسئلہ درمختار اور بہت سی کتابوں میں منصوص ہے۔ ت) مہتممان انجمن نے اگر صراحۃً بھی اجازت دے دی ہو کہ تم جب چاہنا صرف کرلینا پھر اس کا عوض دے دینا، جب بھی نہ سیٹھ کو تصرف جائز نہ مہتمموں کو اجازت دینے کی اجازت تو مہتمم مالک نہیں۔ اور قرض تبرع ہے اور غیر مالک کو تبرع کا اختیار نہیں، ہاں چندہ دہندہ اجازت دے جائیں تو حرج نہیں، اس حالت میں جب سیٹھ تصرف کرے گا روپیہ امانت سے نکل کر اس پر قرض ہوجائے گا جو عندالطلب دینا آئے گا اگرچہ کوئی میعاد مقرر کردی ہو۔

فان التاجیل فی القرض باطل کما فی الدر المختار [1] وغیرہ۔	کیونکہ قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنا باطل ہے۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴۰: از جبلپور چھاؤنی مرسلہ عبدالوحید خان صاحب اسسٹنٹ ماسٹر اسکول لیس نائک نمبر ۳۴۳ پلاٹون نمبر ۸ کمپنی بی پلٹن (۲ /۹۱) ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو چند قطعات نوٹ پانچ پانچ روپیہ کے اور دس دس روپیہ کے بطور امانت کے رکھنے کو دئے اور یہ بھی اجازت دے دی کہ تو اس امانت

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۹

میں سے حسب ضرورت اپنی خرچ کر سکتا ہے لیکن آئندہ ماہ میں یہ سب امانت مجھ کو واپس دینا ہوگی بکر نے وہ سب نوٹ اپنی جیب میں رکھ لئے حالانکہ سوائے اس امانت کے بکر کی جیب میں کچھ نوٹ یا نقدی بالکل نہیں تھی بکر بموجب اجازت زید کے ڈاکخانہ کو واسطے کرنے منی آرڈر اپنے مکان کو گیا اور اسی امانتی نوٹوں میں سے منی آرڈر اپنے مکان کو کیا، وہاں پر آدمیوں کا اژدحام زیادہ تھا یقینا کسی چور نے ایک نوٹ دس روپیہ والا جیب سے نکال کیا کیونکہ اسی وقت ڈاکخانہ پر ہی حساب کرنے سے معلوم ہوگیا کہ نوٹ چوری گیا، ایسی حالت میں بکر نوٹ مسروقہ کا تاوان کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اور زید بکر سے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ حالانکہ زید کو بھی یقین ہے کہ نوٹ ضرور چوری گیا۔

الجواب:

وہ روپیہ امانت تھا۔ اور زید نے بکر کو وقت حاجت صرف کرنے کی اجازت دی تھی تو جس قدر کا اس نے منی آرڈر اپنے گھر کو بھیجا وہ امانت سے نکل کر قرض ہوگیا اور جتنے نوٹ باقی رہے وہ بدستور امانت رہے ان میں سے جو نوٹ جاتا رہا اگر بکر کی بے احتیاطی سے گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے ورنہ ہر گز نہیں۔

مسئلہ ۴۱: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایک ضرورت سے بانکی پور جانا ہے۔ ۹ ربیع الاول شریف کو گیا سے اس کے پاس ایک شخص آیا اور ایک خط دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ گریڈیہہ میں ۱۰، ۱۱ ربیع الاول کو وعظ و میلاد کا جلسہ ہے، متعدد علماء کے پاس خطوط گئے ہیں مگر کسی کے آنے کی امید نہیں، آپ ضرور تشریف لائے ورنہ ہماری سخت ذلت ہوگی، زید نے عذر کیا کہ مجھے مجبوری ہے میں جس کا نوکر ہوں وہ یہاں نہیں ہیں بغیر ان کی اجازت کے میں نہیں جاسکتا۔ اس پر عمرو نے رائے دی کہ وہ تو کوئی دور جگہ نہیں ہے۔ یہ صاحب وہاں جاکر اجازت لا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص وہاں گیا اور اجازت لے آیا۔ (عہ/) وہاں جانے آنے کا کرایہ یکہ کا ہوا، اس کے بعد ۹ بجے شب کی گاڑی سے دونوں روانہ ہو کر گیا پہنچے (عہ ۸/) سہسرام سے گیا تک کرایہ ہوا۔ جب وہ شخص اجازت لینے کے لئے گیا تو زید نے ٹائم ٹیبل دیکھا معلوم ہوا کہ یہاں سے گریڈیہہ جانے کے لئے تین راستہ ہے۔ ایک براہ کیول۔ دوم براہ بانکی پور، سوم براہ آسنسول، زید نے خیال کیا کہ اچھا موقع ہے اسی ضمن میں بانکی پور ہوتے چلیں گے، گیا سے ۹ بجے دن کو ایک گاڑی چھوٹتی ہے جو براہ کیول ۸ بج کر ۴۴ منٹ شب کو گریڈیہہ پہنچتی ہے۔ زید نے گیا میں یہ رائے قائم کی اگر اس گاڑی سے

جاتاہوں تو ۹ بجے شب کو پہنچوں گااس وقت میں تکان سفر کی وجہ سے آج تقریر نہ کرسکوں گا سوااس کے کہ جو کچھ کہنا ہو کل کہوں مجھے ضرورت بانکی پور کی بھی ہے بہتر ہے کہ اس وقت ۷ بجے روانہ ہو جاؤں اور بانکی پور پہنچ کر دن بھر ٹھہروں پھر شب کی گاڑی سے روانہ ہو کر صبح گریڈیہہ پہنچوں پھر خیال کیا کہ شب کی گاڑی سے روانگی میں وہاں ۵ بجے صبح کو گاڑی پہنچے گی وہ وقت تکلیف کا ہے لوگ اسٹیشن تک آئیں یانہ آئیں بہتر ہے کہ بانکی پور سے صبح کی گاڑی سے روانہ ہوں تاکہ وہاں ایک بجے پہنچتاہوں۔ چنانچہ اسی مضمون کا تار ۱۲کا وہاں دینے کو کہہ دیا کہ زید کل ایک بجے پہنچے گا اس کے بعد صبح ۷ بجے زید بانکی پور روانہ ہوا(عہ عہ ۱۵./)اس کو سفر خرچ دیا گیااس کا مصم قصد تھا کہ حسب قراداد میں صبح کو ضرور روانہ ہو جاؤں گا مگر ایک ضرورت کی وجہ سے نہ جاسکا پھر بھی قصد کیا کہ ۱۰ بجے دن کو ایک گاڑی جاتی ہے اس سے جائیں جو وہاں ۸بج کر ۲۴ منٹ کو پہنچے گی مگر جس کے یہاں جانا تھانہ اس کا محلّہ معلوم نہ نام ہی معلوم ہے۔ تار کے اعتماد اور استقبال کے خیال پر زید نے یہ دریافت نہ کیا تھا،اب سخت پریشان ہوا کہ کیا کروں کہ اب آگے جانا مفت میں پریشانی اٹھانا ہے یا اگر منزل مقصود تک رسائی ہوگی تو تھکا ہوا ہوں تقریر نہ کرسکوں گا مفت میں بلانے والے کا روپیہ صرف کرنا ہے اسی ہیص بیص میں اس گاڑی کا وقت بھی نکل گیااس لئے وہ واپس سہسرام آگیااس (عہ عہ ۱۵./) میں سے (صہ ۲/) گیا سے بانکی پور اور بانکی پور سے سہسرام تک صرف ہوااب سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں زید کو کس قدر روپیہ واپس کرنا ہوگا(لعہ ۱۳./) جو بچا ہے یا پورے (عہ عہ ۱۵./) یا(عہ _۴_./) جس میں کل خرچ اجازت لینے والے کا یکہ وتار وٹکٹ تا سہسرام تا گیا وقلی کی اجرت ہے اور جو کچھ واپس دے گا اس کی فیس منی آرڈر کس پر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بانکی پور سے سہسرام تک واپسی میں جو صرف ہوا وہ ضرور ذمہ زید ہے کہ روپیہ اسے جس سفر کے لئے دیا گیا یہ وہ سفر نہیں بلکہ اس کا نقض ہے۔اور موضع مقصود کی راہ معہور میں اگر بانکی پور نہیں پڑتا بلکہ اس میں پھر اور صرف زائد ہے جسے زید نے گیا سے اپنی حاجت کے لئے اختیار کیا تو قدر زیادت کا واپس دینا تو ہوگا ہی،اوراظہر یہ ہے کہ گیا سے بانکی پور تک کا کل کرایہ واپس دے کر یہ سفر اس کا اپنی غرض کے لئے تھا۔

ففی الدرالمختار من متفرقات البیوع المرأۃ اذا کفنت بلااذن الورثۃ	تو درمختار کے متفرقات البیوع میں ہے،بیوی نے ورثاء کی اجازت کے بغیر خاوند کو کفن دیا اور وہ

كفن مثله رجعت فى التركة ولواكثر لاترجع بشيئ قال رحمه الله تعالٰى ول قيل ترجع بقيمة كفن المثل لايبعد اھ [1] وفى وجيز الكردرى لاترجع وان قيل ترجع بقدر كفن المثل فله وجه [2] اھ.وفى الخلاصة لا ترجع بقدر كفن المثل ايضا فان قال قائل ترجع بقدر كفن المثل فله وجه اھ [3] وفى وصايا التنوير و الدر لو زاد الوصى على كفن مثله فى العدد ضمن الزيادة وفى القيمة وقع الشراء له وحنيئذ ضمن مادفعه من مال اليتيم والوالجية [4] اھ ـ وفى العقود الدرية فى معين المفتى اذا زاد فى عدد الكفن ضمن الزيادة فان زاد فى قيمة الكفن ضمن الكل كذا فى السراجية	کفن بازاری قیمت کے مساوی تھا تو ترکہ سے اس کی قیمت واپس لے سکے گی، اور اگر بازاری قیمت سے زائد کیا تو کچھ بھی واپس نہ لے سکے گی، اور اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا اگر کہا جائے کہ مثلی قیمت میں رجوع کر سکتی ہے تو بعید نہ ہوگا، اھ، اور وجیز الکردری میں ہے کہ زائد قیمت کی صورت میں رجوع نہیں کر سکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ مثلی قیمت تک رجوع کر سکتا ہے تو اس کی وجہ ہو سکتی ہے اھ، اور خلاصہ میں ہے کہ مثلی کفن تک بھی رجوع نہیں کر سکتی اور اگر کوئی یہ کہے کہ مثلی کفن تک رجوع کر سکتی ہے تو اس کی وجہ ہے اھ، اور تنویر الابصار اور درمختار کے وصایا کے بیان میں ہے کہ اگر وصی نے کفن کی تعداد میں زیادتی کی تو زائد کا ضامن ہوگا اور یہ عدد مثلی کفن کی قیمت میں خرید ہوا تو خرید اس کی ہوگی اور اس وقت اس کی خرید میں یتیم کا جتنا مال خرچ ہوا اس کا ضامن ہوگا، والوالجیہ اھ۔ اور عقود الدریہ میں ہے کہ معین المفتی میں فرمایا اگر کفن کے عدد میں زیادتی کی ہو تو صرف زیادتی کا ضامن ہوگا اور اگر قیمت زائد دی ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا، ایسے ہی سراجیہ میں ہے،

[1] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل الرابع مکتبہ حبیبہ کوئٹہ ۴/ ۴۳۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸

قلت وقد علله بانه اذا زادنی القیمة یکون مشتریا لنفسه وھو ضامن لمال المیت اھ نھج النجاۃ من الوصایا،ووجه کونه مشتریا لنفسه ان الوصی اذا زاد فی القیمة صار متعدیافی الزیادۃ وھی غیر متمیزۃ فیکون مشتریا لنفسه متبرعا فی تکفینه بخلاف ما اذا زادفی عدد الکفن فانه یضمن الزیادۃ فقط لانھا متمیزۃ[1]۔	میں کہتاہوں اس کی علت انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قیمت جب زائد دی تو وہ خریدار اپنے لئے ہوا اور میت کے مال کا ضامن ہوا،اھ نہج النجاۃ من الوصایا۔اس کے ذاتی خریدار بننے کی وجہ یہ ہے کہ وصی نے جب قیمت زائد دی تواس مقدار میں وہ متعدی ہوا جبکہ اس مقدار کا قیمت میں امتیاز نہیں تو تمام قیمت اس کی ذاتی خریداری میں صرف ہوئی،اور یہ کفن اس کی طرف سے بطور تبرع ہوگا۔بخلاف کہ جب عدد میں زیادتی کرے توصرف زائد عدد کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ زائد ممتاز ہے۔(ت)

واپسی کے یکوں اور قُلیوں کا کرایہ زید پر ہے۔یونہی گیا سے بانکی پور جانے میں جو یکہ اسٹیشن تک آیا اسٹیشن سے بانکی پور تک گیا یا قلی کو دیا ہو کہ یہ اس کا اپنا ذاتی سفر ہے سہسرام سے گیاتک جانا جبکہ موضع مقصود تک جانے میں بحر حال تھا اور اس تک وہ موضع مقصود کی نیت سے گیا اور ضرورت جومانع سفر و موجب رجوع ہوئی صحیح ضرورت و مجبوری تھی تو اتنا کرایہ واپس نہ دے گا ریل،یکہ،قلی،کسی کا کہ یہاں تک ان کے اذن سے ان کے کام میں صرف ہوا۔اور اگر اپنا کوئی کام پیش آیا جو قطع سفر کے لئے عذر شرعی نہ ہوسکتا ہو اس کے لئے چھوڑ دیا تو اس کے مناسب کوئی جزئیہ اس وقت خیال میں نہیں اور ظاہر یہ کہ اب بھی سہسرام سے گیاتک کا کرایہ واپس کرنا نہ ہوگا کہ جس وقت صرف ہوا جائز طور پر ہوا اور وہ اجیر نہ تھا کہ کام نہ ہونے سے اجرت نہ پائے کہ اتمام سفر اس پر واجب نہ تھا تو قطع جائز سے وہ صرف کو جائز واقع ہوا ناجائز و مضمون نہ ہو جائے گا،یکہ جس پر بلانے والا اجازت لینے گیا اور تار کہ اس نے دیا اگرچہ زید کے کہنے سے دیا،یہ زید پر نہیں،جتنا روپیہ واپس کرنا ہو اس کی فیس منی آرڈر اسی روپیہ سے دے کر وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور رد امانت کو مؤنت امین پر نہیں۔عالمگیریہ میں ہے:

مؤنة رد الودیعة علی المالك لا علی المودع کذا فی السراجیة[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	امانت واپس کرنے کا خرچہ مالک پر ہے نہ کہ مودع پر،سراجیہ میں یوں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۳۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۶۲

مسئلہ ۴۲: خادم نعمت خاکی بوڑاہااز پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کسی سے ہم نے کوئی چیز لی کہ لاؤ ہم بطور امانت رکھیں گے اور پھر بعد کو دے دیں گے اس میں سے کچھ غائب ہو گئی اور وہ شخص دینے والا طلب بھی نہیں کرتا ہے اب اس کے لئے قیامت میں نہ دینے پر جوابدہ ہوں گے یا نہیں؟ ہاں اس شے پر اس کا پتہ نشان مرقوم ہے۔

الجواب:

اگر اس کی بے احتیاطی سے اس میں سے کچھ غائب ہو گیا تو اس پر اس کا تاوان لازم ہے بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہو گا اور اگر اس نے پوری احتیاط کی اور وہ شے کُل یا بعض جاتی رہی تو اس پر الزام نہیں بلکہ اس کا تاوان لینا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کی شے گم ہو جائے تو اس چیز کے دام لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ شیئ اس کے پاس امانت تھی اور اس نے پوری احتیاط کی اور اتفاقاً گم ہو گئی تو اس کا تاوان لینا حرام ہے۔ اور اس کی بے احتیاطی سے گم ہوئی تو جائز ہے، اور اگر امانت محض نہ تھی مثلاً کوئی چیز خریدنی چاہی اور مول چکا کر اسے دکھانے کے لئے لے گیا اور وہ گم ہو گئی اس کے دام دے گا اگرچہ بے احتیاطی نہ کی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتاب العاریۃ

(عاریت کا بیان)

مسئلہ ۴۴:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین بکر سے مول لی اور اسی زمین میں سے کچھ بکر کی باقی رہی، ایک مکان زید کی زمین میں برضامندی زید کے بکر نے بنالیا جو زمین باقی رہی وہ صحن بکر کا ہے، جب زید نے اپنی زمین کو طلب کیا تو بکر قیمت دیتا ہے زمین نہیں دیتا ہے زید اس کے مکان کی قیمت دینے پر امادہ ہے اور پنچ بھی چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت زید کو دلادی جائے۔اس مسئلہ کی بابت عرض کیا جاتا ہے زید اپنی زمین لینا چاہتا ہے قیمت نہیں لینا چاہتا۔**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید پر جبر نہیں ہو سکتا کہ وہ خواہی نخواہی اپنی زمین بیچ ڈالے اور قیمت لے لے پنچ اگر اس کا جبر اس پر کریں گے خلاف شرع اور ظلم ہوگا بلکہ حکم یہی ہے کہ زید کی زمین کو دے دی جائے، رہا وہ مکان کہ بکر نے برضائے زید زمین زید میں بنایا اگر اس کے عملہ اکھیڑ لینے میں زمین زید کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو بکر کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے اور زید کی زمین خالی کردے یا زید راضی ہو تو اپنا عملہ اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اگر عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہو کر بکر کو جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ کر زمین خالی کردے یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے

اور اس کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے اکھڑنے کی حالت میں ہوتی ہو وہ بکر کو دے دے، جس حالت میں عملہ اکھڑوا دیا جائے جو نقصان اس اکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں مگر اس حالت میں کہ زید نے ایک مدت معین تک مکان بنانے کی اجازت دی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے اکھڑوانا چاہے تو عملے کا نقصان دے گا۔ ہدایہ میں ہے:

اذا استعار ارضا لیبنی فیھا اولیغرس جاز وللمعیران یرجع فیھا و یکلفه قلع البناء والغرس ثم ان لم یکن وقت العاریة فلا ضمان علیه وان وقت ورجع قبل الوقت صح رجوعه ویکرہ وضمن المعیر مانقص البناء والغرس بالقلع وذکر الحاکم الشھیدانه یضمن رب الارض للمستعیر قیمة غرسه وبنائه و یکونان له الاان یشاء المستعیر ان یرفعھما ولا یضمنه قیمتھما فیکون له ذٰلك لانه ملکه.قالوا اذا کان فی القلع ضرر بالارض فالخیار الی رب الارض لانه صاحب الاصل[1] اھ باختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تعمیر یا پودے لگانے کے لئے زمین عاریۃ لی تو جائز ہے تو عاریۃ دینے والے مالک کو واپس لینے کا اختیار ہوگا اور عمارت اور پودے کی مدت مقرر نہ کی ہو تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اور اگر وقت مقرر کیا تھا اور وقت سے پہلے اس نے رجوع کیا تو رجوع صحیح ہے اور مکروہ ہے اور مکان و درخت اکھاڑنے کے نقصان کا ضامن ہوگا اور حاکم الشہید نے ذکر فرمایا کہ زمین کا مالک اس صورت میں مستعیر کی عمارت اور درختوں کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ اس کی ملکیت قرار پائیں گے ہاں اگر مستعیر خود رکھنا چاہے تو اکھاڑلے اور زمین والے کو ضامن نہ بنائے تو ایسا کرسکتا ہے کیونکہ وہ خود نقصان کا ذمہ دار بنا ہے فقہاء کرام نے فرمایا اگر ان کے اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو پھر اختیار زمین والے کو ہوگا کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے، اھ، مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: از شہر محلّہ بہاری پور مرسلہ رضا علی صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک چادر جو منگنی لی تھی یعنی بطور عاریت

---
[1] الھدایہ کتاب العاریة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰۔۲۷۹

چند روز کے لئے لی تھی اس کو زید نے بعد انقضائے مدت عاریت ایک امین آدمی کے ہاتھ چادر مذکور کو اصل مالک کے پاس بھجوادیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ چادر جو زید نے آمین کے ہاتھ بھجوادی تھی اصل مالک کو نہیں ملی اس پر زید نے امین اول سے پوچھا وہ چادر اصل مالک کو کیوں نہیں ملی، امین نے جواب دیا کہ میں اصل مالک کے مکان پر دے آیا ہوں اصل املک تو مجھ کو نہ ملا تھا اس کے مکان کے اندر سے ایک لڑکا چھوٹا نکلا تب میں نے اس سے اصل مالک کو پوچھ کر کہ گھر میں ہے۔اس کے ہاتھ وہ چادر بھجوادی ہے اس بیان پر مالک نے اپنے لڑکوں کو آمین کے روبرو پیش کیا کہ ان لڑکوں میں کس لڑکے کو دیا، میں نے سب لڑکوں کو دیکھ کر یہ کہا کلہ ان میں وہ لڑکا نہیں ہے جس کو میں نے چادر دی ہے اصل مالک تو کہتا ہے کہ چادر میرے پاس نہیں پہنچی، اور امین کہتا ہے کہ چادر میں دے آیا، اور امین کے پاس اس امر کا ثبوت محض ایک طالب علم بالغ کی شہادت ہے، اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ چادر کا شرعی فیصلہ کیا ہے یعنی اس کا تاوان امین پر ہے یا زید پر جس نے چادر عاریت لی تھی یا کسی پر نہیں۔مالک کو صبر کرنا چاہئے۔

الجواب:

شخص متوسط جبکہ ایک چھوٹے لڑکے کو چادر دے آیا جسے یہ بھی نہ جانا کہ مالک چادر کا بیٹا ہے، نوکر ہے، اسی گھر میں رہتا بھی ہے، یا دوسرے جگہ سے آیا ہوا، یا راہ چلتا ہے، تو بیشک چادر ضائع کرنے کا اس پر الزام ہے، اور اس پر بہر حال تاوان لازم۔اگر وہ چادر اشیائے نفیسہ میں سے تھی جب تو ضاہر کہ ایسی چیز خاص مالک کے ہاتھ دینے سے صحیح واپسی ہوتی ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

ان ردالمستعیر الدابۃ مع عبدہ او اجیرہ مشاھرۃ او مع عبد ربھا او اجیرہ برئ بخلاف نفیس [1]۔(ملخصاً)	اگر مستعیر نے جانور اپنے غلام یا ماہانہ اجیر کے ہاتھ واپس کیا یا مالک کے غلام اور اجیر کے ہاتھ واپس دیا تو بَری ہوگا بخلاف کسی نفیس چیز کے۔(ملخصا)(ت)

اور اگر ایسی نہ بھی تھی تو غیر نفیس اشیاء کی واپسی بھی اس وقت معتبر ہے کہ اس کے غلام یا نوکر یا اہل وعیال میں سے کسی کو دے یا اس کے گھر میں حفاظت کی جگہ رکھ دے ناواقف انجان صغیر السن کو دے دینا کسی عاریت میں متعارف نہیں، غایۃ البیان میں ہے:

قال الحاکم الشھید فی الکافی ردالمستعیر الدابۃ فلم یجد صاحبھا	حاکم الشہید نے کافی میں فرمایا: مستعیر نے جانور واپس کیا تو مالک کو وہاں نہ پا کر حویلی میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۷

فربطها فی دارصاحبها الی معلقها فضاعت قال هو ضامن لها فی القیاس ولکن استحسن ان الا اضمنه، الی هذا لفظ الحاکم و وجه القیاس انه لم یوجد الرد الی المالك وجه الاستحسان انه اتی بالتسلیم للمعتادبه بین الناس لان الناس یستعیرون الدواب فیردونها الی اصطبل المالک، والجیران یستعیرون الة البیوت ویردونها الی دار صاحبها ویسلمونها الی من فیه دون صاحب الدار فلو ردالی المالك کان المالك ایضا یحفظها بهذا المکان فقد اسقط عند المستعیر عـــه کلفة زائدة.فترك القیاس بالعاد ولهذا قال مشائخنا لوکانت العاریة عقد الجوهر لم یجز ان یردہا الا الی المعیر لان العادة لم تجر بطرحه فی الدار ولادفعه الی الغلام [1]۔	کھرلی پر باندھ دیا تو ضائع ہوگیا تو انہوں نے فرمایا قیاس میں تو ضامن ہوگا ولیکن میں استحسان کرتے ہوئے ضامن نہ بناؤں گا، یہاں تک حاکم کے الفاظ ہیں، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کو جانور واپس نہیں پہنچا، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت کے اعتبار سے واپس کردیا ہے کیونکہ لوگوں میں عادت ہے کہ جانوروں کو عاریۃً لے جاتے ہیں اور واپس مالک کے اصطبل میں چھوڑ جاتے ہیں اور پڑوسی حضرات گھر کے آلات مانگ کر لے جاتے ہیں اور مالک کے گھر واپس چھوڑ جاتے ہیں اور مالک کا غیر جو بھی گھر میں ہو اس کو دے جاتے ہیں اور اگر مالک کو دیا جائے تو بھی اسی مکان میں حفاظت کے طور پر رکھتا ہے تو گھر میں واپس کرنے پر مستعیر نے مالک کو مزید تکلیف سے بچایا، تو حاکم شہید نے قیاس کو عادت کی وجہ سے ترک کردیا، اس لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر عاریہ جواہر کا ہار ہو تو پھر مالک کے بغیر کسی اور کو واپسی جائز نہیں کیونکہ ایسی چیز کے متعلق گھر میں چھوڑ جانے یا غلام کو دی جانے کی عادت جاری نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وذٰلك لان العبد صالح	یہ اس لئے کہ غلام حفاظت کا اہل ہے

عـــه: فی الاصل هکذا اوظنه عنه	(اصل میں اسی طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ "عنه" ہے۔ت)

[1] غایۃ البیان

للفظ عـــہ کالمربوط اذا ردھا الی المربط لایضمن کذا ھذا بخلاف مااذردھا الی ارض لان الارض لیست بصالحۃ للحفظ [1]۔	جیسا کہ اصطبل ہے تو جب اصطبل میں باندھ جائے تو ضیاع پر ضامن نہ ہوگا اور یہاں بھی ایسے ہے۔بخلاف جب اس کی زمین پر چھوڑ جائے کیونکہ زمین حفاظت کی اہل نہیں ہے۔(ت)

رہا زید، اگر یہ متوط اس کا نوکر یا اس کی عیال میں تھا اور اس نے ایسی بے احتیاطی کو اسی سے نہ کہہ دیا تھا کہ مالک یا اس کا معتمد ملے نہ ملے کوئی بھی پاؤ پھینک کر چلے آنا بلکہ یہ بے احتیاطی اس متوسط نے خود کی تو زید پر کوئی تاوان نہیں اور اگر ختم مدت عاریت کے بعد اجنبی کے ہاتھی بھیجی تو بیشک یہ بھی زیر مطالبہ تاوان ہے یونہی اگر اس کے کہے سے وہ بے احتیاطی ہوئی اگرچہ وہ متوسط اس کا بیٹا یا نوکر ہی ہو، ان دونوں صورتوں میں مالک چادر کو اختیار ہے چاہے زید سے تاوان لے چاہے اس متوسط سے، تنویر الابصار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

بخلاف الردمع الاجنبی بان کانت العاریۃ موقتۃ فمضت مدتہا ثم بعثہا مع الاجنبی [2]	بخلاف جبکہ اجنبی کے ہاتھ واپس کرے اس طرح کہ عاریۃ مقرر وقت کے لئے ہو تو وقت گزر جانے پر عاریہ کو اجنبی کے ہاتھ بھیج دے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

ستورے عاریت خواست وکس فرستاد تا ازنزد معیر بیارد مامور ستور رادر راہ برنشت وھلك یضمن المأمور ولا یرجع علی الامر اذا لم یکین مامور امن جھتہ وھذا اذا کانت تنقاد من غیر رکوب	کچھ پردے کسی سے مانگے اور یہ ایک شخص کو مالک کے پاس پردے لینے بھیج دیا تو اس شخص نے پردے راستہ میں رکھ دئے تو وہ ضائع ہوگئے تو مامور شخص ضامن ہوگا اور وہ ضمان میں آمر پر رجوع نہ کرے گا جبکہ مستعیر کی طرف سے یہ راستہ میں رکھنے پر مامور نہ تھا یہ صورت وہ ہے کہ

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ للحفظ	(اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق لفظ "للحفظ" ہے۔ت)

[1] غایۃ البیان

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

فان کانت لانتقاد الا بالرکوب لایضمن کما فی الفصول العمادیة[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	پردوں کو اٹھانے میں سواری کی ضرورت نہ ہو، اگر وہ ایسے ہیں کہ سواری کے بغیر منتقل نہیں ہو سکتے تو پھر مامور شخص ضامن نہ ہوگا، فصول العمادیہ میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۶۷

کتاب الھبۃ

(ہبہ کا بیان)

مسئلہ ۴۶: از ریاست رامپور محلّہ موتی خان مرسلہ طوطارام ۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی کل جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنے بھتیجے کے نام تملیک کراکر اس کو مالک و قابض کرایہ اور دستاویز میں لکھ دیا کہ جائداد تملیک شدہ کو میں نے اپنی ملکیت سے خارج کردیا اور مجھے میرے کسی وارث کو اس میں دعوی نہ رہا، جس وقت زید نے یہ دستاویز لکھی تھی اس وقت سے اس کے مرنے کے وقت تک زید کی کوئی اولاد نہ ذکور یا اناث موجود نہ تھی بس چار بھتیجے اور ایک نواسہ تھا اب بعد وفات زید نواسہ دعوی کرتا ہے کہ دستاویز تملیک نامہ کے ذریعہ سے جو جائداد زید نے ایک بھتیجے کے نام منتقل کی تھی وہ قابل جواز و نفاذ کے نہیں اور وہ جائداد مندرجہ دستاویز تملیک نامہ ملکیت زید قرار دی جائے اور متروکہ قائم ہو کر اس میں وراثت جاری کی جائے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب زید اپنی زندگی میں اس کو بذریعہ دستاویز تملیک منتقل کرگیا اور لکھ گیا کہ اس میں میری ملکیت باقی نہیں رہی تو وہ زید کی ملکیت قرار پاکر اس کا متروکہ قائم نہیں ہوگا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، شریعت اسلام کے بموجب ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے اور ہبہ بعد قبضہ تام پھر بعد موت احد العاقدین مطلقًا لازم اگرچہ

موہوب لہ اجنبی ہو اور بھتیجے کے نام تو فی الحال لازم، لہٰذا وہ جائداد بشرط قبضہ نامہ ملک موہوب لہ ہے۔وارثان واہب کا اس پر دعوی باطل ہے۔

ولنا رسالۃ فی تحقیق ھذا المرام سمیناھا "فتح الملیك فی حکم التملیک" من اختلج فی صدرہ شئی فلیطالعھا۔	اس مقصد کی تحقیق میں ہمارا ایک رسالہ ہے اس کا نام ہم نے "فتح الملیك فی حکم التملیک" رکھا ہے۔اس مسئلہ میں کسی کو شبہ ہو تو وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

الھبۃ ھی تملیك العین مجانا [1]۔	ھبہ مفت میں عین چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے۔(ت)

اسی میں ہے: وتتم بالقبض [2] (اور قبضہ دینے پر تام ہو جاتا ہے۔ت) اسی میں ہے:

ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ ولو ذمیا اومستامنا یرجع [3]۔(باختصار)۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ھبہ کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی موت اور قرابت ہونا، ھبہ میں رجوع (واپسی لینے) کے لئے مانع ہے۔ تو اگر اپنے ذی محرم کو ھبہ کیا اگرچہ وہ محرم ذمی یا مستامن ہو تو رجوع نہ کرسکے گا (باختصار)۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۷: از مارہرہ منورہ مرسلہ سیدنا سید ابوالحسن نوری میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مالک اصلی نے اپنے پسر عمرو کو دو باغ دئے پھر بعد چند روز کے عمرو سے واپس لے کر بکر اور خالد پسر وعمرو کو دئے یعنی پہلے خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام عمرو کا قائم کرایا اور عمرو باذن واہب اس پر قابض ہوا اور محاصل اس کا لیتا رہا اور احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتا رہا پھر عمرو سے واپس کرکے یعنی عمرو کا خانہ ملکیت دفتر حاکم

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹
[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳-۱۶۱

سے علیحدہ کراکے بکر اور خالد کا نام اس خانہ میں قائم کرایا اور وہ باغ دونوں کو عطا کئے اور عمرو نے جو یہ فعل اس کی غیبت میں ہوا تھا وقت اپنی حاضری کے بطوع ورغبت جائز رکھا اور کچھ تعرض نہ کیا مگر اس کے محاصل پر عمرو بدستور متصرف رہا اور تمتع ہر نوع کا ان باغات سے اٹھاتا رہا، اور بکر وخالد نے بربنا اس انبساط واتحاد کے کہ انہیں عمرو کے ساتھ تھا اس امر کا تعرض عمرو سے نہ کیا اور پٹہ جات ان باغات کے بکر اور خالد کے نام سے ہوتے رہے، گاہے بکر پٹہ کردیتا ہے گاہے خالد، گاہے دونوں کی طرف سے عمرو بقلم خود لکھ دیتا ہے، گاہے عمرو خود اپنے نام سے لکھ دیتا تھا، ان امور میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے معترض نہ ہوتا، اور اسی طرح مختلف طور سے رسیدات پٹہ داروں کو بابت زر اقساط محاصل ملا کرتے تھے، اگرچہ زر اقساط صرف عمرو تحصیل کرتا اور اسی کے تصرف میں آتا، پھر بعد چند روز وقت بندوبست حال جو منجانب حکام ہوا بدستور خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام بکر وخالد قائم رہا یعنی انہیں دونوں کے نام سے زید مالک اصلی نے وہ بات دفتر بندوبست میں قائم کرائے اور اس امر کو عمرو نے بھی پھر بدستور جائز رکھا بلکہ خود تصدیق بھی دفتر میں اس امر کی کردی کہ بکر وخالد ان باغات کے مالک ہیں مگر پھر بھی محاصل باغات وہی عمرو بدستور قدیم پاتا رہا اور باغات اسی کے زیر تصرف رہے اور بکر وخالد نے اسی اتحاد ویکجہتی کے سبب سے کوئی اعتراض پھر بھی اس امر پر نہیں کیا اور نہ معترض ہوئے، اور گاہے گاہے محاصل ایک باغ کا خالد بھی لیتا رہا اور گاہ گاہ ایک باغ میں خود بھی زراعت بطور شیر کرلیتا تھا مگر بکر نے کبھی نہ محاصل پایا اور نہ کبھی زراعت بطور شیر کی بلکہ خود ہی کبھی قصد بھی نہ کیا اور اگر اس امر کا کبھی ذکر بھی آیا تو عمرو نے جواب دیا مالک تم ہو مگر تمھیں چنداں حاجت نہیں ہے اور میرا خرچ زائد ہے اور معاش کم، یہ محاصل میری ہی تصرف میں رہنے دو، بکر نے اسے یکجہتی کی بنا پر منظور رکھا پھر بعد چند مدت کے بکر نے محاصل نصفی ان باغات کا لینا چاہا اور عمرو سے تعرض کیا تو عمرو مانع آیا غرض کہ بعد گفتگوئے بسیار عمرو نے یہ استدعا کی کہ بکر نصف سے ثلث لے لے یعنی کل میں جو نصف اس کا ہے اس میں وہ ثلث پر اقتصار کرے اور باقی اپنے طور پر خالد کے لئے چھوڑ دے، بکر نے بغرض قطع نزاع اپنے حق سے اس قدر نقصان گوارا کیا اور عمرو سے کہا ہم دونوں یعنی بکر وخالد کہ مالک باغات ہیں آپس میں فیصلہ کرلیں گے، چنانچہ اس امر پر باہم رضامند ہو کر تصفیہ ہوگیا یعنی درمیان بکر وخالد کے یہ صلح باستدعائے عمرو واقع ہوئی کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد فرزند عمرو کو چھوڑ دے، چنانچہ اس صلح کا اقرار نامہ بکر وخالد کی طرف سے بہ ثبت گواہی عمرو بنام ایک حکم ثالث کے تحریر ہوا اور ثالث نے بموجب اقرار نامہ فریقین فیصلہ لکھ دیا کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد اور اسے بموجب سوالات داخل خارج حکام وقت کے یہاں گزر گئے اور بربنائے اس صلح کے فصل ربیع وخریف گزشتہ

کا ایک ثلث بکر نے پایا، ہنوز معاملہ داخل خارج ختم ہوا تھا کہ پھر بعد چند روز کے عمرو مع خالد کے پسر اپنے کے اس سے اعراض کرکے بکر کو اخذ محاصل ثلث سے مانع آئے اور در بارہ داخل خارج کے عمرو نے سوال دے دیا کہ مالک اصل میں ہوں ہمیشہ سے محاصل پاتا رہا ہوں بکر کوئی چیز نہیں ہے اور خالد نام میرا خانہ ملکیت میں بجائے دونوں کے داخل ہوجائے اور اپنے بیٹے خالد کو راضی کرکے اس سے سوال دلادیا کہ واقع میں عمرو مالک ہے میں برائے نام ہوں چنانچہ حکام وقت نے نام دونوں کا خانہ ملکیت سے اپنے دفتر میں سے خارج کرکے نام عمرو کا قائم کردیا، پس اس صورت میں بکر کا یہ سوال ہے کہ آیا حق میرا قائم رہا یا نہ رہا، اور اگر رہا تو کس حساب سے؟ آیا نصفی بموجب عطائے قدیم زید مورث اصلی یا ثلث بموجب صلح حال کے یا دونوں صورت کا حق نہ رہا۔ بینوا توجروا

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، جبکہ حضرت مالک اصلی نے وہ باغ عمرو کو عطا فرمادئے تھے اور عمرو نے ان پر قبضہ کامل پایا تھا کہ احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتے اور اس کی تحصیل و تشخیص فرماتے رہے تو وہ باغ ملک مالک اصلی سے نکل کر ملک عمرو میں آئے اور اب مالک حقیقی عمرو قرار پائے بعدہ، جب غیبت عمرو میں مالک اول نے نام عمرو خانہ ملکیت سے خارج کرکے نام بکر وخالد داخل فرمایا اور وہ باغ انہیں عطا فرمادیئے تو یہ ھبہ ھبہ ملک غیر ٹھہرا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، پھر جب عمرو نے بعد حضور اس امر کو بطوع ورغبت جائز رکھا ھبہ اگرچہ صحیح ہوگیا ہو مگر اس کے تمامی، اور بکر وخالد کے ثبوت ملک محل کلام ہے اگر ھبہ ان دونوں حضرات کو مشاعا تھا یعنی ہر باغ دونوں صاحبوں کو مشترکہ عطا فرمایا گیا جب تو ناتمامی ھبہ وعدم ثبوت ملک موہوب لہا ظاہر ہے کہ واھب حقیقی یعنی عمرو نے اب تک تقسیم کرکے مجوزا ممیّزاً تسلیم نہ کی۔

فی تنویر الابصار وتتم بالقبض فی یدہ محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیما یقسم فان قسمہ و سلمہ صح اھ[1] ملخصا، وقلت وھبۃ المشاع قیل فاسدۃ فیثبت بھا الملك	تنویر الابصار میں ہے ھبہ ایسے قبضہ سے تام ہوتا ہے جو تقسیم ہو کر محفوظ ہوجائے، اور غیر منقسم جس کی تقسیم کی ضرورت نہیں ہے اور وہ غیر منقسیم ہے جس کی تقسیم کرنی ہو وہ قبضہ سے تام نہ ہوگا ہاں اگر اس کی تقسیم کردی اور قبضہ میں دے دیا تو صحیح ہے اھ ملخصا، میں کہتا ہوں مشاع یعنی

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

للموھب له اذا قبضه کذلك شائعا لکن ملکا خبیثا واجب الرد قائما والضمان ھالکا وبه افتی البعض، والحق انه لایثبت بها الملك اصلا ما لم یسلم مقسوما ھو الصحیح المعتمد کما حققه فی ردالمحتار وبه افتی الجم الغفیر وھو ظاھر الروایة عن ائمتنا الثلثة فعلیه التعویل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر منقسم کا ھبہ بعض کے نزدیک فاسدہ ہے لہٰذا اس پر قبضہ سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہوجائیگی جبکہ اس نے اسی مشاعی حالت میں قبضہ کیا ہو تاہم یہ ملکیت خبیثہ ہوگی موجود رہنے کی صورت میں واجب الرد اور ہلاک ہونے کی صورت میں قابل ضمان ہوگی، اسی قول پر بعض نے فتوٰی دیا ہے جبکہ حق یہ ہے اس پر قبضہ سے ملکیت ہر گز ثابت نہ ہوگی جب تک اس کو تقسیم کرکے نہ دیا جائے یہی صحیح اور قابل اعتماد ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تحقیق فرمائی اور اسی پر جم غفیر نے فتوٰی دیا ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کرام سے یہی ظاہر الروایت ہے تو اسی پر اعتماد ہے۔ (ت)

اور اگر ایک ایک باغ ہر موہوب لہ کو جداگانہ دیا گیا تھا تاہم اس قدر تقریر سوال سے ظاہر کہ جس طرح وہ باغ اس ھبہ سے پہلے قبض وتصرف عمرو میں تھے یونہی بعد ھبہ رہے اور آج تک عمرو نے اپنا ہاتھ ان پر سے نہ اٹھایا اور کسی دن بکر وخالد کے قبضہ میں تسلیم نہ کیا اگرچہ رسید وپٹہ جات گاہے بکر وخالد بھی اپنی طرف سے تحریر فرمایا کرتے رہے ہوں کہ جب تک عمرو کا رفع ید اور قبضہ حضرات موہو لہما میں تسلیم ثابت نہ ہو ھبہ ہر گز تمام اور تملک موہوب لہما ثابت نہیں ہوسکتا۔

فی الھندیة ومنھا ان یکون الموھوب مقبوضا حتی لا یثبت الملك للموھوب له قبل القبض [1] انتھی ومثله فی الھدایة وغیرھا۔	ہندیہ میں ہے ایک صورت ان میں سے یہ ہے کہ موہوب کسی کے قبضہ میں ہو تو اس پر موہوب لہ کی ملکیت نہ ہوگی جب تک قبضہ نہ کرلے اھ، اس کی مثل ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مانا کہ کسی وقت حضرات موہوب لہما یا ان میں سے ایک کا وضع یہ ثابت بھی ہوجائے مگر عمرو کا رفع ید ہر گز پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا، اور یہ شرط اول ہے۔

الاتری لو وھب دارا وسلمھا حتی وضع الموھوب له یدہ علیھا	آپ دیکھیں کہ اگر مکان ھبہ کیا اور سونپ بھی دیا اور موہوب لہ نے قبضہ میں لے لیا حالانکہ مکان ابھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

وکانت الدار مشغولة بمتاع الواھب لم تتم الھبة لعدم الرتفاع ید الواھب فلم یکمل القبض وفی ردالمحتار ان کان الموھوب مشغولا بحق الواھب لم یجز کما اذا ووھب السرج علی الدابة لان استعمال السرج انما یکون للدابة فکانت للواھب علیه یدمستعملة فتوجب نقصانافی القبض [1]۔	واھب کے سامان میں مشغول ہے تو ھبہ تام نہ ہوگا کیونکہ واھب کا قبضہ ابھی ختم نہیں ہوا، تو موہوب لہ کا قبضہ تام نہ ہوا، ردالمحتار میں ہے اگر موہوب ابھی واھب کے حق میں مشغول ہے تو جائز ہوگا مثلا کوئی شخص گھوڑے پر لگی کاٹھی کسی کو ھبہ کرے کیونکہ کاٹھی کا استعمال جانور پر ہوتا ہے تو واھب کا ابھی قبضہ باقی اور زیر استعمال ہے تو اس سے قبضہ میں ابھی نقص باقی ہے۔(ت)

بالجملہ عمرو جب تک اپنا قبضہ بالکلیہ اٹھا کر موہوب لہما کو قبض کامل نہ کرادے ھبہ ہر گز تمام نہ ہوگا اور موہوب ملک عمرو سے باہر نہ آئے گا، اسی طرح عمرو کا متعدد پیرایوں میں ملکیت بکر و خالد کا اقرار دیانۃً کچھ مفید نہیں کہ یہ اقرار صرف بر بنائے ھبہ ہے کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور بہ سبب ناتمامی یہ ھبہ شرعاً مثبت ملک نہ ہوا تو عنداللہ اقرار غلط کہ شرعاً وجہ صحت نہیں رکھتا اثبات ملک کے لئے کافی نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار لواقر کاذبالم یحل له لان الاقرار لیس سبب للملك نعم لوسلمه برضاه کان ابتداء ھبة وھو الاوجه [2]۔بزازیة اھ.فی حاشیة الطحطاویة قوله لم یحل له ای لایجوز له اخذه جبرادیانة کاقراره لامرأته بجمیع مافی منزله ولیس لھا علیه شیئ [3] انتھی،واللہ تعالٰی اعلم۔	در مختار میں ہے اگر مالک کسی کے لئے ھبہ کا جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے وہ حلال نہیں ہوگا کیونکہ اقرار دوسرے کی ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر بعد میں اپنی رضا سے اس کو قبضہ دے دے تو یہ نیا ھبہ ہوگا، یہی وجہ قابل اعتبار ہے۔بزازیہ حاشیہ طحطاوی میں ہے ماتن کا قول "مقرلہ کے لئے حلال نہیں" یعنی اس کو دیانۃً جبرا قبضہ کا حق نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص گھر کے تمام سامان کو بیوی کے حق میں اقرار کرے حالانکہ بیوی کا کوئی حق خاوند کے ذمہ نہیں ہے، اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۷

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاقرار دارالمعرفة بیروت ۳ /۳۲۷

مسئلہ ۴۸: از بڑودہ مرسلہ جناب نواب سید نور الدین حسن خاں بہادر ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نے اپنے بیٹے محمود بن حمید کی شادی رشیدہ بنت سعید سے کی اور ۲۷ محرم الحرام ۱۲۷۸ھ کو محمود کی طرف سے بدعوی ولایت ایک دستاویز میں جائداد اور موروثی محمود کا تملیک نامہ بنام رشیدہ مع دیگر چند شروط لکھ دیا، جب محمود بالغ ہوا ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو اس نے دستاویز نوشتہ حمیدہ کی تسلیم وقبول کے ساتھ از سر نو ایک وثیقہ اُنھیں شروط پر متضمن تحریر کیا جس کے عنوان میں خلاصہ عبارت یہ ہے:

"اقرار صحیح شعی می تمایم بریں معنی کہ والدہ ماجدہ عقد بمن بارشیدہ بنت سعید بستہ ودستاویز از طرف منمقر وکالۃ نوشتہ داد وراں حین بحد بلوغ نہ رسیدہ بودم اکنوں دستاویز مذکوررا مسلم وقبول داشتہ بازاصالۃ شروط چند نوشتہ میدہم"۔	میں صحیح شرعی اقرار کرتاہوں کہ میری والدہ ماجدہ نے میرا نکاح رشیدہ بنت سعید سے کیا اور مجھ مقر کی طرف سے وکالۃ انھوں نے ایک دستاویز لکھ کردی جبکہ میں ابھی بلوغ کی حد کو نہ پہنچا تھا، اب اس دستاویز مذکورہ کو تسلیم اور قبول کرتاہوں نیز اصالۃ چند شرائط لکھ کردے رہاہوں۔(ت)

پھر شرط میں خلاصہ مضمون ان الفاظ سے ہے:

"از آمدنی موضع پوناگاؤں وغیرہ واقع بندر سورت بعد اخراج سہم شرعی والدہ صاحبہ کہ ثمن است باقی انچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم باندازہ مبلغ پنچ ہزار روپیہ بمن می رسد مالکش مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطنا بعد بطن است از روز عقد نکاح از آمدن حصہ موروثیم مسماۃ مذکورہ در قبض وتصرف خود درآردو دراں من مقروو ارثانم رادعوی وحقے نیست ونماندہ است"۔	سُورت بندرگاہ میں واقع موضع پوناگاؤں وغیرہ کی آمدنی سے اپنی والدہ کے شرعی حصہ جو کہ آٹھواں ہے کو نکال کر باقی اپنے موروثی جاگیر کے حصہ مبلغ پانچ ہزار اندازاً جو مجھے آتا ہے اس کی مالک مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطن در بطن ہے میرے موروثی حصہ کی آمدن پر مسماۃ مذکورہ نکاح کے روز سے قابض اور متصرف ہے اور اس میں مجھ مقر اور میرے ورثاء کا کوئی دعوی اور حق نہیں ہے اور نہ باقی ہے۔(ت)

بعدہ، یکم جولائی ۱۸۶۹ء کو اسی شرط کی توثیق وتاکید کے لئے دوسری تحریر جداگانہ لکھی جس کی تلخیص ان کلمات سے ہے:

"از شرائط مذکورہ ایں یک شرط علیحدہ نوشتہ میدہم	مذکورہ شرائط میں سے ایک علیحدہ شرط لکھ کردے رہاہوں

کہ در دیہات جاگیر موروثی محدودہ ذیل کہ شرعاً از ترکہ پدری خالصابہ منمقر رسیدہ منجملہ آں مبلغ چہار ہزار روپیہ منمقر اہل خانہ خود مسماۃ رشیدہ بنت سعد را بطوع ورغبت بلااکراہ واجبار بطنا بعد بطن ونسلا بعد نسل علی سبیل الدوام والاستمرار ملک گردانیدم چوں وہیوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است وحصہ داراں دیگر کہ دریں جاگیر شریک اند باوشاں زر نقد موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا ہموارہ می رسانم ہمیں طور اند آمدنی مملوکہ واہل خانہ خود مثل دیگر حصہ داراں بہ اہل خناہ موصوفہ واولادش ہمیشہ بلاعذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ بلاعذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ مذکورہ در وصول حق خود کہ معین ومقرر کردہ شود فتورے وتہاونے بیند پس اوشاں را اختیار کل ست بہ نہجیکہ خواہندہ از منمقر حق خود بگیرند ومسماۃ مذکورہ را در صورت زر مذکور اختیار کلی ست منمقر وورثائم رادرآں حقے ودخلے ودعوی ونزاعے نیست ونماندہ ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ و وثیقہ وتملیک نامہ نوشتہ شد کہ عندالحاجۃ سند باشد۔	کہ دیہات میں موروثی جاگیر جس کی حدود ذیل ہیں میں سے جو مجھے شرعی طور پر والد کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہے اس میں سے مبلغ چار ہزار روپیہ کا میں مقر اپنے اہل خانہ مسماۃ رشیدہ بنت سعید کو اپنی خوشی اور رغبت سے بلاجبر واکراہ بطن در بطن نسلا بعد نسل دائمی اور استمرار کے طور پر مالک بناتا ہوں جس طرح قدیم ایام سے اپنے کھاتہ اور مختاری جو میرے قبضہ میں ہے اور اس جاگیر میں دیگر حصہ دار شریک حضرات کو مساوی نقد زر کے موافق حصہ پہنچاتا ہوں اسی طرح اپنی مملوکہ اور اپنے اہل خانہ کے دوسرے حصہ داروں کی طرح موصوفہ اہل خانہ اور اس کی اولاد کو ہمیشہ بلاعذر وتکرار حصہ پہنچاتا رہوں گا اگر من مقر کی طرف سے معین ومقرر حصہ کی وصولی میں مسماۃ مذکورہ کوئی کوتاہی اور سستی دیکھے تو اس پر اس کو کلی اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے مجھ مقر سے اپنا حق وصول کرے اور مسماۃ مذکورہ کو زر مذکور کے صرف میں کلی اختیار ہے من مقر اور میرے ورثاء کو اس میں کوئی دخل، حق، دعوی اور نزاع نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ وثیقہ اور تملیک نامہ لکھا ہے کہ عندالضرورت سند رہے (ت)

اور یہ جائداد جس کا ان دستاویزوں میں تذکرہ ہے محمود ودیگر ورثائے حمیدہ میں مشترکہ وغیرہ منقسم ہے اب شرع مطہر سے استفسار ہے کہ یہ تحریرات شرعا مقبول ہو بکار آمد ہے یا نہیں اور ان کی رو سے رشیدہ اس جائداد یا اس کی آمدنی کی مالک ہوئی یا نہیں اور یہ عقد کہ محمود سے بہ تکرار واقع ہوا بدیں لحاظ کہ اس کی والدہ نے جائداد موروثی کا تملیک نامہ لکھا تھا اور اس نے اسے منظور ومسلم رکھا اور خود اس کی تحریروں کے بعض الفاظ سے رشیدہ کو خاص حصہ جاگیر کامالک کرنا نکلتا ہے (اصل رقبہ دیہات کی تملیک ہے یا بلحاظ دیگر

الفاظ تحریر اول و تصریحات تحریر دوم) صرف آمدنی وزر توفیر کا دینا اور عطا کرنا ہے اور اس عقد کو ھبہ کہا جائیگا اور اسی کے شرائط اس کی صحت میں درکار ہوں گے (یا اس خیال سے کہ محمود نے صرف رشیدہ ہی کو مالک نہ کیا بلکہ بطنا بعد بطن ونسلا بعد نسل اس کی اولاد کے نام بھی تملیک کی) وصیت قرار پائے گا و بہر تقدیر شرعا صحیح رہے گا یا باطل۔ اگر باطل ٹھہرے تو محمود کے یہ الفاظ (کہ من مقرو وارثانم رادرآں دخلے وحقے ونزاعے نیست ونماندہ) اس کے یا اس کے ورثہ کے حق کو زائل کریں گے یا نہیں؟ اور ان تحریرات کا شرعا کیا نام ہے؟ ھبہ نامہ یا اقرار نامہ یا تملیک یا کچھ اور؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب ان انت العزیز الوھاب، یہ تو ظاہر ہے کہ ابتداءً حمیدہ والدہ محمودہ کا بنام رشیدہ جائداد محمود نابالغ کا تملیک نامہ لکھ دینا کوئی شے نہ تھا کہ نہ ماں در بارہ مالی ولی نہ خود ولی تھی کہ باپ کو مال صغیر سے ایک ذرہ کسی کو ڈالنے کا اختیار نہیں۔

فی الدرالمختار ولیہ ابوہ دون الام فی المال اھ[1] ملخصا۔وفیہ من الھبۃ لایجوز ان یھب شیئا من مال طفلہ ولو بعوض لانھا تبرع ابتداءً[2] اھ۔	درمختار میں ہے کہ مال میں نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے ماں ہے اھ ملخصا، اور اسی میں ھبہ کے متعلق ہے والدہ کو حق نہیں کہ وہ بچے کے مال سے کوئی چیز ہبہ کرے خواہ بالعوض کیوں نہ ہو کیونکہ ھبہ ابتداء تبرع ہوتا ہے۔اھ (ت)

تو وہ عقد محض باطل واقع ہوا یہاں تک کہ خود محمود کے بعد بلوغ جائز و مسلم رکھنے سے بھی اس کی اصلاح ممکن نہیں،

لانہ عقد فضولی صدر ولامجیز،فی حجر العقود الدریۃ عن جامع الفصولین لو طلق الصبی امرأتہ او وھب مالہ اوعقد عقدا مالو فعلہ ولیہ فی صباء	کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جس کا جائز کرنے والا کوئی نہیں، اور عقود الدریۃ کے باب الحجر میں جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر بچہ بیوی کو طلاق دے یا کوئی ھبہ کرے یا کوئی ایسا عقد کرے کہ اگر وہ عقد اس کا ولی اس کے بچپن میں

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۰۳

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

لم یجز علیه فهذه کلها باطلة.وان اجازها الصبی بعد بلوغه لم تجز لانه لا مجیز لها وقت العقد فلم تتوقف علی الاجازة الااذاکان لفظ اجازته بعد البلوغ مایصلح لابتداء العقد فیصح ابتداء لااجازة کقوله اوقعت ذٰلك الطلاق فیقع لانه یصلح للابتداء [1] اھ ملتقطا۔	کرتا تو بچے پر لاگو نہ ہوتا، تو بچے کے یہ تمام امور باطل ہیں۔ اور بلوغ کے بعد اگر وہ ان امور کو جائز کرے تو بھی جائز نہ ہوں گے کیونکہ عقد کے وقت ان کو جائز کرنے والا کوئی نہ تھا لہٰذا وہ اجازت پر موقوف نہ ہوئے،ہاں اگر بلوغ کے بعد ایسے لفظ سے جائز کرے جس سے ابتداء عقد ہوسکے تو ابتداء عقد کے طور پر یہ صحیح ہوجائے گی تاہم اجازت نہ کہیں گے،مثلا بلوغ کے بعد یوں کہے میں نے وہ طلاق واقع کی۔تو طلاق اب ہوگئی کیونکہ یہ لفظ ابتدائے طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے اھ ملتقطا۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ محمود کا بعد بلوغ دستاویز نوشتہ حمیدہ کو مسلم مقبول رکھنا بھی محض مہمل وبے سود اور شرعا نامقبول ومردود،اب اس نے جو خود ابتداء دوبار تملیک نامہ لکھا وہ عبارتیں صراحۃً نص ہیں کہ محمود نے صرف زرآمدنی وتوفیر رشیدہ کو دینا چاہا اصل رقبہ جائداد کی ھبہ وتملیک کا ان میں کہیں ذکر نہیں،تحریر اول میں کہ ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوا"آنچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم بمن میرسد مالکش رشیدہ است"وہاں بھی حصہ سے مراد صرف حصہ توفیر ہے کہ اس سے پہلے تصریحا لفظ آمدنی مذکور اور یہاں بھی باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ کا لفظ اسی طرف ناظر،اور یہ عقد وصیت تو کس طرح نہیں ہوسکتا کہ وصیت میں فی الحال مالک نہیں کیا جاتا۔

لانها تملیك مضاف الی ما بعد الموت کما فی التنویر وغیرها [2]۔	کیونکہ یہ تملیک مابعد الموت کی طرف منسوب ہوتی ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور عبارات زید صریح ہیں کہ رشیدہ فی الحال مالک ٹھہرائی گئی کما لایخفٰی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت) نہ یہ ممکن کہ بلحاظ لفظ نسلا بعد نسل جو لوگ نسل رشیدہ سے بعد کو پیدا ہوں ان کے حق میں وصیت قرار دی جائے کہ وہ وقت عقد معدوم تھی اور معدوم کے لئے وصیت باطل،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الحجر حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب قندہار ۲ /۱۶۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷

فی الدر المختار شرائطھا کون الموصی اھلا للتملیك و کون الموصٰی لہ حیا وقتھا[1] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے اس کی شرائط میں ہے کہ وصیت کرنے والا اس تملیک کا اہل ہو، اور وصیت کے وقت جس کے لئے وصیت کی ہے وہ زندہ ہو اھ ملخصا (ت)

تولاجرم ھبہ ہی ہوگا، اور یوں ھبہ کرنا کہ اس گاؤں کی آمدنی جو ہوا کرے گی میں نے تجھے ھبہ کی، شرعاً صحیح نہیں،

فی الفتاوی الخیریۃ بھذا عُلِمَ عدم صحۃ ھبۃ ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاہر اھ[2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کو دونوں قریوں سے حاصل کرے گا اس کا ھبہ صحیح نہیں کیونکہ ھبہ کرنے والا ابھی تک خود اس پر قابض نہیں تو دوسرے کو کیسے مالک بنائے گا، یہ ظاہر بات ہے۔ اھ (ت)

اور اگر بالفرض اصل جائداد ہی کا ھبہ ہوتا جب بھی نرا باطل تھا کہ وہ جائداد حسب بیان سائل مشاع وغیر منقسم ہے اور اسی طرح عـــہ مشیر ہے محمود کا وہ بیان کہ چوں وہیوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است اھ کہ بٹے بانٹ کے بعد تو ہر ایک شریک حصہ کا مختار ہوجاتا ہے اور ھبہ مشاع مذہب صحیح پر محض باطل،

فی الفتاوی الخیریۃ (سئل) فی رجل وھب ابنالہ بالغا نصف مایملک (اجاب) الھبۃ باطلۃ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی قال فی مشتمل الاحکام نقلا عن تتمۃ الفتاوی، ان ھبۃ	فتاوٰی خیریہ میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنے بالغ بیٹے کو اپنی نصف ملکیت ھبہ کی ہے تو جواب دیا کہ یہ ھبہ باطل ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اور مشتمل الاحکام میں انہوں نے تتمۃ الفتاوٰی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ

عـــہ: فی الاصل ھکذا و اظنہ اسی طرف، بدر۔

---

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الھبہ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۱

المشاع باطلة وھو الصحیح انتھی[1] اھ۔	غیر منقسم حصہ کا ھبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے انتہی اھ (ت)

اسی لئے اگر موہوب لہ، اسی حالت سے قبضہ بھی پالے تاہم وہ اس کا مالک نہیں ہو جاتا نہ اس کے تصرفات اس میں رواہوں اور واہب کے تصرف سراسر نافذ رہتے ہیں،

| کما صرح بہ فی تنویر الابصار مغنی المستفتی و الفتاوی التاجیة والمبتغی والجوھرة والبحر الرائق و نقلہ الامام الزیلعی [2] عن الامام الھمام ابی جعفر الطحاوی و الامام فخر الملة والدین قاضیخان و الامام ابن رستم وفی نور العین عن الوجیز نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف ومذھب ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القھستانی ھو الصحیح، وعن المضمرات ھو المختار وکذا صححہ فی العمادیة[3]۔ قال فی ردالمحتار فحیث علمت انہ ظاھر الروایة وانہ نص علیہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی وروہ عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ ظھر انہ الذی علیہ العمل[4] الخ وتمامہ فیہ۔ | جیساکہ اس کی تصریح تنویر الابصار، مغنی المستفتی فتاوٰی تاجیہ، المتبغی، جوہرہ اور بحر الرائق میں ہے اور اس کو امام زیلعی نے امام ہمام ابو جعفر طحطاوی اور امام فخر الملۃ والدین قاضیخان اور امام ابن رستم سے نقل کیا، اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اس پر نص فرمائی ہے اور یہی امام ابویوسف کا قول اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی کا مذہب ہے اور قہستانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور مضمرات میں اس کا مختار ہونا منقول ہے اور ایسے ہی عمادیہ میں اس کی تصحیح کی ہے، ردالمحتار میں فرمایا جہاں تک میرا علم ہے یہ ظاہر الروایۃ ہے اور بیشک اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے نص فرمائی ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے اس کو روایت کیا ہے تو ظاہر ہوا کہ اسی پر عمل ہے الخ اس کا مکمل بیان ردالمحتار میں ہے۔ (ت) |

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۳
[2] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۴
[3] ردالمحتار بحوالہ نور العین کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱
[4] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

بلکہ اس قدر تو بالاجماع ثابت ہے کہ اس قسم کے ہبہ میں خود واہب اور اس کے بعد ورثہ کو اختیار رجوع رہتا ہے اگرچہ موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہو اگرچہ ہبہ زوجہ یا ذو رحم محرم کے نام ہو باوجود یہ کہ زوجیت و رحم موانع رجوع سے ہیں،

فی الخیریۃ اجمع الکل علی ان للواھب استردادہا من الموہو لہ ولوکان ذا رحم محرم من الواھب لہ ولو کان ذارحم محرم من الواھب وکما یکون للواھب الرجوع فیہا یکون الوارثۃ بعد موتہ [1] اھ ملتقطا۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ اس پر اس کا اجماع ہے کہ واہب کو موہوب لہ، سے واپس لینے کا حق ہے اگرچہ وہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، اور جس طرح واہب کو رجوع کا حق ہے ایسے ہی اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو حق ہے اھ ملتقطا (ت)

اور اگر صورت مستفسرہ میں شیوع نہ بھی پایا جائے (جیسا کہ محمود کا لفظ "خالصا بمن مقرر شدہ" اور لفظ "موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا" اس کا ایہام کرتا ہے) تاہم ہبہ محض ناتمام ہے اور رشیدہ کی ملک اس میں ہرگز ثابت نہ ہوگی کہ ان دستاویزوں کی عبارت خود صریح نص ہے کہ محمود نے رشیدہ کو جائداد پر قبضہ نہ دلایا بلکہ صراحۃً قبضہ دینے سے انکار کیا حیث قال چوں وہیوٹ ومختاری آں الی قولہ ہمیں طور از آمدنی مملوکہ اہل خانہ خود الخ" اور ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

فی الدر المختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل [2] اھ۔	درمختار میں ہے مکمل قبضہ کے بعد ہبہ تام ہوتا ہے اھ۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر ہبہ صحیحہ میں واہب بے قبضہ دئے مرجائے تو ہبہ باطل ہوتا ہے اور فرائض اللہ پر تقسیم پاتی ہے۔

فی موانع الرجوع من شرح التنویر والمیم عـــہ موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبل بطل [3]۔	شرح تنویر الابصار میں، رجوع سے موانع، میں ذکر کیا "م" فریقین میں سے سونپ دینے کے بعد کسی کی موت ہو اور موت اس سے پہلے ہو تو پھر باطل ہے۔ (ت)

عـــہ: اشارۃ فی قول صاحب التنویر "دمع خزقہ"۔ عبدالمنان۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

غرض جہاں تک نگاہ کی جائے اس عقد کے لئے کوئی وجہ صحت نہیں، نہ جائداد کا ھبہ ٹھیک آتا ہے نہ توفیر کا، نہ وصیت نہ کوئی صورت، پھر محمود کے یہ الفاظ "کہ منمقر ووارثانم را" الخ کیا کام دے سکتے ہیں، آخر جس بنا پر اس نے یہ الفاظ لکھے تھے جب راسا وہی منعدم ہے تو یہ جو اس پر مبنی تھے خود منعدم ہوگئے، بھلا یہ عقد تو شرعاً کچھ اصل ہی نہیں رکھتا خاص ھبہ صحیحہ میں شرع مطہر کا حکم ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہو جائے واھب کو ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے اور اس پر قبضہ دلانے کا جبر نہیں ہو سکتا،

لانه متبرع والمتبرع لاجبر عليه فی الدر المختار صح الرجوع فيها بعد القبض اما قبله فلم تتم الهبة [1] اھ ای والرجوع انما يکون عن شیئ وقع وتم وقبل عــہ التمام دفع لا رفع۔	کیونکہ وہ متبرع (بھلائی کے طور پر مفت دینے والا) ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہو سکتا۔ در مختار میں ہے ھبہ میں قبضہ دینے کے بعد رجوع صحیح ہے جبکہ قبضہ سے قبل توھبہ تام ہی نہیں ہے اھ یعنی شیئ کے وقوع اور تام ہونے کے بعد رجوع ہوتا ہے جبکہ تام ہونے سے قبل دفاع ہوتا ہے رفع نہیں ہوتا۔ (ت)

اور کوئی شخص اپنی کسی تحریر خواہ تقریر سے احکام شرع مطہر کو نہیں بدل سکتا۔ دیکھو جہاں موانع نہ ہوں تو شرع نے واجب کو بعد قبضہ بھی رجوع کا اختیار دیا اگرچہ وہ ہزار بار کہے میں نے اپنا حق رجوع ساقط کیا، مجھے رجوع کا اختیار نہ رہا اگر رجوع کروں تو نامقبول ہو کچھ مسموع نہیں۔ اور حق رجوع بدستور باقی۔

فی فتاوٰی الامام قاضیخان رجل وهب لرجل شيئا ثم قال الواهب اسقطت حقی فی الرجوع لايسقط حقه [2] اھ ومثله فی البزازية وغيرها۔	امام قاضی خان کے فتاوٰی میں ہے ایک شخص دوسرے کو ھبہ کرکے کہے میں نے اس سے رجوع کا ساقط کردیا ہے تو اس کا یہ حق ساقط نہ ہوگا اھ اور اسی طرح بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور جب اس کے کہنے سے خود اُس کا حق زائل نہیں ہوتا تو ورثہ کو نزاع و دعوی سے کون مانع ہو سکتا ہے فان الرجل اقدر علی نفسه منه علی غيره کمالا يخفی (کیونکہ دوسرے کی نسبت انسان کو اپنی ذات پر قدرت زیادہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت) بالجملہ صورت مستفسرہ میں خلاصہ حکم یہ ہے کہ محمود و حمیدہ کی یہ سب دستاویزیں محض لغو و مہمل و

عــــہ: ليس فی الاصل الواو قبل قبل ولابد منه ۱۲ عبدالمنان (اصل میں قبل سے پہلے واؤ نہیں ہے حالانکہ یہاں واؤ ضروری ہے)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبه باب الرجوع فی الهبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الهبه فصل فی الرجوع فی الهبه مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۴

بیکار ہیں اور اس کاغذ کا نام شرع میں کچھ نہیں کہ جب شرعا یہ کوئی عقد ہی نہ ہوا تو اس کا نام کیا رکھا جائے اور رشیدہ اور اس کی اولاد کو ان تحریرات کی رو سے مطلق کسی طرح کا استحقاق نہ اصل جائداد میں حاصل ہوا نہ زر توفیر میں، نہ انھیں دعوی کرنا شرعا جائز بلکہ حرام وممنوع، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے بحالت نوکری سرکاری اپنے بیٹے بکر کے نام جو کہ اس وقت محض نابالغ تھا اپنے روپیہ سے کچھ جائداد خریدی اور کچھ جائداد اپنی بی بی منکوحہ کے نام خریدی اور اس وقت ایک بیٹی بابالغ بھی تھی اس کے نام نہیں خریدی پھر زید کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا اس کے نام بھی کچھ جائداد خریدی مگر وہ لڑکا بحالت نابالغی ہی میں فوت ہوگیا جب اس فوت شدہ لڑکے کے نابالغ کی جائداد کے کرایہ دار کو بیدخل عدالت سے زید نے کرایا تو عدالت میں زید نے بیان کیا کہ جائداد میری ہے اور میرے روپیہ سے خریدی گئی ہے لڑکے کا نام اسم فرض تھا، جب زید نوکری سے علیحدہ ہوکر اپنے مکان پر رہا تو اس وقت زید کی دو اور لڑکیاں بھی نابالغ تھیں ان کے نام بھی جائداد نہیں خریدی اس وقت اپنے نام جائداد خریدی اور کچھ بیٹے بکر کے نام سے بھی (جو کہ اس وقت قریب بلوغ کے تھا) خریدی مگر زید کل جائداد کی آمدنی جو اپنے نام اور بکر کے نام اور بیٹے متوفی کے نام اور اپنی بی بی کے نام تھی از خود وصول کرتا تھا اور اپنے تحت اور اختیار میں رکھتا تھا کسی کو اس میں مداخلت نہ تھی اور زید کی زندگی میں بکر کو جو کہ اس وقت بالغ تھا یہ اختیار نہ تھا کہ جائداد یا جائداد کی آمدنی سے کچھ کسی صرف روٹی کپڑے سے جیسا کہ دنیا میں باپ بیٹوں کو کھلاتے ہیں کھاتے اور پہنتے گو زید نے بکر کی شادی بھی کردی تھی مگر اس حالت میں بھی بکر کو آمدنی جائداد سے کچھ سروکار نہ تھا جو جائداد بکر کے نام سے خریدی تھی اس کے نالشات کی پیروی میں بکر ہمراہ زید کے جایا کرتا تھا کہ بکر کے نام سے ہوتی تھی چنانچہ زید کی زندگی میں حالت مذکورہ بالا رہی، جب زید نے وفات پائی تو اس وقت یہ کل جائداد اور اسباب اور نقدی بکر اور والدہ بکر کے پاس رہی اور بکر تحصیل آمدنی کرنے لگا، جب والدہ بکر نے بھی انتقال کیا تو سب جائداد وجنس ونقد بکر کے ہاتھ آئی اس وقت سے آج تک بکر قابض ومتصرف ہے، بکر نے اب کل جائداد کی آمدنی کی توفیر اور اس روپیہ سے جو کہ زید چھوڑ کر مرا اور جائداد اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام خریدی، اب اگر تقسیم جائداد کی ہو اور بہنیں اپنا حصہ طلب کریں تو ازروئے شرع شریف آیا کل جائداد میں سے جو کہ بکر کے نام پہلے تھی اور اب بکر نے زید کے روپیہ اور کُل جائداد کی آمدنی کی توفیر سے اپنے نام اور اپنے بیٹے کے نام سے خریدی تھی حصہ مل سکتا ہے یا صرف اُس

جائداد میں سے جو کہ زی کے نام اور زید کی بی بی کے نام اور عمرو متوفی کے نام تھی مل سکتا ہے، لہٰذا التماس ہے کہ فتوٰی بموجب حکم خدا اور رسول دیا جائے تاکہ اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، وہ جائداد کہ زید نابالغ بیٹے بکر کے نام بدفعات اپنے روپیہ سے خریدی خاص ملک بکر کی ہے جس میں دیگر وارثان زید کا اصلاً کچھ حق نہیں، عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملیك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ[1] اھ مافی العقود **اقول**:فشراء الاب باسم الولد یقع رأسا للولد لان الاب یملك ذٰلك فالولد ملك العقار ابتداءً والاب متبرع باداء الثمن حیث لم یظھر قصد الرجوع۔	ذخیرہ اور تجنیس میں ہے، عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی زمین اپنے مال سے خریدی تو یہ خریداری ماں کی اپنی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کی مالک نہیں، تو یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں نے اسے ھبہ کیا ہے عقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی، **اقول**: (میں کہتا ہوں) تو باپ کی ایسی خریداری ابتداء سے بیٹے کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ہی ہوگی کیونکہ باپ کو نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کا اختیار ہے اور باپ رقم کی ادائیگی میں بیٹے کے حق میں متبرع ہوگا کیونکہ اس نے رجوع کا اظہار نہیں کیا۔ (ت)

اور جائداد کا تاحیات زید قبضہ بکر میں نہ آنا کچھ مضر نہیں کہ اول تو زید کی ملک بربنائے ھبہ نہیں بلکہ بربنائے خرید پدر ہے **کما علمت اٰنفا** (جیسا کہ تونے ابھی جانا۔ت) اور ملک بذریعہ شراء قبضہ پر موقوف نہیں اور بالفرض ھبہ ہی ٹھہرائے تو قبضہ پدر بعینہٖ قبضہ پسر نابالغ ہے، مجمع الانہر میں ہے:

ھبۃ الاب لطفلہ تتم بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الصغیر	نابالغ بچے کے لئے باپ کا ھبہ صرف عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے کیونکہ وہ ھبہ باپ کے قبضہ میں بیٹے کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہے

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۳۳۷

لانہ ولیہ[1]۔	کیونکہ یہ اس کا ولی ہے۔(ت)

اور آمدنی جائداد سے بکر کو سروکار نہ ہونا بھی ملک بکر کے منافی نہیں نابالغ کی خود اپنی جائداد خاص غیر عطائے پدر ہوتی ہے تو اس پر اور اس کی آمدنی پر بھی باپ ہی کا تصرف واختیار ہوتا نابالغ کو اس سے بھی کچھ سروکار نہ ہوتا اور بعد بلوغ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو جائدادیں لوگ اپنے بیٹوں کو لکھ دیتے اور تکمیل ھبہ کے لئے بھی قبضہ کرادیتے ہیں بلکہ درپردہ بیع صحیح شرعی وھبہ ثمن تملیک بلاعوض کی تکمیل کرتے ہیں ان پر بھی تاحیات آباء ان مالکان واقعی کا کچھ اختیار اور باپ کی دست نگری کے ساتھ روٹی کپڑے کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا اور اتفاقا جو حیات پدر میں اپنا مستقل اختیار رکھنا چاہتا ہے بدوضع وآوارہ ناسعادت مند گنا جاتا ہے، نظیر اس کی اس کا عکس ہے کہ جب بیٹے لائق وہوشیار وقابل کار ہوتے اور باپ اپنا فارغ البال رہنا چاہتے ہیں تمام املاک پدر قبضہ وتصرف ابناء میں رہتے ہیں۔مالکوں کو روٹی کپڑے کے سوا کچھ تعلق نہیں ہوتا جبکہ اس سے بیٹوں کا مالک ہونا لازم نہیں آتا اس سے باپ کا مالک ہونا ہی سمجھا جائے گا بلکہ بدرجہ اولٰی کہ بیٹوں کا قبضہ نہ ہونا تو کراہت قلبی سے بھی ہوسکتا ہے کہ دل میں قبضہ پدر سے راضی نہ ہو مگر لحاظ کے باعث مانع نہیں آتے خصوصا نابالغ کہ اس کی رضا بھی کوئی شے نہیں بخلاف آباء کہ ان کی املاک پر تصرفات ابناء ان کی رضاہی سے ہوتے ہیں باوجود اس کے یہ قبضہ واختیار وتصرف واقتدار دلیل ملک نہیں ہوتا،

كما فی الخيرية وفی القنية فع(ای فتاوٰی العصر للامام علی السندی)عن(ای الامام عمر النسفی) امر اولادہ ان يقسموا ارضہ التی فی ناحية كذا بينھم ففعلوا لايثبت الملك لھم،ظم(ای الامام ظھير الدين المرغينانی)مثلہ بخ(ای الامام بكر خواھر زادہ)قال لولدہ تصرف ھذہ الارض فاخذ يتصرف فيھا	جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں ہے،اور قنیہ میں "فع"یعنی فتاوٰی العصر امام علی سندی عن یعنی امام عمر نسفی،باپ نے بیٹوں سے کہا کہ فلاں علاقہ میں واقع میری زمین کو آپس میں تقسیم کرلو،انہوں نے ایسا کیا تو بیٹوں کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔"ظم"یعنی امام ظہیر الدین المرغینانی،اس کی مثل"بخ"یعنی امام بکر خواہر زادہ،ایک شخص نے اپنے بیٹے سے کہا اس زمین میں تصرف کرلو،تو بیٹے نے تصرف شروع

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الھبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

لاتصیر ملکالہ[1]۔	کردیااس سے بیٹے کی ملکیت نہ بنے گی۔(ت)

یوہیں زید کا جائداد عمرو پسر دوم کی نسبت اس کی مرگ کے بعد یہ ظاہر کرنا کہ جائداد میری ہے میرے روپیہ سے خریدی گئی، عمرو کانام فرضی تھاکچھ مضرت نہیں کرتا کہ اول تو یہ صرف اس کازبانی دعوی تھاملک عمرو شرعاثابت ہوئی صرف اس کے اسم فرضی بتانے سے کیونکر زائل ہوسکتی تھی،نہ اس کے روپیہ سے خریدا جانااس کے ملک پر دلیل تھاجبکہ صراحۃاس نے پسر نابالغ کے نام خریدی، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2]۔	باپ کے مال سے خریداری کرنے سے لازم نہیں کہ وہ مبیع باپ کی ملک ہو۔(ت)

اور بالفرض ہو بھی تواس سے بکر کانام بھی فرض ہونالازم نہیں۔تو بلاوجہ دلیل شرعی سے کیونکہ عدول ہوسکتاہے، پس لاجرم یہ جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام خریدیں ہر گز محل توریث نہیں۔اسی طرح وہ بھی جو بکر نے اپنے یااپنے نابالغ بیٹوں کے نام مول لیں اگرچہ قیمت زرمشترک سے ادا کی ہو،

فان الشراء متی وجد نفاذا علی عاقد نفذ کما فی الھدایۃوالدرالمختار[3] وغیرھامن الاسفار۔	کیونکہ خریداری جب خریدار پر نافذ ہوتو وہ نافذ ہی قرار پائے گی، جیساکہ ہدایہ، درمختار وغیرہماکتب میں ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھامن مال ابی[4]۔	بیٹے کے یہ کہنے سے کہ میں نے یہ گھر باپ کے مال سے خریدا ہے، باپ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔(ت)

غایت یہ کہ اگر ثابت ہوجائے کہ زرثمن مال مشترک سے دیاگیاتو باقی ورثاء کااس قدر روپیہ بقدراپنے اپنے حصص کے بکر پر قرض رہے گاجس کے مطالبہ کے وہ مستحق ہیں نہ کہ جائداد کا کوئی پارہ ان کی ملک ٹھہرے،ردالمحتار میں ہے:

[1] القینۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الھبہ باب فی الفاظ التی ضیعقد بھاالھبۃ کلکتہ بھارت ص ۲۱۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الوکالۃ فصل لایعقد وکیل البیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

ما اشتراہ احدہم لنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك [1]۔	ان میں سے جو بھی اپنی ذات کے لئے خریدے گا وہ اسی کی ہوگی، اور اس کے شرکاء حضرات اتنے ثمن کا اس کو ضامن بنائیں بشرطیکہ اس نے مشترکہ مال سے ادائیگی کی ہو۔ (ت)

پس ثابت ہوا کہ زید نے جو نقد روپیہ چھوڑا یا زید عمرو وزوجہ زید کے نام جو جائدادیں تھیں پس وہی متروکہ زید وزوجہ زید ہیں باقی جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام یا بکر نے خود اپنے نام یا اپنے بیٹوں کے نام خریدیں ملک بکر وپسران بکر ہیں جن میں باقی ورثہ زید کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰: ۶ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ جائداد موروثی اور خود خرید مقبوضہ مملوکہ اپنے کے بنظر حق تلفی دیگر ورثاء شرعی کے نصف جائداد بطریق سازاور مصلحت وقت اپنی زوجہ مدخولہ نو مسلم شیعہ کے نام تاحین حیات اس کے ہبہ کردی اور اختیار انتقال اور قبضہ جائداد موہوبہ پر موہوب الیہا کو نہ دیا اور تحصیل وتشخیص ومصارف ضروری وغیر ضروری اپنے اختیار میں رکھی اور یہ شرط ہبہ نامہ میں لکھی کہ بالعوض حق الخدمت یہ جائداد ہبہ کی جاتی ہے تاحین حیات اپنے موہوب الیہا مالک اس جائداد کی گردانی جائے اس کے بعد دختر متوفیہ کی اولاد کہ محجوب الارث ہے مالک ہوگی اور وہ شیعہ مذہب ہے، بعد تملیک ہبہ نامہ کے زید نے ایک جزء موہوبہ کا بیع کرڈالا اور بقیہ موہوبہ کو بشمول جز منجملہ نصف جائداد وغیرہ موہوبہ کے اپنی اور زوجہ مدخولہ کی طرف سے اس نواسہ شیعہ محجوب الارث کے نام بلاکسی استحقاق ہبہ مکرر کیا اور تاحین حیات اپنے خود قابض ومتصرف رہا اور مرگیا، ایسی صورت میں یہ ہبہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں ہبہ محض باطل وبے اثر ہیں اور جائداد میں اس عورت خواہ نواسے کا کوئی استحقاق بذریعہ ہبہ نہیں بلکہ تمام وکمال وہ جائداد خاص متروکہ زید قرار پاکر بحکم فرائض اس کے وارثوں پر تقسیم کی جائے گی یہاں بطلان ہبہ کے لئے اگر اور کوئی وجہ نہ ہو تو اسی قدر بس ہے کہ حیات واہب میں قبضہ نہ ملا، عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۳۸

لایثبت الملك للموہوب له قبل القبض [1]۔	قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی (ت)

درمختار میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	"م"فریقین میں سے کسی ایک کی سونپ دینے کے بعد موت ہو اور سونپنے سے پہلے ہو تو ھبہ باطل ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۱: ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! بعد تسلیم نیاز کے گزارش ہے اگر زید نے عمرو کو کوئی چیز ھبہ بلا عوض کی اور اس کو دس بارہ برس کا عرصہ بھی گزر گیا وہ جب سے قابض ودخیل ہے تو زید اس کو واپس کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقط راقم خاکسار عزیز اللہ۔

الجواب:

اگر ۱وہ شخص اس کا ذی رحم محرم نہیں یعنی نسب کے رو سے ان میں باہم وہ رشتہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرمت نکاح کا موجب ہوتا ہے جیسے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، ۲نہ یہ واھب وموہوب لہ وقت ھبہ باہم زوج وزوجہ تھے، ۳نہ موہوب لہ وقت ہبہ فقیر تھا، ۴نہ اب تک موہوب لہ اس ھبہ کے عوض میں کوئی چیز یہ جتا کر واہب کو دے چکا ہے کہ یہ تیرے ہبہ کا معاوضہ ہے، ۵نہ اس عین شیئ موہوب میں کوئی ایسی زیادت موہوب لہ کے پاس حاصل ہوئی اور اب تک باقی ہے جس سے قیمت بڑھ جائے جیسے زمین میں عمارت یا پیڑ یا کپڑے میں رنگ یا جاندار میں فربہی یا کنیز میں حُسن یا اسے کوئی صنعت یا علم آجانا تو ان سب شرائط کے ساتھ ۶جب تک وہ شے موہوب اس موھب لہ کی ملک میں باقی و۷ قائم اور ۸واہب وموہوب لہ دونوں زندہ ہیں اگرچہ ھبہ کو سو برس گزر چکے ہوں واپس لینے کا اختیار ہے بایں معنی کہ یا تو موہوب لہ خود واپسی پر راضی ہوجائے یا یہ بحکم حاکم شرع واپس کرالے ورنہ آپ جبراً لے لینے کا کسی غیر حاکم شرعی کے حکم سے واپس کرانے کا اصلا اختیار نہیں یونہی اگر ان آٹھ شرطوں میں سے کوئی بھی کم ہے تو واپسی کا مطلقاً اختیار نہ ہوگا، پھر یہاں اختیار کا صرف اتنا حاصل کہ واپسی صحیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ہو جائے گی لیکن گناہ ہر طرح ہوگا کہ دے کر پھیر نا شرعاً منع ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی مثال ایسی فرمائی جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی والمسائل کلھا مبسوطۃ فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار** (اللہ تعالٰی کی پناہ، اور یہ تمام مسائل درمختار وغیرہ کتب میں بسط سے مذکور ہیں۔ت) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ھبتہ کالقلب یعود فی قیئہٖ لیس لنا مثل السوء[1]، **رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔**	ہبہ دے کر رجوع کرنے والا اپنی قے میں عود کرنے والے کتے کی طرح ہے۔بُری مثال ہمارے شایان شان نہیں، دونوں نے اسے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

سنن اربعہ میں ہے حضور اقدس سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل الذی یعطی العطیۃ ثم یرجع فیھا کمثل الکلب أکل حتی اذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ[2]، **رواہ عن ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم وصححہ الترمذی، واللہ تعالٰی اعلم۔**	اس شخص کی مثال جو عطیہ دے کر پھر اس میں رجوع کرتا ہے اس کتے کی طرح ہے جو سیر ہو کر کھاتا ہے پھر سیر ہو جانے پر قے کرتا ہے اور قے میں رجوع کرتا ہے یعنی چاٹتا ہے۔ انہوں نے اس کو ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵، صحیح البخاری کتاب الھبۃ ۱/ ۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/ ۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الھبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵، صحیح البخاری کتاب الھبۃ ۱/ ۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/ ۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الھبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶

مسئلہ ۵۲: ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک بھائی حقیقی اور تین حقیقی بھتیجوں کو ایک مکان ہبہ بلا عوض کیا اور بیعنامہ رجسٹری کرا کر ان کے حوالے کیا جس کو عرصہ دس بارہ برس کا گزر گیا کہ یوم ہبہ سے وہ ہر طرح اب تک اس پر قابض اور دخیل ہیں اور مرمت اور شکست وریخت وغیرہ سب انہیں کے اختیار اور ہاتھ سے ہوتے رہے اور اس درمیان تین بھتیجوں میں سے دو نے قضا کی ان کی جگہ ان کی اولاد خورد سال اور ان کی بیویاں قائم وقابض ہوئیں، اب زید ہبہ کو فسخ کیا چاہتا ہے تو اب اس کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زید نے وہ مکان تقسیم کرکے ہر موہوب لہ کو ایک محدود ومعین وممتاز ٹکڑے پر جدا جدا قبضہ کاملہ کرادیا تھا یا وہ مکان کوئی چھوٹی سی دکان یا کوٹھری تھا کہ قابلیت تقسیم نہ رکھتا تھا یا چاروں موہوب او وقت ہبہ فقیر تھے (اور فقر کے معنی بالغوں کے لئے یہ ہیں کہ مال بقدر نصاب کے خود مالک نہ ہوں اگرچہ ان کے والدین غنی یعنی مالک نصاب ہوں اور نابالغ کے فقر میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا غنی باپ زندہ موجود نہ ہو، اگر ماں غنیہ ہو کر بچہ اپنے باپ کی زندگی میں اس کے غنا سے غنی قرار پاتا ہے یہاں تک کہ اسے زکوٰۃ وصدقہ واجبہ دینا روانہیں اور ماں کے غنا سے غنی نہیں ٹھہرتا) ان صورتوں میں وہ ہبہ قطعاً صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگیا جس میں رجوع کا زید کو ہرگز اختیار نہیں کہ موہوب لہم فقیر ہیں تو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں۔ ورنہ وہ سب واہب کے ذی رحم محرم ہیں اور ایسی قرابت میں ہبہ سے رجوع ناجائز، خصوصاً بھتیجوں کے حصہ میں تو رجوع سے ایک اور مانع بھی پیش آیا یعنی موہوب لہم کا مرجانا کہ جواز رجوع کے لئے زندگی عاقدین میں شرط ہے۔

فی الدر المختار تتم الهبة بالقبض الكامل فی محوز مقسوم ومشاع لا یبقی منتفعا به بعد ان یقسم كبیت وحمام صغیرین لانها لاتتم بالقبض فیما یقسم لعدم تصور القبض الكامل فان قسمه وسلمه صح لزوال المانع وهب	درمختار میں ہے کامل قبضہ سے ہبہ تام ہوتا ہے اس میں جو تقسیم ہو کر محفوظ چیز اور ایسی غیر منقسم چیز جو تقسیم ہو کر محفوظ اور قابل انتفاع نہ رہے جیسے چھوٹا کمرہ اور چھوٹا حمام، کیونکہ قابل تقسیم چیز میں قبضہ تام نہیں ہوتا اس لئے کہ کامل قبضہ متصور نہیں ہوسکتا، ہاں اگر قابل تقسیم کو تقسیم کرکے سونپا تو صحیح ہے کیونکہ مانع زائل ہوگیا،

اثنان دارًا لواحد صح وبعکسہ لا لشیوع فیما یحتمل القسمة واذا تصدق بعشرة دراھم اووھبھا الفقیرین صح لان الھبة للفقیر صدقه والصدقة یراد بھا وجه الله تعالٰی وہو واحد فلا شیوع،ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم و القرابة فلو وھب لذی رحم محرم منه نیسا لا یرجع[1] اھ ملتقطا وفی ردالمحتار عن التتارخانیة عن المضمرات لوقال وھبت منکما ھذہ الدار والموہوب لھما فقیران صحت الھبة بالاجماع اھ[2]۔وفی مختصر القدوری لایصح الرجوع فی الصدقة بعد القبض اھ[3]۔	دو حضرات نے ایک مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو صحیح ہے۔اگر عکس ہو یعنی ایک نے دو کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ قابل تقسیم غیر منقسم ہوا،اور اگر دس درہم صدقہ کئے یا دو فقیروں کو ہبہ کئے صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کے لئے ہوتا ہے اور وہ ایک ہی ذات ہے،تو غیر منقسم ہونا نہ پایا گیا،اور فریقین سے ایک کا سونپ دینے کے بعد فوت ہوجانا اور قرابت رجوع کے لئے مانع ہے تو اگر اپنے کسی نسبی ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو رجوع نہ کرے گا اھ ملتقطا،اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے مضمرات کے حوالہ سے منقول ہے اگر کہا کہ میں تم دونوں کو یہ مکان ہبہ کرتا ہوں حالانکہ موہوب لہ دونوں فقیر ہیں تو ہبہ صحیح ہے بالاجماع اھ اور مختصر القدوری میں ہے قبضہ کے بعد صدقہ میں رجوع صحیح نہیں اھ۔(ت)

اور اگر وہ مکان بڑا یعنی قابل تقسیم تھا اور زید نے مشاعا چاروں کو ہبہ کیا اور تقسیم کرکے خاص خاص معین حصوں پر جدا جدا قابض نہ کردیا اور موہوب لہم سب یا بعض اس وقت غنی بمعنی مذکور تھے(یعنی ان میں کوئی بذات خود مالک نصاب تھا یا ان میں کسی نابالغ کا باپ مالک نصاب زندہ موجود تھا)تو رجوع وواپسی درکنار یہ ہبہ صحیح ومعتمد وظاہر الروایۃ پر سرے سے مفید ملک واقع نہ ہوا مکان بدستور ملک زید پر باقی ہے جس میں موہوب لہم خواہ ان کے ورثہ کا کوئی حق نہیں ان پر لازم ہے کہ سارا مکان زید کو واپس دیں اور زید قطعاً اختیار رکھتا ہے کہ جس وقت چاہے بے ان کی رضامندی کے بطور خود قبضہ کرلے جس سے نہ ان کی قرابت منع کرسکے نہ بعض عاقدین کا مرجانا کہ مکان ان کی ملک میں

[1] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹تا ۱۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۴

[3] مختصر القدوری کتاب الھبة مطبع مجیدی کانپور ص ۱۵۷

ایا ہی نہ تھا جو شرائط رجوع دیکھے جائیں بلکہ بعض علماء کو ہبہ مشاع کو فاسد اور بعد قبضہ ناقصہ مفید ملک خبیث مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس کا رد واجب، اور واہب کو ہمیشہ اختیار رجوع رہتا ہے جس سے قرابت خواہ موت احد العاقدین وغیرہما کوئی مانع اصلاً منع نہیں کر سکتا۔ بہر حال اس صورت میں ان لوگوں کا قبضہ اگرچہ سالہاسال ہے محض ناجائز و بے اثر کہ تقادم مدت سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة کالدار و الارض ولو صدق الوارث علی صدورها من المورث ولا تفید الملك فی ظاهر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعاً لایملکه حتی لاینفذ تصرفه فیه فیکون مضموناً علیه وینفذ فیه تصرف الواهب ذکره الطحاوی و قاضی خاں وروی عن ابن رستم مثله و ذکر عصام انها تفید الملك وبه اخذ بعض المشائخ انتهی، ومع فادتها للملك عند هذا البعض اجمع الکل علی ان اللواهب استرداد ها من الموهوب له ولو کان ذارحم محرم من الواهب وکما یکون للواهب الرجوع فیها یکون لوارثه بعد موته لکونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك[1] اھ ملخصاً۔	قابل تقسیم چیز کا مشاعی طور پر (غیر منقسم) ہبہ صحیح نہیں، جیسے مکان اور زمین اگرچہ موروث کے مرنے کے بعد اس کے وراث تصدیق بھی کردیں کہ مورث نے یہ ہبہ کیا تھا، اور ظاہر الروایۃ میں یہ ہبہ مفید ملک ہیں ہے، امام زیلعی نے فرمایا اگر بطور شیوع ہبہ کیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا حتی کہ اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا تو وہ مضمون بنے گا جبکہ واہب تصرف کرے تو نافذ ہوگا یہ طحاوی اور قاضیخاں نے ذکر کیا ہے، ابن رستم سے یہی منقول ہے جبکہ عصام نے ذکر کیا کہ مفید ملک ہوگا، اسی کو بعض نے لیا ہے اھ، ان بعض حضرات کے مفید ملک ہونے کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر واہب واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، اور جس طرح خود واہب رجوع کرسکتا ہے اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء بھی رجوع کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ قابل رد ہے اور ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان دیا جائے گا اھ ملخصاً۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

قہستانی میں ہے:

وکمالا یمنع الرجوع فی الھبة الفاسدة القرابة فکذا غیرھا من الموانع [1] اھ، **اقول**:فقد ظھر الجواب اذا کانوا جمیعا اغنیاء وکذا اذا کان بعضھم غنیا و البعض فیقر لان الشیوع انما لایعمل فی الصدقة اذا تصدق بالکل فقیرین اوفقراء لکون المراد بالکل ح ھو وجه الواحد الاحد الفرد جل جلاله کما مرعن الدرالمختار [2]۔امااذاکان بعضه ھبة لغنی فلم یکن المراد بکله وجھه تعالٰی فتحقق المعنی المانع عن افادة الملك الاتری الی ماصرح به فی تنویر الابصار و شرحه الدرالمختار من ان الصدقة کالھبة بجامع التبرع وح لاتصح غیرمقبوضة ولا فی مشاع یقسم [3] اھ قال فی البحر فان قلت تقدم ان الصدقة لفقیرین جائزة فیمایحتمل القسمة بقوله وصح تصدق عشرة لفقیرین قلت المراد ھھنا	جس طرح قرابت فاسدہ ہبہ کو واپس لینے میں مانع نہیں اسی طرح دیگر امور بھی مانع نہیں اھ، **اقول**: (میں کہتاہوں) تو جواب واضح ہوگیا کہ صدقہ کی صورت میں سب غنی ہوں یا بعض غنی اور بعض فقیر ہوں تو رجوع صحیح نہیں ہے کیونکہ شیوع صدقہ میں موثر نہیں اسی لئے جب کل دو۲ یا کئی فقیروں پر صدقہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ صدقہ واحد احد جل جلالہ کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ درمختار سے گزرا اور اگر اس کُل کا بعض حصہ کسی غنی کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ اب کل اللہ وحدہ کے لئے نہ ہوا تو صحیح معتمد مذہب کے مطابق مفید ملک ہونے سے مانع پایا گیا۔آپ نے دیکھا تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار نے جو تصریح کی کہ صدقہ ہبہ کی طرح تبرع کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے تو مفید ملک نہ ہونے کی صورت میں غیر مقبوض اور قابل تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ، بحر میں فرمایا اگر اعتراض ہو کہ پہلے یہ گزرا کہ قابل تقسیم غیر منقسم چیز کا صدقہ دو۲ فقیروں کو جائز ہے جو اس عبارت میں بیان کیا کہ دس دراہم دو۲ فقیروں کو جائز ہے تو میں جواب دیتاہوں

[1] جامع الرموز

[2] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۶

من المشاع ان یھب بعضه لواحد فقط فح ھو مشاع یحتمل القسمة بخلاف الفقیرین فانه لا شیوع کما تقدم[1] اھ فما نحن فیه عین عــــه تلك الصورة المصرح	کہ یہاں مشاع سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کا بعض ایک کو دیا جائے تو یہ مشاع قابل تقسیم ہے بخلاف جب دو فقیروں کو ہبہ کیا جائے تو شیوع نہ ہوگا، جیسا کہ گزرا ہے اھ تو ہماری زیر بحث صورت بعینہٖ یہی ہے۔

عــــه: ثم رأیت بحمد الله تعالٰی نفس الجزئیة فی العقود الدریة حیث قال وجه صحتها اذا کانت لفقیرین ما صرحوا به من ان الصدقة یراد بها وجه الله تعالٰی وھو واحد فلا شیوع والا فقد صرحوا فی المتون ایضا بان الصدقة کالھبة لاتصف فی مشاع یقسم ای بان انه لو وھب دارہ مثلا التی تحتمل القسمة من غنیین لایصح للشیوع خلافا لھما لو تصدق بها علی فقیرین یصح اتفاقا لما مر ولو وھب نصفها لواحد وتصدق به علی فقیر واحد لم یصح لتحقق الشیوع[2] اھ ھکذا ھو بالواؤ فی و تصدق فی النسخة المطبوعة ببولاق مصر ۱۲۷۳ھ من الھجرۃ المطھرۃ۔ والله تعالٰی اعلم۔

پھر میں نے بحمد اللہ تعالٰی بعینہٖ یہ جزئیہ العقود الدریۃ میں دیکھا جہاں انہوں نے فرمایا، اس کی صحت دو فقیروں کی صورت میں ان کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالٰی کی رضا مطلوب ہے اور وہ ذات واحد احد ہے تو شیوع نہ ہوا، ورنہ تو خود فقہائے نے متون میں تصریح فرمائی ہے کہ صدقہ ہبہ کی طرح قابل تقسیم شیوع میں صحیح نہیں کہ ایک چیز کا بعض حصہ ایک کو صدقہ کرے، الحاصل اگر ایک مکان جو قابل تقسیم ہے دو غنی حضرات کو ہبہ کیا تو شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، جبکہ یہ مکان دو فقیروں کو صدقہ کیا تو بالاجماع جائز ہے جیسا کہ گزرا ہے، اور اگر اس مکان کا بعض غیر منقسم حصہ ایک فقیر کو صدقہ دیا اور بعض حصہ دوسرے ایک کو ہبہ کیا تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ شیوع پایا گیا، (بولاق مصر کے مطبوعہ ۱۲۷۳ھ کے نسخے میں "وتصدق" ہے، تصدق سے قبل واؤ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] بحر الرائق کتاب الھبۃ فصل بمنزلہ مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۹۷

[2] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۷

ببطلانها اعنی التصدق بالبعض وابقاء البعض علی ملك نفسه فان الهبة فی حصة الاغنیاء لما لم تفد شیئا للشیوع بقیت تلك الحصة علی ملك الواهب فلم یکن الا تصدقا بالبعض وابقاء للبعض الباق فلم یصح ای لم یفد ملکا للفقیر ایضا وبه تبین ان لیس هذا رجوعا فی الصدقة حتی لاتجوز بعد القبض فان الرجوع انما هو بعد ثبوت الملك للفقیر وههنا لاملك فلا رجوع فلا منع هکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	جس کے بطلان کی تصریح ہے یعنی ایک چیز کے بعض کو صدقہ کرنا اور بعض کو اپنی ذاتی ملک میں رکھنا کیونکہ اغنیاء کے حصے کا ہبہ جب شیوع کی وجہ سے مفید ملک نہ ہوا تو وہ حصہ واہب کی اپنی ملک میں رہا تو یہ صرف بعض کا صدقہ اور بعض کا اپنی ملک میں باقی رکھنا ہوا تو صحیح نہ ہوگا، یعنی فقیر کی ملکیت کے لئے بھی مفید نہ ہوا تو واضح ہوگیا کہ مذکورہ صورت میں صدقہ میں رجوع نہ بنا حتی کہ بعد قبضہ بھی ناجائز ہے، اور رجوع تب ہوتا کہ فقیر کی ملکیت پہلے ثابت ہوتی جبکہ یہاں فقیر کی ملکیت ثابت نہ ہوئی، تو ملک نہیں ہوئی تو رجوع بھی نہ ہوا تو ممنوع صورت نہ ہوئی، جب توفیق ساتھ دے تو تحقیق یوں چاہئے، والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۵۳: ۲۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان خرید کر اپنی دختر دہندہ عاقلہ بالغہ کو ہبہ کامل مع قبضہ کردیا، زید خود دوسرے مکان میں رہتا تھا اس مکان موہوب میں ہندہ ہبہ سالہاسال سے رہا کی اور اور رہتی ہے مگر زید نے اس ہبہ کی کوئی دستاویز نہ لکھی، ہاں کل عزیز اور چند ورثاء اور تمام اہل محلّہ اس ہبہ سے اگاہ ہیں اور گواہی دینے کو موجود ہیں اس صورت میں وہ ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا نہیں اور مکان ہندہ دختر زید ہے یا ملک زید قرار پاکر اس کے ترکہ میں تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مکان خالص ملک ہندہ دختر زید ہے جس میں زید کا اصلا کوئی استحقاق نہیں۔ نہ وہ زید کا ترکہ قرار پاسکے کہ شریعت مطہرہ میں ہبہ وغیرہ تمام عقود صرف زبان سے ہیں تحریر کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے بغیر کسی عقد کو ناتمام وغیر مکمل تصور کیا جائے

فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

اما اشترط کونه یکتب فی حجة ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحة ذٰلك شرعا والزیادة لا یحتاج الیھا [1] اھملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن شرط لگانا کہ اشٹام لکھا جائے اور رجسٹروں میں درج کیا تو شرعا یہ ضروری نہیں، اور شرعی وضع کے خلاف ہے کیونکہ اکیلا لفظ ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے اور زیادہ کی ضرورت نہیں اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ایک اراضی اپنے بیٹے کے نام خریدی، بعد ایک مدت کے وہ زمین ایک طبیب کو ہبہ کی پسر زید اصل مالک زمین نے کہ عاقل بالغ تھا اس فعل کو جائز رکھا اور کہا مجھے منظور ہے چنانچہ وہ طبیب ایک مدت تک برضائے واہب ومالک اس زمین پر قابض ودخیل رہا، اب بعد انتقال زید وپسر زید نبیرہ زید اس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے، آیا وہ اسے واپس لے سکتا ہے؟ اور اس واپس لینے کا اسے شرعا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کا ہبہ ہبہ فضولی تھا مگر جب اصل مالک نے اس کی اجازت دی اور موہوب لہ نے برضائے مالک قبضہ پالیا تو وہ زمین اس طبیب کی ملک تام ہو گئی اب کہ مالک نے انتقال کیا اصلا حق رجوع کسی کو نہ رہا نبیرہ زید کا ارادہ واپسی محض مہمل ہے اسے خواہ کسی کو اس زمین کو واپس لینے کا اصلا اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

باب موانع الرجوع یجمعھا حروف دمع خزقة و المیم موت احد المتعاقدین اھ [2] ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رجوع سے موانع کو یہ حروف جامع ہیں دمع خزقہ، اور "م" سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارلمعرفة بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۵۵: ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد انتقال مورث اعلیٰ کے ترکہ مشترکہ سے جزو عمرو کو زبانی دیا یا بخشا یا کل حصہ خالد اور ولید کو بذریعہ تحریر ہبہ کیا اور جز و یا کل غیر منقسم پر قبضہ دیا، بعد اس کے دیگر شرکاء اور زید میں بابت ترکہ مشترکہ غیر منقسم مورث اعلیٰ کے نزاع ہو کر تقسیم جائداد ہوئی، زید مذکور نے ازروئے تقسیم اپنا وہ حصہ کہ جس کا جزو یا کل ہبہ کر چکا تھا پایا اس کُل کو بیع کر دیا صورت مذکورہ بالا میں دہندگی اور بخشندگی اور ہبہ زبانی و تحریری جائز اور قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ بیان کرو تم اجر پاؤ تم۔

الجواب:

شے مشترکہ صالح تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہر گز صحیح نہیں اور اگر یوں ہی مشاعا یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے تاہم وہ شیئ بدستور ملک واہب پر رہتی ہے موہوب لہ کا اصلا کوئی استحقاق اس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ ہر گز بذریعہ ہبہ اس کا مالک ہوسکے جب تک واہب تقسیم کرکے خاص جزء موہوب معین محدود و ممتاز جداگانہ پر قبضہ کاملہ نہ دے، یہاں تک کہ ایسے قبضہ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اس شیئ میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل و ناقابل نفاذ ہے اور واہب کے سب تصرفات جیسے قبل ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام و نافذ ہیں۔ یہی حق و صحیح معتمد ہے اور اسی پر تعویل واعتماد لازم، پھر یہ شیوع چاہے یوں ہو کہ سرے سے خود واہب کی جائداد میں ایک حصہ غیر منقسم کا مالک ہے یہی حصہ کل یا بعض قبل تقسیم ہبہ کیا یا یہ تو اس کل چیز کا مالک تھا مگر ہبہ اس میں سے ایک جزو غیر منقسم کا کیا یا ہبہ بھی کل کا کیا مگر دو شخصوں کو دیا اور ہر موہوب لہ کا حصہ جدا و ممتاز کرکے قبضہ نہ دلایا، تینوں صورتوں کا وہی حکم ہے کہ ہبہ محض ناتمام اور ایسے قبضہ کے بعد بھی موہوب لہ کو اصلا ملک حاصل نہیں، تنویر الابصار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض فی محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیما یقسم ولو لشریکہ فان قسمہ وسلمہ صح ولو سلمہ شائعا لایملکہ فلا ینفذ تصرفہ فیہ[1] اھ ملتقطا۔	مقسوم محفوظ اور ناقابل تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے جبکہ مشاع قابل تقسیم ہو تو اگرچہ شریک کو ہی ہبہ کیا وہ صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر تقسیم کردیا اور قبضہ دے دیا تو صحیح ہوگا، اور مشاع کو ہی سونپ دیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا لہٰذا اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا۔[1]	اگر دو حضرات نے ایک مکان ایک ہی شخص کو ہبہ کیا صحیح ہے اگر عکس کیا تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[2]فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال فی [3]مشتمل الاحکام نقلا عن [4]تتمۃ الفتاوی ان ہبۃ المشاع باطلۃ وھو الصحیح[2]۔	مشتمل الاحکام میں تتمۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ مشاع چیز کا ہبہ باطل ہے، یہی صحیح ہے۔(ت)

[5]ردالمحتار میں ہے:

ولو سلمہ شائعا قال فی الفتاوی الخیریۃ لا تفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال [6]الزیلعی ولو سلمہ شائعا لا یملکہ حتی لاینفذ تصرف فیہ فیکون مضمونا علیہ و ینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ [7]الطحاوی و [8]قاضیخان و روی عن ابن [9]رستم مثلہ وافتی بہ فی [10]الحامدیۃ و [11]التاجیۃ وبہ جزم فی [12]الجوھرۃ والبحر و [13]نقل عن [14]المتبغی انہ لو باعہ الموھوب لہ یصح وفی [15]نور العین عن [16]الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض و لا یثبت الملك فیھا الاعند اداء العوض، نص علیہ محمد فی [17]المبسوط	اگر مشاع کا قبضہ دیا خیریہ میں فرمایا کہ وہ ظاہر الروایۃ میں مفید ملک نہ ہوگا، امام زیلعی نے فرمایا، اگر مشاع پر قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا، لہٰذا اس کا تصرف بھی صحیح نہ ہوگا اگر کیا تو ضمان دے گا، اس میں واہب کا تصرف نافذ رہے گا، یہ طحاوی اور قاضیخان نے ذکر کیا ہے اور ابن قاسم سے ایسی ہی روایت ہے اور اسی پر حامدیہ اور تاجیہ میں فتوٰی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم فرمایا ہے، اور المتبغٰی سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ نے اس کو فروخت کیا تو جائز نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ باعث ضمان ہوگا اس پر موہوب لہ کی ملکیت عوض ادا کئے بغیر ثابت نہ ہوگی اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۳

وھو قال [18] ابی یوسف وذکر قبلہ ہبۃ المشاع فیما یقسم لا تفید الملك عند [19] ابی حنیفۃ و [20] فی القھستانی ھو المختار کما فی [21] المضمرات وہو الصحیح فحیث علمت انہ ظاہر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد ورووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل ونص فی الاصل انہ لووہب نصف دارہ عن اٰخروسلمھا الیہ فباعھا الموھوب لہ لم یجزدل انہ لایملك حیث ابطل البیع بعد القبض ونص فی الفتاوٰی انہ ھوالمختار [1] اھ ملخصا۔	اور یہی امام ابویوسف کا قول ہے، اس سے قبل ذکر فرمایا کہ مشاع جو قابل تقسیم ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک وہ مفید ملک نہ ہوگا اور قہستانی میں فرمایا یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہی صحیح ہے اور میرے علم کے مطابق یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی نص ہے اسی کو انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، تو واضح ہوا کہ اسی پر عمل ہے، اور مبسوط میں نص فرمائی ہے کہ اگر کسی کو نصف مکان ہبہ کیا اور سونپ دیا اور موہوب لہ نے اسے فروخت کردیا تو یہ کارروائی جائز ہوگی یہ کلام دال ہے کہ موہوب لہ اس کا مالک نہ ہوا کیونکہ انہوں نے قبضہ کے باوجود بیع کو باطل کہا ہے، اور فتاوٰی میں منصوص ہے کہ یہی مختار ہے اھ ملخصا۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں زید نے جو اپنے حصہ کا ایک جز عمرو کو دیا یا خالد وولید کو کل حصہ ہبہ کیا دونوں حالتوں میں یہ نہ صرف ایک وجہ سے مشاع بلکہ ہر طرح مشاع در مشاع تھا عمرو کو دینے میں یوں کہ اصل حصہ زید ہی ہنوز مشاع تھا پھر اس مشاع میں کا ایک جز غیر منقسم عمرو کو بخشا اور خالد وولید کے نام ہبہ میں یوں کہ ایک تو اصل حصہ مشاع دوسرے دو شخصوں کو بے تقسیم دینا، پس بہرحال حکم یہی ہے کہ یہ سب ہبہ تحریری ہوں خواہ زبانی محض باطل وبے اثر ہوئے اور عمرو وخالد وولید کو کوئی استحقاق اس موہوب میں نہ ملا اور بیع کہ زید نے کی بے تامل صحیح ونافذ وتام وکامل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نصف جائداد کا اپنے پسر متوفی کی زوجہ کو اپنی حیات وصحت میں مالک کردیا اور وہ جائداد جب ہی منقسم ہوگئی کہ بہو نے حیات زید میں اس پر قبضہ کاملہ پالیا اور بعد زید بھی بدستور پچاس برس بلکہ زائد تک اس پر قابض رہی اب عورت

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

نے اپنا بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زید کے دوسرے پسر کی اولاد اس جائداد میں دعوی کرتے ہیں اس صورت میں دعوی ان کا قابل سماعت ہے یا وہ صرف حق وارثان عورت ہے اور اولاد پسر زید کا اس میں کچھ حق نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ نصف جائداد کہ زید نے اپنی بہو کو دی اس کی مالک مستقل بہو ہو گئی وارثان زید کا اس میں کچھ حق نہ رہا، نہ ان کا دعوی مسموع ہو سکتا ہے، وہ صرف حق وارثان عورت ہے

فان التملیك ان کان بیعا فظاہر وان کان ہبة فقد تمت بالتقسیم والقبض و لزمت بالموت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ تملیک بطور بیع ہو تو ظاہر ہے اور اگر بطور ہبہ ہو تو تقسیم اور قبضہ دینے سے تام ہو گیا اور موت سے لازم ہو گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۷: ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ برس کا ہوا مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا، اور بعد اپنے دو بیٹے نام کلاں کا زید اور نام ثانی بکر تھا، اور بکر کا خالد نام ایک لڑکا بعمر دس سال تھا چھوڑا، جائداد متروکہ ہندہ میں بموجب ادخال فوتی نامہ پٹواری دیہہ محکمہ نظامت میں بجائے ہندہ زید پسر اور بجائے بکر خالد پوتا کا نام درج ہو لیا بکر نے بخیال مصلحت خاص بغرض حفظ جائداد کہ وہ مقروض تھا اور اپنا نام لکھوانے میں خوف تلف ہونے اس جائداد کا تھا اس وقت سکوت اختیار کیا اور کوئی لفظ تملیک نہ کہا اور نہ تملیک منظور تھی نہ کوئی تحریر مثل ہبہ نامہ یا بیعنامہ (مثل دیگر جائداد کہ اپنے روپے سے خالد کو اور اس کی ماں کو بذریعہ خرید وہبہ کے لکھ چکا) اس حقیت کی کی، اور نہ اس وقت تک باجود بالغ ہونے کے خالد کو اس جائداد پر قبضہ دیا بخلاف دیگر جائداد کے جو دینا منظور تھی اس پر قابض ودخیل کر دیا اور اس حقیت میں بطور فرضی نام درج رہا بکر کارکن اور قابض متصرف مالکانہ اس حقیت کا اس وقت تک ہے، اب خالد یعنی پسر بکر اس پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے اور بکر چاہتا ہے کہ نام خالد کا محکمہ موصوف سے خارج ہو کر ترکہ مادری پر میرا نام درج ہو، لہذا بموجب شرع شریف بکر مستحق درج کرانے نام اپنے کا ہے یا نہیں اور بموجودگی پسر کے پوتا کو ترکہ دادی پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محکمہ مال میں نام خالد کا اندراج جس کی بنا تحریر پٹواری پر تھی کوئی چیز نہیں کہ پٹواری خواہ

حکام مال ایک کے مال کا مالک دوسرے کو نہیں کر سکتے جبکہ جائداد ترکہ ہندہ والدہ بکر تھی بلاشبہہ زید وبکر بحکم وراثت اس کے مالک ہوئے اور خالد کو کوئی استحقاق ابتدائی نہ ملا کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کا کچھ حق نہیں، اب جو حصہ ملک بکر ہوا دوسرا بے اس کے تملیک کے کیونکر اس کا مالک ہو سکتا ہے،

فی ردالمحتار عن الکرمانی لان ملك الانسان لا ینقل الی الغیر بدون تملیکه[1]۔	ردالمحتار میں کرمانی سے منقول ہے کہ تملیک کئے بغیر کسی کی ملکیت دوسرے کو منتقل نہ ہوگی۔(ت)

اور تملیک کی یہاں دو ہی صورتیں متصور، یا تو مالک آپ انشاء وایجاب ہبہ کرے یا دوسرا شخص یعنی فضولی اس کی چیز کو ہبہ کرے اور یہ اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردے یہاں تک کہ جو کچھ بکر سے صادر ہوا وہ محض سکوت ہے، اور پر ظاہر کہ سکوت خود تو کسی عقد کا ایجاب ہو نہیں سکتا کہ ایجاب کلام اول ہے اور سکوت ترک کلام، اور یہاں اسے اجازت قرار دینے کی بھی کوئی سبیل نہیں کہ اجازت کے لئے کوئی عقد فضولی ہونا تو درکار ہے جسے جائز کیا جائے اور بداہۃً واضح کہ صیغہ مال والوں کا خانہ ملکیت میں کسی کا نام لکھنا کوئی انشائے ہبہ نہیں ہوتا وہ تو صرف ایک یادداشت مالکیت ثابتہ ہے، نہ احداث ملک جدید، تو یہاں سرے سے کوئی عقد فضولی پایا ہی نہ گیا کہ سکوت بکر کو اس کی اجازت قرار دیں قطع نظر اس سے کہ مجرد سکوت مطلقاً دلیل اجازت ہو بھی سکتا ہے یا نہیں خصوصاً وہ بھی ایسا کہ محض ایک مصلحت کی بناپر ہو، پس ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کوئی صورت تملیک متحقق نہ ہوئی اور حقیت بدستور بکر ہے، خالد کا دعوی اصلاً قابل سماعت نہیں۔ پھر اس تقریر کی حاجت بھی اس حالت میں ہے کہ وفات ہندہ کے بعد زید وبکر کا حصہ جداجدا منقسم ہوگیا ہو اس کے بعد بجائے بکر حصہ بکر میں نام خالد مندرج ہوا اور اگر قبل از تقسیم یونہی جائداد متروکہ غیر منقسمہ میں اندراج نام خالد ہوا (جیسا کہ ظاہر یہی ہے کہ فوتی نامہ بعد فوت معاً داخل ہوتا ہے نہ جب جائداد کا ورثہ میں پٹے بانٹ ہوجائے) جب تو خالد کے لئے ملک ثابت نہ ہونا کسی بیان کا محتاج ہی نہیں اگرچہ نہ پٹواری بلکہ خود بکر نے نہ بلحاظ مصلحت بلکہ خاص بقید تملیک ہی خالد کا نام درج کرایا ہو کہ اس حالت میں یہ اگر ہوگا تو غایت درجہ ہبہ مشاع ہوگا اور ہبہ مشاع اصلاً مفید ملک نہیں اگرچہ اپنے بیٹے کے لئے ہو جب تک واہب تقسیم کرکے موہوب لہ کو قبضہ کاملہ نہ دے یہاں کہ اب تک قبضہ نہ ہوا ملک خالد کے کوئی معنی نہیں۔ فتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

المشاع فیما یحتمل القسمۃ وھو ما یجبر القاضی فیہ الابی عن القسمۃ عند طلب الشریك لھا لا تفید الملك الموہوب لہ فی المختار مطلقا شریکا کان او غیرہ ابنا اوغیرہ [1] الخ۔	قابل تقسیم مشاع یعنی قاضی شریک کے مطالبہ پر اس منکر کو تقسیم پر مجبور کرے تو مختار قول میں ایسا مشاع موہوب لہ کی ملک نہ بنے گا، یہ حکم عام ہے شریک ہو یا غیر ہو، بیٹا ہو یا غیر ہو، الخ۔ (ت)

مجموعہ علامہ انقروی میں ہے:

فی المنتقی وھب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز مالم یقسمہ ویبین ماوھب لہ من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ [2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	منتقی میں ہے اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کو نصف مکان ہبہ کیا تو تقسیم کرکے دیئے اور واضح کئے بغیر صحیح نہ ہوگا، یہ فتاوٰی تمرتاشی کی کتاب الہبہ کے آخر سے منقول ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۷: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے حالت مرض الموت میں اپنی جائداد یعنی ایک دکان اور ایک مکان اپنے پسر عمرو کو اور اس کی زوجہ کو نصف نصف ہبہ بلا تقسیم کردی اس وجہ سے کہ زوجین میں نااتفاقی رہتی تھی بعد کو عمرو مذکور تابمرگ پورا کرایہ دکان مذکور کالیتا رہااور تقسیم پر راضی نہ رہااور اب عمرو نے وفات پائی ایک زوجہ اور ایک ہمشیر زادہ وارث چھوڑے اب ترکہ عمرو کا کیونکر تقسیم ہوگا یعنی دکان اور مکان پورا پورا عمرو کا سمجھا جائے گا یا نصف نصف؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید نے مکان ودکان دو شخصوں کو نصف نصف ہبہ کئے اور تقسیم کرکے ہر ایک کو جدا جدا قبضہ نہ دلایا یہاں تک کہ مرگیا، تو مکان کا ہبہ تو یقینا باطل ہوا، یونہی دکان کا بھی، اگر وہ بعد تقسیم قابل انتفاع ہو یعنی اتنی گنجائش رکھتی ہو کہ اس کے دو حصے جدا کردئے جائیں تو ہر حصہ

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبہ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۹۱

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبہ دار الاشاعت العربیہ قندہار ارگ بازار افغانستان ۲ /۲۸۴

تنہا بکار آمد رہے اس صورت میں وہ مکان ودکان ترکہ زید رہے اور بعد زید اگر اس کا کوئی وارث سوا عمرو کے نہ تھا تو بشرط تقدیم دین ووصیت وہ دونوں صرف عمرو کے ملک ہوئے زوجہ عمرو کا ان میں کچھ حق نہ تھا اب کہ عمرو مرا اگر اس کے وارث سے یہی دو شخص ہیں تو بعد ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا چار حصے کرکے ایک سہم زوجہ عمرو اور تین سہم ہمشیر زادہ عمرو کو دیں، اور اگر دکان ایسی کوتاہ وتنگ ہے کہ تقسیم کے بعد ہر حصہ جدا قابل انتفاع نہ رہے تو مکان کا ہبہ تو باطل تھا اس کی حالت تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی مگر دکان کا ہبہ ناجائز نہ ہوا، اب دیکھا جائے گا کہ زید نے اپنی حیات میں زوجہ عمرو کو اس دکان پر قبضہ کرادیا تھا یا نہیں، اگر نہیں تو ہبہ پھر باطل ہوگیا۔

کما فی الدر المختار ان موت احد المتعاقدین قبل التسلیمات مبطل الھبۃ[1] ملخصا۔	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ سے پہلے ہو تو وہ ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔(ملخصا) (ت)

اور اگر قبضہ کرادیا تھا تو اس نصف دکان کو اندازہ کیا جائے زید کا جس قدر ترکہ بعد ادائے دیون باقی رہا یہ نصف اس کل ترکہ کے ثلث سے زائد تو نہیں۔ اگر زائد نہیں تو ہبہ نصف بنام زوجہ عمرو صحیح وتام ولازم ہوگیا۔ یہ نصف دکان خاص ملک زوجہ ہے اور نصف باقی ومکان ودیگر متروکات کا وہی حال ہے جو اوپر گزرا، اور اگر ثلث سے زائد ہے تو ازانجا کہ عمرو اس تقسیم پر راضی نہ تھا ثلث سے زائد کی مقدار میں ہبہ رد ہوگیا۔

فان الھبۃ فی مرض الموت فی حکم الوصیۃ من جھۃ التوقف علی اجازۃ الوارث فیما زاد علی الثلث وان لم تکن وصیۃ فی الحقیقۃ حتی بطلت فی المشاع وعند عدم القبض کما بینہ فی ردالمحتار[2]۔	کیونکہ مرض الموت میں تہائی ترکہ سے زائد ہبہ کیا تو وہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہونے میں وصیت کے حکم میں ہے اگرچہ حقیقتًا وصیت نہ بھی ہو حتی کہ وہ مشاع ہونے اور قبضہ نہ ہونے پر باطل ہوجاتا ہے جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے۔ (ت)

اس تقدیر پر صرف بقدر ثلث متروکہ کے جتنا حصہ اس نصف دکان کا ہو وہی ملک زوجہ

---

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

از روئے ہبہ ہے باقی دکان ومکان وغیرہا بدستور سابق تقسیم ہوں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: از بنارس محلّہ کندیگر ٹولہ شفاخانہ مسجد بی راجی مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاب ونیز از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب ۱۴رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہے علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالٰی الی یوم الدین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے تھے، عمرو، بکر، خالد، زید نے عمرو کے نام سے ایک مکان خرید کیا اور قبالہ وغیرہ امور متعلقہ بیع بھی سب اسی کے نام سے کئے، بعد اس کے عمرو اپنے باپ زید اور برادران خالد وبکر کی حیات میں قضا کر گیا تو اب عمرو کے بال بچے اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر عمرو اس وقت نابالغ تھا تو ہر طرح وہ مکان ملک عمرو ہو گیا، عمرو کے ورثہ پر حسب فرائض شرعیہ منقسم ہوگا،

فانہ ان وجدت اضافۃ العقد الی عمرو وقع الشراء لہ والاب یملکہ فملکہ عمرو ابتداء والا وقع الشراء لزید ثم جعلہ باسم عمرو صار ہبۃ منہ بحکم العرف واستغنت عن القبض لان ہبۃ الاب لولدہ الصغیر تتم بمجرد الایجاب وفی الھندیۃ عن القنیۃ اشتری ثوبا فقطعہ لولدہ الصغیر صار واہبا بالقطع مسلما الیہ قبل الخیاطۃ ولو قال اشتریت ہذا لہ صار ملکا لہ[1] اھ ملخصا، وفی	کیونکہ اگر مکان کی خریداری عمرو کی طرف منسوب کی گئی تھی تو عمرو کے لئے وہی ہوئی جبکہ باپ اس کارروائی کا مختار ہے، تو اس مکان کا عمرو ابتداء مالک بنا ورنہ خریداری باپ زید کی ہوئی پھر اس نے عمرو بیٹے کے نام کی تو یہ باپ کی طرف سے عرف کے لحاظ سے ہبہ ہوا اور اس ہبہ میں قبضہ دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ نابالغ بیٹے کو ہبہ کر دینے سے ہی تام ہو جاتا ہے، ہندیہ میں قنیہ سے مروی ہے کسی نے کپڑا خرید کر نابالغ بیٹے کے لئے اسے کاٹ دیا تو وہ واہب بن گیا اور بیٹے کو سونپا گیا اگرچہ ابھی سلایا نہ ہو، اور اگر باپ کہہ دے کہ میں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹا مالک ہو گیا اھ ملخصا۔ اور علامہ استروشنی

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الھبہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۹۲

احکام الصغار للعلامۃ الاستروشنی عن الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضعیۃ للولد لانھا تصیر واہبۃ والام تملك ذٰلك ویقع قبضھا عنہ[1]۔	کے احکام الصغار میں ذخیرہ اور تجنیس سے منقول ہے عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی تو یہ خریداری اس عورت کی اپنی ذات کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ملک ہوگی کیونکہ اس نے بیٹے کو ہبہ کردی جبکہ ماں کو یہ اختیار حاصل ہے توماں کا قبضہ بیٹے کے لئے ہوگا(ت)

اور اگر بالغ تھا توزید مشتری اور بائع مکان کے باہم عقد بیع وشراء میں جو لفظ زبان پر آئے ان پر نظر کی جائے گی اگر ان میں عمرو کی طرف اضافت عقد تھی مثلا بائع نے کہا یہ مکان میں نے تیرے بیٹے عمرو کے ہاتھ بیچا زید نے کہا میں نے اس کے لئے خریدا یااس کے جواب میں اتنا ہی کہاکہ میں نے خریدا یا زید نے کہا یہ مکان میں نے اپنے بیٹے عمرو کے لئے خرید کیا، بائع نے کہا میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا، یااسی قدر کہاکہ میں نے بیچا،

فان الاضافۃ فی احد الکلامین کافیۃ اذا لم یوجد فی الاخر خلافھا کما صححہ فی وجیز الکردری وحققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار خلافالما فھم العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی وصورۃ الخلاف ان تقع الاضافۃ فی احد الشطرین الی احد وفی الاخر کان قال اشتریت لفلان فقال بعت منك حیث یبطل العقد فی الاصح لانہ خاطب المشتری فردہ لغیرہ فلایکون جوابا فما بقی الابشرط واحد افادہ فی فروق الکرابیسی	عقد کرنے والے فریقین میں سے ایک کے کلام میں اضافت ہو توکافی ہے بشرطیکہ دوسرے کاکلام اس کے منافی نہ ہو جیسا کہ وجیز کردری میں اس کی تصحیح ہے اور ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار کے حاشیہ میں کی ہے جبکہ علامہ شامی کا فہم اس کے خلاف ہے حالانکہ خلاف کی صورت یہ ہے کہ ایجاب قبول میں سے ایک میں اضافت ایک کی طرف ہو اور دوسرے میں دوسرے شخص کی طرف اضافت ہو مثلاخریدار کہے میں نے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی تواس کے جواب میں بائع یوں کہے یہ چیز میں نے تجھے فروخت کی، توصحیح ترین قول میں یہ عقد باطل ہے کیونکہ بائع نے مشتری کوخطاب کرکے عقد دوسرے کی طرف پھیردیا

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

کمانقله عنها فی البحر[1]۔	تو مشتری کے ایجاب کے مطابق جواب نہ ہوا تو یہ عقد صرف ایک طرف ہوا، اس کا افادہ الکرابیسی کے فروق میں ہے۔ جیسا کہ اس کو وہاں سے بحر میں نقل کیا۔(ت)

تو اس صورت میں یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، اگر اس نے اجازت دی مکان ابتداء ملک عمرو ہوا اور اسی کے ورثہ پر تقسیم ہوگا اور اگر پیش از اجازت مرگیا بیع باطل ہو کر مکان ملک بائع پر رہا۔

فی الدر المختار لو اشتری لغیرہ نفذ علیه اذا لم یضفه الی غیرہ فلو اضافه توقف بزازیه وغیرہا[2] اھ مختصرا وفی البزازیة الصحیح وانه اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازته[3] اھ وفی الدر لاتجوز اجازۃ وارثه لبطلانه بموته[4] اھ۔	درمختار میں ہے اگر کسی نے غیر کے لئے خریدا تو خریدار پر نافذ ہوگی بشرطیکہ اس کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا اگر خرید کو غیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے عقد کیا تو اس غیر کی اجازت پر عقد موقوف ہوگا، بزازیہ اھ مختصراً، اور بزازیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب فریقین میں سے کسی ایک کے کلام میں غیر کی طرف اضافت ہو گئی تو اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور درمختار میں ہے یہ موقوف عقد اس غیر کی موت کے بعد اس کے وراث کی اجازت سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کی موت سے یہ اختیار ختم ہوگیا اھ۔(ت)

اور اگر لفظوں میں عمرو کی طرف اضافت نہ تھی اگرچہ قبالہ میں عمرو ہی کے ہاتھ بیچنا لکھا ہو

(فان العبرۃ بما تلفظ به لا بما کتباہ) کما نص علیه فی الخیریة[5]۔	فریقین نے جو تلفظ کیا اس کا اعتبار ہوگا ان کے لکھے کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی ہے۔(ت)

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۴۹، ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[3] فتاوٰی بزازیة علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۹۱

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱ /۱۴۰۔۱۳۹

تو یہ شراء زید کے لئے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جبکہ تحریر قبالہ وغیرہا کارروائیاں بنام عمرو کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع کی طرف سے عمرو کے لئے ہبہ ہوا،

فان مثل ھذا یدل دلالۃ واضحۃ علی التملیك وھی المثبتۃ للھبۃ فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیك [1] الخ فی احکام الصغار ان المعتبر فی الباب التعارف وفی العرف یرادبہ البر والصلۃ [2]۔الخ۔	کیونکہ اس جیسی صورت کی تملیک پر واضح دلالت ہے اور اسی سے ہبہ کا ثبوت ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ ایجاب وقبول کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ ایسے قرائن کا وجود کافی ہے جو تملیک پر دال ہو الخ۔اوراحکام الصغار میں ہے کہ اس باب میں تعارف معتبر ہے اور عرف میں ہبہ سے بھلائی اور صلہ مراد ہوتا ہے۔الخ (ت)

پس اگر عمرو نے بربنائے ہبہ قبضہ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملک عمرو ہوگیا اس کے ورثہ پر تقسیم ہوگا ورنہ ملک زید پر باقی ہے وارثان عمرو کا اس میں کچھ حق نہیں۔

فی ردالمحتار عن البزازیۃ اتخذ لولدہ الصغیر ثوبا یملکہ وکذا الکبیر بالتسلیم [3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے نابالغ بیٹے کے لئے کپڑا لیا تو بیٹا مالک ہوجائے گا اور یوں بالغ کے لئے بشرطیکہ اس کو سونپ دیا ہو اھ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۰: از بڑوبچ ملک مالوہ علاقہ دربار ٹونک مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۳۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلو بی بی مورث اعلٰی نے بذریعہ ہبہ نامہ اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ میر جعفر علی داماد خود کے قبضہ میں دے دی اور مسماۃ بگو بی بی دختر کلو بی بی مورث اعلی سے مسماۃ کنیز بانو ایک لڑکی از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئی اور وہ مسمّٰی نجیب شاہ کے عقد میں دی گئی اور بحیات میر جعفر علی وکلو بی بی مورث اعلٰی کے بگو بی بی وکنیز بانو لاولد ہر دونوں کا انتقال ہوگیا، میر جعفر علی حیات رہے ان کی دوسری زوجہ مسماۃ حاکم بی بی سے دولڑکی کنیز فاطمہ وکنیز صغرٰی

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۶

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئیں اور بذریعہ اس ہبہ نامہ کے کہ جو کلوبی بی نے بنام میر جعفر علی کیا تھا جائداد موہوبہ و مقبوضہ میر جعفر علی پر کہ جس کو عرصہ ۵۵ سال کا ہوا بلکہ زائد قابض و متصرف ہیں اور بموجب اسی ہبہ نامہ کے احکام منظوری ریاست شرع شریف یعنی مفتی محکمہ قضا سے استخلاصہ صادر ہوئی کہ ہبہ نامہ نوشہ کلوبی بی موسومہ میر جعفر علی صحیح و درست ہے بموجب اس کے قبضہ کنیز فاطمہ و کنیز صغری دختران میر جعفر علی موحوم کا رہے۔ اب بعد مرور عرصہ مذکور کے مسمّٰی امام شاہ برادر نجیب شاہ نے کہ نجیب شاہ شوہر کنیز بانو دختر میر جعفر علی مرحوم کا ہے عدالت شرع شریف میں دعوی دائر کیا کہ مسماۃ کنیز بانو نواسی کلوبی بی مورث اعلٰی میرے بھائی نجیب شاہ کے عقد میں تھی اسی وجہ سے جائداد متروکہ میر جعفر علی کے جو کلوبی بی سے بذریعہ ہبہ نامہ ان کے قبضہ میں ہے مجھ کو ملنا چاہئے دختران میر جعفر علی کا قبضہ فسخ فرمایا جائے، پس اندریں صورت جائداد موہوبہ کلوبی بی بنام میر جعفر علی عندالشرع کس کو پہنچ سکتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ جائداد بذریعہ ہبہ صحیحہ تامہ ملک جعفر علی ہوگئی کلوبی بی یا اس کے ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا امام شاہ کا دعوی محض باطل و نامسموع ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اما حکمہا فثبوت الملك للموہوب له[1]۔	لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

اما العوارض المانعة من الرجوع فمنہا موت الواہب کذا فی البدائع[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رجوع سے موانع میں ایک یہ ہے کہ واہب فوت ہوجائے، جیسا کہ بدائع میں ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۱: از بیجناتھ پارہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجناتھ پارہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ایک عورت نے انتقال کیا اور ایک لڑکا چھوڑا اس کے خاوند نے جب دوسرے نکاح کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

قصد کیا تو عورت متوفیہ کی ماں مانع ہوئی کہ پہلے میری بیٹی کا مہر دے دو بعد میں نکاح کرو چنانچہ اس شخص نے بروقت نکاح اپنے لڑکے کے نام جائداد لکھ دی یا صرف اقرار ہی کیا اور بیان کیا کہ آئندہ جو کچھ از نقد یا جائداد حاصل کروں گا وہ اس عورت اور اس کی اولاد کا حق ہوگا، اس شخص نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے کے بعد انتقال کیا اور اس عورت ثانی نے بھی انتقال کیا اب ایک لڑکا پہلی بی بی کا ہے جس کے قبضہ میں کُل جائداد ہے اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی دوسری بی بی سے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ اولاد ثانی اس ورثہ سے جو پہلے لڑکے کے تصرفات میں ہے کچھ پا سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تمامی ہبہ کے لئے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقت ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو جیسے دیہات میں بغیر پٹہ بانٹ کے کچھ بسوے یا مکانات میں بغیر تقسیم جدائی کے کچھ سہام) اور واہب اس تمام کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے، یا مشاع ہو تو اس قابل نہ ہو کہ اسے دوسرے کی ملک سے جدا ممتاز کرلیں تو قابل انتفاع رہے جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں تو بیکار ہوئی جاتی ہے ایسی چیز کا بلا تقسیم قبضہ دلادینا بھی کافی وکامل سمجھا جاتا ہے، یا مشاع قابل تقسیم بھی ہو تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کرکے قبضہ دے دے کہ اب مشاع نہ رہی۔ یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں۔ اور پسر موہوب لہ اگر وقت ہبہ بالغ ہو تو خود اس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اسی کا قبضہ ہے **کل ذٰلك مصرح به فی الکتب الفقهية عن اٰخرها** (یہ تمام بحث کتب فقہ میں تصریح شدہ ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں اگر شخص مذکور نے وہ جائداد اپنے پسر کو تحریری خواہ زبانی ہبہ کردی اور بشرائط و معانی مذکورہ پسر کو قبضہ کاملہ دلا دیا تو وہ جائداد خاص اس پسر کی ملک ہوگئی دیگر ورثہ کا اس میں استحقاق نہ رہا، اور اگر ہبہ نہ تھا نرا اقرار ہی اقرار تھا کہ اسے دے دوں گا، یا ہبہ زبانی خواہ تحریری کیا مگر قبضہ نہ دیا تو وہ قبضہ کاملہ نہ تھا اگرچہ پسر نے بعد موت پدر قبضہ کاملہ کرلیا ہو تو ان صورتوں میں وہ جائداد بدستور ملک پدر پر باقی رہی تمام ورثہ حسب فرائض اس سے حصہ پائیں گے **فان موت الواهب قبل التسليم يبطل الهبة کما فی الدر المختار**[1] (کیونکہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جیسا کہ درمختار

---

[1] درمختار کتاب الهبه باب الرجوع فی الهبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے۔ت)

مسئلہ ۶۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد قابل قسمت بشرکت اور تین شخصوں کے روپے سے خرید کرکے بلا تقسیم اپنی زوجہ کے نام لکھادی اور اس کی زندگی تک وہ جائداد منقسم نہ ہوئی اب بعد وفات اس کی مالک اس جائداد کی فقط زوجہ مذکورہ ہے یا مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر تقسیم ہوجائیگی۔**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ جائداد مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر منقسم ہوجائے گی اور صرف زوجہ مذکورہ اس کی مالک نہیں ہوسکتی کہ یہ نام لکھادینا ہبہ جائداد صالح قسمت کا بلا تقسیم صحیح ونافذ نہیں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ملک دو بیٹوں پر منقسم تھی،ایک پٹی ہندہ اور ایک اس کے پسر زید کی تھی،ہندہ نے زید پسر اور اس کے ایک بیٹا کہ سامنے فوت ہوا تھا دو پوتے اور دو پوتیاں چھوڑ کر انتقال کیا زید نے ہندہ کی بٹی میں صرف اپنے بھتیجے عمرو کے نام جس کی عمر قریب ۲۳، ۲۴ سال کی تھی لکھوادیا مگر اب تک اسے قبضہ نہ دیا،دونوں پٹیاں زید کے قبضہ میں ہیں۔وہ پٹی بھتیجے کو دینا نہیں چاہتا،اس صورت میں ترکہ ہندہ مکان وملک وغیرہ کا مالک کون ہے اور پوتے پوتیوں کو بھی اس میں کچھ حق ہے یا نہیں؟اور عمرو اس نام لکھوادینے سے اس پٹی کامالک ہوگیا یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وادائے دیون ونفاذ وصایا کل متروکہ ہندہ کامالک صرف اس کا بیٹا زید ہے اور نام لکھادینا اگرچہ دلیل تملیک ہے اور یہ تملیک ہبہ ہے مگر ہبہ بے قبضہ کے تمام نہیں ہوتا،نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہوا ایسی [عہ] کہ زید نے اپنے بھتیجے کو قبضہ نہ دلادیا وہ پٹی بھی بدستور زید کی ملک ہے عمرو اس سے

[عہ]: اصل میں اسی طرح ہے شاید قلم ناسخ سے لفظ "ایسی" کے بعد "صورت میں" چھوٹ گیا ۱۲۔

جبراً نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

القبض لابدمنه لثبوت الملك لانه عقد تبرع وفی الاثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع به وهو التسلیم فلا یصح ولان القبض تصرف فی ملك الواهب اذ ملکه قبل القبض باق [1] اھ قلت ومن ھٰھنا ظهران امتناعه عن التسلیم عـــه لیس فی شیئ من الرجوع فان الرجوع فیه بعد القبض اماقبله فلم تتم الهبة۔	ہبہ میں ملکیت کے ثبوت کے لئے قبضہ ضروری ہے کیونکہ یہ مفت عطیہ کا عقد ہے جبکہ قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت کرنا تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کو لازم کرنا جس کا ابھی اس نے تبرع نہیں کیا اور یہ قبضہ دینا تبرع ہے تو قبل قبضہ درست نہ ہوا، دوسری وجہ یہ ہے قبضہ دینے سے قبل واہب کی ملکیت ابھی باقی ہے تو قبضہ سے قبل اس کی ملکیت میں تصرف لازم آئے گا اھ، میں کہتا ہوں، یہاں سے واضح ہوگیا کہ واہب کا قبضہ نہ دینا ہبہ سے رجوع نہ کہلائے گا کیونکہ ہبہ میں رجوع قبضہ دینے کے بعد ہوسکتا ہے اس سے قبل تو ہبہ تام نہیں ہوا۔ (ت) اور اب اگر عمرو بغیر اجازت زید کے خود قبضہ کرلے گا اصلا بکار آمد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں زید وہندہ دونوں حیات، ان کے تین بیٹے: احمد و محمد و حامد۔ احمد مختار عام، محمد روزگار پیشہ، حامد نابالغ۔ محمد سرمایہ روزگار اپنا معرفت زید وہندہ بالاشتراک صرف کرتا رہا زید نے منجملہ اپنی جائداد کے ایک اراضی افتادہ واسطے تعمیر مکان کے محمد کو دے دی اس نے منجملہ اپنے سرمایہ روزگار کے جو اس کے پاس جمع تھا اور اپنی زوجہ اور ماموں سے کچھ روپیہ اور چوب قرض لے کر مکان پختہ تعمیر کرایا اور یوم تعمیر سے آج تک اس پر قابض ہے اور کسی قدر چوب متفرقہ تعمیر ہذا از زید منجملہ تین باغات مملوکہ اپنے کے ایک قطعہ باغ از روئے تقسیم بلالحاظ کم وبیش محمد کو دیں کہ وہ صرف تعمیر ہوئے

عـــه: فی الاصل بیاض بین لفظ التسلیم ولفظ فی شیئ ولفظ "کان" مرقوم بین فان الرجوع ۱۲	یہاں اصل میں لفظ "تسلیم" اور لفظ "فی شیئ" کے درمیان بیاض ہے اور لفظ "فان الرجوع کے درمیان "کان" لکھا ہوا ہے۔ ۱۲۔ (ت)

[1] الهدایة کتاب الهبة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۲-۲۸۱

عندالضرورت واسطے انجام تعمیر مکان مذکورہ معرفت زید کسی قدر روپیہ قرض لیا گیا کہ محمد نے بعد تعمیر اپنے سرمایہ روزگار سے زید کو دے دیا اب زید چاہتا ہے کہ مکان مذکور احمد و محمد و حامد سب کو تقسیم کردے یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تعمیر مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں، اگر زید نے زمین دیتے وقت کوئی لفظ ایسا جو شرعاً مفید ہبہ ہو نہ کہا تو صرف عاریت اور زمین بدستور ملک زید ہے اسے اختیار جسے چاہے تقسیم کردے ہاں عمارت کسی پر تقسیم نہیں ہوسکتی کہ وہ خاص ملک محمد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ نے کہ زید کی خالہ ہے ایک باغ زید کو ہبہ کیا اور قابض کرادیا، آیا یہ ہبہ صحیح اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا یا نہیں؟ اور فاطمہ اب اسے واپس لے سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر وجود سائر شرائط ہبہ اگر فاطمہ نے باغ سے اپنا قبضہ بالکل اٹھالیا اور زید کو قابض کرادیا تو ہبہ صحیح ہے اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا اور فاطمہ کو اس وجہ سے کہ وہ زید کی خالہ ہے رجوع ہبہ سے صحیح نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ انگریزی نے زید کے دیہات جاگیر ضبط کرکے کچھ روپیہ سالانہ مقرر کردیا کہ بعد انتقال زید حسب فرائض منقسم ہوتا رہا منجملہ اس کے ستاسی روپیہ سالانہ ہندہ پاتی تھی، اس نے اپنے انتقال سے ۲۵ دن پہلے اپنا روزینہ اپنے نواسے کو ہبہ کیا اور بنام موہوب لہ اس کے منتقل ہوجانے کی درخواست دی، ہندہ کا بھتیجا یعنی اس کے چچازاد بھائی کا بیٹا کہ اس کے سوا اور کوئی وارث نہیں، اس روپیہ کا دعوی کررہا ہے، آیا اس صورت میں وہ ہبہ صحیح و نافذ اور بھتیجا کا دعوی باطل و ناجائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ باطل وبے اثر اور برادر زادہ دہندہ کا دعوی صحیح ومعتبر، اولا اس ہبہ کا یہ محصل کہ وہاں سے جو روزینہ جب جب آوے اس کا مالک موہوب لہ ہے، اور وہ روزینہ ہندہ بالفعل موجود نہیں۔ اور ہبہ معدوم وباطل ہے۔ (جواب نامکمل ملا)

مسئلہ ۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کے تین بیٹے، عمرو، بکر، خالد، بکر نے ایک اراضی افتادہ مقبوضہ مملوکہ زید میں حسب اجازت زید اپنے سرمایہ روزگار سے ایک مکان پختہ تعمیر کرایا اور کچھ روپیہ اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا کسی قدر روپیہ بطور قرض زید نے بھی دیا کہ بکر نے اسے ادا کردیا، اگر زید مکان معمرہ بکر کو عمرو وخالد پر ہی تقسیم کرنا چاہے تو بکر مستحق پانے سرمایہ ذاتی اور اس روپیہ کے جو اس نے اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا ہے عمرو وخالد سے ہے یا نہیں اور وہ اراضی ہبہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور اگر ہبہ تھی تو زید کا رجوع تعمیر مکان وقبضہ بکر کے بعد صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

باپ کا اپنے بیٹے کو ایک زمین افتادہ تعمیر مکان کے لئے بتادینا تنہا مثبت ہبہ نہیں تاوقتیکہ اس کے ساتھ الفاظ ہبہ سے کوئی لفظ نہ پایا جائے مثلا یہ زمین نے تجھے دے دی یا ہبہ کی یا تمھیں اس کا مالک کیا یا یہ زمین تیری ہے **وامثال ذلك مما یدل علی تملیك العین بلا عوض** (اس کی مثل اور الفاظ جو بغیر عوض تملیک پر دلالت کریں۔ت) پس اگر ان الفاظ سے کوئی لفظ پایا گیا تو بیشک صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا زید کو رجوع کا اختیار نہیں۔ نہ وہ اس مکان کو عمرو وخالد پر تقسیم کرسکتا ہے ورنہ بعد اجازت تعمیر سے صرف عاریت ثابت ہوگی زمین بدستور مملوک زید ہے بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جب وہ اسی کی مملوک ہے تو نفس زمین میں اسے ہر طرح کے تصرف مالکانہ کا اختیار ہے جسے چاہے دے سکتا ہے جو چاہے کرسکتا ہے اور جبکہ بکر کسب ومعاش مستقل رکھتا تھا تو جو عمارت اس نے اپنے زر خالص سے بنائی اس کا وہی مالک ہے زید کا اس میں کچھ حق ملک نہیں صورت سوال کہ زید کا کچھ روپیہ بغرض تعمیر بکر کو قرض دینا پھر اس سے وصول کرنا نص صریح ہے کہ زید بھی اس عمارت کے مملوک بکر ہونے پر متفق ہے۔

فی العقود الدریة من کتاب العاریة	العقود الدریۃ میں کتاب العاریۃ کے بیان میں

سئل فی رجل بنی بمالہ لنفسه قصرا فی دار ابیه باذنه ثم مات ابوه عنه و عن ورثة غیره فهل یکون القصر لبانیه ویکون کالمستعیر الجواب نعم کما صرح بذٰلك فی حاشیة الاشباہ من الوقف عند قوله کل من بنی فی ارض غیره بامره فهو لما لکها اھ ومسئلة العمارة کثیرة ذکرہا فی الفصول العمادیة و الفصولین وغیرہا وعبارة المحشی بعد قوله ویکون کالمستعیر فیکلف قلعه متی شاء انتهی[1]۔	مذکور ہے، ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے باپ کی اجازت سے اس کی زمین پر اپنے مال سے اپنے لئے محل بنایا پھر باپ اس سمیت دیگر ورثاء کو چھوڑ کر فوت ہوگیا تو یہ محل اس بانی کا ہوگیا اور گویا باپ سے زمین عاریۃً لینے والا ہوا، الجواب، ہاں۔ جیسا کہ اس کی تصریح الاشباہ کے وقف میں اس قول سے ہے جس نے غیر کی زمین میں تعمیر کی تو وہ زمین کے مالک کے اختیار میں ہوگی اھ جبکہ عمارت کا مسئلہ کثیر الوقوع ہے، فصول عمادیہ وفصولین وغیرہما میں مذکور ہے اور ماتن کے قول یکون "کالمستعیر" گویا عاریۃ لینے والا ہوا، کے بعد محشیٰ کی یہ عبارت ہے تو اس بیٹے کو مکان اکھاڑ لینے کا مکلّف بنائے گا جب مالک چاہے اھ (ت)

فتاوٰی علامہ خیر الدین میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجة وعیال له کسب مستقل حصل بسببه اموالا۔ اجاب هی للابن حیث کان له کسب مستقل بنفسه واما قول علمائنا اب وابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ ثم اجتمع لهما مال یکون کله للاب	ان سے بالغ شادی شدہ وعیال والے بیٹے کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا اپنا مستقل کام وکسب ہے جس سے اس نے کثیر مال حاصل کیا (تو وہ خود مالک ہوگا) انہوں نے جواب میں فرمایا، ہاں یہ اموال بیٹے کے ہیں کیونکہ اپنا مستقل کام وکسب ہے لیکن ہمارے علماء کا یہ ارشاد ہے باپ اور بیٹا دونوں ایک صنعت میں مل کام کرتے ہیں اور ابتداء میں ان دونوں کا کوئی مال نہ تھا پھر دونوں مالدار ہوگئے تو تمام مال باپ کا قرار پائے گا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب العادیة ارگ بازار قندہار افغانستان ۸۸/۲

اذا کان الابن فی عیالہ فھو مشروط کما یعلم من عبارتھم بشروط منھا اتحاد الصنعۃ[1] الخ اھ ملتقطا۔	یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اپنے باپ کی عیال میں شامل ہو یہ شرط فقہاء کی عبارت میں معلوم شدہ ہے جہاں انہوں نے فرمایا ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ صنعت میں اتحاد ہو، الخ، اھ ملتقطا (ت)

پس اس صورت میں زمین زید کی اور عمارت بکر کی زید کو اختیار ہے جس وقت چاہے بکر پر جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے جائے اور زمین خالی کردے

کما مر من العقود عن العلامۃ السید الحموی من قولہ یکلف قلعہ متی شاء[2]۔	جیسا کہ عقود میں علامہ سید حموی سے منقول گزرا، اس کا یہ قول کہ مالک جب چاہے اس کو اکھاڑنے کا مکلّف بنائے گا۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو کوئی ضرر فاحش نہ پہنچے تو بکر خود بھی اپنا عملہ اکھیڑ لینے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ زید نہ کہے،

فی حاشیۃ الطحطاوی عن شرح الکنز الزیلعی ایتھما طلب القلع اجیب[3]۔	طحطاوی کے حاشیہ میں کنزالدقائق کی شرح امام زیلعی سے منقول ہے کہ جب بھی اکھاڑنے کا مطالبہ کرے تو ماننا ہوگا۔ (ت)

اور ان دونوں صورتوں میں یعنی زید جبرا اکھڑوادے یا بکر خود اکھیڑ لے جائے زید کو عملہ کی قیمت یا اکھیڑنے سے جو اس میں نقصان آئے اس کا تاوان کچھ نہ دینا پڑے گا۔

فی الھندیۃ عن البدائع اذا استعار من اٰخر ارضا لیبنی فیھا اویغرس فیھا ثم بداللمالك ان یخرجہ فلہ ذٰلك سواء کانت العاریۃ مطلقۃ او موقتۃ غیر انھا	ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے جب کسی سے زمین عاریۃ لی تاکہ اس پر عمارت بنائے یا پودے لگائے تو بعد میں مالک کو زمین خالی کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ خالی کراسکتا ہے خواہ عاریۃ مطلقہ ہو یا مقررہ وقت کے لئے ہو،

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۸

[2] العقود الدریۃ کتاب العاریۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۸۸

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

ان کانت مطلقة له ان یجبر المستعیر علی قلع الغرس ونقض البناء واذا قلع ونقض لایضمن المعیر شیئا من قیمة الغرس البناء [1] اھ۔	ہاں اگر مطلقہ ہو تو مالک کو جبر امکان اور درخت اکھاڑنے کا حق ہے اگر عمارت اور درخت اکھاڑ دئے تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اھ (ت)

طحطاوی میں ہے:

ولایضمن مانقص من البناء والغرس لعدم الغرور عند عدم التوقیت افادہ الزیلعی [2]۔	عاریۃ دینے والا مالک عمارت اور درختوں کے نقصان کا ضامن ہوگا، کیونکہ مقررہ وقت تک عاریۃ نہ ہونے کی وجہ سے عمارت اور درخت باقی رکھنے کا جواز نہیں امام زیلعی نے یہ افادہ فرمایا ہے۔ (ت)

اور اگر بکر چاہے کہ میں عملہ برقرار رہنے دوں اور زید مجھے قیمت دے دے تو یہ امر رضامندی زید پر موقوف رہے گا اس پر بکر کو جبر نہیں پہنچتا۔

فی الهندیة فان طلب المستعیر ان یضمن المعیر قیمة البناء والغرس مقلوعا فانه لایجبر علی ذلك ویکلفه علی القلع [3]۔	ہندیہ میں ہے اگر مستعیر چاہے کہ مالک عمارت اور درختوں کے ملبے کی قیمت برابر ضمان دے تو اس پر مالک کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اس کو بہر حال عمارت اور درخت اکھاڑنے ہوں گے۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو ضرر بین پہنچے تو بکر خود اختیار قلع نہیں رکھتا بلکہ اب اختیار زید کو ہے چاہے اپنے نقصان زمین پر راضی ہو اور بکر پر جبر کرے کہ عملہ اکھیڑ لے جائے یا عملہ کو اپنی ملک کرلے اور بکر کو بنائے مقلوعہ کی قیمت دے یعنی یہ عملہ اگر اکھیڑ کر بیچا جائے تو اس حالت میں خریدار اس کے کیا دام لگائیں گے، اسی قدر حوالہ زید کرے باقی زید کی لاگت کا کچھ اعتبار نہیں، نہ وہ زوجہ اور ماموں کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

اس قرض کا مطالبہ زید خواہ عمرو وخالد سے کر سکتا ہے کہ مدیون یہ ہے نہ وہ۔

فی تنویر الابصار لو اعار ارضا للبناء والغرس صح ولہ ان یرجع متی شاء ویکلفہ قلعھما الا اذا کان فیہ مضرۃ بالارض فیترکان بالقیمۃ مقلوعین[1]۔	تنویر الابصار میں ہے اگر عمارت اور درخت لگانے کے لئے زمین عاریۃً دی تو صحیح ہے اور اس کو جب چاہے واپس لینے کا حق ہے اور وہ مستعیر کو اکھاڑنے کا پابند بناسکے گا ہاں اگر عمارت ودرخت اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو دونوں باہمی رضامندی سے ملبہ کی قیمت پر زمین پر ان کو باقی رکھ سکتے ہیں۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

وان رضی رب الارض بالنقص قلعھما ولا یجبر علی الضمان[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مالک زمین کے نقصان پر راضی ہے تو مستعیر کو اکھاڑنے ہوں گے، مالک کو ملبہ کی قیمت برابر ضمان پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ دس بارہ سال سے عارضہ دمہ کا تھا کبھی شدت ہو جاتی کبھی کم ہو جاتا، سوا اس کے کوئی اور مرض نہ تھا، نہ زید صاحب فراش ہوا بلکہ مثل تندرستوں کے چلتا پھرتا، اسی حالت میں اس نے کل جائداد اپنی ہندہ اپنی زوجہ کو بعوض اس کے مہر کے بحالت ثبات ہوش وحواس کے ہبہ کی اور بغیر قابض کرائے دوسرے روز انتقال کیا، اس صورت میں یہ ہبہ صحیح ونافذ ہوگا یا نہیں۔ اور ایسی ہبہ میں قبضہ مشروط ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرض موت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صاحب فراش ہونا ضرور، تجرید میں اسی مذہب کو معتمد قرار دیا اور مختار یہ ہے کہ اس مرض کا قاتل ہونا چاہئے کہ مبتلا اس کا غالبانہ بچتا ہو جب تک خوف موت غالب رہے مرض موت ہے اگرچہ مثل تندرستوں کے چلے پھرے،

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

فی الدرالمختار مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسه وعلیه اعتمد فی التجرید،بزازیة،والمختار انه ماکان الغالب منه الموت وان لم یکن صاحب فراش،قهستانی عن ہبة الذخیرة[1]۔	درمختار میں مرض الموت کی تفسیر میں فرمایا گیا(کہ موت سے قبل)اپنی ضروری بنیادی حوائج کے لئے گھر سے نکل نہ سکے، تجرید میں اسی پر اعتماد کیا ہے،بزازیہ،قہستانی نے ذخیرہ کے باب الھبہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کوئی بھی ایسا عارضہ جس سے غالبا موت واقع ہوجاتی ہو اگرچہ صاحب فراش نہ ہوا ہو۔(ت)

صورت مسئولہ میں جبکہ زید صاحب فراش نہ تھااور دمہ مرض قاتلہ سے نہیں بلکہ غالب اس میں سلامت ہے تو یہ مرض اس کا باتفاق تفسیرین مرض موت نہ قرار پائے گا علی الخصوص جبکہ اسے عرصہ دس بارہ برس کا گزر چکا تھا۔

فی الدرالمختار وھبة مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل ماله ان طالت مدته سنة ولم یخف موته منه والا تطل وخیف موته فمن ثلثه لانها امراض مزمنة لاقاتلة[2] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ جڑا ہوا ہو،مفلوج ہو،شَل ہو،اور مرض سل والا ہو تو یہ امراض ایک سال طویل ہوں اور موت کا اندیشہ نہ ہو تو ان کا ہبہ کیا ہوا ان کے کل مال سے ادا ہوگا اور اگر یہ امراض طویل نہ ہوں موت کا اندیشہ ہو تو اس حال میں ان کا ہبہ تہائی مال سے ادا ہوگا کیونکہ یہ امراض لاچار کرتے ہیں فوری مہلک نہیں ہیں۔(ت)

پس یہ ہبہ بلاشبہ صحیح ونافذ ہوگااور قبضہ نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ ہبہ بالعوض حقیقۃً بیع ہے اور بیع میں قبضہ غیر مشروط،

فی الدرالمختار لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء و انتهاء[3] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر کسی نے ہبہ کرتے ہوئے کہا فلاں چیز کے عوض تجھے ہبہ کیا تو اول آخر وہ بیع قرار پائے گا اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[3] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

مسئلہ ۶۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان جو بلاشرکت غیرے اس کا مملوک تھا اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کیا اور شرط لگائی کہ اپنی زندگی تک اس مکان میں بطور مالکانہ سکونت رکھوں گا اور بلوغ پسر تک اس کی مرمت میرے ذمہ رہے گی اور اس مضمون کا ہبہ نامہ لکھ دیا۔ آیا اس صورت میں ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا بوجہ اس کے کہ زید نے مکان خالی نہ کیا اور سکونت ومرمت کی شرطیں لگائیں فاسد وناجائز رہا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح ونافذ تام وکامل ہوگیا زید کا اصلاً حق مالکانہ اس میں نہ رہا، پسر زید مالک مستقل ہوگیا۔ یہاں تک کہ خود بھی اب اس ہبہ کے نقص وابطال پر قادر نہیں **فان البنوۃ من موانع الرجوع** عـــہ (کیونکہ بیٹا ہونا موانع رجوع سے شمار ہوتا ہے) اور زید کا مکان خالی نہ کرنا کچھ مضر نہیں کہ باپ اپنے پسر نابالغ کو جو ہبہ کرے وہ صرف ایجاب سے تمام ہوجاتا ہے باپ کا قبضہ بعینہٖ پسر کا قبضہ قرار پاتا ہے سکونت پدر تمامی ہبہ کے منافی نہیں ہوتی۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ہبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد (ای الایجاب فقط) لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب [1] اھ ملتقطا۔	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جس کو نابالغ پر ولایت حاصل ہے تو اس کا بچے کو عقد ہبہ ہی ہبہ کو تام کردیتا ہے یعنی صرف ایجاب ہی کافی ہے کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کی نیابت سے ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص ہی فریقین کے قائم ہوسکتا ہے اس میں اس کا ایجاب ہی کافی ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

درمختار میں اشباہ سے ہے:

ہبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب	کسی مشغول چیز کا ہبہ صحیح نہیں الا یہ کہ باپ نابالغ

عـــہ: لفظ "رجوع" اندازہ سے بنایا گیا اصل میں بیاض ہے۔

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰، ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

الاب لطفلہ[1]۔	بچے کو ہبہ کرے۔(ت)

اور سکونت ومرمت کی شرطیں اگرچہ بیجاہیں مگر ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرطیں فاسد وبے اثر ٹھہرتی ہیں۔درمختار میں ہے:

وحکمھا انھا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح وتبطل الشرط[2] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا غلام کو ہبہ کرتے ہوئے شرط لگانا کہ موہوب لہ اسے آزاد کرے گا، صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ٧٠: (نوٹ:اصل میں بیاض ہے،سوال دستیاب نہ ہوسکا)

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر قبضہ مال موہوب پر قبل موت واہب کے ہوگیا تو ہبہ تمام ہے مگر ثلث مال میں صحیح ہوگا کہ ہبہ مرض موت میں ہوا پس ثلث مال موہوب لہا کو ملے گا اور دو ثلث ورثہ کو،اور اگر قبضہ بعد موت واہب کے ہوا تو ہبہ باطل ہے کل مال ورثہ واہب کو ملے گا۔

قال فی العالمگیریۃ قال فی الاصل ولاتجوز ہبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت فجازت من الثلث واذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[3]۔	عالمگیری میں فرمایا کہ مبسوط میں ہے کہ مریض کا ہبہ اور اس کا صدقہ جائز نہیں الایہ کہ موہوب لہ کو وہ قبضہ دے دے، اگر قبضہ دیا تو تہائی مال سے شمار ہوگا اور اگر یہ واہب مریض قبضہ دینے سے قبل فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہو جائیگا(ت)

پھر اگر زوجیت موہوب لہا کی ثابت ہوگئی تو وہ اور زوجہ اولٰی ثمن حق ورثہ میں خواہ دو ثلث ہو یا کل شریک ہیں ورنہ عـــہ ثمن بتمامہ زوجہ اولٰی کا ہے اور مابقے اس کی اولاد کا اور موہوب لہا کو وارثوں

عـــہ:فی الاصل "ورثہ" وھوزلۃ من قلم الناسخ ١٢۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ١٥٩

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ١٥٨

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ٤/ ٤٠٠

کے حصہ میں سے کچھ نہ ملے گا البتہ برتقدیر ثبوت ہبہ ثلث مال بوجہ ہبہ کے لے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۱: از مرادآباد ۱۸ شعبان ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو دختر اور دو پسر ہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنا مال اپنی زندگی میں بحالت صحت نفس ان چاروں کو عطا کرے۔آیا برابر تقسیم کرے یا بطور فرائض "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[1] (مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مذہب مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے، یہی قول امام ابویوسف کا ہے اور "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[2] (مرد کو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے ممنوع وناجائز نہیں اگرچہ ترک اولٰی ہے۔ ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے:

الفتوی علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثٰی افضل من التثلیث الذی ہو قول محمد[3]۔	فتوی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے(ت)

حاشیہ طحطاوی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

الافضل فی ہبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث و عند الثانی التنصیف وھو المختار[4]۔	بیٹی اور بیٹے کو ہبہ دینے میں تین حصے میراث کے طور پر افضل ہے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے۔(ت)

بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولٰی تسویہ، ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو تو اس کی ترجیح میں اصلا باک نہیں۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارلمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجة کما فی المنح والنھدیة اما عند عدم التساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لابالکسب لاباس ان یفضله علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولایکرہ وفی المنح روی عن الامام انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل له فی الدین[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درجہ میں برابر ہونے کی صورت میں مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے لیکن مساوی نہ ہوں مثلاً ایک علم دین میں مشغول ہے اور کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے یعنی مکروہ نہیں ہے۔ اور منح میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دین میں فضیلت رکھتا ہو تو اس کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۲:

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندرین صورت کہ مسماۃ ہندہ بحضور گواہان از زید خود گفت کہ من تمام مہر خویش بشما بخشیدم زید قبول ساخت بعد ازاں زید از ہندہ زوجہ خویش گفت کہ انچہ شے من است بشما بخشیدم ودادم ہندہ گفت کہ من گرفتم جملہ شاہدان کلام طرفین مذکورہ شنیدہ رفتند وکدام کاغذ از جانب ہندہ وزید تحریر نہ گشت بعدہ زید بگذاشتن عمرو برادر خود وہندہ زوجہ متروکہ مشترکہ فیما بین خواہر زادہ وبرادر زادہ وبیوہ برادر خورد وبرادر حقیقی مذکور فوت ساخت زاں بعد ہندہ فوت شد اوپس مرگ خود و	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسماۃ ہندہ نے گواہوں کی موجودگی میں اپنے خاوند زید کو کہا، میں تمھیں اپنا تمام مہر بخشتی ہوں، زید نے یہ بات قبول کرلی، اس کے بعد زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کہا کہ جو کچھ میرا حق ہے میں تمھیں بخش دیتا ہوں۔ اس کے جواب میں ہندہ نے کہا میں نے لے لیا، تمام گواہوں نے فریقین کا یہ کلام سنا اور چلے گئے، اور زید اور ہندہ کی طرف سے کوئی تحریر نہ ہوئی، اس کے بعد زید فوت ہوا اور اس نے اپنے پیچھے اپنا بھائی عمرو اور ہندہ بیوی چھوڑے اور جو ترکہ چھوڑا وہ برادر زادہ خواہر زادہ، چھوٹے بھائی کی بیوہ اور بھائی حقیقی مذکور میں مشترکہ تھا

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبة دار المعرفة بیروت ۳/ ۲۹۹

خواہر ودو برادر، گزاشت پس دادن زید شے خویش مشترکہ رابمسماۃ ہندہ زوجہ عندالشرع صحیح است یانہ وبخشیدین مہر ہندہ بمسمی زید شوہر صحیح یا غیر صحیح وترکہ زید بر کدام کس بموجب فرائض ہبہ تقسیم خواہد شد وترکہ ہندہ بر کدام کدام، تقسیم خواہد شد، **بینوا توجروا**	پھر اس کے بعد ہندہ فوت ہوگئی اس نے اپنے پیچھے دو بہنیں اور دو بھائی چھوڑے، تو کیا زید کا اپنا مشترکہ مال اپنی بیوہ ہندہ کو دینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہندہ کا اپنے شوہر زید کو اپنا مہر بخش دینا صحیح ہے یا نہیں، اور زید کا ترکہ کن لوگوں میں بطور وارثت تقسیم ہوگا اور ہندہ کا ترکہ کن کن پر تقسیم ہوگا **بینوا توجروا** (ت)

الجواب:

شرع مطہر ما اسلامیان رزقنا اللہ اتباعہ ہیچ عقدے وفسخے راموقوف بہ تحریر نداشتہ است پس ہندہ کہ مہر خود رابزید بخشید در صحت ونفاذ ایں سخنے نیست تنہا ایجاب ہندہ اینجا بسندمی بود اگر زید رد نہ کردے فکیف کہ تنصیص بر قبول نمود **فی تنویر الابصار ہبۃ الدین ممن علیہ الدین وابراءہ عنہ یتم من غیر قبول** [1]۔ وہبہ زید در املاک مشاعہ مشترکہ غیر منقسمہ کہ زید بے آنکہ آنہارا تقسیم وافراز کردہ بقبض ہندہ سپاردہ مرو، وہندہ برانہا دست نیافت باطل شد وہبہ ہیچ وجہ ہندہ رااختیار تملک آنہا نماند **فی الدرالمختار فی ذکر موانع الرجوع والمیم**	ہم مسلمانوں کی شریعت مطہرہ (اللہ تعالٰی ہمیں اس کی اتباع نصیب فرمائے) نے کوئی عقد یا فسخ تحریر پر موقوف نہ چھوڑا، پس ہندہ نے اپنی صحت میں مہر زید کو بخشا تو اس ہبہ کا نفاذ بلا شبہ ہوگیا، اس میں ہندہ کی طرف سے صرف ایجاب کافی تھا بشرطیکہ زید نے اس کو رد نہ کیا ہو، تو جب زید نے قبول کرنے کی تصریح کردی تو کیا شُبہ ہوسکتا ہے، تنویر الابصار میں کہ جس پر دین ہو اس کو دین ہبہ کرنا اور بری کردینا قبول کے بغیر تام ہوجاتا ہے اور زید نے اپنا مشترکہ مشاع مال بغیر تقسیم کئے اور جُدا کئے ہبہ کیا اور جدا شدہ ہندہ کے قبضہ میں نہ آیا، اور وہ فوت ہوگیا، لہٰذا وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی صورت میں ہندہ کی ملکیت اس پر ثابت نہ ہوئی، درمختار میں رجوع کے موانع میں مذکور ہے" میم "سے مراد قبضہ

[1] درمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۵

موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔ ودر عالمگیریہ از کتاب الاصل می آورد اذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[2] سائل از ہمیں قدرے پر سدا ماتمام حکم و حق انصاف دریں جا آنست کہ زید ہبہ اش رابر ہمیں اشیائے مشاعہ مقصور نگزاشتہ بود بلکہ ہر انچہ ازان دے باشد ہمہ را ہبہ نمود وایں چنیں ہبہ شرعا رواست وبعد قبضہ تام ونافذ ومفید ملک شد فی الخانیۃ لوقال جمیع مالی او جمیع ماملك لفلان فھو ہبۃ لایجوز الا بالتسلیم[3]، وعادت آنچناں ست کہ چیز از املاک خالصہ شوہر مانند نقود عروض لباس واثاث وزیور وظروف وغیرہا امتعہ ورقمش از جانب شوہر بدست زناں بر سبیل ودیعت یا اباحت می باشد ودر ہمچوں مقام اگر ہبہ واقع شود حاجت بقبض جدید نمی افتد فان قبض الودیعۃ و الاباحۃ کل واحد منھما قبض غیر مضمون	ہو جانے کے بعد فریقین میں سے ایک کا فوت ہو جانا اور اگر قبضہ سے پہلے فوت ہو تو ہبہ باطل ہوگا۔ اور عالمگیری میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے جب ہبہ کرنیوالا قبضہ دینے سے قبل فوت ہوجائے ہبہ باطل ہوجاتاہے، سائل کا سوال اسی قدر تھا، لیکن مکمل حکم اور پوراانصاف اس میں یوں ہے کہ زید نے اپنا ہبہ صرف مشترکہ مشاع تک محدود نہ رکھابلکہ اس نے اپنی ہر چیز کو ہبہ میں شامل کردیا جبکہ ایسا ہبہ شرعا جائز ہے اور قبضہ دینے پر تام اور نافذ ہو کر مفید ملک ہوجاتا ہے، خانیہ میں ہے اگر کسی نے کہا میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کے لئے ہے تو ہبہ ہوگا جو صرف قبضہ دینے پر جائز ہوگا، اور عادتًا شوہر کی طرف سے بیوی کے پاس امانت یا اباحت کے طور پر بیوی کے پاس بہت سا سامان مثلا نقد، لباس، اثاثہ، زیور، برتن، وغیرہا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر خاوند ان چیزوں کا ہبہ بیوی کو کرے تو بیوی کو جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امانت اور اباحت کا قبضہ غیر مضمون ہوتاہے اور ہبہ کا قبضہ بھی ایسا ہے تو یہ قبضہ ایک دوسرے کے قائم مقام

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۰

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاقرار نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۱۶

وکذٰلك قبض الھبة فینوب احدہما عن الاخر من دون حاجة الی قبض جدید قال فی التنویر وشرحه الدر وملك بالقبول بلاقبض جدید لو الموھوب فی یدالموہوب له ولو بقبض اوامانة لانه ح عامل لنفسه والاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدہما عن الاخر واذا تغایر اناب الاعلی عن الادنٰی [1]، پس ازیں قسم اشیاء ہر چہ کہ بدست ہندہ بود بمجرد ایجاب و قبول از دائرہ ملک زید بحوزہ تملک ہندہ انتقال نمود ہمچنیں اگر زید در حیات خودش چیزے بقبض کامل ہندہ داد یاہندہ باذن او خواہ در مجلس ہبہ بلااذن وے بر چیزے قبضہ تامہ کرد آنہمہ مملوک ہندہ گردید وانچہ مطلقاً بے قبض مشاع باشد خواہ مفرز در آنہا ہبہ باطل شد کما ثبت من انھا لا تفید الملك الا بالقبض وتبطل بموت احدہما قبل التسلیم وگمان بزند کہ چوں عقد واحد در بعض معقود علیہ کہ اشیائے غیر مقبوضہ است بود بطلان گرفت در باقی نیز از حلہ صحت	ہو جاتا ہے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ صرف قبول کرنے سے مالک ہوجائے گا جدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی جب وہ چیز پہلے ہی موہوب لہ کے قبضہ میں ہو اگرچہ وہ قبضہ بطور قابض یا امانت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں اس نے خود اپنے لئے عمل کرنا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ دونوں قبضے ہم جنس ہوں یا ایک قوی اور ایک ادنی ہو، تو ہم جنس ایک دوسرے اور اقوی ادنٰی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، پس ازیں قسم اشیاء جو ہندہ کے قبضہ میں اس وقت تھیں وہ سب محض ایجاب وقبول کرلینے پر زید کی ملکیت سے نکل کر ہندہ کی ملکیت ہوگئیں اور یونہی وہ چیزیں جن کا زید نے اپنی زندگی میں ہندہ کو مکمل قبضہ دے دیا خود ہندہ نے اس کی اجازت سے مجلس ہبہ یا اس کے بعد جس چیز کو قبضہ میں مکمل لے لیا بلکہ بلااجازت بھی قبضہ سے وہ مالک ہوگئی لیکن وہ مال مشاع غیر منقسم خواہ منقسم ہو قبضہ نہ دیا ہوان سب میں ہبہ باطل ہوگیا جیسا کہ ثابت ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر مفید ملک نہیں ہوتا اور قبضہ دینے سے قبل ایک فریق کے فوت ہوجانے سے باطل ہوجاتا ہے۔اور یہ خیال کرنا کہ ایک عقد کی بعض غیر مقبوضہ اشیاء میں ہبہ باطل ہوجانے پر تمام اشیاء میں باطل

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

عاری و عاطل باشد زیرا کہ ہبہ ہمچو بیع نیست وبشرط فاسد فساد نمی پزیرد فی الاشباہ من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام ومنہا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز[1] اھ متروکہ زید بر تقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم کالدین و الوصیۃ برچار سہم انقسام یافتہ سہمے بزن وسہ برادرے رسد و ترکہ ہندہ از موہوبہ زید و حصہ ترکہ زید وغیرہا انچہ کہ شرعاً ملک ہندہ قرار یابد بشرائط مذکورہ شش پارہ شد پنج عــہ برادر دو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہوجائے گا یہ گمان درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ بیع کی طرح نہیں ہے کہ فاسد شرط سے فاسد ہوجائے، الاشباہ میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غلبہ ہوتاہے اور ان میں سے ایک ہبہ ہے کہ یہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا فاسد شرط جائز پر اثرانداز نہ ہوگی اھ باقی رہا معاملہ ورثاء میں تقسیم کا وراثت سے موانع نہ ہونے، دوسرا وارث بھی نہ ہونے کی صورت میں اور پیشگی حق مثلاً قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد زید کا ترکہ چار حصوں میں منقسم ہوگا، ایک حصہ بیوی کو، باقی تین حصے بھائی کو ملیں گے، اور ہندہ کا ترکہ جو کہ زید کا ہبہ کردہ اس کے قبضہ میں آیا اور جو اس کو زید کی وارثت میں ملا وغیرہ جو بھی اس کی ملکیت شرعی طور پر ہے وہ بھی مذکور شرائط سے چھ حصوں میں منقسم ہوگا دو دو حصے فی بھائی اور ایک ایک حصہ فی بہن ملے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک دستاویز میں ابومحمد وفاطمہ کا اپنی ایک جائداد مشترکہ بنام اپنے تین بیٹوں احمد وحامد بالغان و محمود نابالغ کے اس طور پر لکھا کہ نصف جائداد بنام احمد پسر کبیر کے جو فضل دینی میں اور اولاد سے زائد ہے اور نصف باقی بنام حامد و محمود کے

عــــہ: قدزل قلم الناسخ الصواب بہر برادرو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید ۱۲ عبدالمنان۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۴۹

ابومحمد نے وفات پائی، فاطمہ زندہ ہے ان کا ان امور میں شریک ہونا اور دستاویز لکھوانا اور اس تقسیم متفاوت پر راضی ہونا یقینا ثابت ہے، اسی طرح حامد بالغ کا بھی اپنے برادر کلاں احمد کی ترجیح پر راضی ہونا یقینی، آیا ایسی صورت میں بعد انتقال ابومحمد کے صرف اس وجہ پر بیٹوں کے دینے میں باہم فرق کیا گیا اگر وہ خود دیتا تو برابر دیتا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ یہ فعل ابومحمد کا نہیں یا اس نے دستاویز نہ لکھوائی یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا یا اس کا فعل مانا بھی جائے تو اس بناپر گمان کرسکیں کہ اس کی عقل میں اختلال تھا ورنہ تفاوت نہ کرتا یا ایسا نہیں ہے۔ اور اولاد میں کسی کو بوجہ فضل دینی کے ترجیح دی جائے تو شرعا جائز، اور یہ تصرف نافذ ہے۔ یا اس خیال سے کہ بعض اولاد نابالغ ہیں یا کیا معلوم بقیہ اولاد سے آیندہ کوئی اور شخص فضل میں زیادہ ہوجائے اجازت نہ دیں گے۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

نفاذ کے لئے تو اگر کوئی شخص غیر مجور اپنی ساری جائداد ایک ہی بیٹے کو دے دے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح و نافذ ہے اگرچہ عنداللہ گنہگار ہوگا گناہگاری کو عدم نفاذ تصرف سے کچھ علاقہ نہیں، درمختار میں ہے:

ولو وہب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم [1]۔	اگر اپنی صحت میں تمام مال بیٹے کو ہبہ کردیا تو جائز ہے اور گنہگار ہوگا۔ (ت)

اور اگر فضل دینی کے سبب بعض اولاد کو ترجیح دی جائے تو یہ بلاکراہت جائز ہے اس میں عنداللہ بھی کچھ مواخذہ نہیں،

فی الخانیۃ روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان کانا سواء یکرہ [2]۔	خانیہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اگر اس کو دینی فضیلت حاصل ہو تو اس کو زیادہ دینے میں حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں پھر ایک کو زائد دینا مکروہ ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ الوالد لوالدہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۵

لوکان الولد مشتغلا بالعلم لابالکسب فلا بأس به ان یفضله علی غیرہ کذا فی الملتقط[1]۔	اگر کوئی بیٹا علم دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں سے زائد دینے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔(ت)

اور جب یہ تفاوت شرعا جائز ہے اور صورت مسئولہ میں جس بیٹے کو ترجیح دی گئی حسب بیان سائل فضل دینی میں زیادہ ہے تو اس بناپر کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ وہ فعل ابو محمد کا نہ تھا یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا، یا تھا تو اس کی عقل میں کچھ اختلال تھا ہم بتصریح علماء نقل کرآئے کہ تمام اولاد کو محروم کرکے کل مال ایک کو دے دینا بھی صحیح و نافذ ہے پھر جب شرع ایسے مکروہ تصرف کو جس میں عنداللہ مواخذہ ہے صحیح و تمام مانتی ہے اور اس قسم کے خیالات کو گنجائش نہیں دیتی تو یہ تصرف جس میں کسی طرح حرج شرعی نہیں کیونکر مورد ان خیال کا ہوسکتا ہے اسی طرح یہ احتمال بھی کہ ممکن ہے کہ آئندہ بعض اولاد باقین سے کوئی شخص فضل دینی میں اس پر بڑھ جائے تو اس وقت اس کے فضل پر خیال کرکے کیونکر اسے ترجیح دیں ہر گز ٹھیک نہیں کہ شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے آخر علم غیب خدا کو ہے ایسے ہی خطرات کو جگہ دی جائے تو علماء کے اس حکم کا کوئی محل نہ ملے کہ جب اس مسئلہ پر عمل کرکے ایک ولد کو زیادہ دینا چاہیں فورا یہ احتمال قائم ہوسکتا ہے کہ کیا معلوم آئندہ باقین میں سے اس سے کوئی بڑھ جائے، علماء نے کہ ترجیح افضل کی اجازت دی ہے حکم مطابق رکھا ہے کسی کے بلوغ و عدم بلوغ کی قید نہیں لگائی ہر گز کوئی شخص کسی ایک کتاب میں بھی نہیں دکھا سکتا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب بقیہ اولاد میں کوئی بالغ ہو اور وجہ اس کی نہایت ظاہر کہ حیات مورث میں ورثاء اس کی جائداد کے مالک نہیں ہوجاتے جو ایک کو زیادہ دینا نابالغ کے مال میں تصرف ٹھہرے ہر شخص اپنی صحت میں اپنے مال کا مختار ہے اگر کسی اجنبی کو دے دے تو کون ہاتھ روک سکتا ہے علی الخصوص فاطمہ کا کہ زندہ و موجود ہے اس تفاوت پر راضی ہونا بالکل ایسے خیالات کو دفع کرتا ہے کہ یہی علت بعینہٖ وہاں موجود ہے اب کیا یہ گمان کرسکتے ہیں کہ فاطمہ اس فعل پر راضی نہیں یا راضی ہے تو اس کی عقل میں کچھ اختلال ہے، اور جب یہاں ایسا خیال نہیں کرسکتے اور باوجود یہ کہ ماؤں کو اولاد صغر کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہ اس تفاوت پر بوجہ احمد کے فضل دینی کے صریح رضامند ہے تو ابو محمد کی رضامندی بدرجہ اولٰی قابل تسلیم ہوسکتی ہے اور حامد پسر بالغ کا اپنے برادر کلاں کی ترجیح

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

پر رضامند ہونا اور زیادہ مؤید کہ وہ تو خاص معاملہ اس کی ذات کا تھا، جب اس نے اپنے بھائی کے فضل دینی کا خیال کیا تو اگر باپ تفاوت کرے تو کون سا محل تعجب ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: نوٹ: اصل میں سوال منقول نہیں ۱۲۔

الجواب:

ہبہ مرض الموت میں جب غیر وارث کے نام ہو تو قطعاً صحیح وجائز ہے اور وہ حقیقۃً ہبہ ہی قرار پائے گا اور اسی کے شرائط اس میں معتبر ہوں گے نہ یہ کہ دراصل وصیت ٹھہر جائے۔

فی رد المحتار عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضیخاں وغیرہ ھبۃ المریض ھبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما [1] اھ وفیہ ایضا عن تبیین الامام الزیلعی حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لاحیققۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت و ھذہ التصرفات منجزۃ فی الحال [2] اھ۔	ردالمحتار میں طحطاوی سے انہوں نے مکی سے انہوں نے امام قاضیخان وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ مریض کا ہبہ کرنا حقیقتاً ہبہ ہے اور حکماً وصیت ہے اھ اور اسی میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے کہ اس کا حکم وصیت والا ہے کہ تہائی حصہ میں نافذ ہوگا، اور حقیقتاً وصیت نہیں کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہبہ کے تصرفات فورا نافذ ہوجاتے ہیں۔ اھ (ت)

اور ہبہ کے لئے حیات واہب میں موہوب لہ کا قبضہ ہونا ضرور ہے ورنہ باطل ہوجاتا ہے

فی الدرالمختار ان عــہ موت احد العاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ [3]۔	درمختار میں ہے کہ قبضہ دینے سے قبل فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔ (ت)

عــــہ: فی الاصل بیاض لکنا نقلنا ھذہ العبارۃ اعتمادا علی داب المصنف فی نقل ھذہ العبارۃ فی مثل ھذا المقام۔	اصل میں بیاض ہے لیکن ہم نے اس جیسے مقام میں اس عبارت کو نقل کرنے میں مصنف کے طریقہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۵

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

مگر صورت مسئولہ میں جبکہ موہوب لہما نابالغ ہیں توان کے باپ کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے۔

فی الدرالمختار ان وھب له اجنبی تتم بقبض ولیه وھو احد اربعة الاب ثم وصیه[1] الخ۔	درمختار میں ہے اگر نابالغ کو اجنبی شخص ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے تام ہوجاتا ہے اور چار ولیوں میں سے ایک باپ پھر وصی ہے الخ (ت)

اور پیش از ہبہ فرزند ہندہ جواز جانب ہندہ ان دیہات ودکانات پر قبضہ رکھتا تھا اسی قبضہ کا باقی ہونا اس قبضہ ہبہ کے لئے کافی ہے۔

لان کل واحد قبض امانة فکانا من جنس واحد وفی الدرالمختار الاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدھما عن الاٰخر اھ[2] وفی ردالمحتار قوله عن الاٰخر کما اذا کان عندہ ودیعة فاعارھا صاحبھا له فان کلا منھما قبض امانة فناب احدھما عن الاٰخر اھ[3]۔	کیونکہ ان سب پر قبضہ بطور امانت ہے تو ایک جنس کا ہوا اور درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب دونوں قبضے ایک جنس ہوں تو ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجاتا ہے اھ اور ردالمحتار میں ہے اس کا قول کہ دوسرے کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے پہلے اس کے پاس بطور امانت تھا پھر اس نے عاریۃً لیا، تو دونوں ایک جیسی امانت کے طور پر ہیں، تو یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوئے۔ (ت)

از سرنو قبضہ جداگانہ حاصل کرنے کی حاجت نہیں۔

فی تنویر الابصار ملك بلاقبض جدید لو الموھوب فی ید الموھوب له[4] اھ۔	تنویر الابصار میں ہے ہبہ شدہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے ہو تو جدید قبضہ کے بغیر مالک ہوجائے گا اھ (ت)

البتہ یہ ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس بات میں حکم وصیت پیدا کر گیا کہ بلااجازت ورثہ فقط ایک ثلث میں نافذ ہوگا۔

فی تنویر الابصار ھبته کوصیة فیعتبر	تنویر الابصار میں ہے اس کا ہبہ وصیت کی

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] ردالمحتار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

من الثلث [1] اھ	طرح ہے لہذا تہائی حصہ میں معتبر ہوگا اھ (ت)

اور اس کے یہ معنٰی ہیں کہ اگر موصی پر کوئی فرض نہیں تو اس کے کل اشیائے متروکہ منقولہ وغیر منقولہ کو ملا کر ان سب کا ثلث نکالیں گے اور اگر کچھ قرض ہے قلیل خواہ کثیر کتنا ہی ہو تو اسے مجرا دے کر باقی تمام متروکہ کا ثلث نکالیں گے اس مقدار سے موصی کی ساری وصیتیں نافذ کریں گے پس اگر یہ مقدار اور وصایا برابر ہوں فبہا، اور اگر یہ زائد اور وصایا کم ہوں جب بھی ہر موصیٰ لہ کو پورا پورا بقدر ادائے وصیت کے دیں گے نہ یہ کہ عـــہ ثلث کامل انہیں دے دیں گے اگرچہ ان کی وصیتیں کم سے ہی پوری ہو جائیں **وھذا واضح جدا** (یہ بہت واضح ہے۔ت) اور اگر وصیتیں زائد اور مقدار ثلث کم ہوں تو بلااجازت ورثہ تہائی سے زیادہ انہیں نہ دیا جائے گا بلکہ اسی قدر کو تمام موصیٰ لہم پر بحساب ان کے وصایا کے حصہ رسد تقسیم کر دیں گے۔

فی تنویر الابصار ھبتہ کوصیۃ ویزاحم اصحاب الوصایا فی الضرب [2] الخ ملخصا فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار ای الموھوب لہ یضرب فی الثلث مع اصحاب الوصایا فان وفی بالثلث بالجمیع والا تخاصموا فیہ ویعتبر فی القسمۃ قدر مالکل من الثلث [3] اھ ملخصا۔ **قلت** ومما قررت ظھر لك المجیب	تنویر الابصار میں ہے ہبہ وصیت کی طرح ہے، تو وہ نفاذ میں وصیت والے دوسرے حضرات کے لحاظ سے ہوگا الخ ملخصا، اور درمختار پر طحطاوی کے حاشیہ میں ہے یعنی موہوب لہ دوسرے اصحاب وصایا کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہوگا اگر وہ سب وصیت والے اور موہوب لہ تہائی حصہ میں پورا ہو جائیں تو بہتر، ورنہ تہائی میں ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے اور تہائی میں سے ہر ایک اپنا حصہ کے مطابق تقسیم پائیگا اھ ملخصا، **میں کہتا ہوں** میں نے جو تقریر کی ہے اس سے

عـــہ: خط کشیدہ عبارت اندازے سے درست کی گئی ۱۲ عبد المنان۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب الفن فی المرض دار المعرفۃ بیروت ۴ /۳۲۹

ظاہر ہوا کہ پہلے مجیب نے جدید قبضہ کو واجب کرنے میں خطا کی ہے کہ دونوں تہائی حصہ والوں کے لئے مطلقاً یہ بات کہہ دی لیکن دوسرے مجیب نے بہت سی خطائیں کی ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)	الاول اخطأ فی ایجاب القبض الجدید الموصیٰ لهما بثلث المال مطلقاً واما المجیب الثانی فقد اخطأ خطأً من وجوه، واللہ تعالٰی اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح الملیک فی حکم التملیک ۱۳۰۸ھ

(بادشاہ کا اظہار تملیک کے حکم میں)

مسئلہ ۷۵: نزدیک علمائے حنفیہ ایدہم اللہ تعالٰی کے ہبہ وتملیک میں کیا فرق ہے اور جو احکام ہبہ مشاع اور ہبہ مرض الموت اور ہبہ غیر مقبوض کے ہیں وہی بحالت ہائے مذکورہ تملیک سے بھی متعلق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان ومنافع وبعوض وبے عوض ومنجز ومضاف للموت سب کو شامل ہے جس کی رو سے بیع وہبہ واجارہ واعارہ ووصایا سب اس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلاعوض کا نام ہے۔

فی الدر المختار الھبۃ تملیك العین مجانا[1] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے ہبہ مفت میں کسی چیز کا مالک بنانا ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مگر عرف میں ان لفظوں سے کہ میں نے ایک شے کا تجھے مالک کیا، یا اس چیز کے تجھے تملیک کی ظاہرًا ہبہ

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

ہی متبادر ہوتا ہے حتی کہ امام اجل شمس الائمہ رخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے محیط میں اسے ان الفاظ سے گنا جو بحسب وضع افادہ ہبہ کرتے ہیں۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اما الالفاظ التی تقع وبھا الھبة فانواع ثلثة نوع تقع به الھبة وضعا ونوع تقع به الھبة کنایة وعرفا ونوع یحتمل الھبة والعاریة مستویا اما الاول فکقوله وھبت ھذا الشیئ لك اوملکته منك[1] الخ۔	لیکن جن الفاظ سے ہبہ ہوتا ہے وہ تین قسم ہیں۔ایک قسم وہ ہیں جن سے ہبہ کا وقوع وضعا ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جن سے کنایۃ اور عرفا ہبہ ہوتا ہے اور ایک قسم وہ جن سے ہبہ اور عاریۃ دونوں مساوی طور پر واقع ہوتے ہیں۔پہلی قسم کی مثال "میں نے یہ چیز تجھے ہبہ کی" یا یہ کہنا "میں نے تجھے اس کامالک بنایا" الخ (ت)

ولہٰذا کلمات علماء میں اکثر جگہ تملیک سے ہبہ پر استدلال پایا جاتا ہے مع ظهور ان الاستدلال بالعام علی الخاص باطل لجواز وجوده فی ضمن فرد اٰخر (باوجود ظاہر ہونے کہ عام سے خاص پر استدلال باطل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ عام کا وجود کسی دوسرے میں پایا جائے۔ت) امام علامہ فقیہ النفس قاضی خان فرماتے ہیں:

رجل غرس کرما وله ابن صغری فقال جعلته لابنی فلان یکون ھبة لان الجعل عبارة عن التملیك[2]۔	ایک شخص نے انگور کے پودے لگائے اس کا نابالغ بیٹا ہے، تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو اپنے فلاں بیٹے کے لئے کیا تو ہبہ ہوگا کیونکہ بنانا اور کرنا تملیک کا معنی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

ان قال جعلته باسم ابنی یکون ھبة ظاھرا لان الناس یریدون بھذا التملیك والھبة[3]۔	کسی نے کہا میں نے یہ بیٹے کے نام سے بنایا تو ظاہرا یہ ہبہ ہوگا، کیونکہ لوگ اس سے تملیک اور ہبہ مراد لیتے ہیں۔(ت)

اور علامہ بیری شارح اشباہ والنظائر فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۹۷

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۶۹۷

فی خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا ان دلت دلالۃ التملیک[1]۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو یہ مال باپ کا ہوگا الایہ کہ کوئی دلالت تملیک پر پائی جائے۔(ت)

محقق شامی فرماتے ہیں:

قلت فقد افادان التلفظ بالایجاب و القبول لا یشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک[2] اھ۔	**میں کہتاہوں** کہ اس عبارت نے فائدہ دیا کہ اس میں ایجاب وقبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن کافی ہوتے ہیں۔(ت)

فقیہ علامہ نوازل میں تصریح فرماتے ہیں جو لفظ تملیک رقبہ پر دال وہبہ ہے۔

فی الدر المختار اللفظ ان انبأ عن تملك الرقبۃ فھبۃ اوالمنافع فعاریۃ اواحتمل اعتبر النیۃ، نوازل[3]۔	در مختار میں ہے اگر الفاظ غلام پر تملک کی خبر دیں تو ہبہ ہوگا، اگر الفاظ منافع پر دال ہوں تو عاریۃ ہوگا اور لفظ محتمل فیہ ہو تو قائل کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ نوازل(ت)

در باب افتا جابجاعلامہ خیر الملۃ والدین رملی وغیرہ علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے سوال تملیک پر ہبہ کا جواب عطافرمایا اور اس پر مشاع وغیرہ کے وہی احکام جاری کئے اور تملیک نامہ کو صریحا ہبہ نامہ ٹھہرایا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ملك زوجتہ نصف جمل و نصف بقرۃ و نصف غراس زیتون تملیکا شرعیا بایجاب منہ و قبول منھا و قبضت الزوجۃ وتسلمت ثم مات الزوج ویرید وارثہ ان یجعل المملکات	ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو نصف اونٹ، نصف بیل، نصف باغ زیتون کا شرعی تملیک کے طور پر مالک بنائے باقاعدہ ایجاب و قبول ہو اور بیوی قبضہ کرلے پھر وہ خاوند فوت ہوجائے اور ورثاء چاہیں کہ ان تمام تملیک بنائی ہوئی چیزوں کو

[1] ردالمحتار بحوالہ بیری کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ بیری کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

میراثابینه وبین الزوجة اجاب ھی ملك للزوجة بالتملیك علی الوجه المذکور وھبة المشاع الذی لا یحتمل القسمة صحیحة والجمل والبقرة مما لایمکن قسمة الواحد منھا فصحت فیھا الھبة المذکورة[1] اھ ملتقطا۔	بیوی سمیت تمام ورثاء کے لئے وراثت بنالیں، توجواب دیا کہ مذکورہ تملیک کی بنا پر بیوی کو ملک ہیں جبکہ ناقابل تقسیم مشاع کا ہبہ صحیح ہوتا ہے اور اونٹ اور بیل قابل تقسیم نہیں ہیں۔ توان کا ہبہ صحیح ہوا۔ اھ ملتقطا (ت)

اسی میں ہے:

سئل فی رجل اشھد علی نفسه انه ملك اولاد ابنه و سماھم فی حجة جمیع الستة قراریط فی الدارین الفلانیتین اجاب الحنفی لایری جواز الھبة المشاع[2] اھ ملخصا۔	ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنے پوتوں کو مالک بنایا اور فلاں دو مکانوں میں چھ قراریط سب کی حجت میں پوتوں کا نام لیا، توجواب دیا کہ حنفی حضرات قابل تقسیم مشاع کا ہبہ جائز نہیں مانتے اھ ملخصا (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ابنان واملاك تقبل القسمة و حصة فی مشاع تقبل القسمة فملك جمیع ذٰلك من ابنیه المذکورین سویة بینھما من غیر قسمة وکتب ذٰلك صك ویرید زید الرجوع عن التملیك فھل له ذٰلك الجواب نعم ھبة واحد من اثنین لایصح[3] اھ بالالتقاط۔	ان سے سوال ہوا کہ زید کے دو بیٹے ہیں اور کچھ املاک قابل تقسیم ہیں اور ایک مشاع چیز میں اس کا حصہ بھی ہے تو اپنی ملکیت ان تمام چیزوں کا دونوں بیٹوں کو مالک بنادیا جبکہ دونوں کو مساوی طور پر بغیر تقسیم حصہ دار بنایا اور رسید بھی لکھ دی اور اب زید اس ہبہ سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو کیا اسے یہ حق ہے، الجواب ہاں حق ہے کیونکہ ایک کا دو حضرات کو ہبہ مشترکہ بغیر تقسیم صحیح نہیں اھ ملتقطا (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

[3] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۹۵

لیکن محل غور اس قدر ہے کہ مسئلہ خاص جزء میں ظاہر اکلمات علماء مختلف سے نظر آتے ہیں بعض نے وہی تصریح فرمائی کہ عقد تملیک عین ہبہ ہے اور بعض بنظر عموم لفظ تعیین ہبہ کے لئے قرینہ کی حاجت اور در صورت انعدام قرینہ تملیک کو ناجائز وغیر صحیح مانتے ہیں،

فی ردالمحتار لو قال ملکتك ھذا الثوب مثلا فان قامت قرینة علی الھبة صحت والا فلا لان التملیك اعم منھا لصدقه علی المبیع والوصیة والا جارة وغیرھا انظر ما کتبناہ فی اٰخر الھبة الحامدیة وفی الاکازرونی انھاھبة[1] اھ	ردالمحتار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس کپڑے کا مالک بنایا، مثلاً اگر ہبہ پر قرینہ ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے اس لئے کہ تملیک مبیع، وصیت، اجارہ وغیرہ پر بھی صادق آتی ہے۔ ہم نے حامدیہ میں ہبہ کے آخر میں جو لکھا ہے اسے دیکھو اور زرونی میں ہے کہ یہ ہبہ ہے اھ (ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ، بتصریح علماء مَما امکنَ دفع تخالف و تحصیل توفیق لازم اور وجہ تطبیق کی تقریر علی الخصوص جب بے تکلف ہو متعین و متحتم، اصل وضع میں تملیک کا عموم کسے نہیں معلوم اور بے قیام قرینہ احدالافراد کی تعیین کسی کا قول نہیں اور جس طرح یہ باتیں متفق علیہ ہی یونہی یہ بھی متیقن کہ خاص جہت لفظ سے قرینہ کا ناشی ہونا ضروری نہیں بلکہ قرینہ حالیہ بھی کافی ہے۔

وقد سمعت ماقال العلامة البیری و المحقق الشامی رحمھما اللہ تعالٰی۔	تو نے علامہ بیری اور محقق شامی رحمہما اللہ تعالٰی کا کلام سن لیا۔ (ت)

اب جو ہم دیکھتے ہیں تو مقام اخبار میں بیشک لفظ تملیک بیع وہبہ ووصیت وغیرہا سب جگہ بولا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ اخبار اپنے نفس سے ہو یا غیر سے، مثلاً زید نے ایک مکان عمرو کے ہاتھ بیع کیا تو اب وہ کہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں مکان عمرو کی ملک کر دیا بکر و خالد کہہ سکتے ہیں زید نے خود کو اپنے مکان کا مالک کیا عمرو کہہ سکتا ہے کہ مکان زید بتملیک زید میری ملک میں آیا اور سامع ان لفظوں سے ہر گز سوا نقل ملک کے کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر بعوض واقع ہوا یا بلا عوض، اور مکان ملک عمرو میں بیعا آیا یا ہبۃً، عموم تملیک کا یہ صاف اثر واضح ہے مگر خاص انشائے عقد ایجاب وقبول کے وقت جب ان لفظوں پر اقتصار ہوگا یعنی میں نے تجھے فلاں شے کا مالک کیا عمرو کہے میں نے قبول کیا، تو بیشک متفاہم عرف میں اس سے ہبہ ہی

[1] ردالمحتار کتاب الھبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

متبادر ہوگا جب تک کوئی قرینہ اس کے خلاف پر قائم نہ ہو اور فارق یہ ہے کہ عقد واقع سے خبر دینے میں اس کے متعلقات کا استیفاء واستقصا ضرور نہیں بخلاف ایقاع عقد کے کہ اگر اسے بیع منظور ہوتی ثمن کا ذکر لاتا وصیت چاہتا تو بعد موت کے تصریح کرتا اجارہ اعارہ مقصود ہوتا تو عقد کو خاص اس شیئ کی طرف اضافت نہ کرتا بلکہ منافع کا نام لیتا یا ایسی عبارت بولتا جس سے تملیک منافع مفہوم ہوتی اخر دیکھو اصل وضع کے اعتبار سے ان لفظوں میں بھی کہ یہ شیئ میں نے اپنے بیٹے کے لئے کردی یا بنام اُو کردم بعینہٖ وہی احتمالات پیدا ہیں جو لفظ تملیک میں نکلتے ہیں مگر ائمہ نے تصریح فرمائی کہ یہ ہبہ ہے۔

کما اسلفنا من الخانیۃ وقد نقلہ عنہا العلامۃ الغزی فی المنح وغیرہ فی غیرہا مذعنین لہا۔	جیسا کہ ہم نے پہلے خانیہ سے نقل کیا ہے اور خانیہ سے علامہ غزی نے منح میں اور دوسروں نے اپنی کتب میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔(ت)

بلکہ امام فقیہ النفس نے **جعلتہ لابنی**[1] کے ہبہ ٹھہرانے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ جعل بمعنی تملیک ہے تو جب تک باقتضائے مقام تمام احتمالات منقطع ہو کر ملکت بمعنی وہبت نہ رہے گا جعلت کا بمعنی ملکت ہونا کیا فائدہ بخشے گا **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) پس اُن بعض کا یہ فرمانا کہ ارادہ ہبہ کے لئے قرینہ درکا ہے نہایت بجا و درست، بیشک کوئی عام اپنے فرد میں بلا قرینہ معین نہیں ہوسکتا، مگر یہاں طرز گفتگو خود ہی ہبہ کا قرینہ ہے **کما بیننا** (جیسا کہ بیان کیا ہے۔ت) ہاں مثلاً ایسی صورت میں کہ زید وعمرو باہم کسی شے کے خرید وفروخت پر گفتگو کرتے ہوں اب زید کہے وہ شے میں نے تیری ہی ملک میں دی یا تجھے اس کا مالک کیا ہبہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی باہمی حالت تملیک بلاعوض پر قرینہ نہیں ہوسکتی، نہ بیع درست ہو کہ وہ مبادلہ مال بمال ہے اور یہاں مال دوم کا نام نہیں ناچار عقد کو غیر صحیح مانیں گے، اور وہ بعض جو تملیک کو ہبہ فرماتے ہیں اس صورت میں فرماتے ہیں جب کوئی ایسی حالت واقع نہ پس تمام کلمات ایک ہی طرف راجع اور سارا اختلاف بحمد اللہ مرتفع۔

قلت ومن ھٰہنا ظہر انہ لایتعلق بما نحن فیہ مافی اٰخر العقود الدریۃ	**میں کہتا ہوں** یہاں سے ظاہر ہوا کہ جو عقود الدریہ کے آخر میں ہے وہ ہماری بحث سے خارج

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الہبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۷

ممانصه قال المؤلف کتبت علی صورة دعوی ماصورته حیث بین اقرارہ انه بجهة التملیك فدعوی التملیك لاتسمع لما قاله الخیرا لرملی رحمه الله تعالٰی ناقلا عن جامع الفصولین فی خلل المحاضر والسجلات برمز التتمة عرض علی محضر کتب فیه ملکه تملیکا صحیحا ولم یبین انه ملکه بعوض اوبلا عوض قال اجبت انه لاتصح الدعوی ثم رمز لشروط عـــه الحاکم اکتفی به فی مثل هذا بقوله وهب له هبة صحیحة وقبضها ولکن ماافاد فی التتمة اجود واقرب الی الاحتیاط [1] اھ فان هذا نقل واخبار لا عقد وایجاب کما لایخفی هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔	ہے جس کی عبارت یہ ہے مؤلف نے فرمایا میں نے دعوٰی کی صورت پر لکھا، کہ صورت کیا ہے جہاں اس نے اپنا اقرار کیا ہے کہ یہ تملیک کے طور پر ہے اگر یہی ہے تو تملیک کے دعوٰی کی مانند یہ قابل سماعت نہیں ہے اس کی وجہ وہ جو خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع الفصولین کی ماحضرات اور سجلات میں خلل والی بحث سے تتمہ کے عنوان میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر ایک محضر نامہ پیش کیا گیا جس میں لکھا تھا اس کو صحیح تملیک کے ساتھ مالک بنایا اور یہ نہ بیان کیا عوض کے ساتھ یا بلا عوض مالک بنایا تو فرماتے ہیں میں نے جواب دیا کہ دعوٰی صحیح نہیں ہے۔ پھر انہوں نے شروط الحاکم میں صرف اس صورت پر اکتفا فرمایا، جیسے کوئی لکھے اس کو صحیح ہبہ کرکے دے دیا، لیکن انہوں نے تتمہ میں جو فائدہ دیا وہ بہتر اور احتیاط سے اقرب ہے اھ کیونکہ یہ حکایت اور اخبار ہیں۔ عقد اور ایجاب نہیں ہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ تحقیق یوں چاہئے، اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

یہ ساری بحث تملیک زبانی ہے دستاویز تملیک نامہ تو قطعاً تمام اقوال پر ہبہ نامہ ہے جس میں کسی طرح نزاع کا احتمال نہیں کہ بالیقین اس کا لکھنے والا تملیک عین بلاعوض کا قصد کرتا ہے اور بالتعین یہی اس سے سمجھا جاتا ہے ووصیت وغیرھا احتمالات کی بُو بھی نہیں آتی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسی دستاویز لکھ کر کہے میں نے تو اس سے عقد بیع کا قصد کیا ہے تو کوئی اس کی تصدیق

عـــه: اسم کتاب ۱۲ عبدالمنان۔

[1] العقود الدریة کتاب الهبة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۰۰

نہ کرے گا اور سب کے نزدیک وہ بات بدلنے والا ٹھہرے گا تو اس کے ہبہ ہونے میں کوئی شک نہیں تملیک زبانی میں مدار کا قرینہ پر ہے اگر کوئی قرینہ قائم ہو جو معنی ہبہ سے ابا کرے تو اسے ہبہ نہ ٹھہرائیں گے اور دستاویز تملیک نامہ قطعاً ہبہ اور جو عقد ہبہ ٹھہرے گا تمام احکام ہبہ متعلقات شیوع وقبضہ ومرض وغیرہ سب بدستور اس میں جاری ہوں گے **فان العبرۃ للمعنی کما فی الھدایۃ وغیرھا** (کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) یہ ہے جو کلمات علماء کرام سے منقح ہوا اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جداگانہ ہبہ سے مبائن اور اس کے احکام ہبہ سے علیحدہ ہیں اصلا قابل تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہرہ اس کی مساعدت ہرگز نہیں کرتے،

وما وقع ھٰھنا من العلامۃ ط رحمہ اللہ تعالٰی حیث قال قال السید الحموی اعلم ان التملیك یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض واذا عری عن القبض و التسلیم اختلف العلماء فیہ فقیل یجوز وقیل لا یجوز قیاسا علی الھبۃ واکثر المشائخ علی انہ یجوز بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ لان التملیك والھبۃ شیئان اسما وحکما اما الاسم فظاھر واما حکما فلان لو وھب الثمار علی رؤس الاشجار لاتجوز ولو اقر بالتملیك یجوز فثبت ان التملیك یصح بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ وعلیہ الفتوی وعمل الناس و موت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق کذا	اس مقام پر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی سے جو وقوع پذیر ہوا جہاں انہوں نے فرمایا کہ سید حموی نے فرمایا: جاننا چاہئے کہ تملیک ہبہ کے معنٰی میں ہوتی ہے اور قبضہ سے تام ہوتی ہے اور جب یہ قبضہ اور تسلیم سے خالی ہو تو پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا ناجائز ہے ہبہ پر قیاس کی وجہ سے اور اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ بغیر قبضہ دیئے جائز ہے اور تملیک ہبہ سے جدا چیز ہے کیونکہ تملیک اور ہبہ دو علیحدہ چیزیں حکم اور نام کے اعتبار سے نام کے لحاظ سے ظاہر ہے حکم کے اعتبار سے اس لئے کہ اگر کوئی درختوں پر پھل کو ہبہ کرے تو ناجائز ہے اور اگر تملیک کے طور پر کسی کے لئے اقرار کرے تو جائز ہے تو ثابت ہوا کہ تملیک بغیر قبضہ دئے صحیح ہے اور ہبہ کا غیر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور لوگوں کا عمل بھی اور اقرار کرنے والے کی موت بمنزلہ قبضہ ہے اھ مفتاح میں

فی الفتاح [1] انتہی، **فاقول**: نقل مجھول لامعقول ولا مقبول اما لجھل فلان المفتاح لیس من الکتب المتداولۃ ولاالشھیرۃ و لاعلم من ھو مصنفہ وما درجتہ فی کتب المذھب، واما انہ غیرمعقول فلان التملیک حالا امالعین اوللمنافع وکل امابعوض اومجانا ھذا تقسم حاصر عقلی لاامکان لخروج قسم عنہ ومعلوم بداھۃ ان ھذاالشیئ الذی لیس تملیک المنافع وتملیک العین بعوض فاذن لیس الاتملیک العین حالا مجانا وما ھوا الا الھبۃ وفسرت فی المتون وقال قاضی زادہ فی تنائج الافکار الھبۃ فی الشریعۃ تملیک المال بلاعوض کذا فی عامۃ الشروح بل المتون [2]، وما عھد من الشرع المطھر ما ھو عقد یکون تملیک العین فی الحال بلاعوض ولا یکون ھبۃ ولوکان لوجب ان یعقد لہ کتاب او باب او فصل اواقل شیئ فی کتب المذھب کما عقدت الکتب البیع والھبۃ والعاریۃ والاجارۃ	یوں ہے اھ، **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ نقل مجہول، غیر مقبول اور غیر معقول ہے۔ مجہول اسی لئے کہ مفتاح مشہور اور متداول کتب میں نہیں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا مصنف کون ہے اور کتب مذہب میں اس کا کیا مقام ہے غیر معقول اسی لئے کہ مذکورہ تملیک عین چیز کی ہوگی یا منافع کی ہوگی پھر ہر صورت عوض کے بدلے یا بلاعوض ہوگی یہ تقسیم عقلی طور پر چار صورتوں کو حاصر ہے اور اس سے خارج کسی قسم کا احتمال نہیں ہے اور بداہۃً معلوم ہے کہ یہ چیز جو منافع اور عین چیز کی تملیک بالعوض نہیں تو لامحالہ پھر صرف تملیک العین مفت میں ہوگی تو اسی کا نام ہبہ ہے اور متون میں اسی کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قاضی زادہ نے نتائج الافکار میں فرمایا: شریعت میں ہبہ مال کی بلاعوض تملیک کو کہتے ہیں۔ یونہی عام شروح میں مذکور ہے بلکہ تمام متون میں ہے، شرع شریف سے کوئی ایسا عقد معلوم نہیں ہوا جس میں موقعہ پر بلاعوض عین چیز کا مالک بنانا ہو اور وہ ہبہ نہ ہوگا اگر کوئی اور چیز ہوتی تو کتب فقہ میں اس کے لئے کوئی کتاب، باب یا فصل یا اور کوئی اس سے کم عنوان ضرور قائم کیا جاتا جیسا کہ کتب میں بیع، ہبہ، عاریہ اور اجارہ وغیرہ کے لئے

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۴۰۹

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الھبۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷ /۴۷۹

لکن نری کتب المذہب عن اٰخرھا خالیة عن اولٰی ایماء الٰی ذٰلك فاذن ھو عقد غیرہ معھود من الشرع بل ولامعروف فی عرف الناس قاطبة فانك لواخبرت احدا ان زید املك دارہ من عمرو مجانا فی الحال لم یفھم منه احد الاالھبة ولایخطر ببال صبی عاقل ولا عالم فاضل شیئ غیرھا وقد علل فی الھدایة وغیرھا عامة الکتب المعللة اشتراط القبض فی الھبة بانه عقد تبرع وفی اثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئالم یتبرع بہ وہو التسلیم فلایصح[1] اھ والتمسك بمسئلة الاقرار اول دلیل علی ان ھذا الکلام لم یصدر عن فقه فانه انما المرء مواخذ باقرارہ الاتری ان لولم یملکه اصلا واقراخذباقرارہ فھل یستدل به علی ان التملیك یصح من دون ایجاب من المملك اصلا ثم لاشك	عنوان قائم ہیں لیکن ہم اول تا آخر تمام کتب مذہب کو دیکھ رہے ہیں کہ تمام کی تمام اس عنوان سے خالی بلکہ اس کی طرف کسی ادنٰی اشارہ تک سے خالی ہیں تو معلوم ہوا کہ نری تملیک شرع میں کوئی عقد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے عرف تک میں کہیں موجود نہیں، کیونکہ اگر تو خبر دے کہ زید نے مفت میں عمرو کو مکان کا مالک بنادے تو اس سے ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ یہ ہبہ ہے اور کسی بچے اور عالم فاضل تک کے دل میں ہبہ کے علاوہ کوئی چیز نہ کھٹکے گی، اور ہدایہ اور تمام ان کتب میں جو علل کو بیان کرتی ہیں انہوں نے ہبہ میں قبضہ کی شرط کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ یہ تبرع کا عقد ہے اور قبضہ سے قبل ملک کے ثبوت میں تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کا الزام ہوگا جس کا اس نے تبرع نہیں کیا اور وہ تبرع سونپ دینے کا نام ہے (جو ابھی واقع نہیں ہوا) لہٰذا قبضہ سے قبل ملک صحیح نہ ہوگی اھ، اور اقرار کے مسئلہ سے اس کا استدلال کرنا یہی اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ اس کا یہ کلام سمجھ کے بغیر صادر ہوا ہے کیونکہ یہ تو صرف کسی کا اپنے اقرار میں ماخوذ ہونے کی بات ہے آپ غور کریں کہ اگر کوئی شخص قطعاً کسی کو مالک نہ بنائے اس کے باوجود وہ اقرار رکرے تو اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا تو کیا اس اقرار سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ مالک بنانے والے کی

[1] الھدایة کتاب الھبة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۱

ان لو اقر بالبیع جاز فھل یستدل بہ علی ان البیع یتم من جانب البائع وحدہ لانہ لیس ھٰھنا شیئ من جانب المشتری بل السرالذی غفل عنہ ھذا المستدل ان الاقرار اخبار من وجہ کما انہ انشاء من وجہ فلشبہ الاخبار یواخذ بامثال الاقرار لا لانہ انشاء عقد لایحتاج الی القبض الا تری انہ لو اقر لغیرہ بنصف دارہ مشاعا صح کما فی الدر [1] وغیرہ وماذلك الا لشبہ الاخبار ولوکان انشاء لم یصح کما نصوا مع وجوب الصحۃ علی وھم ھذا الواھم وتقدم فی الاقرار متناوشرحا جمیع مالی اوماملکہ لہ ھبۃ لااقرار فلا بد من التسلیم بخلاف الاقرار [2] اھ فقد افادان لام التملیك	طرف سے ایجاب کے بغیر ہی تملیک صحیح ہوجاتی ہے (ہرگز نہیں) پھر اس میں بھی شک نہیں کہ اگر کوئی بیع کااقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہے تو کیا اس سے بھی یہ استدلال کیا جاسکے گا کہ بیع کا انعقاد صرف اکیلے بائع کی طرف تام ہوگا کیونکہ اس میں مشتری کے کسی عمل کا ذکر نہیں (جبکہ ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ نکتہ جس سے یہ استدلال والاغافل ہے وہ یہ ہے کہ اقرار من وجہ خبر ہے جیساکہ وہ من وجہ انشاء ہے تو خبر والے پہلو کے اعتبار سے اقرار کی وجہ سے وہ ماخوذ ہوتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ یہ عقد کاانشاء ہے جس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے تو آپ دیکھیں کہ اگر وہ غیر کے لئے اپنے نصف مکان کا مشاع کے طور پر اقرار کرے تو صحیح ہے جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے تو یہ صرف اس لئے کہ اس میں خبر کا شبہ ہے حالانکہ اگر اس کو انشاء کہا جائے تو صحیح نہ ہوگا جیساکہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے حالانکہ مذکور اقرار کی صحت اس شخص کے ہاں مسلمہ ہے اور پہلے گزرا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کی ہے تمام متون اور شروح میں اس اقرار کو ہبہ قرار دیا ہے اس کو اقرار نہیں کہا، تو اس میں قبضہ

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۱

یفید الهبة ویشترط التسلیم وان عدم اشتراطه فی الاقرار جاء من جهة انه اخبار من وجه لا ان ھٰهنا عقدا لایحتاج الی التسلیم والنکتة فیه ان التملیك یعم البیع والهبة فاذا اقر بانه ملك الثمار وهی علی الاشجار صرف الامر الی البیع مواخذة له باقراره وتصحیحا للکلام مهما امکن بخلاف ما اقر بهبتها فانه قد صرح بما لایتم مشغولا فلم یفد وکذلك فی کل شیئ اذا اقر بانی قد ملکته من فلان قبل ولم یبحث عن القبض و الشغل وغیرها لان الاقرار بالتملیك اقرار بخروجه عن ملکه الی ملك المقر له و لایتم ذٰلك فی التبرعات لابالقبض للمقر له فالاقرار به اقرار بالهبة وبالاقباض معا بخلاف مالو اقرانی وهبته فان صدور الهبة من الواهب	دینا ضروری ہے بخلاف اقرار کے اھ تو اس مسئلہ نے فائدہ ظاہر کیا کہ اقرار میں لام تملیک کے لئے ہے جو ہبہ کا فائدہ دیتا ہے اور تسلیم کو شرط بناتا ہے اور اقرار بنانے کی صورت میں تسلیم کا واجب نہ ہونا اس وجہ سے ہوا کہ من وجہ خبر ہے اس لئے نہیں کہ اقرار ایک عقد ہے جس میں تسلیم وقبضہ دینا ضروری نہیں ہے اس میں نکتہ یہ ہے تملیک کا عنوان بیع اور ہبہ دونوں کو شامل ہے، توجب اس نے یہ اقرار کیا کہ "درختوں پر پھل کا مالک بنایا" تو اس کو بیع کی طرف پھیرا جائے گا تاکہ اس کو اپنے اقرار میں ماخوذ کیا جائے اور کلام کو حتی الامکان صحیح بنایا جائے بخلاف اس صورت کے کہ وہ ہبہ کا اقرار کرے تو اس کا کلام درست نہ ہوگا کیونکہ وہ پھل اس کے درختوں کے ساتھ مشغول ہے اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے متعلق وہ یہ اقرار کرے کہ میں نے اس کا فلاں کو مالک بنایا اور قبضہ اور مشغول ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو یہ اقرار قبول کرلیا جائے گا کیونکہ تملیک کا اقرار اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے یہ چیز اپنی ملکیت سے نکال کر مقرلہ کی ملکیت میں دے دی اور تبرعات میں یہ معاملہ اس وقت تک تام اور درست نہیں ہوتا جب تک قبضہ مقرلہ کے لئے نہ مانا جائے تو لازما یہ اقرار ہبہ مع قبضہ ماننا ہوگا بخلاف جبکہ وہ ہبہ کا اقرار کرے اور یوں کہے میں نے یہ چیز اس کو ہبہ کی ہے اور

لایستلزم الاقباض فلا یکون اقرار بحصول الملك للموهوب له هذا هو الفرق بین الاقرارین لاما زعم ان التملیك لایحتاج الی القبض ولو لا ذکره من الدلیل لِاَیْقَنَّا ان هذا النقل والفتوی مکذوب علی المشائخ ولکن باستدلاله تبین ان الخطأ فی الفهم وقد قدمنا نصوصا قاضیة بان التملیك ھٰھنا ھو الهبة وقد اعترف به ھٰذا الناقل فی صدر کلامه ان التملیك یکون فی معنی الهبة ویتم بالقبض فاذا کان تمامه بالقبض فکیف یجوز بدون التسلیم ثم العجب اشد العجب ان الاختلاف کان فی انه لو قال ملکتك هذا الشیئ هل یکون هبة ام لایصح اصلا لان التملیك اعم کما قدمنا من ردالمحتار والاٰن جاءتنا الفتوی بانه صحیح مطلقا حتی بلاقبض هل هذا الاعجب عجاب، وقد اسمعناك نص التتمه وجامع الفصولین والخیر الرملی و

تملیک کا لفظ کہا یہ تو اقرار قبضہ کو مستلزم نہیں کیونکہ واہب کی طرف سے ہبہ کے صدور کو یہ لازم نہیں تو ہبہ کے اقرار سے موہوب لہ کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی، تملیک اور ہبہ کے اقراروں میں یہ فرق ہے نہ یہ کہ تملیک میں قبضہ کی ضرورت نہیں جیسے اس نے گمان کرلیا، اگر یہ اس دلیل کو ذکر نہ کرتا تو ہم یقین کرلیتے کہ نقل اور فتوٰی مشائخ کی طرف غلط منسوب ہے لیکن مسئلہ اقرار سے اس کے استدلال نے واضح کردیا کہ خطأ اس کے فہم کی ہے جبکہ نقل اور فتوٰی صحیح ہے حالانکہ ہم پہلے نصوص کے ذریعہ واضح کرچکے ہیں کہ یہاں تملیک سے مراد ہبہ ہے جبکہ یہ ناقل بھی اپنے کلام کی ابتداء میں اعتراف کرچکا ہے کہ تملیک ہبہ کے معنی میں ہوتی ہے اور وہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو جب یہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو پھر تسلیم کے بغیر کیسے جائز ہوگی، پھر انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ اختلاف یہ بیان کیا کہ اگر کوئی یوں کہے "میں نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا" تو یہ ہبہ ہوگا یا سرے سے کلام صحیح نہ ہوگا اور ہبہ نہ ہوگا کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے جیسا کہ ہم ردالمحتار سے بھی ثابت کرچکے ہیں تو اب انہوں نے فتوٰی ظاہر کردیا کہ یہ مطلقاً صحیح ہے خواہ قبضہ بھی نہ ہو، تو یہ عجائب سے عجیب تر ہے، ہم نے آپ کو تتمہ کی نص اور جامع الفصولین، خیر الدین رملی اور عقود الدریہ سے بتایا کہ وہ

العقود الدریۃ ان المحضر المکتوب فیہ ملکہ تملیکا صحیحا فاسد غیر مقبول لان وجہ التملیك فیہ مجھول ومن قبلہ قبلہ حملالہ علی الھبۃ والاٰن صار مقبولا لان عقد جدید، مخترع لم یعھد فی شرع ولا عرف ومن ھٰھنا عرف ان قولہ موت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق[1] خرق الاجماع الناطق بان موت احد المتعاقدین قبل التسلیم مبطل فالحق ان ھذا النقل المجھول غیر المعقول مما لایحل الاعتماد علیہ بل لایسوغ الالتفات الیہ وباللہ العصمۃ والتوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	محضر نامہ جس میں لکھا تھا"اس کا صحیح تملیک کے ساتھ اس کو مالک بنایا" کہ یہ تحریر فاسد ہے اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں تملیک کی وجہ مجہول ہے اور جس نے اس تحریر کو مقبول مانا تو اس نے اس کو ہبہ پر محمول کرکے مانا ہے اور اب انہوں نے اس کو مقبول مانا تو اس لئے کہ یہ جدید اور من گھڑت عقد ہے جس کا شرع اور عرف میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس سے واضح ہوگیا کہ طحطاوی کا کہنا کہ مقرکی موت بمنزلہ تسلیم ہے بالاتفاق یہ بالکل اجماع کے منافی بات ہے کیونکہ تسلیم سے قبل بالاجماع فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے تو ثابت ہوا کہ یہ نقل مجہول غیر معقول ہے جس پر اعتماد جائز نہیں، بلکہ یہ التفات کے قابل بھی نہیں، تو توفیق اور حفاظت اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۶: از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان و محمد صاحبان ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ خالد کے پانچ پسر اور تین دختر ہیں۔ پسروں میں زید سب سے بڑا ہے، زید کی نابالغی اور حالت طالب علمی میں جس وقت کہ اس کو کسی قسم کی آمدنی نہ تھی، خالد نے اپنے خاص روپے سے ایک زمین پرتی زید کے نام خریدی اور اپنے ہی خاص روپے سے ایک مکان اس زمین پر تعمیر کرایا اور کرایا پر دیا، خالد کرایہ خود تحصیل کرتا تھا اور ضرورت کے وقت مکان کی مرمت کرتا تھا، ۱۴برس بعد خرید مکان مذکور خالد نے کل جائدا منقولہ وغیر منقولہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کردی مگر وہ مکان جو زید کے نام خریدا تھا ہبہ نامہ میں مندرج نہیں کیا ہبہ نامہ سے حفاظت جائداد منظور تھی، ہبہ نامہ کے لکھنے کے بعد تین برس تک خالد زندہ رہا، مگر جائداد پر جس کو

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۴۰۹

وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود اس طرح پر قابض رہا جیسا کہ وہ تحریر ہبہ نامہ کے قبل تھا، خالد کے انتقال کے بعد سے زید کا قبضہ اس مکان پر جو اس کے نام سے اس کے پدر خالد نے خریدا تھا شروع ہوا خالد کی حیات میں گو زید بالغ تھا نوکر سرکار تھا اور صاحب اولاد تھا مگر اس کا قبضہ اس مکان پر نہ تھا زید جب تک زندہ رہا اس مکان کا کرایہ تحصیل کرتا رہا اس کی مرمت بھی کرتا تھا اور دو بار اس کو رہن بھی رکھا تھا اس کی بیوہ سلیمہ بعد زید کے انتقال کے اسی طور سے جیسا کہ اس کا شوہر تھا برابر اب تک قابض ہے، اب وارثان خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے موافق شرع شریف مکان مذکور زید کا ہے یا خالد کا، تا ایں دم جائداد خالد وہندہ کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور جو صورت زید وسلیمہ کے وقت تھی اس وقت تک قائم ہے کوئی تعمیر جدید نہیں ہوئی اگر مکان مذکور زید کا قرار نہ پایا تو جو آمدنی اس کو اور اس کی بیوی سلیمہ کو اس مکان سے آج تک ہوئی ہے واپس کی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ زمین کہ خالد نے اپنے پسر نابالغ زید کے نام خریدی فوراً ملک زید ہوگئی، تاحیات خالد اس پر قبضہ زید نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ باپ جو چیز اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کرے اس میں موہوب لہ کو قبضہ دینا شرط نہیں باپ ہی کا قبضہ اس کا قبضہ قرار پاتا ہے۔

فی ردالمحتار عن المنح عن الولوالجیۃ ان کان الاب اشتری لہا فی صغرہا وذلك فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ [1]۔	ردالمحتار میں منح سے انہوں نے ولوالجیہ سے نقل فرمایا کہ اگر باپ نے بالغہ بیٹی کے لئے کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں ہے اور وہ خاص اس بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ہبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ وھو کل من یعولہ فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو فی عیالھم تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ او ید	نابالغ کا ولی وہ ہے جو نابالغ کو اپنے عیال میں داخل کرے خواہ باپ کی عدم موجودگی میں بھائی ہو یا چچا ہو، تو اس کا اس نابالغ کو ہبہ عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے جب موہوب چیز معلوم اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس نے کسی کے پاس امانت رکھی ہو

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ [1]۔	کیونکہ ولی کا قبضہ نابالغ کے قائم مقام ہے۔(ت)

اسی طرح وہ عمارت کہ اس زمین پر خالد نے اپنے روپے سے بنائی اگر ظاہر کر دیا تھا کہ یہ عمارت میں اپنے پسر نابالغ زید کے لئے بناتا ہوں یا بننے کے بعد کہہ دیا کہ یہ عمارت میں نے اس کے لئے بنائی یا بنانے کے بعد مکان کا عقد اجارہ زید کی طرف سے کیا کرایہ دار سے کہا میں نے یہ مکان اپنے پسر زید کا تجھے اتنے کرایہ پر دیا یا کرایہ نامہ زید کے نام لکھوایا کہ یہ بھی عرفاً مرتفع تملیک اور قرینہ کافی ہے یا زید سمجھ وال تھا اس نے درخواست کی کہ اس زمین میں میرا مکان بنادو خالد نے قبول کیا اور اس بنا پر بنایا غرض کسی طرح دلیل تملیک ظاہر ہوئی تو وہ عمارت بھی ملک زید ہو گئی اور سارا مکان اسی کا قرار پایا۔

فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک [2] الخ وفی جامع الصغار للاستروشنی المعتبر فی الباب التعارف [3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں ایجاب وقبول ضروری نہیں بلکہ اس کی تملیک پر دال قرائن ہی کافی ہیں۔الخ،اور جامع الصغار میں ہے اس باب میں تعارف معتبر ہے۔(ت)

ہاں اگر کوئی دلیل تملیک نہ پائی گئی خالد نے اس کا زید کے لئے ہونا اصلاظاہر نہ کیا تو نفس عمارت مالک خالد پر رہی کہ اپنے بچہ کے لئے ہبہ بھی صرف نیت سے تمام نہیں ہوتا جب تک اسے ظاہر نہ کرے،نہ بے اظہار نیت پر علم کا کوئی ذریعہ ہے،

فی ردالمحتار تحت قول الدرالمار "تتم بالعقد" ھذا اذا اعلمہ اواشھد علیہ والاشھاد للتحرز عن الجحود بعد موتہ والاعلام لازم لانہ بمنزلۃ القبض بزازیۃ [4]۔	در مختار کے مذکور قول کے تحت ردالمحتار میں ہے کہ عقد کے ساتھ تام ہو جاتا ہے یہ اس وقت جبکہ ولی اس کو بتادے یا گواہ بنالے اور گواہی اس لئے تاکہ اس کی موت کے بعد انکار نہ ہوسکے اور اطلاع دینا ضروری ہے کیونکہ یہ بمنزلہ قبضہ کے ہے، بزازیہ۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/ ۱۷۶

[4] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

صرف اس قدر کہ یہ عمارت زمین مملوکہ زید میں خالد نے بنائی دلیل تملیک ہونے کے لئے کافی نہیں جبکہ تعمیر زید نے خاص اپنے مال سے کی،

کمافی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن العُدة(عه) کل من بنی فی دار غیرہ بامرہ فالبناء لاٰمرہ ولو لنفسہ بلاامرہ فھو لہ[1] الخ	جیسا کہ ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالہ سے عدہ سے منقول ہے جو کسی کی زمین میں مالک کے حکم سے عمارت بنائے تو عمارت مالک کی ہوگی اور اگر مالک کی اجازت کے بغیر اپنے لئے بنائی تو بنانے والے کی ہوگی الخ (ت)

اگر واقع یہ صورت ثانیہ ہے تو زمین ملک زید اور عمارت بعد انتقال خالد زید اور دیگر ورثاء میں مشترکہ ٹھہرے گی مگر آمدنی جو زید وسلیمہ نے حاصل کی باقی شرکاء اس کے واپس لینے کا دعوٰی نہیں کرسکتے کہ عقد اجارہ میں جو شخص کسی شیئ کو کرایہ پر چلاتا ہے اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے اگرچہ وہ شے ملک غیر ہی ہو، ہاں اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو ملک غیر کی اُجرت اس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تصدق کردے کہ اس کے حق میں وہ ملک خبیث ہے مگر جبکہ شرعًا مالک شے مالک اجرت نہیں اور اس اجارہ دینے والے پر خاص مالک ہی کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ تصدق کا بھی اختیار رکھتا ہے تو مالک اس پر واپسی کا دعوٰی نہیں کرسکتا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل اٰجر محدودات مملوکة مشترکة و تناول اجرتھا مدة سنین والاٰن الشرکاء یطالبونہ بحصتھم منھا ھل یحکم القاضی علیہ بھا لھم ام لا حیث لم یکن ذٰلك بوکالة سابقة علی	ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے چند محدود اشیاء جو کہ اس کی ملکیت میں دوسروں کی مشترکہ اشیاء تھیں وہ اس نے اجرت پر دے کر کئی سال ان کی اجرت کھاتا رہا اور اب اس کے شرکاء اس سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو کیا قاضی اس پر شرکاء حصہ کی ادائیگی لازم کرے گا یا نہیں جبکہ اس کی یہ

عــــه: ھی رمز تصنیف اومصنف ۱۲ عبدالمنان۔

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

العقد ولا اجازۃ لاحقۃ بعدہ اجاب لایقضی علیه لهم بحصته منها لان المنافع لاتتقوم الابالعقد وهو صادر منه بلا وکالة سابقة ولا اجازۃ لاحقة فملکها الشریك العاقد لکن ملکه فی غیر ملکه ملك خبیث فیجب علیه التصدق به اودفعه لشرکائه خروجا من الاثم والثانی افضل لخروجه من الخلاف ایضا واللّٰه تعالٰی اعلم[1] اھ **قلت** وههنا مزلة تنبهت علیها بتوفیق المولی تبارك وتعالٰی فیما علقت علی العقود الدریة من کتاب الشرکة وللّٰه الحمد والمنة۔	کارروائی نہ وکالت سابقہ سے تھی اور نہ ہی اجازت لاحقہ سے ہوئی انہوں نے جواب دیا کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں کیونکہ اجارہ کے منافع صرف عقد کے ذریعہ ہی قیمتی بنتے ہیں جبکہ عقد اس کا ہے اور بغیر وکالت سابقہ اور اجازت لاحقہ کے ہوا ہے تو ان منافع کا مالک صرف عقد کرنے والا ہی بنے گا تاہم یہ اس کی ملک خبیث ہوگی تو اس پر لازم ہے کہ اس اجرت کو صدقہ کرے یا پھر اپنے شرکاء حضرات کو دے دے، آخری صورت بہتر ہے تاکہ خلاف سے بھی بچ جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔ میں کہتا ہوں** یہاں ایک خطاء ہے اس پر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے عقود الدریہ پر اپنے حاشیہ میں تنبیہ کردی ہے۔(ت)

پھر یہ حکم وجوب بھی سلیمہ زندہ پر اُس آمدنی کے باب میں ہے جو اس نے خود حاصل کی اور جس قدر زید حاصل کرگیا اس کے بعد اس کے وارثوں پر نہ دیگر شرکاء کو بقدر حصص واپس دینا لازم رہا نہ تصدق کرنا مگر یہ کہ زید اس کی وصیت کرگیا ہو،

فان کل دین علی المیت لامطالب به من جهة العباد لا یلزم الورثة اداؤہ الابالایصاء کما نص علیه فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار هکذا ینبغی ان یفهم ہذا المقام والحمد للّٰه ولی الانعام، واللّٰه	کیونکہ میت کے ذمہ ایسا دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو اس کا ورثاء پر ادا کرنا میت کی وصیت کے بغیر لازم نہیں ہے جیسا کہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص ہے، اس مقام کو یوں سمجھنا چاہئے، اور سب تعریفیں انعام کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، واللہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل جدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۷۷: از بری پورہ پرگنہ بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ مناخاں ۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، عرصہ پندرہ سال کا ہوا کہ زید نے بکر ایک پسر بالغ کے نام جائداد اپنے روپے سے خرید کر دی، بعد خریداری اور جملہ تکمیل داخل خارج وغیرہ کرادینے کے بکر نے دو تین سال بعد اپنی زوجہ کے نام بعوض دین مہر بیع کر دی، پانچ سال کے بعد زوجہ بکر نے ایک غیر کے ہاتھ بیچ ڈالی پھر اسی زر ثمن سے اپنے شوہر بکر کی معرفت کچھ حقیت خریدی یہ سب باتیں زید کی حیات تک رہیں اور ان جملہ انتقالات کے وقت وارثان زید سے کوئی مزاحم نہ ہوا اسی طرح زید نے بکر کو ایک مکان تعمیر کراکر عطا کیا اور قبضہ وغیرہ دے کر علیحدہ کر دیا ورثہ زید آج تک نسبت جائداد ومکان مذکور مزاحم نہ ہوئے انتقال زید کو تین برس گزرے اب ورثائے زید خواستگار ترکہ جائداد ومکان ہیں، اس صورت میں یہ دعوی ان کا صحیح ہے یا نا مسموع؟ بینوا توجروا

الجواب:

مکان بناکر کسی کو عطا کر دینا اور ماں باپ کا کوئی شے اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں اول ظاہر ہے اور ثانی یوں کہ عرفاً اس سے تملیک ہی مقصود ہوتی ہے اور تملیک بلاعوض ہبہ ہے، ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

ان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا اوبعد ما کبرت و سلم الیھا وذلك فی صحته فلاسبیل للورثة علیه و یکون للبنت خاصة [1]۔	اگر باپ نے نابالغہ کے لئے یا بالغہ کے لئے بشرطیکہ بالغہ کو قبضہ دیا ہو کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس چیز میں کوئی حق نہیں ہے وہ خاص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

عقود الدریہ میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأة اشترت ضیعة لولدھا الصغیر من مالھا تکون الضیعة للولد لان الام تصیر واھبة [2]۔	اگر ماں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی چیز خریدی تو وہ چیز بیٹے کی ہوگی کیونکہ وہ ماں کی طرف سے اس کو ہبہ ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۳۳۷

اور ہبہ بعد قبضہ تمام ہو جاتا ہے شے موہوب ملک واہب سے نکل کر ملک موہوب لہ میں داخل ہو جاتی ہے واہب وورثان واہب کی ملک و وراثت اس میں نہیں رہتی خصوصا جبکہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم مثلا بیٹا، بھائی، بھتیجا ہو خصوصا جبکہ شیئ موہوب موہوب لہ نے دوسرے کے نام منتقل کردی خصوصا جبکہ واہب کا انتقال ہو چکا کہ ان میں سے ہر صورت ہبہ کولازم کردیتی ہے جس کے سبب اس میں رجوع کا بھی امکان نہیں رہتا نہ کہ جہاں اتنے وجوہ جمع ہوں، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم وخروج الھبۃ من الملك الموھوب لہ و قرابۃ ذی رحم محرم [1] اھ ملتقطا۔	ہبہ میں رجوع سے فریقین میں سے کسی کی موت مانع ہے بشرطیکہ ہبہ پر قبضہ دے دیا ہو اور موہوب لہ کی ملکیت سے موہوب کا خارج ہو جانا اور قرابت ذی رحم محرم بھی رجوع سے مانع ہے اھ ملخصا۔ (ت)

پس صورت مسئولہ میں اس مکان وجائداد پر وارثان زید کا دعوٰی محض باطل و ناقابل سماعت ہے خصوصا بعد اس کے کہ سالہا سال تصرفات انتقال دیکھتے اور سکوت کرتے رہے کما نصوا علیہ و بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے اور اسے ہم نے اپنے فتوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۸: ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بیٹے ایک زید سے علیحدہ کاروبار کرتا تھا اور ایک زید کے ساتھ بشرکت جب زید ضعیف ہوا کل کام اور اسباب تجارت اس شریک بیٹے کو حوالہ کیا اور کل اختیارات نیک وبد دے کر مالک کردیا اور تاحیات زید اس کا خورد ونوش اسی بیٹے کے متعلق رہا اور اس نے تجہیز و تکفین کی اس صورت میں بیٹے کا اس مال میں حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سائل خود مظہر کہ اس بیٹے کی شرکت ایسی نہ تھی کہ کچھ مال یا روپیہ اس کا ہو مال سب

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳-۱۶۱

باپ کا تھا یہ اس کاکام کرتا اور اس کے ساتھ رہتا تھا، اب زید کے وہ الفاظ قابل لحاظ ہیں جن سے اس نے اس پسر کو کل اختیارات دے کر مالک کر دیا اگر خود ان الفاظ یا دیگر قرائن واضحہ سے تملیک کل مال واسباب تجارت مفہوم تھی تو ضرور یہی بیٹا اس تمام مال کا مالک ہوگیا کہ ہبہ پایا گیا اور قبضہ خود ظاہر، اور اگر تصرفات تاجرانہ کامالک کر دینا تھا کہ سب سیاہ وسپید تیرے اختیار ہے خرید وفروخت لین دین کا تو مالک ہے اس سے زیادہ اصل مالک کی تملیک پر کوئی دلیل نہ تھی تو اس قدر سے صرف وکالت حاصل ہوگی مال کی ملک نہ ہوگی۔

فی ردالمحتار عن حاشیة الاشباہ للعلامة بیری زادہ عن خزانة الفتاوٰی اذا دفع لابنه مالافتصرف فیه الا بن یکون للاب الااذا دلت دلالة التملیك اھ(قال الشامی)قلت فقد افادان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیك کمن دفع لفقیر شیئا وقبضه ولم یتلفظ واحد منهما بشیئ وکذا یقع فی الهدیة ونحوہا فاحفظه ومثله ما یدفعه لزوجته اوغیرہا[1] .اھ	ردالمحتار میں الاشباہ کے حاشیہ علامہ بیری زادہ سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب بیٹے کو مال دیا تو بیٹے نے اس میں تصرف کرلیا تو مال باپ کا ہوگا، ہاں اگر وہاں بیٹے کے لئے تملیک پر کوئی قرینہ ہو تو بیٹے کا ہوگا اھ علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب قبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دال قرائن کافی ہیں، جیسے کہ کوئی شخص فقیر کو کوئی چیز دے اور فقیر قبضہ کرلے، اور دونوں میں سے کوئی بھی کوئی بات نہ کرے ہدیہ وغیرہ میں بھی یہی حکم ہے، اس کو محفوظ کرلو، اور اسی کی مثل ہے جب اپنی بیوی وغیرہ کو کچھ دے دے اھ (ت)

اس تقدیر پر دوسرا بیٹا بھی اس مال میں برابر کا حقدار ہے اس پسر نے جو کچھ تجہیز وتکفین بقدر مسنون میں صرف کیا اتنا ترکہ سے لے سکتا ہے،

لکونه وارثا والوارث لایجعل متبرعا فیه کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس کے وارث ہونے کی بناء پر کیونکہ اس میں وارث کے لئے تبرع نہیں شمار ہوتا جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مسئلہ ۷۹: از جالندھر محلّہ راستہ مرسلہ منشی محمد احمد صاحب ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص ملازم جب عرصہ سہ سال میں مرشد سے سلوک باطنی نقشبندیہ مجددیہ طے کرچکا تو ایک روز مرشد نے اس سے کہا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حکم ہوا کہ اس سے کوئی ایسی چیز اللہ واسطے خرچ کرائی جائے کہ جو اس کے دل کو چبھے، صبح کو مرشد نے اس ارشاد عالی کے بموجب اس سے کہا کہ تو ایک تنخواہ وغیرہ اللہ واسطے خرچ کر، وہ مرید گھر میں جاکر ایک زیور طلائی لے آیا جس کی قیمت مبلغ (معہ ۸/) تھی اور اس کی تنخواہ مبلغ (صہ سہ) روپیہ تھی اس نے مرشد سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں، تو مرشد نے کہا ایک تنخواہ کا حکم ہوا ہے زیور کا نہیں، اس نے کہا اگر میں اس کو بازار میں فروخت کروں تو مجھ کو شرم آتی ہے اب میں لاچکا ہوں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، مرشد نے وہ زیور بدیں اصرار منظور کرلیا اور وہ زیور مرشد نے اپنے گھر کے خرچ میں صرف کرلیا اور اس میں سے کچھ اللہ واسطے خرچ نہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد اس کو دستار خلافت بھی دے دی گئی، تھوڑی مدت کے بعد اس نے مرشد سے کہا کہ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نیز آپ نے اُس میں سے کچھ اللہ واسطے خیرات نہیں کی اس واسطے میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا ہے میرا زیور وہ آپ واپس کردو، اس پر مرشد نے اس کے بدلے زیور دوسرا سیم وطلائی گھر سے اس کو دے دیا اور مرید نے یہ عبارت ایک پرچہ کاغذ پر اپنے قلم سے لکھ دی جو کہ میں نے پیر کو یہ زیور اللہ واسطے دیا تھا مجھ کو اس کے دینے کی برداشت نہیں ہوئی اب میں نے ان سے واپس لے لیا اور اس بزرگ نے اس کو عاق بھی کردیا ہے۔

(۱) آیا اب یہ مرید عاق ہوا بھی یا نہیں، اور بصورت عقوق اس پر کوئی تنبیہ شرعی وارد ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) اللہ واسطے وہ زیور دے کر واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر وہ زیور ایک جگہ اللہ واسطے دے کر پھر وہاں سے واپس لے کر دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو پہلے سے واپس کرنے کے گناہ سے بَری ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) مرشد نے اس مال سے کچھ اللہ واسطے نہیں دیا آیا مرشد اس میں خطاوار ہے یا نہیں؟

(۵) اگر مرشد کی اس میں خطا ہے تو مرید اس مال کے واپس کرنے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۶) اگر بالفرض مرشد کو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اپنے طمع نفسانی کے واسطے جھوٹ کہہ دیا اور مرید وہ زیور اللہ واسطے دے چکا آیا اس صورت میں وہ مرید اگر زیور واپس لے تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پیر و مرید کے جو کمالات سوال میں مذکور ان میں کہیں نہیں کہ پیر نے اس سے کہا ہو کہ وہ چیز میں تجھ سے اجنبی مساکین پر تقسیم کرنے کو لیتا ہوں یا اجانب پر تقسیم کا مجھے حکم ہوا ہے نہ مرید کے کلام میں کہیں اس کی تصریح پیر نے اتنا کہا کہ اللہ کے واسطے خرچ کرائی جائے، یہ پیر و متعلقین پیر واجانب سب کو شامل ہے، پیر کی خدمت جو کچھ پیر ہونے کے سبب کی جائے وہ بھی اللہ ہی کے لئے خرچ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم جو چیزیں بارگاہ عرش جاہ حضور پر نور سلطان دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نذر حاضر لاتے کیا اس سے بہتر کوئی خرچ اللہ عزوجل کے لئے متصور ہے حالانکہ حضور غنی مغنی اغنی العلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلامان آزاد شدہ تک اصلا محل صدقہ نہیں بخلاف اغنیائے دنیا کہ من وجہ محل صدقہ ہیں۔ صحیحین کی حدیث تصدق اللیلۃ علی غنی [1] (رات کے وقت غنی پر صدقہ کیا گیا۔ت) مشہور و معروف ہے، ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

الصدقۃ تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم [2]۔	صدقہ کبھی غنی کے لئے بھی ہوتا اگرچہ بعض کے نزدیک وہ ہبہ سے مجاز ہوتا۔(ت)

بحرالرائق میں ذخیرہ سے ہے:

فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر [3]۔	غنی پر صدقہ قربت ہے جو کہ فقیر پر صدقہ سے قربت میں کم ہے۔(ت)

یہاں تک تو لفظ عام تھے آگے چیز دیتے وقت جو ایجاب و قبول پیر و مرید میں واقع ہوئے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذتصدق علی غنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۱، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ثبوت اجر المتصدق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۸۷و۱۸۸

ان کے صاف لفظ یہ ہیں کہ مرید نے پیر سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، پیر نے باصرار منظور کرلیا، یہ صراحۃً پیر کو دینا ہوا اور پیر ہی اس کا مالک ہوگیا اور اس کا اپنے گھر میں خرچ کردینا جائز ہوا اگرچہ وہ اور اس کے اہل اغنیاء ہی ہوں وہ اس میں کسی طرح خطاوار نہیں ٹھہر سکتا، بالفرض اگر اس وقت مرید کے دل میں یہی تھا کہ میں اجانب کے بانٹنے کو دیتا ہوں اور پیر کو وکیل تقسیم کرتا ہوں تاہم جبکہ اس نے صریح الفاظ ہبہ ایجاب کیا پیر سے اسی کی منظوری پر مصر ہوا اس نے منظور کرلیا تو انعقاد ہبہ میں کوئی شک نہیں ہوسکتا عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ کہ مجرد خیالات باطنیہ پر، وجیز امام کردری کتاب الاجارہ فصل ثانی میں ہے:

اراداستیجار کرم اودار فدفع الذھب الی المالك ثم قال له گرو کردی ملکت ذابکذا فقال کردم فھذا رھن لا اجارۃ لان المتعبر اللفظ لاالعزم [1]۔	ایک شخص انگور کے درخت یا مکان کرایہ پر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس نے مالک کو دینار دے کر کہا تو یہ گروی کردیا اس رقم کے عوض، تو مالک نے کہا میں نے گروی کردیا تو یہ رہن ہوگا اجارہ نہ ہوگا کیونکہ عقد میں الفاظ کا اعتبار ہے عزم کا اعتبار نہیں۔(ت)

یہاں تک کہ اگر زید بیٹے کے لئے عمرو کی بیٹی مانگنے آیا عمرو نے کہا میں نے اپنی دختر نکاح میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی، زید سے نکاح ہوگیا، جبکہ اس سے نکاح ہوسکتا ہو کہ ایجاب وقبول میں پسر زید کا کوئی ذکر نہ آیا اگرچہ خیال یہی تھا کہ بیٹے کے لئے قبول کروں۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لو قال ابو الصغیر لابی الصغیر زوجت ابنتی ولم یزد علیه شیئا فقال ابو الصغیر قبلت یقع النکاح للاب ھو الصحیح ویجب ان یحتاط فیه فیقول قبلت	نابالغہ کے باپ نے نابالغ کے والد کو کہا میں نے اپنی بیٹی نکاح کرکے دے دی، اس سے زائد کچھ نہ کہا، اس نے جواب میں نابالغ لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کیا، تو یہ نکاح نابالغ کے والد سے ہوگا، یہی صحیح ہے، لہٰذا اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے اسے کہنا چاہئے تھا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۲

لابنی [1]۔	میں نے اپنے بیٹے کے لئے قبول کی۔(ت)

التجنیس والمزید پھر فتح القدیر پھر شامیہ میں ہے:

رجل خطب لابنه الصغیر امرأة فلما اجتمعا للعقد قال اب المرأة لاب الزوج دادم بزنی ایں دختر رابہزار درم فقال اب الزوج پذیر فتم یجوز النکاح علی الاب وان جری بینهما مقدمات النکاح للابن هو المختار لان الاب اضافه الی نفسه وهذا امر یجب ان یحتاط فیه [2]۔	ایک شخص نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے ایک عورت سے منگنی کی، جب نکاح کی مجلس ہوئی تو عورت کے باپ نے لڑکے کے باپ کو کہا میں نے بیوی بناکر یہ لڑکی ہزار درہم کے بدلے میں دی، جواب میں لڑکے کے باپ نے کہا میں نے قبول کی، تو یہ نکاح باپ سے ہوگا اگرچہ پہلے تمام مقدمات بیٹے کے نکاح کے لئے تھے، یہی مختار ہے کیونکہ لڑکے کے باپ نے قبولیت اپنی طرف منسوب کی، اور ایسا معاملہ ہے جس میں احتیاط ضروری ہے۔(ت)

یوہیں اگر دوسرے کے لئے کوئی چیز خریدی مگر ایجاب وقبول میں اس کی طرف اضافت نہ ہوئی شراء اسی عاقد پر نافذ ہوجائے گا اور یہی مالک مبیع قرار پائے گا جبکہ اس پر نفاذ کی گنجائش ہو، درمختار میں ہے:

لواشتری لغیرہ نفذ علیه الا اذا کان المشتری صبیا او محجورا علیه ہذا اذا لم یضفه الفضولی الی غیرہ فلو اضافه بان قال بع ہذا العمل لفلان فقال البائع بعته لفلان توقف بزازیة وغیرها [3]	فضولی شخص نے کسی کے لئے کوئی چیز خریدی تو اگر یہ فضولی نابالغ یا مجور علیہ یعنی خود خرید وفروخت سے ممنوع نہ ہو تو یہ عقد خریداری اس کی اپنے لیے ہوگی بشرطیکہ اس نے خریداری غیر کی طرف منسوب نہ کی ہو اور اگر خریداری کو غیر کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کر تو بائع نے کہا میں نے یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کی تو پھر یہ فلاں کی اجازت پر موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵

[2] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳، ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

اور جب پیر اس زیور کا مالک ہوگیا اور صرف کرلیا تو اب اس سے رجوع وواپسی کا اصلا کوئی اختیار اس دینے والے کو نہ رہا،

فان ہلاك الموهوب من موانع الرجوع[1] كما نصوا عليه فی جميع الكتب۔	کیونکہ موہوب چیز کی ہلاکت رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ اس پر تمام کتب میں فقہاء نے نص فرمائی ہے۔(ت)

پیر کا اس کے مانگنے پر اس کے معاوضہ میں اور زیور اپنے پاس سے دے دیتا اگر اس بناپر ہو کہ اس نے سمجھا کہ جب دینے والا مجھ سے واپس مانگتا ہے تو شرعا اس کا عوض دینا مجھ پر لازم جب تو یہ دینا محض باطل ہوا مرید کو اس زیور کا لینا حرام ہے نہ اسے خیرات کرسکتا ہے نہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے بلکہ اس پر لازم کہ وہ زیور پیر کو واپس دے اور اگر خرچ کرلیا تو اس کا تاوان دے کر اس تقدیر پر پیر کا یہ زیور دینا ایک غلط فہمی پر مبنی تھا کہ یہاں عوض دینا مجھ پر شرعًا لازم ہے حالانکہ شرعا ہر گز لزوم نہ تھا تو یہ زیور کسی عقد شرعی کے ذریعہ سے ملک مرید نہ ہوا اور بدستور ملک پیر پر باقی رہا اس کا ایسا فہم معتبر نہیں۔ عقود الدریہ کتاب الشرکۃ میں ہے:

تبين ان مادفعه من ذٰلك بناء علی ظن انه واجب عليه ومن دفع شيئا ليس بواجب عليه فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلكه القابض كما فی شرح النظم الوہبانی وغيره من المعتبرات[2]۔	تو واضح ہوا کہ اس نے جو دیا تو اس بناپر دیا کہ یہ اس پر واجب تھا، اور اگر کوئی شخص ایسی چیز دے جس کا دینا اس پر واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے الایہ کہ اس نے بطور ہبہ دی ہو اور قابض سے ہلاک ہوچکی ہو جیسا کہ نظم وھبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔(ت)

خیریہ کتاب الوقف میں ہے:

يرجع به قائما ويضمن بدله مستهلكا لانه مادفعه علی وجه الهبة وانما دفعه علی انه حق	موجود ہو تو رجوع کرے اگر اس نے ہلاک کردی ہو تو ضمان لے، کیونکہ اس نے ہبہ کے طور پر نہیں دی بلکہ اس لئے دی کہ جس کو دی گئی ہے اس کا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۹۱

المدفوع الیه وہذا اصح الوجوه ففی شرح النظم الوہبانی لشیخ الاسلام عبد البر ان من دفع شیئا لیس بواجب فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بمااَدی ولو کان قد استهبلکه رجع ببدله[1] اھ۔	یہ حق ہے یہی تمام وجوہ میں بہتر ہے شیخ الاسلام عبدالبر کی شرح نظم وہبانی میں ہے کہ جس نے کوئی چیز دی حالانکہ اس پر اس کا دینا واجب نہ تھا تو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس صورت کے کہ بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے ہلاک کردی ہو اھ اور فقہاء نے تصریح فرمائی کہ جو اس گمان پر دے کہ اس پر یہ دیناواجب ہے اور پھر اس کا خلاف معلوم ہوا تو اپنے دئے ہوئے میں رجوع کرسکتا ہے اور اگر لینے والے نے ہلاک کردی ہو تو اس کا بدل وصول کرے اھ (ت)

ہاں اگر اس گمان سے نہ دیا بلکہ دیدہ دانستہ اپنی خوشی سے اپنا زیور اس کے عوض میں ہبہ کردیا اگرچہ یہ ہبہ اسی بناپر واقع ہوا ہو کہ ایسے اوچھے کا احسان نہ رکھنا چاہئے تو اس صورت میں مرید اس زیور کا مالک ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

(اتفقا)الواہب والموهوب له(علی الرجوع فی موضع لایصح)رجوعه من المواضع السبعة السابقة(کالهبة لقرابته جاز)هذا الاتفاق منهما، جوہرۃ[2]۔	ایسی صورتیں جن میں رجوع صحیح نہ ہو مذکورہ سات صورتوں میں سے کسی میں رجوع پر واہب اور موہوب لہ دونوں اتفاق کرلیں (مثلاً قریبی ذی محرم کو ہبہ) تو یہ اتفاق جائز ہے، جوہرہ (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

ویکون الرجوع فی العوض بالتراد وفی الهلاك برد البدل[3]۔	عوض میں رجوع واپس لینے سے ہوگا اور ہلاکت کی صورت میں بدل لینے سے ہوگا۔ (ت)

اب اسے اختیار ہوگا جو چاہے کرے۔

فانه انما هلکه ملکه بهبة	کیونکہ اس نے ابتدائی طور پر ہبہ والی ملکیت کو

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۰

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۶

مبتدءۃ کما افادہ الدر[1] عن المجتبٰی فلیس عین ما انفق للہ ولا بدلہ حقیقۃ فیفعل بہ مایشاء۔	ہلاک کیا ہے جیسا کہ اس کا افادہ مجتبٰی سے در مختار میں منقول کیا ہے، تو عین وہ چیز نہیں جو اس نے اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے دی ہے حالانکہ اس کی کوئی حقیقت ضروری ہے لہٰذا جو چاہے کرے۔(ت)

اور جہاں بیعت وارادت بروجہ صحیح ومعتبر واقع ہو وہاں ایسی صورت میں مرید کے لئے سعادت اسی میں ہے کہ وہ زیور شیخ کو واپس کرے اور اپنی تقصیرات شدیدہ وجرائم عدیدہ کا عفو چاہے اس کا یہ خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا پیر نے دل سے بنا کر معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کردیا محض بدگمانی ہے جو ہر مسلمان پر حرام نہ کہ پیر ومرشد پر خصوصا اگر لفظ اسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور تو اس کے انکار کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیروں کو مطابق شرع مطہر اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے حکم دیا اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[2]۔	تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا(ت)

اور بیشک شرع مطہر کا حکم ہے کہ ایسی چیز راہ خدا میں صرف کرو جو دل میں جسے جسے عزیز رکھتے ہو۔

قال اللہ عزوجل "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ"[3]۔	اللہ عزوجل نے فرمایا: جب تک محبوب چیز خرچ نہ کروگے بھلائی کو ہرگز نہ پاؤگے۔(ت)

جہاں ارادت صحیحہ معتبرہ ہو وہاں شک نہیں کہ مرید کا اتنا ہی کہنا کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا اس کے فسخ بیعت اور عاق ہوجانے کے لئے بس ہے نہ کہ اور کلمات شدیدہ مزید برآں اور اس صورت میں وہ ضرور تنبیہ شرعی کا مورد ہوگا کہ وہ سخت محسن کش وبے ادب ہوا عام مسلمانوں میں کسی متنفس کی ایذا بلاوجہ شرعی حرام ہے نہ کہ پیر کی ایذا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] صحیح البخاری باب الجمعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۹۲

و من اذانی فقد اذی اللہ [1]۔	ایذادی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۰: از فرید پور مرسلہ شیخ نبی بخش صاحب جمعدار ۲۲رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو بھائیوں نے اپنا مشترکہ روپیہ گیارہ سو ایک شخص کو قرض دیا اور اس کی ایک جائداد رہن دخلی لی دستاویز میں برادر زید نے بجائے زید، زید کے نابالغ بیٹے بکر کا نام درج کرایا اور بعد رجسٹری دستاویز وہ کل روپیہ راہن کو دے دیا گیا بعدہ زمانہ نابالغی بکر میں ایک اور جائداد دونوں بھائیوں نے اپنے مشترکہ روپے سے رہن دخلی لی اور اس دستاویز میں بجائے عمرو اس کے بیٹے کا اور بجائے زید اس کے دو نابالغ بیٹوں بکر اور خالد کا نام درج ہوا اور بعد رجسٹری کل زرقرض چار ہزار روپے راہن کو دے دئے یہ جائداد رہن دخلی لے کر خود مالک کو بطور اجارہ داری اور فصل بفصل زراجارہ یہ مرتہن پاتے رہے کئی برس کے بعد بکر نے ایک بیٹا نابالغ ولید اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا زید نے بعد انتقال پسر ایک باغ اپنے روپے سے خریدا اور بیعنامہ بنام اپنے نابالغ پوتے ولید کو لکھوایا پھر ولید نے بحال نابالغی ماں اور دادا کو وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اس باغ کے داخل خارج میں صرف اپنی بہو کا نام درج کرایا، اب وہ دعوی کرتی ہے کہ وہ دونوں روپے جن سے وہ جائدادیں رہن لیں ان میں سے زراسمی بکر اور یہ باغ میرا ہے کہ ان دستاویزوں میں بکر کا نام لکھوادینے سے ان روپوں کی تملیک بکر کو ہوگئی اور اب بذریعہ دین مہر وہ میرے حق میں ہے اور اس باغ کے داخل خارج میں میرا نام درج کرانے سے یہ میری ملک ہوگیا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت واقعہ اگر یونہی ہے کہ وہ روپے زید وعمرو کے مشترک تھے اور یونہی یکجائی طور پر مدیون کو دئے گئے تو ان میں بہو کا دعوی اصلاً مسموع نہیں جبکہ وہ روپے زید کی ملک تھی تو بکر کے نام ان کا انتقال یونہی ہوسکتا ہے کہ زید بکر کو ہبہ کرکے مالک کردیتا دستاویز رہن دخلی میں اگر بکر کا نام خود زید ہی لکھا تھا اور بالفرض اس سے تملیک وہ ہبہ سمجھا جاتا جب بھی یہ ہبہ جائز نہیں۔

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

بکر اگرچہ نابالغ تھا مگر زر مشترک کا ہبہ بے تقسیم نہیں ہو سکتا اور یہاں بے جدائی و تقسیم یکجائی طور پر مدیونوں کو دے دئے گئے کہ وہ روپے ان کی ملک میں داخل ہوگئے اور ہبہ باطل ہو کر بکر و مستحقان بکر کا کچھ حق نہ رہا، اور چار ہزار والے عقد میں ایک قول پر دوسرا نقص اور ہے کہ یہ حصہ زید کا زید کے دو بیٹوں کے نام بلا تقسیم لکھا گیا تو مشاع در مشاع ہوا، بہر حال ان روپوں میں بہو کا کچھ حق نہیں، فتاوٰی انقرویہ میں ہے:

فی المنتقٰی وہب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز ما لم یقسمہ ویبین ماوہب لہ من فتاوٰی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ [1]۔	منتقٰی میں فتاوٰی تمرتاشی کی کتاب الھبۃ کے آخر سے ہے اگر اپنے نابالغ بیٹے کو اپنا نصف مکان ہبہ کیا تو جب تک تقسیم کرکے جدانہ کردے جائز نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

لو تصدق بدارہ علی ولدین لہ صغیرین او کبیرین او احدہما صغیر والاٰخر کبیر لم یجز وکذا لو تصدق علیہما بکیس فیہ الف درہم وقبضاہ لم یجز، خزانۃ الاکمل فی الھبۃ عن المجرد [2]۔	اگر کسی نے دو نابالغ یا ایک یا دو بالغ یا ایک بالغ اور ایک نابالغ بیٹوں کو اپنا مکان مشترکہ طور پر ہبہ کیا تو جائز نہ ہوگا اور یونہی ان کو ایک تھیلی ہبہ کی جس میں ہزار درہم تھے اور دونوں کو قبضہ بھی دے دیا ہو تو جائز نہ ہوگا، یہ خزانۃ الاکمل کے ہبہ میں مجرد سے منقول ہے۔(ت)

بلکہ جس قدر روپیہ زید نے ان ایام میں رہن میں بنام اجارہ پایا ہے زید پر فرض ہے کہ اسے اصل میں مجرا دے اگر کل آگیا تو اب ایک پیسہ لینا حرام ہے اور اگر کچھ باقی ہے تو اسی قدر زید کا حق رہا، اور اگر زید پر فرض ہے کہ اتنا مدیون کو واپس دے، اسی طرح دوسری جائداد جو رہن دخلی لی اس سے بھی اب تک جو وصول ہوا زید کے لئے خیر اسی میں ہے کہ اسے سب کو زر اصل میں محسوب جانے، رہا باغ وہ اپنے نابالغ پوتے کے لئے خریدا

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۴

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۳

پوتے کی ملک ہوگیا اس کے مرنے کے بعد ایک ثلث زید کی بہو کا ہوا اور دو ثلث باغ زید کا، زید نے جو کاغذ داخل خارج میں صرف بہو کا نام لکھادیا یہ اگر دلیل ہبہ وتملیک بھی قرار دیں جب بھی معتبر و صحیح نہیں کہ ہبہ مشاع بے تقسیم باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووہبہ لشریکہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قابل تقسیم چیز پر قبضہ دینے سے بھی ہبہ تام نہ ہوگا خواہ اس میں شرکت والے کو ہبہ دے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر کہنہ ۲۲ ذیعقدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں ان میں ایک لڑکا زید کا خدمت گزار زیادہ تر ہے اور دو لڑکے فراخی سے بسر کرتے ہیں تنگ دست نہیں ہیں اس صورت میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خدمت گزار لڑکے کو نصف اپنی ملکیت کا دوں اور نصف بقیہ دونوں لڑکوں اور لڑکی کو بحصہ مساوی دے دوں۔ یہ بلا حق تلفی کے جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ یہ لڑکا باپ کا خدمت گزار زیادہ ہے توان دوپر ایک طرح کا فضل دینی رکھتا ہے اگر اور کوئی وجہ اس کے منافی نہ ہو تو ایسی صورت میں باتفاق روایات اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں جبکہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو، بزازیہ میں ہے:

لوخص بعض اولادہ لزیادۃ رُشد لاباس بہ وان کانا سواء لایفعلہ [2]۔	اگر اولاد میں سے بعض کو اس کی نیکی کی بناء پر زیادہ دینے میں خصوصیت برتے تو کوئی حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں تو پھر امتیاز نہ برتے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لووھب رجل شیئا لاولادہ فی الصحۃ و ارادہ تفضیل البعض علی البعض	اگر کوئی شخص صحت و تندرستی میں اپنی اولاد کو ہبہ دے اور اس میں وہ بعض کو دوسروں پر فضیلت

---

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

فی ذٰلك لارواية لهذا فی الاصل عن اصحابنا.وروی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین،وان کانا سواء یکره روی المعلی عن ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی انه لاباس به اذا لم یقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوی بینهم یعطی الابنة مثل مایعطی للابن وعلیه الفتوی هکذا فی فتاوی قاضیخاں وهو المختار کذا فی الظهیریة [1] اھ.**اقول:** وقع ھٰهنا فی النقل عن الخانیة اختصار مخل اوهم.تعلق الافتاء بروایة ابی یوسف نظرا الی مامر عن الامام ولیس کذالك وانما هو لروایته بالنظر الی المروی عن محمد من التثلیث رضی الله تعالٰی عنهم جمیعا. و اصل عبارة الخانیة بعد قول مثل مایعطی للابن هکذا و قال محمد رحمه الله تعالٰی یعطی للذکر ضعف ما یعطی للانثی و	دے تو اس میں ہمارے اصحاب سے مبسوط میں کوئی روایت نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا گیا ہے کہ اس میں اس وقت کوئی حرج نہیں جبکہ دینی فضیلت کی وجہ سے زیادہ دے اور اگر تمام مساوی ہوں تو یہ مکروہ ہے،اور معلّٰی نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر دینا مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں،اور اگر دوسروں کو ضرر مقصو ہو تو پھر ایسا نہ کرے اور سب کو مساوی دے اور بیٹی کو بیٹے کے مساوی دے،اسی پر فتوٰی ہے اور فتاوٰی قاضیخاں میں اسی طرح ہے اور یہی مختار ہے،ظہیریہ میں یونہی ہے اھ،**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں خانیہ کی نقل میں خلل انداز اختصار کردیا ہے اور فتوٰی کا تعلق امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے کردیا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذکور قول کے مقابلہ میں،حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مقابلہ میں ہے جس میں انہوں نے بیٹے اور بیٹی کے لئے تین حصوں کا قول کیا ہے،اور خانیہ کی اصل عبارت یوں ہے،جو کہ امام یوسف کے بیٹی اور بیٹے کے لئے مساوات والے قول کے بعد ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

الفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اھ [1] قال العلامۃ الشامی نقلا عن العلامۃ الخیر الرملی مانصہ ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر و الانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد [2] اھ، وقال فی البزازیۃ الافضل فی ھبۃ الابن والبنت التثلیث کالمیراث ومنہ الثانی التنصیف وھو المختار [3] اھ، وقال العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر یکرہ ذٰلک عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ [4] الخ. فانظر کیف عزا الکراہۃ الی الھندیۃ فقد علم ان الفتوی لیست ناظرۃ الی قول ابی یوسف بالنظر الی ما روی عن الامام والا لما ساغ ان یعزوالیھا مانصت فیہ ان الفتوی علی خلافہ وہذا ہو الصواب فلیتنبہ، **ثم اقول**: وباللہ التوفیق	فتوی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے، علامہ شامی نے علامہ خیر الدین رملی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا جس کی عبارت یہ ہے، یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر لڑکے لڑکی کو برابر دینا ان پر تین حصے بنانے کی بجائے افضل ہے اور تین حصے بنانا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ، اور بزازیہ میں ہے بیٹی اور بیٹے کو ہبہ میں تین حصے کرنا بہتر ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دو حصوں میں (برابر) دینا بہتر ہے اور یہی مختار ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا درجہ میں مساوی اولاد میں کسی کو زیادہ دینا مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے الخ، غور فرمائیں انہوں نے کس طرح کراہت کو ہندیہ کی طرف منسوب کیا، تو واضح ہوگیا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مقابلہ میں نہیں ہے ورنہ ہندیہ کی طرف ایسی چیز کا منسوب کرنا جس کے خلاف اس نے فتوی ہونے کی تصریح کی ہے درست نہ ہوتا، یہی درست بات ہے خبردار رہو، **ثم اقول**: (پھر میں کہتا ہوں) اور توفیق

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ الوالد لولدہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ / ۷۰۵-۷۰۶

[2] درمختار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

[4] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

یترا ای لی ان لاخلف بین ما عن الامامین الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما فان تفضیل احدالولدین لا تحقق له الابتنقیص الاخر والتنقیص اضرار اذ لیس المراد به ایصال سوءٍ الیه فی دینه اونفسه او بدنه او عرضه اوملکه ولاالتنقیص من حق له ثابت فانه لاحق للورثة فی صحة المورث فلم یرد به الا حجبه حجب نقصان اوحرمان وہذا لازم التفضیل لاانفکاك له عنه.بیدان القصد اولا و بالذات قد یتعلق بتفضیل هذا دون تنقیص ذلك وقد یکون بالعکس فانك اذا اعطیت احد ہما ازید لانه اطوع لك وابر بك فانما مطمح نظرك فی ہذا صلته بمقابلة ماوقع منه لاتنقیص غیره وان لزمه لزوما کلیا واذا کنت غضبان علی احدہما فاعطیت الاخر ازید کیلا یصل الیه الا القلیل فانما ملمح بصرك فی ہذا اضراره بما اساء الیك لاتفضیل غیره قصدا اولیا کما لا یخفی.ثم التفضیل لابدله من حامل علیه وداع الیه فان العاقل	اللہ سے ہے، مجھ پر واضح ہوا کہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی دونوں اماموں کے قول میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ دو بیٹوں میں سے ایک کو زیادہ دینا دوسرے کو کم دینے کے بغیر متحقق نہیں اور کم دینا ہی ضرر دینا ہوا، کیونکہ یہاں دین یا بدن یا عزت یا ملک میں تکلیف دینا مراد نہیں ہے اور نہ اس کے لئے ثابت شدہ حق کو کم کرنا مراد ہے کیونکہ اولاد کا باپ کی صحت میں کوئی حق نہیں تو یہاں صرف ایک کا دوسرے کے لیے نقصان یا محرومی کا باعث بننا ہے اور یہ بات دوسرے پر فضیلت دینے کو لازم ہے، اس سے جدا نہیں ہوسکتی، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کبھی مقصود بالذات ایک کو صرف فضیلت دینا ہوتا ہے دوسرے کی تنقیص پیش نظر نہیں ہوتی۔ اور کبھی معاملہ بالعکس ہوتا ہے کیونکہ جب تو ایک کو اس لئے زیادہ دے کہ وہ تیرا زیادہ مطیع اور خدمت گار ہے تو اس میں تیرا مطمح نظر صرف اس کو صلہ دینا ہے دوسرے کی تنقیص مقصود نہیں ہوتی اگرچہ یہ لازم ضرور ہے اور تو جب ایک پر ناراض ہو کر دوسرے کو اس لئے زیادہ دے کہ پہلے کو کم ملے تو اس میں تیری نظر یہ ہے کہ اس کو نالائقی کی سزا ملے دوسرے کو فضیلت مقصود بالذات نہیں ہوتی جیسا کہ مخفی نہیں ہے، پھر تفضیل کا کوئی باعث اور داعی ضرور ہوتا ہے کیونکہ عاقل کا کوئی فعل غرض کے بغیر نہیں ہوتا۔

لایقصد الفعل الالغرض صحیح فان رجح ولا مرجح لم یکن المقصود ترجیحه لعدم مایدعوالیه بل تنقیص غیره و هو قصد الاضرار والداعی ان کان امرا دنیویا لااثرله فی الدین فالشرع لایعتبره و یجعله کلاداع واذاکان امرادینیا فهو المقصد الصحیح المعتبر وبقصده یخرج الانسان عن قصد الاضرار کما قد تقرر فظهر ان مآل الکلامین واحد و ان کلامهماکالشرح لصاحبهاوانمالم یقید فیماروی عن الامام بان لایقصد الاضرار کان الکلام فیه مفروض فیما قصد تفضیل بعض فبین مایصح منه ومالابل یؤل قصد اضرار ثم الذی یظهر ان مسئلة التثلیث اوالتسویة بین الابن والبنت مسئلة علی حدة لامتفرعة علی قصد الاضرار الاتری الی ما اسمعناك عن نص البزازیة ولذالما اوهم عبارة الدر ذاك التفریع عقبه العلامة السید الطحطاوی لعبارة البزازیة وقال فانت تری نص البزازیة خالیا عن قصد الاضرار[1] اھ۔	کیونکہ مرجح کے بغیر ترجیح ہو تو پھر ترجیح مقصود نہ ہوگی بلکہ دوسرے کی تنقیص مراد ہوگی تو ضرر رسانی ہوگی۔اور اگر داعی ترجیح کوئی دنیاوی امر ہو جس کا دین میں کوئی اثر نہ ہو تو شریعت اس کا اعتبار نہیں کرتی اور اس داعی کو کالعدم قرار دیتی ہے،اور اگر کوئی ایسا دینی معاملہ ہو جو شرعا مقصود و مطلوب ہو تو انسان اس کا قصد کرکے ضرر کے قصد سے بچ جاتا ہے جیسا کہ ثابت ہے تو معلوم ہوا دونوں امام شیخین کی کلام کا نتیجہ ایک ہے اور دونوں ایک دوسرے کی شرح قرار پاتی ہیں۔اورامام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کہ وہ کلام میں ضرر کے قصد کی قید نہیں بتائی کیونکہ ان کے کلام میں ایک کی فضیلت مفروض ہے جس کی صحت اور عدم صحت بیان ہو رہی ہے بلکہ یہ کلام ضرر رسانی کی طرف عائد ہے،پھر بیٹی اور بیٹے میں تین حصے یا برابری کا مسئلہ علیحدہ مسئلہ ہے یہ ضرر رسانی کے قصد پر متفرع نہیں ہے تو نے دیکھ لیا جو ہم نے تجھے بزازیہ کی نص سنائی ہے اسی لئے جب درمختار کی عبارت نے یہ وہم پیدا کیا تو علامہ طحطاوی نے اس کے بعد بزازیہ کی عبارت ذکر کردی جس کا مقصد یہ ہے کہ تو بزازیہ کی عبارت کو ضرر رسانی کی قید سے خالی پارہا ہے اھ۔اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحت کی

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

فتحرر مما تقرر ان العدل بین الابن والبنت فی حال الصحۃ عند الامام الثالث ھو التثلیث وعند الامام الثانی التنصیف وعلیہ الفتوی والکلام فی الافضیلۃ و الکل جائز والعدل بین بنین اوبنات ھو التسویۃ بالاجماع ولایجوز العدول عنہ فی ابن لافی بنت اصلا لو قصد الاضرار اولا بالذات الا ان یکون فاسقا کما افادہ فی الخلاصۃ والبزازیۃ وخزانۃ المفتین و الھندیۃ وغیرہا وان قصد التفضیل فان الفضل دینی جائز ولم یکرہ والاکرہ لِاَوْلہ عـــہ الی قصد الاضرار وہذا ماظھرلی والعلم بالحق عند عالم الغیوب و الاسرار، واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	حالت میں بیٹی اور بیٹے کے درمیان عدل تیسرے امام (محمد) رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تین حصے بنانے میں ہے، اور امام ثانی یعنی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک برابر دینے میں ہے اوراسی پر فتوٰی ہے حالانکہ یہ کلام افضیلت میں ہے جبکہ جواز دونوں صورتوں میں ہے بالاجماع بیٹوں اور بیٹیوں میں عدل بہرحال برابر دینے میں ہے کسی لڑکے یا لڑکی کو ضرر رسانی قصداً وبالذات جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ فاسق ہو جیسا کہ اس کا افادہ بزازیہ خزانۃ المفتین اور ہندیہ وغیرہ کے بیان نے دیا ہے اوراگر فضیلت دینا چاہے تو کسی دینی فضیلت کی بناء پر جائز ہے مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ضرر رسانی کی طرف رجوع ہوگا، مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے حقیقی علم غیوب واسرار کے عالم کے پاس ہے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۲: از پیلی بھیت مرسلہ مولانا مولوی وصی احمد صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص نے اپنی جائداد مشترکہ برضامندی اپنے اوراپنے شرکاء کے اپنے عزیزوں کو تقسیم کردی، یہ تقسیم بموجب شرع شریف کے صحیح ہے یا نہیں اور بقدر تقسیم کے وہ جائداد واپس کرنا چاہے تو واپس ہونا اس کا نادرست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر شرکاء سے تقسیم کراکر اپنا حصہ جدا نہ کرالیا یا جن عزیزوں کو دی ان کا حصہ جدا تقسیم نہ کردیا اور وہ شے اس قابل تھی کہ بعد تقسیم لائق انتفاع رہتی جب تو یہ تقسیم سرے سے باطل ہے

عـــہ: الاول ھوالرجوع (منجد)

اور اگر اپنا حصہ جدا کرکے حصص شرکاء بھی جدا جدا کردے یا وہ شیئ صالح قسمت نہ تھی تو تقسیم میں خلل نہیں ہے اب اگر عزیزوں کا ہنوز قبضہ نہ ہوا تو اس تقسیم سے اسے رجوع کا اختیار ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور اگر قبضہ ہوگیا اور وہ عزیز اس کے محارم ہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بھتیجے، بھانجے تو واپس لینا ممکن اور غیر محارم ہیں اور موانع سبعہ رجوع سے اور کوئی مانع بھی متحقق نہیں تو ان کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کرسکتا ہے مگر گناہ گار ہوگا کہ دے کر پھرنا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۳: از رچھا ضلع بریلی تھانہ بہیڑی ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ء

کیا حکم ہے اس صورت میں کہ باپ نے اپنے بیٹوں کو جدا کردیا اور جو کچھ جائداد تھی وہ سب کچھ تقسیم کردی اب بعد مدت کے باپ یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ مال لڑکوں کو دیا ہے وہ سب واپس لے لے اور لڑکوں کو تہی دست چھوڑ دے، اب فرمائیے کہ عندالشرع یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ اور ابھی کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہوا تو یہ حق ذمہ باپ کے ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر جائداد جدا جدا کرکے ہر لڑکے کو قبضہ دلا دیا تو وہ اس کے مالک مستقل ہوگئے ان سے واپس لینے کا باپ کو اختیار نہیں، نہ ان کا نکاح کرنا اس پر لازم اول لڑکوں کے نکاح میں شرعی مصارف کچھ نہیں اور جو ہوں تو جبکہ وہ مال رکھتے ہیں انہیں کے مال سے کئے جائیں، اور اگر تقسیم جدا جدا کرکے قبضہ نہ دلا گیا اور وہ مال قابل قسمت تھا تو بدستور باپ کے ملک باقی ہے اسے لے لینے کا اختیار ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد حسن صاحب نے اپنی زندگی میں بحیات اپنی بی بی منکوحہ مسماۃ منیر النساء کل جائداد ۱۸۸۷ء میں دو۲ بیٹیوں اور ایک نواسہ اور ایک نواسی کو دی اور کاغذ لکھ دیئے صرف رجسٹری کرانی رہی، زوجہ مولوی صاحب موصوف نے وقت قضا اپنا مہر معاف نہ کیا بعد لکھنے اور دینے جائداد کے بحیات زوجہ مذکورہ اور جائداد خریدی جو کسی کو نہ لکھی، ۱۸۹۱ء میں مولوی صاحب نے قضاء کی، دو۲ دختر جن کو جائداد تحریر کی اور وہی نواسہ، نواسی، اور حقیقی بہن چھوڑی، ترکہ بموجب فرائض ہر سہ وارثان یعنی دو۲ دختر اور ایک بہن کو کس طرح تقسیم ہوگا بموجب تحریر کاغذات ہوگا قبضہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں کسی کو نہ دیا بعد کو وہ لوگ بموجب تحریر قابض رہے، بعد

تحریر کاغذات سواد وبسوے کسری زائد مولوی صاحب نے اور خریدی جو کسی کے نہ لکھے، زوجہ مولوی صاحب کے دو بیٹیاں اور ایک بہن وقت وفات زندہ موجود ہیں۔

تفصیل تحریر جائداد مولوی صاحب موصوف

مسماۃ بی بی جان دختر کلاں ۵بسوہ ۱۰بسوانسی ۳کچوانسی ۴ تنوانسی کسی زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ مشرق رویہ واقع محلّہ خواجہ قطب ونصف قطعہ اراضی اڈاواقع بریلی کٹرہ مان رائے۔

مسماۃ غفور النساء دختر خورد ۵بسوہ ۱۰ بسوانسی ۳کچوانسی ۴ تنوانسی کسی زائد زمینداری موضع نو دیا، ایک مکان پختہ واقع نالاونصف قطعہ اراضی اڈاواقع بریلی کٹرہ مان رائے۔

یہ حقیقت مولوی صاحب نے پہلے ہی بنام غفور النساء خرید کی تھی وہ حصے میں مجرا کی، غفور النساء اس وقت نا کتخدا نابالغہ تھی۔

قمر الدین نواسہ یک بسوہ موضع راجوپور ومکان مسکون واقع کٹرہ مان رائے،

مسماۃ چھمن نواسی یک دکان واقع بازار کٹرہ مان رائے۔

الجواب:

یہ جس قدر ہبہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادی کو کئے ہیں سوا اس مکان کے جو غفور النساء کے نام اس کی نابالغی میں خریدا سب شرعا باطل وبے اثر ہیں جو جائدادیں مشاع ومشترک بلا تقسیم ہبہ کیں اور انہیں میں وہ نصف قطعہ اراضی اڈا داخل ہے جو نصف مشاعا بنام غفور النساء خریدا تھا، یہ سب توبوجہ مشاع ہونے کے باطل ہیں اور جو جداگانہ ومسلم تھیں جیسے مکانات دکان کہ بی بی جان وغفورن وچھمن کو ایک ایک پورا دیا گیا ان کا ہبہ یوں باطل ہوا کہ موہوب لہم نے حیات مولوی صاحب مرحوم میں قبضہ نہ پایا، بعد کا قبضہ شرعًا بکار آمد نہیں، درمختار میں موانع الرجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل الهبة [1]۔	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کی موت ہے اور قبضہ سے قبل موت ہوجائے تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

وہ مکان کہ غفور النساء بیگم کے نام اس کی نابالغی میں خریدا از انجا کہ مسلم بھی تھا اور نابالغ کے ہبہ میں باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ قرار پاتا ہے اس کا ہبہ صحیح وتمام ہوگیا، پس صرف وہ ایک مکان بحق غفور النساء مسلم رہے گا اور باقی تمام جائداد مکتوبہ موہوبہ وغیر موہوبہ سب یکساں حالت میں ترکہ مولوی صاحب مرحوم قرار پائے گی اس میں سے اولًا دین مہر ادا کیا جائے گا یوں کہ مہر سے ایک چہارم خود بحق مولوی صاحب ساقط ہوکر باقی تین ربع مہر کے نو حصوں پر تقسیم ہوں گے چار چار حصے ہر دختر اور ایک حصہ زوجہ کی بہن کو ملے گا اس سے فارغ ہوکر جو جائداد بچے مولوی صاحب مرحوم کی دونوں بیٹیوں اور ہمشیرہ مولوی صاحب پر بحصہ مساوی تقسیم ہوجائے گی، **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بنام ہندہ اپنی دختر کے ہبہ کرکے قبضہ دلادیا تھا کہ اب تک قابضہ ہے اب زید نے بدست عمرو وہی مکان بیع کردیا، کیا یہ بیع صحیح ونافذ وجائز ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع صحیح ونافذ نہیں بعد تکمیل ہبہ زید کو اپنی بیٹی سے رجوع کا اصلا اختیار نہیں۔

فان القرابۃ من موانع الرجوع علی مانص علیہ فی جمیع الکتب [1]۔	کیونکہ قرابت رجوع کے موانع میں سے ہے تمام کتب میں اس پر نص موجود ہے۔(ت)

ہندہ کو اختیار ہے کہ اس بیع کو رد کردے تو محض باطل ہوجائے گی اور چاہے تو قبول کرے اس وقت یہ بیع نافذ ہوجائے گی، اور قیمت جو کچھ ٹھہری ہے خود ہندہ پائے گی زید کو اس سے کچھ تعلق نہ ہوگا کہ ہبہ دلانے سے کامل ہوگیا اب مکان کا مالک زید نہیں ہندہ ہے، ہاں اگر زید محتاج حاجتمند ہو اپنی ضرورت کے لئے اس مال کو بیچنا چاہے تو اس کا اختیار باپ کو اولاد کے خود اپنے ذاتی مال میں بھی ہے مگر بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں یہ صورت نہیں، زید کو کوئی ضرورت نہیں صرف دختر سے لے کر پسر کو دینا چاہتا ہے اس کا ہرگز اختیار نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶: از ٹھریا موہن پور مرسلہ حافظ عبدالرب خان یکم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ ایک شخص حافظ قرآن بالعوض پڑھنے قران کے

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

کچھ جائداد مسماتوں زمیندار سے ہبہ کرائی، واہبان نے ہبہ نامہ میں یہ شرط درج کرائی ہے کہ موہوب لہ کو تاحیات ہماری قرآن مجید اب وجد مرحوم کو پڑھنا ہوگا مگر یہ شرط نہیں ڈالی گئی کہ دو یا ایک پارہ دو یا ایک ختم پڑھے وہی حافظ امامت کرتا ہے تمام گاؤں کی، آیا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نادرست، ایک مسماۃ ان واہبان میں سے فوت ہوگئی ہے اور غیر شخص مردہ یا زندہ کو اگر حافظ قرآن پڑھ کر ثواب بخشیں پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور واہبان کے مرنے پر حافظ قرآن رہا اس شرط سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نقل ہبہ نامہ کی اس خط میں حضور ملاحظہ فرمائیں، فقط پہلے اس مسئلہ کا سوال گنگوہ کو بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا تھا کہ اس کی امامت نادرست ہے، دوبارہ پھر سوال کیا گیا کہ اب کس طرح پر حافظ مذکور کی امامت درست ہوسکتی ہے، اس کا جواب یہ آیا جس کی نقل بعینہٖ یہ ہے۔

الجواب:

اس امام کی توبہ یہی ہے کہ وہ زمین واہب کو واپس کردے، واہب مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو لوٹا دے، پھر اس کو ایصال ثواب کا اختیار ہے لوجہ اللہ ایصال ثواب روح میت کو کرے یا نہ کرے، اگر وہ زمین واپس کردے اور اپنے فعل پر نادم ہو تو پھر اس کی امامت میں مضائقہ نہیں ہے، فقط، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ رشید احمد ۱۳۰۱ھ

اصل مسئلہ گنگوہ کا بھی مرسل خدمت ہے جو حکم ہو مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب:

ملاحظہ ہبہ نامہ سے ظاہر ہوا کہ یہ زمین جو ہیبت خان زمیندار ٹھریا کی زوجہ ودختر نے کہ باہم اس کی زمینداری میں شریک تھیں موہوب لہ کو ہبہ کی تین نمبر مستقل جداگانہ غیر مشاع ہیں، وہ نمبر تو خود ہی جدا تھے اور تیسرے کی نسبت بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نمبر مملوک واہبات سے ایک ٹکڑا تھا جسے واہبات نے کھائی کھدوا کر علیحدہ کردیا اور ہر سہ نمبر موہوب پر موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دے دیا، پس صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا کہ موہوب کا دو واہبوں میں مشترک ہونا مانع صحت ہبہ نہیں، درمختار میں ہے:

وھب اثنان دارا الواحد صح لعدم الشیوع [1]۔	دو حضرات نے ایک مکان کسی ایک کو ہبہ کیا تو صحیح ہے شیوع نہ ہونے کی وجہ سے (ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اور خلاصہ عبارت ہبہ نامہ یہ ہے: "اراضی نمبران مندرجہ ذیل مع درختان بنام حافظ عبداللہ خاں بالعوض خواندن قرآن شریف عزیز خاں دادا وہیبت خاں والد کے ہبہ کی، اور بخشی ہم نے موہوب کو تاحیات ہماری قرآن شریف واسطے مورثان موصوفان کے پڑھنا ہوگا، لہٰذا یہ ہبہ نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔" ظاہر ہے کہ واہبات وموہوب لہ نے اسے ہبہ ہی کہا اور یہی سمجھا اور ہبہ ہی کا ارادہ کیا بعوض قرآن خوانی کہہ دینے سے وہ عقد ہبہ سے نکل کر بیع نہیں ہوسکتا کہ باطل ٹھہرے اور موہوب لہ پر اس کا واپس دینا لازم ہو اور نہ اس کی امامت میں مضائقہ، قرآن خوانی کوئی مال نہیں، ہبہ بالعوض اس وقت بیع ہوتا ہے کہ بعوض کسی مال کے ہو ولہٰذا قرۃ العیون میں زیر قول شارح **اما لو قال وھبت بکذا فھو بیع** (لیکن اگر یوں کہا تجھے اتنے کے عوض ہبہ کیا تو بیع ہوگئی۔ت) لکھا:

لان الباء للمقابلۃ والمال المقابل بالمال بیع [1]۔	کیونکہ یہاں باء مقابلہ کے لئے ہے مال بمقابلہ مال بیع ہے۔(ت)

تبیین الحقائق وبحر الرائق واشباہ والنظائر وغایۃ البیان وغیرہا شروح ہدایا وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ ہبہ بالعوض کا بیع ہونا بوجہ عبرت معانی ہے، اور پر ظاہر کہ معنی بیع اس وقت متحقق ہوں گے کہ مقابلہ مال بمال ہو تو بے تحقیق معنی خواہ اسے ابطال تصرف عاقد واہمال کلام عاقل کے لئے بیع کی طرف پھیرلے جانا اور لفظ کہ عاقد نے بولے اپنے صحیح سلم سے بلاوجہ توڑ کر معنی ناممکن کی طرف ڈھالنا محض مہمل بے معنی ہے، حالانکہ قاعدہ شرع **اعمال الکلام اولی من اہمالہ** [2] (کسی کلام کو بامعنی بنانا اس کو مہمل بنانے سے بہتر ہے۔ت) نہ کہ عکس:

وقد حققنا فیما علقنا علی ہامش قرۃ العیون وغمز العیون من ھذا المقام ان مثل الھبۃ ھبۃ صحیحۃ لا بیع باطل بمایتعین المراجعۃ الیہ فارجع	ہم نے اس کی تحقیق قرۃ العیون اور غمز العیون پر اس مقام کے حاشیہ پر کی ہے کہ ہبہ کی مثل، صحیح ہبہ ہوتا ہے وہ باطل بیع نہیں، ہماری تحقیق قابل مراجعت ہے اس کی طرف

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۷۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ التاسعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۶۸

الیہ ان شئت وباللہ التوفیق۔	رجوع کرا گر تو چاہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)

تو اس عوض کا حاصل نہ رہا مگر ایک شرط فاسد، اور ظاہر ہے کہ ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے تو ہر گز موہوب لہ پر لازم نہیں کہ وہ زمین واپس کرے، نہ اس کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی نقصان ہے کہ اس نے مال حرام نہ لیا کوئی عقد جائز نہ کیا ہاں اتنا ہوا کہ اس احسان کے عوض یہ شرط قبول کرلی کہ تاحیات واہبات ان کے مورثوں کو ایصال ثواب کروں گا، یہ کوئی محظور شرعی نہیں بلکہ احسان کے عوض احسان کرنا شرع پسند فرماتی ہے

| قال اللہ تعالٰی "هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۚ"[1] و لئن فرض انہ ارتکب الاجارۃ عن التلاوۃ للمیت مع انہ لاعین لہا ہٰہنا ولا اثر ولا ذکر ولا خبر فالمحقق وان کان بطلانہا ولکن کثیر من العلماء صرحوا بجوازہا وبہ نص فی السراجیۃ و الھندیۃ والدر المختار و غیرہا فمن اتبع امثال ہٰؤلاء کیف یحکم علیہ بمنع امامتہ لاسیما الحکم "بنادرست" الذی ہو بمعنٰی لا تصح فان غایتہ الاثم فان فرض فسقا فامامۃ الفاسق وان کرھت عند التحقیق تحریما، صحیحۃ قطعا ولکن مفاسد الجھل اخنٰی | اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کا بدلہ احسان ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ میت کے لیے تلاوت پر اجارہ ہے حالانکہ نہ یہ معین ہے اور نہ یہاں حکایت، نہ اس کا ذکر اور نہ اس کی کوئی خبر ہے، تو اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ یہ باطل ہے لیکن بہت سے علماء کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور اسی پر سراجیہ، ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں نص فرمائی ہے تو جو شخص ان فقہاء کرام کی اتباع میں ایسا کرے تو اس پر یہ حکم کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی امامت ناجائز ہے خصوصا "نادرست" کے لفظ سے حکم لگانا جس کا معنی "لاتصح" ہے غلط ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ اگر ہے تو وہ گناہ ہے اور اگر اس کو فسق بھی کہا جائے تو اگرچہ فاسق کی امامت تحقیق میں مکروہ تحریمہ ہے لیکن صحیح ضرور ہے، لیکن جہالت کے مفاسد کثیر ترین اور قابل نفرت |

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

نسأل اللہ العافیة۔	ہیں، ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کے طالب ہیں۔(ت)

مسلمان زندہ یا مردہ جسے چاہیں تلاوت قرآن وغیرہ جس نیک کام کا ثواب چاہیں پہنچا سکتے ہیں، بفضلہٖ تعالٰی پہنچتا ہے اور اسے نفع دیتا ہے، حافظ قرآن پر اس شرط کی پابندی نہ حیات واہبات میں واجب ہے نہ ان کے بعد،

کما تقدم ان الشرط فی الهبة هو الذی یبطل والباطل لاعمل له۔	کیونکہ پہلے گزرا ہے ہبہ میں فاسد شرط خود باطل ہوجاتی ہے اور باطل شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔(ت)

مگر ایفائے وعدہ اور احسان بعوض احسان کے طور پر اسے مناسب ہے کہ جب تک یہ دوسری واہبہ زندہ ہے ان مورثوں کو جتنا چاہے پڑھ کر بخشتا رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو اپنا دین مہر معاف کردیا، اب زید بری ہوگیا یا یہ معافی وصیت متصور ہوکر زید دو ثلث کے ادا کا عنداللہ مواخذہ دار رہے گا اگرچہ ورثہ دنیا میں شرم سے نہ مانگیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصے میں نافذ نہیں ہوسکتی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر کل وارث عاقل بالغ ہوں اور اس معافی مہر کو جائز رکھیں معاف ہوجائیگا، اور بعض اجازت دیں تو بقدر انہیں کے حصہ کے ساقط ہوگا اور کوئی اجازت نہ دیں تو دیگر ورثاء کا حصہ کہ نصف یا تین ربع مہر ہے تمام و کمال واجب الادا رہے گا، عورت کا معاف کرنا کچھ معتبر نہ ہوگا، خزانۃ المفتین وہندیہ میں ہے:

مریضة قالت لزوجها ان مت من مرضی هذا فمهری علیك صدقة اوفانت فی حل من مهری فماتت من ذٰلك المرض فقولها باطل والمهر علی الزوج [1]۔	مریضہ بیوی نے خاوند کو کہا اگر میں اس مرض میں فوت ہوجاؤں تو میرا مہر تجھ پر صدقہ ہے، یا کہے "تو مہر سے آزاد ہے" تو وہ اس مرض میں فوت ہوگئی تو بیوی کا یہ قول باطل ہوگا اور مہر خاوند کے ذمہ لازم رہے گا۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیة بحوالہ خزانة المفتین کتاب الھبة الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

نہر الفائق وعقود الدریہ میں مسئلہ مذکورہ خانیہ سے نقل کرکے فرمایا:

وکان ینبغی ان یقال ان اجازت الورثۃ تصح لان المانع من صحۃ الوصیۃ کونہ وارثا[1]۔	مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو صحیح ہے کیونکہ وصیت کے موانع میں سے وارث ہونا بھی ہے۔(ت)

جامع المضمرات شرح قدوری وعالمگیریہ میں ہے:

مریضۃ وھبت صداقھا من زوجھا ان کانت مریضۃ مرض الموت لایصح الاباجازۃ الورثۃ[2] اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مریضہ نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کیااور وہ مرض الموت کی مریضہ ہے تو یہ ہبہ ورثاء کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۸: ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ظہورن نے اپنی ایک دکان کی تعمیر عملہ کے نسبت اپنے داماد عبدالوہاب خان کواجازت دی کہ اسے تم اپنے روپے سے درست کرلو جو کچھ کرایہ تمہارے عملے کی وجہ سے بڑھ جائے گاوہ تم لیا کرنا، عبدالوہاب خاں نے اس ایک دکان کو دو دکانیں کردیا بڑی اور چھوٹی، دکان کا پہلا عملہ جو تھااس میں سے کڑیاں بیکار نکل گئیں، عبدالوہاب خاں نے کڑیاں اپنے ہی پاس سے ڈالیں مگر اینٹیں اگلی اور اپنے پاس سے نئی ملا کر دونوں دکانیں بنائیں، یہ تعیین نہیں ہوسکتی کہ کس دکان میں کتنی اینٹ پہلی اور کتنی نئی ہے، پھر عبدالوہاب خاں نے دونوں دکانوں پر خاص اپنے روپے سے بالاخانہ بنایا۔اب ان دکانوں کا کرایہ دس روپے ماہوار ہوگیا پہلے پانچ روپے تھا، حسب قرارداد ظہورن اور عبدالوہاب خاں پانچ روپے ماہوار لیتے رہے، یہ تمام عملہ عبدالوہاب خان نے ظہورن کی اجازت سے اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا، ۱۸۹۸ء میں اس دکان کا ہبہ نامہ ظہورن وعبدالوہاب خاں کی طرف سے اس کی دختر اور اس کی زوجہ آبادی کے نام بایں تفصیل لکھاگیا کہ بڑی دکان ظہورن کی طرف سے اور چھوٹی دکان اور بالاخانہ عبدالوہاب خاں کی طرف سے آبادی کے نام ہبہ ہوا، آبادی نے وصیت کی کہ جو کچھ میری ملک ہے اس کامالک میراخاوند ہے،

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۱۵
[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المضمرات کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲

پھر اس نے انتقال کیا، شوہر اور ماں باپ اور دو ۲ بیٹیاں وارث چھوڑے، باپ نے اس جائداد کو یوں تقسیم کیا کہ بڑی دکان نصف نصف دونوں نواسیوں کو دی اور چھوٹی دکان میں سے آدھی نواسی کے بیٹے کو اور آدھی اپنے دور کے رشتہ کو، اور بالاخانہ کی نسبت یہ لکھا کہ جیتے جی میں مالک اور میرے بعد میرا ادادا مالک، اس کے بعد اس کی لڑکیاں مالک، سوال یہ ہے کہ تقسیم مذکورہ بالا اور یہ تحریر ٹھیک ہوئی یا نہیں اور عبدالوہاب خاں نے اپنا روپیہ جو دکانوں اور بالاخانے کی تعمیر میں صرف کیا تو ان میں عبدالوہاب کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں عبدالوہاب خان نے جو عملہ اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا خاص ملک عبدالوہاب خان ہوا، بالاخانہ کہ تمام و کمال زر عبدالوہاب خاں سے بنا کل عبدالوہاب خاں کا ہے اور دونوں دکانوں میں کڑیاں بھی انھیں کی ہیں اور چنائی کہ مشترکہ اینٹوں سے ہوئی ظہورن اور عبدالوہاب خان کی حصہ رسد مشترکہ ہے، اگر کمی بیشی معلوم ہوسکے مثلاً دو تہائی اینٹیں ظہورن کی ہیں اور ایک تہائی عبدالوہاب خان کی، یا بالعکس، جب تو اسی حساب سے، ورنہ نصفا نصف مشترک رہے گی۔

کما ھو الطریق حیث لا علم بالتفاضل کما نصوا علیہ فی غیر ما مسئلۃ من الشرکۃ وغیرھا۔	جیسا کہ یہ طریقہ ہے جہاں زائد کا علم نہ ہو فقہاء کرام نے شرکت وغیرہ کے کئی مسائل میں یہ تصریح فرمائی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو عمر لنفسہ بلا اذنھا فالعمارۃ لہ و یکون غاصبا للعرصۃ[1]۔	اگر عورت کی زمین پر اس نے عمارت بغیر اجازت بنائی تو عمارت بنانے والے کی ہے اور خالی زمین کا غاصب قرار پائے گا۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

فلو باذنھا تکون عاریۃ[2]۔	تو اگر اجازت سے تعمیر کی تو زمین عاریۃ ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر مسائل شتی دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۵۹

قولہ فالعمارۃ لہ ھذا لو الاٰلۃ کلھا لہ فلو بعضھا لہ وبعضھالھافھی بینھماط عن المقدسی [1]۔	ماتن کا قول کہ "عمارت، بنانے والے کی ہوگی" یہ تب ہے جب تعمیر کا سارا سامان اس کا ہو، تو اگر کچھ اس کا اور کچھ عورت کا ہو تو عمارت مشترکہ ہوگی یہ طحطاوی میں مقدسی سے منقول ہے۔(ت)

ہبہ نامہ کہ ظہورن اور عبدالوہاب خاں نے آبادی کے نام کیا محض باطل ہوگیا، دونوں دکانوں کے عملے تو یوں ہبہ نہ ہوئے کہ ہر عملہ ظہورن و عبدالوہاب خاں دونوں میں مشترکہ تھا عملہ کا دونوں کی طرف سے ہبہ ہونا چاہئے تھا، اور ہوا ایک ایک کی طرف سے، تو ہر عملے میں دوسرے کا حصہ بے ہبہ رہا، اور وہ مشاع قابل تقسیم ہے، اور ایسی شے کا ہبہ بلا تقسیم باطل ہے، اور زمینیں یوں ہبہ نہ ہوئیں کہ چھوٹی دکان کی زمین مابلکہ زمین یعنی ظہورن نے ہبہ ہی نہ کی، عبدالوہاب خاں جس کی طرف سے اس کا ہبہ لکھا گیا مالک زمین نہ تھا اور بڑی دکان کی زمین اگرچہ ظہورن نے ہبہ کی مگر اس پر مشترکہ عملہ قائم ہے جس کا ہبہ صحیح نہ ہوا او موہوب جب غیر موہوب سے یوں متصل ہو تو ہبہ مثل ہبہ مشاع منقسم باطل ہو جاتا ہے بعینہٖ اسی دلیل سے بالاخانے کا ہبہ بھی اگرچہ مالک یعنی عبدالوہاب خاں نے کیا باطل ہوا کہ وہ بھی باقی رکھنے کے لئے ہبہ ہوا تھا نہ یوں آبادی عملہ توڑ کر اینٹ کڑی تختے پر قبضہ کرلے، یوں ہوتا تو بالاخانہ کا ہبہ صحیح ہو جاتا جبکہ آبادی باذن عبدالوہاب خاں اسے توڑ کر عملے پر قبضہ کرلیتی مگر نہ وہ توڑا گیا نہ یہ مقصود تھا اور اسے غیر موہوب سے اتصال تھا، لہٰذا وہ بھی باطل ہوگیا، عقود الدریہ میں ہے:

ھبۃ البناء دون الارض لاتصح الا اذا سلطہ الواھب علی نقضہ [2]۔	زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ صحیح نہیں الّا یہ کہ واہب اس کو اکھاڑنے پر لگادے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

وھب زرعاً فی ارض اوثمرا فی شجر اوحلیۃ فی سیف او بناء فی دار اوقفیزا من صبرۃ وامرہ بالحصاد والجزاز والنزع والنقض	کھیت کے فصل یا پھل درخت پر یا تلوار میں جڑا ہوا سونا چاندی یا حویلی میں کوئی عمارت یا کھلیان میں سے قفیز غلہ ہبہ کیا اور فصل کاٹنے، پھل کو توڑنے، تلوار سے جدا کرنا، عمارت کو

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

والکیل وفعل صح استحسانا ، ویجعل کانہ وھبہ بعد الجزاز والحصاد ونحوھما وان لم یأذن لہ بالقبض و فعل ضمن کذا فی الکافی[1]۔	اکھاڑنے اور کھلیان سے قفیر کے کیل کرنے کا حکم دے دیا اور موہوب لہ نے عمل کرلیا تو استحسانا ہبہ صحیح ہے اور یوں سمجھا جائے گا گویا کہ اس نے کاٹنے اور توڑنے وغیرہ کے بعد ہبہ کیا، اور اگر واہب مذکورہ نے کارروائی کی اجازت نہ دی ہو اور موہوب لہ خود مذکورہ کارروائی کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، کافی میں یوں ہے۔(ت)

مغنی المستفتی میں ہے:

افتی جد جدی المرحوم عمادالدین عن سوال رفع الیہ وصورتہ فیما اذا کان لزید عمارۃ قائمۃ فی ارض الغیر فملك زید العمارۃ المزبورۃ لزوجتہ و لم یأذن لھا بنقض العمارۃ فھل یکون التملیك غیر صحیح ام لا الجواب نعم یکون التملیك غیر صحیح کتبہ الفقیر عمادالدین عفی عنہ[2]۔	میرے پر دادا عماد الدین مرحوم نے فتوٰی دیا جب ان کو یہ سوال پیش کیا گیا کہ صورت یہ تھی کہ زید کی غیر کی زمین پر عمارت تھی جو اس نے اپنی زوجہ کی ملک کردی اور بیوی کو عمارت کا ملبہ اکھاڑنے کی اجازت نہ دی تو کیا تملیک صحیح ہوگی، یا نہیں؟ الجواب ہاں یہ تملیک صحیح نہ ہوگی، کتبہ فقیر عماد الدین عفی عنہ۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

وھب ارضا فیھا زرع او نخیل او نخلا علیہ تمرا و وھب الزرع بدون الارض اوالنخل بلا ارض او نخلا بدون التمر لایجوز لان الموھوب متصل بغیر اتصال خلقۃ مع امکان القطع	کسی نے ایسی زمین کا ہبہ کیا جس پر فصل یا کھجور کا درخت تھا یا کھجور کے درخت جن پر پھل تھا کا ہبہ کیا، یا اس کا عکس یعنی فصل یا کھجور کا درخت بغیر زمین یا پھل بغیر درخت کا ہبہ کیا تو ناجائز ہوگا کیونکہ موہوب چیز غیر چیز کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے حالانکہ جدا کرنے کا امکان موجود ہے۔

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰
[2] العقود الدریۃ بحوالہ مغنی المستفتی کتاب الہبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

فقبض احدهما غیر ممکن فیما له الاتصال فیکون بمنزلة المشاع الذی یحتمل القسمة [1]۔	توایسی صورت میں موہوب پر قبضہ ناممکن ہے تو یہ مشاع چیز جو قابل تقسیم ہو، کی طرح ہے۔(ت)

عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے:

لان کل واحد منهما متصل بصاحبه اتصال جزء بجزء فصار بمنزلة هبة المشاع فیما یحتمل القسمة [2]۔	کیونکہ ہر ایک کا جز سے جز کا اتصال ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوگا۔(ت)

حاشیہ العلامۃ الحامدیۃ میں ہے:

والعمارة من هذا القبیل [3] وتمامه فیه وقد افاد و اجاد واوضح المرام وازاح الاوهام فان المسألة قد طغت فیها اقلام وزلت فیها اقدام والعبد الضعیف حرر فیها الکلام علی هامش التنقیح باحسن نظام وباللّٰه العصمة وبه الاعتصام۔	اور عمارت بھی اسی قبیل سے ہے اور مکمل بیان اس میں ہے، اور اس نے خوب افادہ کیا اور مقصد کو واضح اور اوہام کا ازالہ کر دیا، کیونکہ یہ مسئلہ ہے جس میں بہت سے قلم غلط راستے پر چل نکلے اور کئی قدم پھسل گئے اور عبد ضعیف نے تنقیح کے حاشیہ پر اس میں اچھے انداز پر کلام کیا ہے(ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ دونوں دکانیں بدستور ملک مالکان پر ہیں دونوں کی زمینیں پوری اور چنائی کا دوسرا حصہ اور سارا بالاخانہ عبدالوہاب خان کا ہے آبادی کی وصیت یا اس کے باپ کی تقسیم کچھ قابل لحاظ نہیں سب مہمل و باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

نثار احمد مکان مسکن رابہ بچگان خورد سال ہبہ می کند الایک دختر کلاں کہ نکاحش کردہ آمد نام او ہم شامل کردن لازم ست یانہ	نثار احمد اپنی سکونت والا مکان نابالغ بچوں کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس کی ایک لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کو بھی شامل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۰۔۲۳۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[3] العقود الدریہ کتاب الهبة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۴

ایں سہ بچگان از تمتع دنیاوی بہر نیافتہ اند وآں یکے متمتع شدہ۔	یہ تین نابالغ بچے دنیاوی سامان سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل نہیں ہیں اور صرف وہ بالغ لڑکی اس کی اہل ہے۔(ت)

الجواب:

ہرچہ بیکے ازیں اطفال رسد اگر قیمتش برانچی بجہیز دختر کلاں دادہ شد زیادت واضح ندارد نام اوشامل کردن ضرور نیست لحصول ما ارشد الیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بینك نحلت مثل ہذا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان نابالغ بچوں کو جو حصہ ملتا ہے اگر وہ شادی شدہ لڑکی کے جہیز سے واضح طور زائد نہ ہو تو اس لڑکی کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کہ "کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اتنی مقدار ہبہ کیا ہے" پر عمل ہو گیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ عبدالوحید صاحب ۱۳ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شے موہوبہ کے ایک جز پر استحقاق ثابت ہو تو بہ نسبت شکل کے کیا حکم ہوگا اور یہ ہبہ باطل ہوگا یا کیا؟

الجواب:

استحقاق کے یہ معنی کہ ثابت ہو کہ شیئ موہوب تمام وکمال ملک واہب نہ تھی بلکہ اس کا ایک جز ملک مدعی نکلا مدعی نے دعوی کیا اور ثبوت دیا اور وہ جز نکل گیا تو باقی میں بھی ہبہ باطل ہوجائے گا کہ ثابت ہوا کہ اول ہی سے ایک جز مشاع ہبہ ہوا تھا کہ ملک غیر کو ہبہ کردینے کا واہب کو کچھ اختیار نہ تھا، پھر یہ اسی حالت میں ہے کہ شے موہوب قابل قسمت ہے ورنہ بعد استحقاق باقی کا ہبہ تام رہے گا کہ ناقابل قسمت کے ہبہ کو شیوع منع نہیں کرتا، اور اگر شیئ موہوب تمام وکمال بملک واہب تھی ہبہ میں ابتداءً شیوع نہ تھا بعد کو کسی عارض کے سبب اس کا ایک جز ہبہ سے نکل گیا، مثلاً واہب نے بتراضی یا قضائے قاضی نصف موہوب میں رجوع کرلی، یا ہبہ اجنبی کے ہاتھ تھا اور شیئ موہوب ثلث مال واہب سے زائد تھی، ورثہ نے اجازت نہ دی، ثلث سے جس قدر زیادت تھی ہبہ سے خارج ہوگئی یا موہوب لہ وارث تھا دیگر ورثہ سے بعض نے اجازت دی بعض نے نہ دی کہ نہ دینے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸، سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵

والوں کے حصے کے قدر جز موہوب سے آزاد ہوگیا تو ان صورتوں میں باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا، عالمگیریہ میں ہے:

المفسد ھو الشیوع المقارن لا الشیوع الطاری[1]۔	ہبہ کا مفسد وہ شیوع ہے جو ہبہ کو مقارن ہو اور جو بعد میں لاحق ہو وہ شیوع مفسد نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایمنع الشیوع صحۃ لاجازتہ[2]۔	شیوع اجازت کی صحت کو مانع نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۱: از لاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب　　۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو منکوحہ میں سے ایک سے جب اس شخص نے نکاح کیا، اس کو ایک قبالہ نکاح لکھ کر دیا جس میں چند مدات ہیں، منجملہ ان کے ایک مدیہ ہے جس کی عبارت (چھٹی یہ کہ جو کچھ مال واسباب میری ملک ہے اور ہوگا اس سے بھی سوائے مضمون مرقومہ بالا کے نصف دختر عموی صاحب مرحوم کا اور نصف اہلیہ اول میری کا ہے) اور اس قبالہ پر حاکم وقت کے دستخط ثبت کرادئے، پس اب بعد مرنے اس شخص قبالہ نویس کے منکوحہ اس شخص کی باستدلال اس عبارت مندرجہ قبالہ کے جس پر دستخط حاکم ثبت ہیں اس شخص متوفی کے تمام اموال وجائداد متوفی پر دعوی کرے اور تقسیم اس کی بنام ہر دو منکوحہ متوفی کے چاہے اور اولاد متوفی کو محروم الارث قرار دے تو شرعًا وہ جائداد ہر دو منکوحہ پر بموجب عبارت مذکورہ کے تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اولاد اس شخص متوفی کی محروم الارث رہ سکتی ہے یا نہیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب:

تحریر قبالہ مذکورہ محض بے اثر ہے، وہ مال اس کی بنا پر تنہا دونوں زوجہ میں تقسیم نہیں ہوسکتا، نہ اولاد اس سے محروم ہوسکتی ہے۔

لانہ لیس باقرار لاضافتہ الملك الی نفسہ، ولا وصیۃ لعدم الاضافۃ الی بعد الموت مع کونہ فی الصحۃ	کیونکہ یہ اقرار نہیں اس لئے کہ اس نے ملکیت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور وصیت بھی نہیں کیونکہ اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب نہیں باوجودیکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

فان کان فهبته مایوجد وهی باطلة وهبة الموجود مشاعا وقد بطلت بموت الواهب قبل التسلیم ولئن كانت وصیته لما نفذت للمرأتین الا اجازة بقیة الورثاء كما لایخفی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	وہ صحت مند بھی ہے اور ہو بھی تو بعد میں موجود ہونے والی چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ باطل ہے اور موجود چیز کا مشاع حالت میں ہے جو کہ قبضہ دینے سے قبل وفات سے باطل ہوگیا اور اگر وصیت ہو تو دونوں عورتوں کے لئے باقی ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۲: از مراد آباد محلّہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۴۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مقروض ہے، اس نے بحالت قرضدار ہونے کے اپنی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ نامہ اپنے پسر بکر کے نام لکھ کر قبض دخل جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کا کرادیا، کیا شرعاً ایسی حالت میں ہبہ مذکورہ جائز ہے یا ناجائز؟ دائن اپنے مطالبہ جائداد موہوبہ سے مواخذہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک دین کے عوض کوئی شیئ دائن کے پاس رہن نہ ہو دائن کا مطالبہ صرف ذات مدیون یعنی اس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی مال معین پر تو ہبہ بوجہ قبضہ تام وکامل بلکہ محرومیت موہوب لہ لازم ہوگیا جس کا فسخ غیر ممکن ہے صرف تمامی ہبہ اس جائداد کو متورضہ [عـــہ] دائن سے بری کرنے کے لئے بس تھی کہ ملک منتقل ہوگئی، اب وہ شے ملک مدیون نہیں جس سے دائن اپنا دین وصول کرسکے نہ کہ اس صورت میں کہ عقد بوجہ امتناع رجوع ناقابل فسخ رہا، فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایهب ماله ولا یتصدق به فالقاضی یحجر علیه عندهما ویعمل حجره حتی لاتصح هبته	ایک شخص پر اتنے قرضے ہوگئے کہ اس کا تمام مال قرضوں میں گھر گیا اور قرضخواہ حضرات نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ اس کو ہبہ اور تصدق سے روک دیا جائے اور قاضی نے اس پر پابندی لگادی تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور یہ

عـــہ: فی الاصل هکذا اظنه مواخذه ۱۲ عبدالمنان۔

ولاصدقته بعد ذٰلك لكن يشترط علم المحجور عليه حتى ان كل تصرف باشره قبل العلم به يكون صحيحًا[1] (ملخصا)	پابندی مؤثر ہوگی کہ وہ اپنے مال کو ہبہ یا صدقہ نہ کرسکے گا بشرطیکہ اس کو قاضی کی طرف سے پابندی کا علم ہوچکا ہو، لہٰذا علم سے قبل اس نے اپنے مال میں جو بھی تصرف کیا جائز ہوگا۔ (ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

رجل له ضيعه تساوی عشرين الف درهم وعليه ديون فوقف الضيعة وشرط صرف غلاتها الى نفسه قصدا منه الى المماطلة وشهد الشهود على افلاسه جاز الوقف والشهادة فان فضل عن قوته شيئ من هذه الغلات فللغرماء ان ياخذوا ذٰلك منه كذا فی المضمرات[2] والله تعالٰى اعلم۔	ایک شخص بیس ہزار درہم کے مساوی زمین کامالک ہے اور اس پر قرضے ہیں تو اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے لئے اپنی زمین وقف کرکے اس کی آمدنی کو اپنی ذات کے لئے مختص کرلیا، اور گواہوں نے اس کے مفلس ہونے کی شہادت دی، تو وقف اور شہادت جائز ہوگی اور زمین کی آمدنی میں سے اس کے خرچہ سے اگر کچھ بچے گا تو قرض خواہ لیں گے، مضمرات میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۳: از اندور ملک مالوہ چھاؤنی نواب غفور خان مرسلہ حکیم محمد اکمل خاں صاحب یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ محمد اعظم خاں کو رئیس وقت نے ایک سند ملک بھوٹ کی تاحین حیات عطا کی، محمد اعظم خاں نے مصلحتا بطور اسم فرض کے ایک عرضی رئیس کی اجات میں پیش کی کہ اس ملک کی سند میرے فرزند افضل خاں کے نام نسلا بعد نسل عطا ہوجائے، چنانچہ حسب استدعا محمد اعظم خاں کے افضل خاں کا قبضہ کبھی اور کسی وقت میں ایک آن واحد کے واسطے بھی نہیں ہوا، اور ہمیشہ قبضہ اور تصرف وصول واصلات وٹھیکہ وغیرہ وغیرہ جملہ قسم کا نظم ونسق محمد اعظم خان کرتے رہے اور سند میں بھی رئیس وقت نے یہ لفظ تحریر کئے کہ "بقبض وتصرف میں مغرئی الیہ واگزارند"

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۹

اس سے مراد خاص محمد اعظم خاں ہیں کہ افضل خاں، اسی عرصہ میں محمد افضل خاں کا انتقال ہوگیا، اور افضل خاں کی دو بیبیاں اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا باقی ہے، محمد افضل خاں اپنے والد اعظم خاں کی حیات میں فوت ہوئے، اسی باعث ورثائے افضل خاں سب محروم الارث ہوگئے اور بدستور قدیم محمد اعظم خاں قابض اور مالک اور متصرف رہے، ایسی حالت میں اولاد افضل خاں مرحوم یا ان کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ افضل خاں کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کچھ بھی نہیں، اور افضل خاں اور ان کی بیوی بچہ کی پرورش محمد اعظم خاں پدر افضل خاں کرتے رہے، اور افضل خاں کا انتقال اپنے والد محمد اعظم خان کی حیات میں ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس ملک بھوٹ میں افضل خاں مرحوم کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

اس سوال کے ساتھ تحریر ونقول کہ سائل نے مرسل کیں ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ زوجہ محمد افضل خاں نے بدعوی وراثت شوہر اس بناء پر کہ تبدیل سند سے محمد افضل خان اس زمین کا مالک ہوگیا تھا اس پر دعوی ملک کیا ہے، یہ دعوی شرعًا محض باطل وبیجا ہے، سند ثانی بنام محمد افضل خاں میں از جانب ریاست کوئی لفظ مفید معنی ہبہ وتملیک نہیں، نہ ہبہ کرنا نہ عطا ہونا، نہ مالک بتانا نہ اور کوئی لفظ کہ ان کا مرادف ہو، صرف اتنے الفاظ میں کہ

اراضی مذکورہ از حضور بہ محمد افضل خاں خلف معزی الیہ نسلا بعد نسل بشرط لوازم اطاعت وفرمانبرداری معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف ومرفوع القلم دانستہ بقبض و تصرف معزی الیہ واگزارند۔	مذکور اراضی درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خاں کے لئے سرکار کی طرف سے نسلا بعد نسل بشرط اطاعت وفرمانبرداری معاف ہوئی، لازم ہوا کہ مذکورہ اراضی سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم قرار دی گئی درخواست دہندہ کے قبضہ و تصرف میں آزاد چھوڑیں۔(ت)

معاف ہونا کوئی الفاظ ہبہ سے نہیں بلکہ عین سے اس کا تعلق ہی صحیح نہیں، معافی مطالبہ ودیون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس کا حاصل ابرا ہے، اور اعیان سے ابرا باطل، درمختار میں ہے: الابراء عن الاعیان باطل [1] (اعیان اشیاء سے بری کرنا باطل ہے۔(ت) اشباہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۲

اختص الدین باحکام منہا صحۃ الابراء عنہ فلا یصح الابراء عن الاعیان [1]۔	دین کے کچھ احکام مخصوص ہیں ان میں سے ایک اس سے بری کرنا ہے لہذا اعیان سے ابراء جائز نہ ہوگا۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

لایقبل لعدم صحۃ الابراء عن الاعیان [2]۔	قبول نہ ہوگا کیونکہ اعیان سے ابراء صحیح نہیں ہے۔(ت)

بخلاف سند بنام حکیم محمد اعظم خاں کہ اس میں لفظ "عطاشد" ہے اور یہ خاص ہبہ کے لئے موضوع ہے۔ عالمگیری میں ہے:

الفاظ الہبۃ انواع نوع تقع بہ الہبۃ وضعا کقولہ وھبت ھذا الشیئ لك او ملکتہ منك او اعطیتك فھذا کلہ ھبۃ اھ مختصرا [3]۔	ہبہ کے الفاظ مختلف ہیں، ایک قسم وہ ہے جس سے وضعا ہبہ واقع ہوجاتا ہے وہ یہ الفاظ ہیں "یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی، تجھے مالک بنایا تجھے دے دی" یہ سب ہبہ کے الفاظ ہیں اھ مختصرًا(ت)

سند بنام محمد افضل خاں میں بھی بنام محمد اعظم خاں کا ذکر ہے کہ

سابق ازیں بحکم محمد اعظم خاں از حضور عطا شدہ بود،	قبل ازیں سرکار نے محمد اعظم کو عطا کی۔(ت)

اور افضل خاں کو عطا ہونے کی درخواست از جانب محمد اعظم خاں میں اگرچہ مذکور ہے کہ

حالا عرضی معزی الیہ باستدعائے تبادل سند سابق وعطا شدن آن بنام محمد افضل خاں پسر خود موصول ملاحظہ گردید۔	پہلی سند کو تبدیل کرنے اور درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خان کے نام عطا کرنے کی عرضی موصول ہوئی، ملاحظہ ہوئی، (ت)

مگر حکم میں لفظًا "عطا" نہیں اسی قدر ہے کہ

چوں حضور را پرورش وپرداخت حکیم صاحب معزی الیہ منظور لہٰذا اراضی مذکور از حضور بہ	جب سرکار کو پرورش واختیار درخواست دہندہ حکیم صاحب کے لئے منظور ہے لہٰذا مذکورہ اراضی

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۔۲۱۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

محمد افضل خاں معاف شد۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی۔(ت)

اس کا حاصل اگر ٹھہرتا تو معافی محصول نہ کہ تملیک رقبہ، کما ھو شان الاقطاع علی المعنی المشھور (جیسا کہ مشہور معنی میں جاگیر عطیہ کرنے کی شان ہے۔ت) نہر الفائق پھر درمختار میں ہے:

الاقطاعات من اراضی بیت المال اذ حاصلھا ان الرقبۃ لبیت المال والخراج لہ [1]۔	بیت المال کی اراضی عطیہ کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ملکیت بیت المال کی ہوگی اور آمدن اس کی ہوگی۔(ت)

اور بالفرض یہ صورت یہاں ہوتی تو بعد انتقال نواب خلد آشیاں مرحوم و مغفور ختم ہوجاتی خود افضل خاں کا کوئی حق نہ رہتا نہ کہ ان کے ورثاء کا، ردالمحتار میں ہے:

ھل تصیر لاولاد المقطع لہ عملا بقول السلطان ولا ولادہ فانہ بمعنی ان مات عن اولاد فلاولادہ من بعدہ فھو تعلیق معنی والجواب انھا لاتکون لاولادہ لبطلان التعلیق المذکور بموت السلطان المعلق قال فی الاشباہ لومات المعلق بطل التقریر اھ مختصرًا [2]	کیا جس کو عطیہ کیا گیا ہے حاکم کی طرف، "اور اس کی اولاد کے لئے" کہہ دینے سے اس کی اولاد ہوجائے گی کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ عطیہ لینے والے کی موت کے بعد اگر اس کی اولاد ہو تو اولاد کی ہوگی۔ تو یہ معنی تعلیق ہے، الجواب یہ اولاد کے لئے نہ ہوگی کیونکہ معلق کرنے والے حاکم کی موت سے یہ تعلیق باطل ہوجائیگی، اشباہ میں فرمایا: اگر تصدیق کرنے والا فوت ہوجائے تو اس کا یہ معلق حکم باطل ہوجائے گا اھ مختصرًا (ت)

اور بالفرض اولاد کا حق رہتا بھی، جب بھی زوجہ محمد افضل خان کے لئے کوئی حق نہ ہوتا کہ سند میں نسلا بعد نسل ہے اور زوجہ نسل شوہر سے نہیں، اور اگر فرض کیجئے کہ ایسی سند والیان ملک کے عرف حال میں مطلقًا تملیک رقبہ زمین سمجھی جاتی ہے اگرچہ "عطاشد" کے عوض "معاف شد" ہی لکھا گیا ہو جس کی بناء پر سند ثانی کو محمد افضل خاں کے لئے ہبہ و تملیک زمین قرار دیا جائے کہ زوجہ و اولاد سب ورثہ کا استحقاق قائم کرسکیں، تو اس صورت میں بھی تمام وارثان افضل خاں کا محض نامستحق ہونا واضح و روشن ہے کہ زمین پہلے حکیم محمد اعظم خاں کو ہبہ ہوچکی اور حین حیات تک ہونا کچھ منافی نہیں کہ جو چیز کسی کو

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

اس کی حیات تک ہبہ کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے ہبہ ہو گئی، اور حین حیات کی شرط شرعاً باطل و بے اثر ہے، درمختار میں ہے:

جاز العمری للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط[1]	عمر بھر کا ہبہ جائز ہے اور موہوب معمرلہ کی ملک ہوگا اور اس کے بعد اس کے وارث مالک ہونگے کیونکہ رد کی شرط باطل ہے۔(ت)

اور وہ ہبہ قبضہ محمد اعظم خاں سے تام وکامل ونافذ ہولیا، اب ریاست کو کیا اختیار رہا کہ پر ایامال دوبارہ کسی اور کو ہبہ کردے، اس کی تصحیح کی دو ہی صورتیں موہوم ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ محمد اعظم خاں کی عرضی کہ "حسب استدعا تابعدار کے اس ملک بھوٹ کی دوسری سند میرے فرزند محمد افضل خاں کے نام نسلاً وبعد نسل عطا فرمائی جائے" اسے گویا محمد اعظم خاں کی طرف سے اس زمین کا رئیس کو واپس دینا اور اپنے بیٹے کے نام ہبہ جدید کی درخواست کرنا قرار دیں، اور ہبہ جب باہمی تراضی یا قضائے قاضی سے واہب کو واپس ہو تو وہ دوسرے سے فسخ ہبہ ہے، نہ کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو ہبہ، ولہٰذا واہب کا قبضہ اس پر شرط نہیں، درمختار میں ہے:

اذا رجع بقضاء اورضاء کان فسخا لعقد الهبة من الاصل لاهبة للواهب فلهذا لایشترط فیه قبض الواهب[2]	جب قضا یا رضا سے ہبہ میں رجوع ہو تو یہ فسخ عقد ہبہ ہوگا نہ کہ واہب کو ہبہ ہوگا لہٰذا واہب کا قبضہ کرنا شرط نہیں ہوگا۔(ت)

مگر عرضی مذکور کا ملاحظہ صراحۃً اس معنی سے اباء کرتا ہے اس میں عبارت مذکور کے متصل ہے "ورنہ میں سند عطیہ سابقہ حضور اپنے ہمراہ لایا ہوں واپس پیش کردوں بدستور سابق ملک مذکور شریک خالصہ فرمائی جائے" اس سے صاف ظاہر کہ وہ اس وقت اپنا ہبہ واپس نہیں کرتا بلکہ اس درخواست کے قبول نہ ہونے پر واپسی ہبہ کہہ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اس درخواست کو محمد اعظم خاں کی طرف سے توکیل بالہبۃ قرار دیجئے گویا وہ اپنے پسر کو خود اپنی طرف سے ہبہ کرتا اور ریاست کو اس ہبہ کا اختیار دیتا ہے، یہ معنی بھی نہ اس درخواست سے ظاہر نہ سند ثانی سے، جس میں لفظ یہ ہیں کہ

از حضور بہ محمد افضل خان معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف ومرفوع القلم دانند۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی تو اراضی مذکورہ کو سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم لازم سمجھیں۔(ت)

[1] درمختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

اور بالفرض ان دونوں میں سے کوئی صورت ہی قرار دیجئے، جبکہ محمد افضل خاں نے اس پر ایک آن کو قبضہ نہ پایا اس کے نام ہبہ خواہ جانب ریاست سے مانیں خواہ طرف پدر سے، بہر حال باطل محض ہوگیا، بر تقدیر اول تو ظاہر ہے اور بر تقدیر ثانی یوں کہ سائل نے اپنے خط میں اظہار کیا کہ محمد افضل خاں اس تبدیل سند کے وقت بالغ وصاحب اولاد تھا تو قبضہ پدر اس کا قبضہ نہیں ہوسکتا لاجرم اس کے نام ہبہ باطل ہوگیا، درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل[1]۔	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کا فوت ہوجانا ہے اور قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔(ت)

بالجملہ کسی صورت کسی پہلو محمد افضل خاں یا اس کے کسی وارث کا اس زمین پر دعوٰی نہیں پہنچ سکتا وہ اس میں سے کسی ذرہ کے مالک نہیں، یہاں بعض ابحاث فقہیہ اور ہیں جن کو سوال سے تعلق نہیں، لہٰذا ان کا ذکر مطوی رہا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۴: مرسلہ مولوی عبداللہ خاں صاحب قصبہ بتیا ضلع چمپارن محلّہ گنج اول ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ بالغہ کی شادی کی اور نکاح کے وقت میں بطور جہیز مع دیگر اثاث بیت ایک ہزار روپیہ بھی دیا، دینے کی صورت یہ تھی کہ زید نے مجلس نکاح میں اشیاء دادہ شدہ کو بنام ہندہ بحضور اصہار وشوہر ہندہ کے نامزد کیا، اور ایک فہرست اشیاء مذکورہ کی لکھ کر جو مشتمل بہ ایجاب بھی تھی ہندہ کے حوالے کی، چونکہ ہندہ تاحین حیات زید مرحوم اپنے والد مرحوم کے ہم ماکل وہم مشرب عـــہ رہی، اور وہ اس کے کل مصارف کہئے اس لئے بوجہ عدم ضرورت ہندہ نے نقود مذکورہ کو قبضہ خاص میں نہیں لایا بلکہ تازندگی زید مرحوم، زید مرحوم کے پاس رکھ چھوڑا، بعد انتقال زید ہندہ کو جب ضرورت پڑی اس کو خرچ کیا، زید مرحوم نے نقود مذکور کو الگ ایک تھیلی میں وقت نکاح سے رکھ لیا تھا، اور اس سے کوئی نفع ذاتی نہیں

عـــہ: اصل میں قلم ناسخ سے ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ ۱۲

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اٹھایا تھا، جب کبھی الماری کھولتے تھے تو تھیلی مذکورہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے ہندہ سے مخاصب ہو کر کہ یہ تیرا روپیہ ہے، اور بسا دفعہ یوں فرماتے تھے کہ تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے، اور بسا دفعہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندہ کا روپیہ میرے پاس بے فائدہ رکھا ہوا ہے امانت میں، ہم کو ڈر ہے کہ ضائع نہ ہو اور اسکی وجہ سے میرا مواخذہ نہ ہو، یہ حقیقت حال ہے اب ارشاد فرمائے کہ تخلیہ مذکورہ سے یعنی قول زید مرحوم سے بعد کھولنے صندوق کے یہ تیرا روپیہ ہے ہبہ تمام ہوا یا نہیں؟ کیونکہ دینا بطور جہیز کے ہبہ ہی کا محتمل ہے، اگر اس تخلیہ سے ہبہ تمام ہوا اور یہ کہ تخلیہ معتبرہ کی کیا تعریف ہے **حتی ینظر ان التعریف یصدق علی ھذا الصورۃ** (تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس صورت پر تعریف صادق آتی ہے۔ت) اور اگر یہ ہبہ تمام نہیں اور تخلیہ مذکورہ تخلیہ معتبرہ نہیں تو عدم اعتبار کی کیا دلیل ہے، اور یہاں کون شرط اعتبار کا منفی ہے۔

وھکذا ارشدونی **فی الاقرار من حین** اعتبار وعدمه اذقول زید رحمه الله۔	یوں مجھے ارشاد فرماؤ اقرار کے متعلق کب معتبر ہے اور کب نہیں، کیونکہ زید رحمہ اللہ کا قول: (ت)

"تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے"

ظاھرہ اقرار بالامانۃ فھل یصح ھذا اقرار ام ھو باطل وکان زید المقر عارفا معنی الامانۃ عالما فقیھا ارجومنکم ان تنبھونی بجواب یروی العطشان و یذھب بالظمان اذھی مسئلۃ اختلف فیھا اراء الاقران و ما اتی احد بشیئ یزیل الخلجان والاٰن اریدان اسعکم ماوقع بینھم حتی ترشدونی بسلیمۃ من سقیمۃ اجاب بعضھم بان الھبۃ لیست بصحیحۃ کما صرح به الکتب	اس کا ظاہر امانت کا اقرار ہے، کیا یہ اقرار صحیح ہے یا باطل ہے جبکہ اقرار کرنے ولا زید عالم فقیہ ہونے کی وجہ سے امانت کا معنی جانتا تھا، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب سے وہ تبنیہ فرمائیں گے جو پیاسے کو سیراب کردے اور پریشانی کو دور کردے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم زبان لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں اور کسی نے کوئی چیز نہ بتائی جو خلجان کو ختم کردے، اب میں چاہتاہوں کہ ان کی آراء آپ کو سناؤ تاکہ آپ صحیح اور غلط کی مجھے رہنمائی فرمائیں، بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ صحیح نہیں جیسا کہ کتب فقہ نے یہ تصریح کی ہے اور بعض نے

الفقهیه واجاب بعضهم بان الهبة قد تمت لوجود شرطها وشرطها اما الایجاب فظاهر واما القبول فلو جوده من الاصهار فی مجلس النکاح واجازة موهوب لها فیصح کما فی الفضولی ولوجوده من الموهوب لها بنفسها بعد ببلوغ الکتاب الیها ای الفهرست المذکور المشتمل علی الایجاب والموهوب وشرط العقد یتوقف علی الغائب اذا کان بکتابة اوبارسال و اما شرط تمامها وهوا القبض فهو قد یکون حقیقیا و قد یکون حکمیا وههنا وان لم یتحقق الاول لکن الثانی متحقق ذا الشرط فی اعتبار القبض الحکمی المعبر عنه بالتخلة ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن عن قبضه المخلی له بعد ان یصدر من المخلی بالکسر قول اوفعل یدل علی اجازة القبض وقد تحقق فیما نحن فیه هذان الامران اما الثانی ای القول والفعل الدال علی الاجازة فکما مر فی تحریر السوال من قول الواهب یه تیرا روپیه ہے بعد فتح الصندوق مشیرا الی الدراهم	یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ تام ہوچکا ہے شرط پائے جانے کی جوہ سے شرط ایجاب وقبول ہے، ایجاب کا وقوع توظاہر ہے لیکن قبول تو وہ سسرال نے مجلس نکاح میں کرلیا اور لڑکی نے اس کی ان کو اجازت دے دی، تو قبول کرنا صحیح ہوگیا جیسا کہ فضولی کا معاملہ ہوتا ہے، نیز خود لڑکی کی طرف سے اس کو لکھی ہوئی فہرست مل جانے کے بعد قبول ہوگیا کیونکہ وہ فہرست ایجاب پر مشتمل تھی اور موہوب چیز بھی اس میں درج تھی اور عقد کی شرط غائب کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے جبکہ وہ بطور تحریر یا ارسال ہو، لیکن اس ہبہ کے تام ہونے کی شرط قبضہ ہونا ہے، اور یہ قبضہ کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی ہوتا ہے جبکہ یہاں حکمی صورت میں قبضہ پایا گیا ہے کیونکہ حکمی قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے کہ چیز اس انداز سے موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کے کسی قول یا فعل کی دلالت اجازت قبضہ پر پائی جائے اور موہوب لہ جس کے لئے تخلیہ ہوا کو قبضہ کرنا ممکن ہو، اور زیر بحث صورت میں یہ سب کچھ پایا گیا ثانی یعنی حکمی قبضہ کہ قول یا فعل اجازت پر دلالت کرے، یہ بات سوال کی تحریر میں موجود ہے کہ واہب نے صندوقچی کھول کر موہوب دراہم جو علیحدہ تھیلی میں بندھے ہوئے تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ تیرا روپیہ ہے، کیونکہ اس کی اس بات کا مقصد صرف یہی تھا کہ لڑکی قبضہ کرے جیسا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریقوں کو

الموھوبة المشدودة فی خریطة منفردة ممتازة اذا ما کان مقصودہ بھذا القول الا اجازة القبض کما ھو المسلم عند الفریقین من المدعی والمدعا علیہ وکذا الاول ای التمکن وکون الموھوب بحیث یتمکن من قبضہ الموھوب لہ اذالمانع والحائل وہو القفل وغیرہ من اللوح الذی ھومدخل الصندووق وبابہ قدارتفع وقت الاجازة ولان القائل الواھب ھھنا مما یمتنع ان یتوہم فی شانہ انہ قال ذٰلك ھازلا بل یجب ان یتیقن بکونہ باذلا لما مر من انہ کان عالما تقیا مقتدا لاھل ھذہ الاطراف وایضا ہذا ان الامران مسلمان عند الفریقین فھما مستفتیان عن الدلیل والبیان۔	یہ بات مسلم ہے اور یوں ہی پہلا عمل یعنی لڑکی کا قبضہ پر تمکن کہ موہوب اس طرح ہو کہ موہب لہ اس پر قبضہ کرلے تو یہ متحقق ہوچکا کیونکہ واہب کا تالا کھول کر صندوق والماری کو کھلا رکھنا قبضہ کے لئے رکاوٹ اور مانع کو دور کرنا اجازت پر دال ہے اور واہب کی اس بات کو مذاق پر محمول کرنا ممکن نہیں بلکہ جیساکہ سوال میں گزرا کہ وہ عالم متقی اور اہل علاقہ کا مقتداء ہے تو یقین کرنا ہوگا کہ وہ حقیقاً دے رہا ہے نیز یہ باتیں دونوں فریقوں کو مسلم ہیں اس لئے بھی ان پر دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔(ت)

یعنی جو ورثہ موجود تھے ور عاقل بالغ تھے وقت حیات زید مرحوم کے وے تسلیم کرتے ہیں اس امر کا کہ زید مرحوم بارہا کہا کرتے تھے مذکورہ کو، اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہندہ نقد مذکورہ موہوب لہ کے قبض کرتی تو اس کے والد مرحوم ہو گز منع نہ کرتے۔

الا انھا لم تقبض قبل موتہ لعدم الحاجة بھا وقت حیاتہ وانما قبضت بعد موتہ ووقت القبض لم یزاحمھا احد من الورثة لتسلیھم ذین الامرین و کونہ تلك النقود ملکہ خاص الھندة وانما شرعت المنازعة والمزاحمة وقت طلب الھندة	تاہم لڑکی نے والد کی زندگی میں عدم ضرورت کی بناء پر قبضہ نہ کیا اور اس کی موت کے بعد جب قبضہ کیا تو کسی وارث نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ دونوں چیزوں کو تسلیم کئے ہوئے ہیں اور یہ بھی تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ یہ نقد خاص ہندہ کی ملکیت ہے اور ورثاء کی طرف سے جھگڑا اور مزاحمت اس وقت شروع ہوا جب

حصتها من الترکة معترضین علیها بقیة الورثة بان ماقبضت من النقود ہو محسوب من حصتك من الترکة والهندة تقول فی جوابهم بان النقود قد جهزئی بها ابی فهولا یحسب من حصتی من الترکة بل یجب ان تکون لی حصه غیرها والدلیل الثانی علی تمام الهبة بالقبض الحکمی والتخلیة المذکورة اقرا زید بالامانة کمامر من انه ربما یبقی ویقول ان دراهم الهندة امانة عندی واخاف من ضیاعها وبیان دلالته ان المقر کان عارفا معنی الهبة واحکامها ومعنی الامانة واحکامها لما مر من فقاهته واتقائه و لیس من اصطلاح الفقهاء ولا غیر هم الاطلاق علی مال نفسه بانه امانة لزید مثلا فدل الاقرار بالامانة علی ان التخلیة المذکورة تخلیة معتبرة لاباعتبار المقر فقط بل باعتبار الشرع ایضا اذا الشرع ماحصر التخلیة فی امثلة معدودة محصورة حتی تنعدم بانعدامها بل مبناه عندالشرع علی ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن من قبضة المخلی له بعد اجازة المخلی بالکسر وهو امر عام لایمکن انحصار نعم یختلف باختلاف المواد و	ہندہ نے والد کے ترکہ میں اپنا حصہ طلب کیا تو انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ تو نے جو نقد وصول کیا ہے وہ ترکہ کا حصہ ہے جواب میں ہندہ کہتی ہے کہ وہ نقد والد نے مجھے جہیز میں دیا ہے، لہٰذا وہ ترکہ میں شمار نہیں ہے بلکہ ترکہ میں میرا حصہ الگ ہے حکمی قبضہ اور تخلیہ سے ہبہ کے تام ہونے پر دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ زید کا اقرار تھا کہ یہ ہندہ کی امانت ہے اور کبھی روتا اور کہتا کہ یہ روپیہ میرے پاس ہندہ کی امانت ہے اور مجھے اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، یہ دلالت اس لئے واضح ہے کہ زید ہبہ اور اس کے احکام اور امانت اور اس کے احکام سے بخوبی آگاہ تھا کیونکہ وہ متقی عالم تھا جیسا کہ گزرا فقہاء کرام وغیرہ کی اصطلاح میں مثلا زید کے اپنے مال کو امانت نہیں کہا جاتا تو اس کے اقرار امانت کی یہ دلالت ہوئی کہ مذکورہ تخلیہ محض مقر کے اعتبار سے معتبر نہیں، بلکہ شریعت نے تخلیہ کا چند مثالوں میں حصر نہیں کیا تاکہ ان کے معدوم ہونے سے تخلیہ معدوم ہوجائے بلکہ شریعت نے اس کا مبنٰی یہ قرار دیا کہ چیز اس انداز میں موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کی اجازت کے بعد قبضہ کرنیوالے کو کوئی رکاوٹ نہ ہو، یہ مفہوم عام ہے جو کسی خاص صورت میں منحصر نہیں ہے۔ہاں مواد اور تخلیہ دینے والوں کے اختلاف سے تخلیہ مختلف

اختلاف المخلین وقد مران التمکن و الاجازۃ ہٰھنا مسلم ومدلل تم ماقال البعض الاخرۃ،ومقولۃ السائل فی توجیہ من قال بعدم التمام۔اقول:وباﷲ التوفیق قول من قال بعدم اعتبار التخلیۃ المذکورۃ من قول زید یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح الصندوق کما مر بتمامہ اعتصم بقول القاضیخان حیث قال (والتخلیۃ ان یخلی بین الموھوب لہ ویقول لہ اقبضہ[1]) اذ فیہ تصریح علی ان التخلیۃ انما تعتبرا ذا ایدت بالامر بالقبض وقول زید یہ تیرا روپیہ ہے لیس امرا بالقبض بل فیہ اخبار عن کون تلک النقود ملکا للھندۃلکونہ جملۃ خبریۃ فان استدل بھذا القول علی تمام الھبۃ وثبوت الملک فی النقود یلزم الدور کما لایخفی اذا لیس للملک وجہ اٰخر غیر الھبۃ ولما بطل استدلالہ بقول زید یہ تیرا روپیہ ہے الخ لم یبق لتمام الھبۃ وجہ اٰخر غیر الاقرار بالامانۃ مع کون زید عارفا معنی الامانۃ واحکامھا	ہوجاتا ہے اور یہ گزرا کہ قبضہ پر تمکن اور اجازت یہاں مسلم امر ہے،دوسرے بعض کا قول مکمل ہوا اور جس نے کہا یہ ہبہ تام نہیں ہے اس کی توجیہ میں سائل کا قول،اقول:میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق سے،زید کے صندوق کھولنے اور یہ کہنے کہ یہ تیرا روپیہ ہے اس تمام واقعہ پر جس نے کہا یہ تخلیہ معتبر نہیں ہے اس نے قاضی خاں کے اس قول کو دلیل بنایا جہاں انہوں نے فرمایا:التخلیہ یہ ہے کہ موہوب چیز اور موہوب لہ میں تخلیہ کردے اور کہہ دے کہ تو قبضہ کرلے،کیونکہ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ تخلیہ تب معتبر ہوگا جب وہ قبضہ کے حکم سے مؤید ہو،اور زید کا لڑکی کو کہنا کہ یہ تیرا روپیہ ہے اس پر قبضہ کا حکم نہیں ہے بلکہ ان نقود پر ہندہ کی ملکیت کی خبر دینا ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے،اگر اس قول کو ہبہ کے تام ہونے اور ہندہ کی ملکیت کے ثبوت کے لئے دلیل بنایا جائے تو دور لازم آئے گا جیسا کہ مخفی نہیں ہے کیونکہ ان نقود میں ہندہ کی ملکیت کی ہبہ کے بغیر کوئی دلیل نہیں ہے تو جب زید کے قول کہ "یہ تیرا روپیہ ہے" سے استدلال باطل ہوگیا تو اب ہبہ کے تام ہونے پر ہبہ اور اس کے احکام اور امانت اور اس کے احکام

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۰

وهذا الاقرار ایضاً غیر صالح للاستدلال به علی تمام الهبة وثبوت الملك فی النقود للهندة اما عدم صلاحیته للاول فظاهر اذا لامانة لاتقتضی کونها لهبة لخصوصها انما تقتضی کونها ملکا للمودع بالکسر فالدال عام والمدلول خاص واما الثانی فلان الاقرار اخبار وحکایة موقوف علی المحکی عنه والمخبر عنه هو کون المقربه ملکا للمقرله قبل الاقرار فلو استدل به علی ثبوت الملك فیها قبله لزم الدور، ولیس الاقرار سبباً للملك حتی تثبت به الملك من غیر نظر الی الحکایة ولان الاقرار انما یعتبر اذا ادعی المقرله الاقرار وبین سبباً للملك غیره اذا الدعوی الذی علی الاقرار من غیر بیان سبب الملك باطل کما لایخفی وهو معنی قول صاحب الدر المختار ولاتسمع دعواه بشیئ بناء علی الاقرار [1]،والجواب علی ماادی الیه نظری،والله اعلم	پر مطلع ہونے کے باوجود زید کا اقرار بالامانت کرنا ہی دلیل رہ گئی ہے حالانکہ یہ اقرار اتمام ہبہ اور ہندہ کے لئے ان نقود کی ملکیت کے ثبوت پر دلیل نہیں،اول یعنی امانت کا دلیل کے لئے صالح نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ امانت کا ہبہ ہونا لازمی تقاضا نہیں ہے بلکہ اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ وہ چیز امانت رکھنے والے کی ملکیت ہے تو دال عام اور مدلول خاص ہے،اور ثانی یعنی نقود پر ہندہ کی ملکیت،اس لئے دلیل بننے کی صالح نہیں کہ یہ اقرار خبر اور حکایت ہے جو محکی عنہ اور مخبر عنہ پر موقوف ہے اور محکی عنہ اقرار سے قبل نقود کا ہندہ کی ملکیت ہونا ہے تو اگر اس خبر کو اقرار سے قبل ملکیت پر دلیل بنایا جائے تو دور لازم آئے گا نیز خود اقرار ملکیت کا سبب نہیں تو حکایت سے قطع نظر بھی اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی اور اس لئے بھی کہ اقرار کا اعتبار تب ہوتا ہے جب مقرلہ اقرار کا دعوی کرے اور اقرار کے علاوہ کوئی ملکیت کا سبب بیان کئے بغیر باطل ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور درمختار کے قول کہ وہ دعوی جو صرف اقرار پر مبنی ہو مسموع نہ ہوگا،کا یہی معنی ہے الجواب جہاں تک میری نظر ہے،اور اللہ تعالٰی ہی درستی کو

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

بالصواب ان تعریف القاضیخاں اکثری لاحصری و لایشترط فی جمیع افراد التخلیة الامر بالقبض بل امدارھا علی ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن من قبضه بعد اجازة المخلی بالقول او بدلالة الحال ویدل علی ھذا اطلاقات القاضیخاں ایضا جلد ۲ صف ۳۹۴ حیث قال البائع اذا خلی بین المبیع وبین المشتری بحیث یتمکن المشتری من قبضه یصیر المشتری قابضا للمبیع [1] ففیه تصریح ان الامر بالقبض غیر مشروط فیھا ولا قائل بالفرق بین التخلیة فی البیع والھبة حتی یقال بالاشتراط فیھا دونه ولان عبارة القاضیخاں قبیل ھذا ص ۳۹۴ شاھدة بمساوات التخلیتین، وایضًا لایدل علی الاشتراط مفھوم التخلیة ولا اصطلاحھم ولا لما ذھلوا عنه اکثر من ان یحصی،وایضا لا یمکن الانکار لاحد عن التخلیة مع عدم الامر فیما اذا عدد المشتری الثمن عند

بہتر جانتا ہے کہ بیشک قاضی خاں کی تعریف اکثری ہے حصری نہیں ہے تخلیہ کے تمام افراد میں قبضہ کا حکم کرنا شرط نہیں بلکہ تخلیہ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ تخلیہ دینے والے کی اجازت قولی یا حالی کے بعد چیز اس طرح موجود ہو کہ مشتری یا موہوب لہ کو اس پر قبضہ کا تمکن حاصل ہو جائے، اس پر خود قاضی خاں کے اپنے اطلاقات دال ہیں انہوں نے جلد ۲ ص ۳۹۴ میں فرمایا کہ بائع نے جب مبیع چیز اور مشتری کے مابین تخلیہ یوں کردیا کہ مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہو جائے تو مشتری کو مبیع پر قابض قرار دیا جائے گا تو اس میں تصریح ہے کہ قبضہ کا حکم شرط نہیں ہے جبکہ بیع اور ہبہ میں تخلیہ کے اعتبار سے فرق کا کوئی قابل نہیں ہے، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ہبہ کے تخلیہ میں شرط ہے اور بیع میں شرط نہیں اور اور اس لئے بھی کہ اس سے تھوڑا پہلے صفحہ ۳۹۴ پر قاضی خاں نے اپنی عبارت میں دونوں تخلیوں کو مساوی قرار دیا ہے، نیز تخلیہ کا مفہوم اور فقہاء کی اصطلاح اشتراط پر دال نہیں ہے ورنہ فقہاء کبھی اس کو نظر انداز نہ فرماتے حالانکہ ان کی بے شمار تصریحات اس کے ذکر سے خالی ہیں، نیز جب مشتری ثمن کے دراہم کو مبیع کے پاس گنتی کرے اور بائع کو قبضہ کرنے کا نہ کہے تو کسی کو

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

المبیع ولم یقل له اقبضه وبهذا اندفع الدور ایضاً اذ الاخبار یعنی قوله یہ تیرا روپیہ ہے لیس علی حقیقته حتی یقتضی ثبوت المخبر عنه وهو الملك والحال انه موقوف علی هذا القول اذ لیس له وجه اٰخر غیر الهبة اذفی حمله علی الاخبار یلزم الغاء الکلام و الواجب حمله اذا صدر عن عاقل بالغ علی معنی یصح فحمل علی الانشاء واجازة القبض وهو شائع فی محاورات الهند کقولهم پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، کھانا حاضر ہے، حین کون هذا الاشیاء موضوة لدی المخاطب فهم لا یریدون بهذا الاخبارات حقیقتها والا یلزم الالغاء بل مقصودهم اجازة التناول منها کما لا یخفی علی اللبیب فلو کا المراد من قول زید المرحوم یہ تیرا روپیہ ہے اجازة التناول والقبض لا یلزم المحذور ایضا وبه یصح الکلام ویتم المقصود من تمام الهبة بالتخلیة والقبض الحکمی، وظهر وجه الاستدلال بالقول الاول بقی الاقرار بالامانة هل هو صالح للاستدلال به ام الابل الاستدلال مستلزم للدور	بھی اس تخلیہ کے معتبر ہونے سے نکار نہیں ہے، اس بیان سے دور بھی ختم ہوگیا کیونکہ والد کا یہ کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" یہ خبر اپنے حقیقی معنی پر نہیں ہے تاکہ وہ مخبر عنہ یعنی سابقہ ملکیت کا ثبوت چاہے حالانکہ حالیہ ملکیت اس قول (یہ تیرا روپیہ ہے) پر موقوف ہے کیونکہ اس ملکیت کی ہبہ کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ تو جب اس قول کو خبر پر محمول کیا جائے تو کلام کا لغو ہونا لازم آتا ہے جبکہ عاقل بالغ کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرنا واجب ہے، تو ایسے قول کو انشاء اور قبضہ کی اجازت پر محمول کرنا ہندوستان کے محاورات میں عام استعمال ہے، مثلاً وہ جب کہتے ہیں پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، یا کھانا حاضر ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب یہ چیزیں مخاطب کے سامنے رکھی ہوئی ہوتی ہیں وہ اس سے خبر کا حقیقی معنی مراد نہیں لیتے ورنہ کلام کا لغو ہونا لازم آئے گا بلکہ ان کی مراد اس کو کھانے کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ یہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے تو اگر زید مرحوم کے قول "یہ تیرا روپیہ ہے" سے بھی یہی معنی مراد لیا جائے تو کوئی خرابی نہ ہوگی جبکہ اس سے کلام صحیح ہوتا ہے اور ہبہ کے تام ہونے کا مقصد بھی تخلیہ اور حکمی اجازت قبضہ سے حاصل ہوتا ہے تو ظاہر ہوا کہ وجہ استدلال پہلا امر یعنی ہندہ کی ملکیت ہونا ہے، باقی رہا یہ معاملہ کہ امانت کا اقرار وجہ استدلال بن سکتا ہے یا نہیں بن سکتا بلکہ یہ استدلال دور کو

کما قال المعترض.**اقول:** وباللّٰہ التوفیق مدار الاعتراض علی ان الاقرار باطل لانہ یتوقف علی وجود المخبر عنہ وھو ثبوت الملك فلو استدل بہ علی تمام الھبۃ وثبوت الملك یلزم الدور محصل الجواب ان اشتراط نفوذ الاقرار ببیان سبب الملك غیر الاقرار مسلم لکن لا یجب بیانہ الا اذا رجع المقرعن اقرارہ واما اذاکان مصرا علی اقرارہ فان بین فبھا وان لم یبین حتی مات علی اقرارہ لایبطل اقرارہ عند احد بل یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لا یلزم الالغاء والسبب الصالح للاقرار ھٰھنا موجود وھو الھبۃ مع التخلیۃ والھبۃ مع التخلیۃ والھبۃ وتمامھا لیستا موقوفتین علی الاقرار حتی یلزم الدور کما زعم المعترض بل ھما قد ثبتا بدلیل قدمر بیانہ فالاقرار وان کان باعتبار ذاتہ موقوفا علی تمام الھبۃ لکن باعتبار لازمہ وھو	مستلزم ہے جیسا کہ معترض نے کہا ہے، اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اعتراض کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ اقرار باطل ہے کیونکہ یہ مخبر عنہ اور محکی عنہ پر موقوف ہے اور وہ محکی عنہ پہلے سے ملکیت کا ثبوت ہے تو اگر اس قول سے ملکیت ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا ثابت کیا جائے تو دور لازم آئے گا، تو اس کے جواب کاخلاصہ یہ ہے کہ اقرار کے نافذ ہونے کے لئے اس اقرار کے علاوہ کسی اور سبب کا بیان ضروری ہے، جو ملکیت کا باعث ہو، یہ بات مسلمہ ہے لیکن اس کا بیان صرف اس قت ضروری ہے جب مقر اپنے اقرار سے منحرف ہو______ لیکن اگر وہ اپنے اقرار پر قائم ہے تو بیان کردے تو بہتر ورنہ وہ اپنے اس اقرار پر فوت ہوجائے تو کسی کے ہاں وہ اقرار باطل نہ ہوگا بلکہ اس اقرار کو صحیح محمل پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ کلام کا لغو ہونا لازم نہ آئے، اور یہاں صحیح سبب موجود ہے اور وہ ہبہ مع تخلیہ ہے جبکہ ہبہ اور اس کا تام ہونا اقرار پر موقوف نہیں ہے، تاکہ دور لازم آئے جیسا کہ معترض کا خیال ہے، بلکہ ہبہ اور اسکا تمام ہونا یہ دونوں مذکورہ دلیل سے ثابت ہیں تو اقرار اگرچہ اپنی حقیقت میں ہبہ کے تام ہونے پر موقوف ہے لیکن وہ اپنے لازم جو کہ صحیح سبب پر محمول کرنا ہے، کے اعتبار سے مذکورہ صورت

وجوب حملہ علی سبب صالح یقتضی ان یحکم بتمام الھبۃ فی الصورۃ المذکورۃ بشرطھا وشطرھا المذکورین، ولھذا حکمنا بان الاقرار ایضا دلیل علی تمام الھبۃ فقط ارجومنکم ان ترشدونی بصواب الجواب وتدقیق یؤمن بہ ویتیقن بہ اولوالالباب۔	میں ہبہ کے تام کے حکم کو اس کی شرط اور رکن سمیت چاہتا ہے اور اسی لئے ہم نے حکم لگا دیا کہ اقرار بھی ہبہ کے تام ہونے کی دلیل ہے فقط (مذکورہ صورت حال کی روشنی میں) مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ صحیح جواب کی رہنمائی فرمائیں گے اور ایسی تحقیق فرمائیں گے جس پر اصحاب علم وفہم کو یقین وتصدیق ہو جائے۔ (ت)

(العبد عبداللہ خاں عفی عنہ از ضلع چمپارن قصبہ بتیا محلّہ گنج اول)

الجواب:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ (یااللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لئے ہیں۔ت) صورت مشروحہ سوال سے ہندہ کے لئے ان نقود میں ملک اصلا ثابت نہیں۔

اولاً: سائل نے زید کا مجلس عقد میں شوہر واصہار کے سامنے بعض اشیاء نامزد ہندہ کرنا بیان کیا مگر شوہر وغیرہ کے قبول کا کوئی ذکر نہیں کہ قبول فضولی سمجھ کر اجازت ہندہ پر موقوف رکھیں، نہ بعدہ کوئی اجازت ہندہ مذکورہ فہرست مطلقا تعریف ایجاب بالکتاب میں داخل خصوصا جبکہ تذکرہ ماوقع علیہ الانشاء ہونہ انشاء، **والاول ھو المعھود المتعارف فی امثال الفھارس** (فہرستوں جیسی چیز میں امر اول معلوم ومتعارف ہے۔ت) نہ وہ لفظ ہی سوال میں مسطور جو زید نے فہرست میں لکھے کہ ان پر نظر ہو، نہ یہی معلوم کہ ہندہ خواندہ ہے، فہرست اس نے خود پڑھی یا کسی نے اس کے جملہ الفاظ مندرجہ پڑھ کر سنائے، یا یوں ہی اجمالا اسے کاغذ دے دیا کہ یہ تمھارے جہیز کی فہرست ہے، نہ یہی مذکور کہ ہندہ سے کوئی قول یا فعل کہ قبول یا اجازت فضولی پر صادر ہوا یا نہیں،

واذلا اثر لبیان شیئ منھا فی السوال فکیف یسوغ الحمل فی الجواب علی احد الجوانب من دون علم و یحکم بتحقق الشطرین تحکما بوجود القبول من الحضار ثم اجازۃ من المرأۃ	سوال میں مذکورہ شقوں کا بیان اور نشاندہی نہیں ہے تو جواب کو کسی ایک شق پر علم کے بغیر کیسے محمول کیا جائے اور کیسے حاضرین کے حکمی قبولیت کے وجود سے ہبہ کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) کے پائے جانے پر حکم کیا جائے اور پھر عورت کی

او وجودہ منھا بعد بلوغ الکتاب مع عدم العلم بما فی الکتاب ایضا بمجرد السکوت فلا ینسب الی ساکت قول، ام باختیار من عند انفسنا احد الشقوق و لیس ھذا شان الجواب انما قصارہ فی امثال الصور الترديد۔	اجازت اور اجازت کا وجود لکھے ہوئے کاغذ کی وصولی کے بعد باوجودیکہ اس میں لکھی ہوئی چیز کا بھی علم نہیں محض اس کے سکوت سے ثابت کرنا تو اس کی طرف کسی قول کا منسوب کرنا نہ ہوگا یا ہم خود اپنی طرف سے کوئی ایک شق متعین کرلیں، تو یہ جواب نہ ہوگا اب سوائے اس کے کہ سوال کی ایسی صورت کے جواب میں اگر مگر سے کام لیا جائے کوئی چارہ نہیں ہے۔(ت)

بالجملہ قبول کو شطر عقد مان کر مقدار مافی السوال پر حکم انعقاد رجم بالغیب وخرط القتاد۔

نعم ہو علی علی الاصح شرط ثبوت الملك واذن یقوم مقامه القبض فی المجلس ولو بلااذن الواھب اوبعدہ لو باذنه کما حققناہ فی فتاوٰنا وحینئذٍ یرجع الامر الی المباحث الاٰتیة فی تحقق التخلیة ویلغوا السعی فی تحقیقة بفرضه من فضولی فی المجلس اواحالة الایجاب علی ما فی الکتاب لیتوقف الشطر علی ماوراء المجلس۔	ہاں قبول کرنا صحیح قول کے مطابق ثبوت ملکیت کی شرط ہے اور اس صورت میں ثبوت ملک سے قائم مقام قبضہ ہوسکتا ہے مجلس میں ہو تو بلااجازت بھی ہوسکتا ہے ورنہ مجلس کے بعد اجازت سے، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور اس صورت میں تخلیہ کی تحقیق میں آئندہ مباحث کی طرف راجع ہونا ہوگا جبکہ اس صورت میں فضولی سے مجلس میں قبولیت یاایجاب کو لکھی ہوئی فہرست کی طرف منسوب کرکے ماورائے مجلس شطر (رکن) کے پائے جانے کی کوشش لغو ہے۔(ت)

ثانیاً ہاں ہبہ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے۔

جزم به فی متن التنویر ونص فی الدرر ثم الدر[1] انه المختار قلت وقد اشار فی بیوع الاشباہ الی ضعف خلافه وقدمه فی ھبة الخانیة علی قول	اس پر تنویر کے متن میں جزم فرمایا درر اور درمختار میں نص فرمائی اور مختار قرار دیا، میں کہتا ہوں اور اشباہ کی کتاب البیوع میں اس کے خلاف پر ضعف کا اشارہ کیا اور خانیہ کے کتاب الھبۃ میں اس کو مخالف قول پر مقدم ذکر کیا ہے

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الخلاف وہوانما یقدم الاظھر الاشھر وبه جزم الامام شمس الائمة الحلوانی ولم یمل الی ذکر الخلاف کمافی بیوع الخاقانیة	جبکہ خانیہ اظہر واشہر کو مقدم ذکر کرتا ہے اور اسی پر شمس الائمہ حلوانی نے جزم کیا اور مخالف قول کو ذکر تک نہ کیا جیسا کہ خاقانیہ کے بیوع کے باب میں ہے۔(ت)

مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لئے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شیئ موہوب موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اس تک پہنچ جائے اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہرگز کافی نہیں۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

لواشتری ثوبا فامرہ البائع بقبضه فلم یقبضه حتی اخذہ انسان ان کان حین امرہ بقبضه امکنه من غیر قیام صح التسلیم وان کان لایمکنه الابقیام لایصح [1]۔	اگر کسی نے کپڑا خریدا تو بائع نے اس کو قبضہ کرنے کا حکم دیا، ابھی وہ قبضہ کرنہ پایا تھا کہ دوسرے شخص نے وہ کپڑا پکڑ لیا، اگر قبضہ کے حکم کے وقت مشتری کو اس کپڑے پر قبضہ کے لئے قیام کے بغیر قدرت تھی تو بائع کا یہ حکم تسلیم کے قائم مقام ہوگا اور قیام کے بغیر قبضہ پر قدرت نہ تھی تو تسلیم صحیح نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان کان حین امرہ البائع بالقبض امکنه ان یمد یدہ ویقبض من غیر قیام صح التسلیم والافلا [2]۔	جب بائع نے اس کو قبضہ کا حکم دیا اس وقت اس کو ہاتھ بڑھا کر بغیر قیام قبضہ پر قدرت تھی تو تسلیم صحیح ہے ورنہ نہیں۔(ت)

یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اس نے کہا کہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلا کر اتنا پاس بٹھا کر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی تو روپوں کی تھیلی ہاتھ میں آجاتی تو شرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تو اس کا بیان ترک نہ کرتا،

لمایترائی من کلام عن الاستقصاء	کیونکہ پورا واقعہ بیان کرنے اور ہبہ کو تام

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیمایدخل فی البیع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷

فی بیان الواقعۃ وتفریغ الوسع فی الاتیان بکل ماظنہ مؤیدالتمام الھبۃ۔	قرار دینے کی کوشش میں پوری مساعی کاہر ممکن صرف کرنا اس کی کلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ فریقین کااتفاق کہ واہب ایسا کہا کرتا تھا یا ہندہ قبضہ کرتی تو کہہ سکتے ہیں کہ نہ روکتااس شرط تمکن کے وجود پر اتفاق ہے ایسا کہنا یا نہ روکنا واہب کے قول وحال ہیں اور جو تمکن کہ یہاں شرط ہے یعنی شے موہوب سے اس قدر قریب ہونا وہ موہوب لہ کا وصف ہے، تو نہ اس کاوجود اس کے وجود کو مستلزم، نہ اس کی تسلیم، بہر حال قدر مافی السوال پر ثبوت تخلیہ کا حکم صحیح نہیں۔

فکان حقہ ان یرددا ذا تردد وھھنا سھو فی بعض الصور وقع فی ش تبعا للبحر اوضحناہ وازحناہ فیما علقنا علیہ وباللہ التوفیق ثم ہوایضالا یتعلق بما فی الباب قد نص انہ یشترط فی نحو ثوب کونہ بحیث لومد یدہ تصل الیہ ولا شك ان الدراھم فی ذٰلك مثل الثیاب۔	حق یہ تھا کہ تردد کی صورت میں تردد کا اظہار کیا جاتا، اور یہاں بعض صورتوں کے بیان میں شامی کو بحر کی پیروی میں سہو ہوا ہے اس کو ہم نے اس پر حاشیہ میں واضح کیا اور اس کا ازالہ بھی کیا ہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، پھر وہ بھی اس باب سے متعلق نہیں ہے، انھوں نے یہ نص کی ہے کہ کپڑے جیسے معاملہ میں یہ شرط ہے کہ کپڑا یوں ہو کہ اگر ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ اس تک پہنچ جائے تو شک نہیں کہ دراہم اس معاملہ میں کپڑے کی مانند ہیں۔(ت)

ثالثًا: تحقق تخلیہ کے لئے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہر گز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو قبضہ کاحکم کرے، مثلًا "**خذہ**" یا "**اقبضہ**" کہے یا "**خلیت لك عنہ**" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔

کلام یہاں طویل الذیل ہے اور محل اجمال میں چند جملے وافی، **واللہ الموفق**

(ا) امام اجل فقیہ النفس قاضیخاں رحمہ اللہ تعالٰی نے تخلیہ کی تعریف ہی میں امر بالقبض ماخوذ فرمایا، **کما ھو منقول فی السؤال وجعل الحد اکثر یالاحصر یاتحویل لاتاویل** (جیسا کہ سوال میں منقول ہے۔ اور قاضی خاں کی تعریف کو اکثری قرار دینا ان کی کلام کو تبدیل کرنا ہے یہ اس کی تاویل نہیں ہے۔ت)

(۲) امام اجل ممدوح ودیگر اجلہ نے صراحۃً عدم امر مذکور کی حالت میں عدم صحت تخلیہ پر نص فرمایا، فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للخانیۃ ان دفع الیہ المفتاح ولم یقل خلیت بینك وبین الدار فاقبضہ لم یکن ذٰلك قبضا[1]۔	خانیہ کے الفاظ میں۔ اگر اس نے چابی دے دی اور یہ نہ کہا کہ میں نے تیرے اور گھر کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے تو یہ قبضہ نہ ہوگا (ت)

محیط پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذا لم یقل اقبضہ فانما القبض ان ینقلہ[2]۔	جب قبضہ کرلے نہ کہا تو پھر وہاں سے منتقل کرنا ہی قبضہ قرار پائے گا۔ (ت)

توکلام امام قاضیخاں کو عدم اشتراط پر حمل کرنا خود ان کی تصریح صریح کے خلاف ہوگا

(۳) امام اجل موصوف ودیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقاً امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وہ امر بالقبض درکار ہے جو اس شیئ کی طرف مضاف ہو، مثلاً ہبہ یا بیع کرکے کہا لے لے یا قبضہ کرلے، تخلیہ نہ ہوا جب تک یوں نہ کہے کہ یہ چیز لے لے یا اس پر قبضہ کرلے، فتاوٰی قاضی خاں وبحر الرائق وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال "خذ" لا یکون قبضا ولو "خذہ" فھو قبض اذا کان یصل الی اخذہ ویراہ[3]۔	اگر کہا "پکڑلے" تو قبضہ نہ ہوگا، اور یہ کہا کہ "اس کو پکڑلے" تو قبضہ ہوگا بشرطیکہ چیز کو ہاتھ پہنچ جائے اور اس کو نظر آئے۔ (ت)

(۴) امام اجل مذکور کے فتاوٰی اور کتاب الاجناس وشرح المجمع لابن ملک وغمز العیون والبصائر وبحر الرائق وغیرہا میں تخلیہ کی شرائط شمار کیں اور ان میں قول مذکور کو ایک مستقل شرط گنا۔ اور نہر الفائق ودرمختار وفتاوٰی ہندیہ وحاشیہ طحطاویہ وردالمحتار وغیرہا میں اسے مقرر رکھا۔ امام ناطفی وابن فرشتہ وسید حموی کی عبارت یہ ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی تنقیح المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶

التخلیة بین المبیع والمشتری یکون قبضًا بشروط احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع، و الثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یتمکن من اخذہ بلامانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق غیرہ اھ[1] باختصار	مبیع چیز اور مشتری کے درمیان تخلیہ چند شرائط کے ساتھ قبضہ بن جاتا ہے ایک یہ کہ بائع یوں کہے "میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کیا" دوسری یہ کہ مبیع مشتری کے پاس اس طرح ہو کہ بغیر رکاوٹ اسی کو پکڑ سکے، اور تیسری شرط یہ کہ مبیع فارغ ہو اور کسی کے حق میں مشغول نہ ہو، اھ اختصار۔(ت)

شرط کا اکثری ہونا کیا معنی، اور امام اجل موصوف نے تو صراحۃً اسے ارشادات عالیہ امام الائمہ صاحب المذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا:

حیث قال قال ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه التخلیة بین المبیع و المشتری تکون قبضا بشرائط ثٰلثة احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع فاقبضه ویقول المشتری قد قبضت، والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یصل الی اخذہ من غیر مانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق الغیر[2] الخ	جہاں انھوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ تین شرائط کے ساتھ قبضہ قرار پاتا ہے، ایک یہ کہ وہ مشتری کو کہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے، اور مشتری جواب میں کہے میں نے قبضہ کیا، دوسری یہ کہ مبیع اس طرح مشتری کے سامنے ہو کہ بغیر رکاوٹ اس کو لے سکے، اور تیسری یہ کہ مبیع فارغ ہو کسی کے حق میں مشغول نہ ہو الخ۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع باب فی تنقیح المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۵

كان ابوحنيفه يقول القبض ان يقول خليت بينك وبين المبيع فاقبضه ويقول المشترى وهو عند البائع قبضته[1]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تخلیہ کے ساتھ قبضہ یہ ہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے اس کو لے لو، اور مشتری بائع کی موجودگی میں کہے میں نے قبضہ کیا۔(ت)

بالجملہ نقول اس مسئلہ میں متظافر ہیں اور سب سے اعظم یہ کہ وہ خود صاحب المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص ہے: **فاياك ان تتوهم مما فى الدر تبعا للنهر انها من زيادات الناطفى**۔ در مختار میں نہر کی پیروی میں جو کہا کہ یہ ناطق کے زیادات میں سے ہے، اس وہم سے بچ کر رہنا۔(ت)

(۵) یہیں سے ظاہر کہ عبارات علماء میں جہاں تخلیہ مذکور ہے یہ شرط منظور ہے۔

فان الشيئ اذا اثبت ثبت بلوازمه و من قال رجل صلى فليس عليه ان يقول بطاهر فى طاهر على طاهر ناويا مستقبلا مكبرا فقد تضمن الكل قوله صلى، فلا تظن امثال قول الخانية البائع اذا خلى بحيث يتمكن المشترى من قبضه يصير قابضا[2] انها خالية عن هذ الشرط فضلا عن كونها صرائح فى انه ليس بشرط۔	جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اور جو شخص کسی کے متعلق کہے کہ "فلاں نے نماز پڑھی ہے" تو اس کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں، پاک حالت، پاک پانی، پاک جگہ، نیت کے ساتھ، قبلہ کی طرف اور تکبیر کہہ کر، کیونکہ نماز کا ذکر ہی ان سب کو متضمن ہے، لہٰذا خانیہ کے قول کہ "بائع جب تخلیہ کردے اس انداز میں مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہوجائے تو مشتری قابض قرار پائے گا" سے تجھے یہ گمان نہ ہو کہ یہ اس شرط سے خالی ہے چہ جائیکہ تو عدم شرط پر اس کو تصریح قرار دے۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب البیع یدخل البناء والمفاتیح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

(۶) نصوص صریحہ مذہب وخود صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلاف اگر کوئی روایت شاذہ پائی جاتی نامقبول ہوتی نہ کہ روایت مطلقہ کہ مخالف بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اسی مقید پر محمول ہوتی۔

لانہ متفق علیہ فی کلمات العلماء وانما الخلاف فی نصوص الشارع کما فی ردالمحتار وغیرہ من المعتمدات	کیونکہ یہ تمام علماء کے کلام میں متفق علیہ ہے صرف شارع کی نصوص میں خلاف ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔(ت)

نہ کے بے استناد روایت محض ذہنی حکایت کہ وہ کیا قابل التفات وعنایت،

فالمشتری ان عدالثمن فی ید البائع اوذیلہ اوحجرہ لم یحتج البتۃ الی قولہ خذہ ونحوہ لان الحقیقی غنی عن شرائط الحکمی وان عددہ علی الارض بین یدی نفسہ فلایسلم انہ تخلیۃ مالم یقلہ اوینقلہ۔	جب مشتری نے رقم بائع کے ہاتھ یا جھولی یا دامن میں گنتی کرکے ڈالی تو اب اس کو یہ کہنے کی ضرورت ہرگز نہیں کہ "تو پکڑلے" کیونکہ حقیقی قبضہ کے بعد حکمی شرائط کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں اگر مشتری اپنے سامنے زمین پر گن کر رکھ دے تو یہ تسلیم نہ ہوگا کہ یہ تخلیہ ہے جب تک پکڑ نہ لے،نہ کہہ دے یا وہاں سے مشتری اٹھانہ لے۔(ت)

(۷) زید کا کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" صراحۃً اقرار ہے، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لو قال لاٰخر "ایں چیز ترا" فھو ھبۃ یشترط فیھا القبض ولو قال "تراست" فاقرار[1]۔	اگر دوسرے کو کہا کہ یہ چیز تجھ کو تو ھبۃ ہوگا اور اس میں قبضہ شرط ہوگا اور اگر کہا کہ یہ چیز تیری ہے تو اقرار ہوگا۔(ت)

تو اس سے انشائے اجازت قبض مراد لینا محض مجاز،اور مجاز بے ضرورت ممنوع وناُمجاز اور ضرورت معدوم،تو تخلیہ کی پہلی شرط تمکن قبض کا تو وجود معلوم نہ تھا،اس دوسری شرط یعنی امر بالقبض کا عدم معلوم،

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۵

وحدیث الالغاء لایستحق الاصغاء فان الاقرار لم یعرعن حکمه من ان المقر مؤاخذ به قضاء ان لم یثبت بطلانه حیث یصیر مکذبا شرعا فاین التعطیل حتی یجوز التجوز والتحویل اماانه لایقوم بافادة الملك للمقرله فهذا عین حکمه ولو کان فیه الغاوه لانمحی الاقرار من صفحة الدنیا لان لاالغاء اذن یلزم حکمه وحکم الشیئ لازمه له فالالغاء یلزم الاقرار وماکان الغاؤہ لازم وجوده فوجوده عدم وبعبارة اوضح لوجوب حمل کل اقرار علی انشاء محضر کی یفید الملك والایلغوالاقرار غیرالانشاء فتبطل راساوانعدام.	ان کی لغو کرنے والی بات قابل التفات نہیں ہے، کیونکہ اقرار جب تک شرعاً جھوٹا ہو کر باطل نہ قرار دیا جائے تو اس وقت تک وہ اپنے حکم جو کہ مقر کا اپنے اقرار میں قضاءً ماخوذ ہونا ہے، سے خالی نہیں ہوتا تو یہاں وہ کب معطل ہے کہ مجاز کی طرف پھر ناجائز ہو اور یہ کہ وہ مقرلہ کے لئے ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا (تو غلط ہے) کیونکہ یہی تو اقرار کا حکم ہے اور اگر یہی لغو قرار پائے تو پھر دنیا میں اقرار کا وجود نہ رہے گا کیونکہ اس طرح الغاء حکم کو لازم ہوگا اور حکم خود شیئ کو لازم ہے تو یوں الغاء خود اقرار کو لازم ہوگا اور جس چیز کو الغاء لازم الوجود تو اس کا وجود معدوم قرار پائے گا اور آسان عبارت میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر اقرار کو انشاء محض پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ملکیت کے لئے مفید ہو اور لغو نہ ہو جبکہ اقرار انشاء نہیں ہو سکتا تو اقرار سرے سے باطل ہوگا اور ختم ہو جائے گا۔(ت)
(۸) کفانا المؤنة مامرنی مباحث السؤال نفسها ان اقراره یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لایلزم الالغاء فقد علم ان حمله علی تقدم سبب مامصحح للاقرار یکفی لاعماله ویندفع الالغاء ومعلوم نه یبقی به علی حقیقته فالعدول الی المجاز فرار عن الالغاء ممالاوجه اصلا۔	اور خود اس نے ہمیں سوال کی مباحث کی تکلیف سے فارغ کر دیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب کر دیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب سبب پر محمول کرنا ضرورت ہے جو اقرار کو صحیح کرے یہ بات اقرار کی صحت و عمل کے لئے کافی ہے اور لغو نہ ہوگا تو ظاہر ہو گیا کہ اقرار اپنے حقیقی معنی پر ہے تو اب الغاء سے بچنے کے لئے مجاز کی طرف عدول کی کوشش بلاجواز ہے۔(ت)
(۹) بل الاقرار بشیئ انه لفلان	بلکہ کسی چیز کے متعلق اقرار کہ یہ فلان کی ہے

انما ینبئ عن ملك مطلق له فیه قبل الاقرار فلا یحتاج الی ابانة سبب اصلا فضلا عن ان یُلزم المقرفی حیاته ببیان سبب صالح ھذا لم یقول به احد وانما قالوا ان الاتری ان مدعی الملك المطلق و شاھدیه یکلفون بین السبب فکیف المقر الامااستثنٰی مما الظاھر فیه بطلان الاقرار کالاقرار لحمل فمشیئ محمد علی الاصل ای یحمل علی سبب صالح من دون بیان والزمابیانه کارث اووصیة، بخلافه الرضیع وان لم یبین شیئا بل بین مالا یصلح له کاقراض وبیع الکل کما فی الاشباہ والتنویر وغیرھما۔	تو یہ اقرار بتاتا ہے کہ چیز فلاں کی ملکیت مطلقہ قبل از اقرار ہے تو کسی سبب کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی چہ جائیکہ مقر پر لازم کردیا جائے کہ وہ اپنی زندگی میں اس اقرار کے مناسب سبب کو بیان کرے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہر مقر اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ملکیت مطلقہ کا مدعی اور اسکے گواہ کسی سبب کو بیان کرنے کے پابند نہیں ہوتے تو مقر کیسے پابند ہوسکتا ہے ہاں وہ صورت اس بحث سے خارج ہے جو ظاہرا باطل قرار بنے مثلا کوئی شخص ایسے بچے کے لئے اقرار کرے جو ابھی حمل میں ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس اقرار کو اپنے اصل پر محمول کرتے ہوئے مناسب سبب کو بیان کرنا ضروری نہیں قرار دیتے جبکہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی اس کو بیان کرنا ضروری قرار دیتے ہیں مثلا وصیت یا وراثت میں سے کسی کو بیان کرے۔بخلاف دودھ پینے والے بچے کے لئے اقرار ہو تو اس کے مناسب کوئی سبب نہ ہو تو بھی بیان کرنا ضروری نہیں مثلا اس کے لئے قرض یا اس کے لئے کل مال کی بیع کا اقرار کردے، جیسا کہ الاشباہ اور تنویر وغیرہما میں ہے۔ (ت)
(۱۰)بل لادلالة للاقرار علی ان ملك المقرلة المخبر عنه فی الاقرار کان مستفادا من االمقر الاتری	بلکہ اقرار میں مقرلہ کی ملکیت پر دلالت ہی نہیں کہ مقرلہ اس کی خبر دے رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم اگرچہ شراب کا مالک نہیں ہوتا اس

ان المسلم یصح اقرارہ بخمر کما فی الدرر والبحر و التنویر وغیرھا حتی یؤمر بتسلیمھا کما فی ش و لا یصح کونہ ملکالھا کما فی الھدایۃ۔	کے باوجود اگر وہ کسی کے لئے شراب کا اقرار کرے جیسا کہ درر، بحر اور تنویر وغیرہا میں ہے کہ اس کا اقرار صحیح ہے، اور شامی میں ہے کہ اس کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا، مسلمان کے لئے شراب کی ملکیت کا صحیح نہ ہونا ہدایہ میں مذکور ہے۔(ت)
(۱۱)ولو تنزلنا فانما یکفی تصور سبب ما ولیس علی احد تعیینہ بل لیس لاحد غیر المقر لان المجمل لا بیینہ الا من اجمل فظھر ان الاستدلال علی تمام الھبۃ المذکورۃ باقرارہ بالامانۃ لاتمام لہ اصلا۔	اور اگر تنزل کے طور پر تسلیم بھی کرلیں تو صرف کسی سبب کا تصور ہی کافی ہوگا مقر کے علاوہ کسی کو بھی اس کی تعیین اور بیان کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ مجمل کو صرف اجمال بولنے والا ہی بیان کرسکتا ہے تو واضح ہوگیا کہ ہبہ کے تام ہونے پر اس کے اقرار بالامانت کو دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔(ت)
(۱۲)اذا الامر کما وصفنا ان الاقرار لیس دلیلا انیا علی تمام الھبۃ فلو کان دلیلا لکان لمیا والاقرار اظھار لا اثبات فلو جعل اثباتا لدار والا مناص۔	جب معاملہ وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو پھر اقرار ہبہ کے تام ہونے پر دلیل انی نہ ہوگا اگر ہوگی تو دلیل لمی ہوگا یعنی اقرار محض ثبوت نہیں کہ اظہار ہوتا ہے اثبات نہیں بنتا۔ ہاں اگر اثبات قرار دیا جائے تو ناچار دور لازم آئیگا۔(ت)

رابعًا تخلیہ کی شرط ثالث سے مستفاد بلکہ حقیقۃً لفظ تخلیہ کا مفاد یہ ہے کہ تخلیہ کرنے والا اسے اپنے قبضہ سے خالی کردے کہ شے جب تک خود اس کے قبضہ میں ہے تخلیہ کہاں ہوا۔ ولہٰذا بحر الرائق نے تصور تخلیہ میں اس شیئ کا زمین پر رکھا ہونا ماخوذ کیا، ولہٰذا اگر گھوڑا بیچا اور بائع اس کی یال تھامے ہوئے مشتری سے کہہ رہا ہے کہ گھوڑے پر قبضہ کرمیں اس کی یال تیرے ہی لئے تھامے ہوئے ہوں کہ بھاگ نہ جائے اور تو قابو میں کرلے اور مشتری پاس کھڑا ہے کہ قبضہ کرسکتا ہے مگر وہ اپنا ہاتھ نہ رکھنے پایا تھا کہ گھوڑا چھوٹ کر گم ہوگیا، بائع کے مال سے گیا کہ قبل قبض ہلاک ہوا تو باآنکہ مشتری قبضہ پر فی الحال قادر تھا اور بائع صاف حکم قبضہ کررہا تھا۔

مگر تخلیہ صحیح نہ ہوا کہ گھوڑا دست بائع میں تھا

فی البحر الرائق وان کان غلاما اوجاریة فقال له المشتری تعال معی اوامش فخطی معه فهو قبض و کذا لوارسله فی حاجته، وفی الثواب ان اخذه بیده او خلی بینه وبینه وهو موضوع علی الارض فقال خلیت وبینك وبینه فاقبضه فقال قبضته فهو قبض[1]، وفی الذخیرة ثم الهندیة ان کانت الرمکة فی ید البائع و لم تصل الیها ید المشتری فقال البائع للمشتری قد خلیت بینها وبینك فاقبضها فانی انما امسکها لك فانفلتت من ید البائع قبل ان یقبض المشتری وهو یقدر علی اخذها من البائع وضبطها کان الهلاك علی البائع[2] اھ (ملخصا) ومثله فی الخانیة وتمامه تحقیقه فیما علقنا علی ردالمحتار۔	بحرالرائق میں ہے اگر غلام یا لونڈی ہو اور مشتری اس کو اپنے ساتھ چلنے کو کہے اور وہ ساتھ چل پڑے تو مشتری قابض قرار پائے گا اور یوں ہی اگر اس غلام کو مشتری نے اپنے کام کے لئے بھیج دیا اور کپڑے کی صورت اگر مشتری کے ہاتھ میں دے دیا یا بائع نے اس کو اپنے اور مشتری کے درمیان زمین پر رکھ دیا اور کہا میں نے تیرے لئے تخلیہ کردیا ہے قبضہ کرلے، اور مشتری نے کہا میں نے قبضہ کرلیا تو قبضہ ہوجائے گا اور ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے کہ گھوڑی بائع کے قبضہ میں ہے اور مشتری کے ہاتھ سے دور ہے اور بائع کہہ دے کہ میں نے تیرے لئے اس کو پکڑ رکھا ہے میں نے تیرے اور اس کے درمیان تخلیہ کردیا پکڑلے تو قبل از قبضہ اس موقعہ پر اگر وہ گھوڑی بائع کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے تو اگرچہ مشتری بائع سے لے کر قابو کرنے پر قادر بھی تھا تو بھی نقصان بائع پر ہوگا اھ (ملخصا) یہ تمام بحث خانیہ میں ہے اور مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ (ت)

اور بداہۃً ظاہر ہے کہ جو چیز اپنے صندوق میں رکھی ہے اور صندوق اپنی الماری میں ہے اور مالک نے آپ انھیں کھولا اور صندوق بدستور الماری میں رکھا ہے اور وہ خود انھیں کھولے ہوئے بیٹھا ہے تو قطعاً اسی کا قبضہ ہے، پھر تخلیہ کہا متحقق ہوا کہ روپیہ اصل قبضہ مالک سے ایک وقت بھی خالی نہ ہوا، بخلاف اس کے کہ صندوق کھول کر صندوق ہندہ کے ہاتھ میں دے دیتا کما فی

[1] بحرالرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۸

المحیط السرخسی والتنویر والھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ محیط سرخسی، تنویر اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔ت) کہ اب صندوق ومافیہ پر زید کا قبضہ نہ رہتا اور کھلے ہونے کے سبب ہندہ کو قبضہ زرپر فی الحال تمکن ہوتا مگر یہاں ایسا نہ ہوا تو تخلیہ نہ ہوا تو قبضہ حقیقی یا حکمی اصلا نہ ہوا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور قبل قبضہ موت واہب سے ہبہ باطل محض ہوگیا،

فی الدر المختار من موانع الرجوع والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	درمختار میں رجوع کے موانع کی بحث میں ہے میم سے مراد کسی کا قبضہ دینے کے فوت ہونا ہے اور قبضہ سے قبل ہو تو ہبہ باطل ہے۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ زید جبکہ حسب تحریر سوال عالم وعارف باحکام فقہیہ تھا تو اس کا علم ہی بتارہا ہے کہ اسے تکمیل ہبہ منظور نہ تھی، وہ جانتا تھا کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا اور قبضہ ایک آن کو نہ دیا، حسب تصریح سوال وقت نکاح سے ہی اس روپے کو اپنی گرہ اپنے صندوق اپنی الماری میں محبوس رکھا وہ جانتا تھا کہ اگر میں ہندہ کا قبضہ حقیقی نہیں کراتا تو کم از کم تخلیہ تو ضرور ہے اور وہ یونہی ہوگا کہ میں روپیہ صندوق سے نکال کر ہندہ کے نہایت قریب زمین پر رکھا اسے حکم قبضہ دوں مگر اس نے کبھی روپے کو ہوا نہ دی، صندوق میں سے روپیہ درکنار الماری میں سے صندوق بھی نہ نکالا یہ تو سو بار کہا کہ یہ روپیہ تیرا ہے تیری امانت ہے اور یہ ایک بار بھی نہ کہا کہ میں تخلیہ کرتا ہوں تو قبضہ کرلے، تو بحال علم وفقاہت شرائط لازمہ متحقق نہ ہونے دینا صریح دلیل ہے کہ وہ قصدا تکمیل ہبہ سے باز رہا۔

فماذکر من ان کونہ عالما فاضلا یقتضی کونہ باذلا لاھازلا یعارضہ صریحا ان علمہ ذٰلک ھوا لقاضی بکونہ عاضلا مع ان الاول لیس الاتحسین ظن بتخمین وھذا علی تقدیر معرفتہ باحکم مثبت امتناعہ بیقین۔	اس کا یہ کہنا کہ وہ عالم فاضل ہے اس لئے اس کا یہ عمل دینے کے لئے ہوگا مذاق نہ ہوگا، اس کو صریح معارض ہے کہ عالم فاضل ہونے کے باوجود اس کا یہ عمل فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے قصدا تکمیل ہبہ نہ کی، حالانکہ پہلا احتمال (دینے کا ارادہ) صرف اندازے کی بنا پر حُسن ظن کا اظہار ہے جبکہ اس کا معارض احکام سے واقف ہونے کی تقدیر پر ہبہ نہ دینے کا یقینی ثبوت ہے۔ (ت)

اور اس پر دوسری روشن دلیل اس کا بارہا رونا اور خوف ضیاع بیان کرنا ہے عاقل جس چیز سے

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ڈرتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے نہ کہ اس پر مُصر رہے، ہندہ نے اس سے کس دن کہا تھا کہ میرا روپیہ آپ امانت رکھیں اور کہا بھی تھا تو یہ اس کی تسلیم پر مجبور کیوں ہوا اور مجبور بھی تھا تو ہندہ کو ایک لمحہ کے لئے قبضہ دلا کر پھر اپنے پاس امانت رکھ لینا دشوار تھا مگر اس نے کبھی قبضہ نہ دیا تو یقیناً وہ کسی طرح قبضہ دینا نہ چاہتا تھا اور اس پر کوئی ایسا اندیشہ رکھتا تھا جو اس خوف امانت پر غالب تھا جس سے بچنے کو وہ اندیشہ گوارا کیا خواہ وہ خوف یہ ہو کہ ہندہ پھر واپس نہ دے گی اور وہ یا اس کا شوہر روپیہ ضائع کردیں گے، بیجا خرچ کر ڈالیں گے خواہ کوئی اور وجہ ہو، بہر حال قبضہ دینے سے امتناع واضح ہے، پھر تمامی ہبہ کیا معنی، تیسری اور واضح دلیل یہ ہے کہ اگر وہ واقعی جانتا کہ اس روپیہ پر ہندہ کی ملک تام ہوچکی ہے اور میرے پاس امانتاً ہے پھر اپنے پاس رہنے میں اندیشہ مواخذہ لیا تھا جسے خیال کرکے رویا کرتا تو قطعاً ہندہ کا روپیہ ہندہ کے حوالے کرتا کہ عالم تو عالم ہر عاقل کو اپنے دین کی احتیاط پرائے مال کی احتیاط پر غالب ہوتی ہے، اپنی آخرت کا مواخذہ پرائی دنیا کے نقصان سے زیادہ گراں ہوتا ہے تو صاف ثابت ہے تو کسی مصلحت خاصہ کے باعث جسے وہ خود ہی خوب جانتا ہوگا۔ اس کا اظہار ہبہ محض نمائش ودل دہی ہندہ کے لئے تھا، یہ کلام بضرورت جواب مذکور ہوا ورنہ شرعاً جب کسی عقد کی ناتمامی ثابت ہو تو حال عاقد پر مجرد حسن ظن باعث تبدیلی احکام نہیں ہوسکتا، ہمارے نزدیک الزامات مذکورہ سے یہ آسان ہے کہ یہاں بعض احکام سے زید کا ذہول مان لیجئے کہ یہ چنداں دشوار نہیں وہ اپنے گمان میں یہی جانتا تھا کہ صرف فتح صندوق سے تخلیہ ہولیا اور ہبہ تمام ہوگیا، جیسا کہ اس کے بعد بعض ذی علم محبیوں کو عارض ہوا مگر وہ گمان خلاف تحقیق تھا تو حجت نہ رہا اذ لاعبرۃ بالظن البین خطؤہ (ایسے گمان کا اعتبار نہیں جس کا خطا ہونا واضح ہو۔ت)

بالجملہ ہبہ مذکورہ محض باطل ہے، البتہ زید کا اقرار بار بار حاصل ہے مگر اقرار مفید ملک نہیں، ولہٰذا اگر مقر غلط اقرار کرے مقرلہ کو شیئ مقربہ لینا حرام ہے ولہٰذا اگر محض بربنائے اقرار دعوی ملک کرے قضاءً بھی مردود وناکام ہے، اور یہاں جبکہ فریقین متفق ہیں کہ مالک زر زید ہی تھا اور ہندہ کی طرف انتقال ملک کا کوئی سبب سوا اس ہبہ باطلہ کے نہ ہوا تو یقیناً وہ اقرار باطل تھا اور اقرار باطل کچھ اثر نہیں رکھتا، تو اب نہ ہبہ رہا نہ اقرار، اور روپیہ ملک ہندہ سے برکنار

فی تنویر الابصار لاتسمع دعواہ علیہ بشیئ بناء علی الاقرار [1]۔ فی الدرالمختار حتی لو قر کاذبا لم یحل له لان الاقرار	تنویر الابصار میں ہے کسی کے اقرار کی بناء پر اس پر کچھ بھی دعوٰی قابل سماعت نہ ہوگا، درمختار میں ہے حتی کہ اگر جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کو اس سے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

لیس سببا للملك نعم لو سلمه برضاه کان ابتداء هبة وهو الاوجه بزازیة [1] اھ.وفی الاشباہ اقر بالطلاق بناء علی ماافتی به المفتی ثم تبین عدم الموقوع فانه لایقع کما فی جامع الفصولین والقنیة [2] اھ.وفیها ایضًا الاقرار بشیئ محل باطل وعلی هذا افتیت ببطلان اقرار انسان بقدر من السهام لوارث وهوا زید من الفریضة الشرعیة لکونه محالاشرعا مثلامات عن ابن وبنت فاقر الابن ان الترکة بینهما نصفان [3] اھ باختصار.وفی غمز العیون یؤخذ من هذا ان الرجل اذا اقر لزوجته بنفقة مدۃ ماضیة هی فیها ناشزۃ اومن غیر سبق قضاء اورضاء وهی معترفة بذٰلك	لینا جائز نہیں کیونکہ اقرار ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر مقر اپنی رضامندی پر دے دے تو یہ دینا ابتداء ہبہ قرار دیا جائے گا اوریہی زیادہ مناسب ہے،بزازیہ۔اھ،الاشباہ میں ہے کسی مفتی کے فتوٰی کی بناء پر خاوند نے طلاق کا اقرار کیا پھر معلوم ہوا کہ اس فتوٰی کی وجہ سے طلاق نہ ہوئی ہے تو اقرار سے طلاق نہ واقع ہوگی،جیساکہ جامع الفصولین اور قنیہ میں ہے،اھ،اور اس میں یہ بھی ہے کہ کسی محال چیز کا اقرار کیا تو باطل ہوگا، اسی وجہ سے میں نے فتوٰی دیا کہ اگر کوئی شخص دوسرے وارث کے لئے وراثت کے حصہ کا اقرار کرے اور وہ حصہ شرعی حصہ سے زائد ہو تو ایسا اقرار باطل ہوگا کیونکہ یہ زائد شرعا محال ہے،اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیٹا اور بیٹی وارث چھوڑ کر فوت ہوا اور بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ ترکہ ہم دونوں بہن بھائی میں نصف نصف ہے اھ مختصرًا،اور غمز العیون میں ہے اس سے یہ ماخوذ ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لئے گزشتہ اس کے نافرمانی کے دور کے نفقہ یا ایسے گزشتہ وقت کے نفقہ جس کا قاضی نے فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہی دینے پر راضی تھا اقرار کیا

[1] درمختار کتاب الاقرار مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۵

فاقرارہ باطل لکونہ محالاشرعا[1] الخ اقول: وھو ماخوذ عن العلامۃ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن عبد اللہ الغزی کما رأیتہ منقولا عندی فی حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ السید الشریف محمد بن محمد الحسینی اُفندی الشھیر بزیرك زادہ من رجال القرن العاشر قال وقد افتیت اخذا من قول العلامۃ الغزی بان اقرار ام الولد لمولاھا بدین لزمھا لہ بطریق شرعی باطل وان کتب بہ وثیقۃ لعدم تصور دین للمولی علی ام ولدہ اذ الملك لہ فیہ کامل والمملوك لایکون علیہ دین لما بلکہ واللہ تعالٰی اعلم۔[2] اھ وھو المراد ھھنا یقول الحموی قال بعض الفضلاء وقد افتیت اخذ امن ذٰلك بان اقرار ام الولد[3] الی اٰخر ماقدمنا۔	اور بیوی بھی گزشتہ ایسے نفقہ کی معترف ہو کہ واقعی نافرمانی یا بلا فیصلہ قاضی یہ نفقہ ہے توخاوند کا یہ اقرار باطل ہوگا کیونکہ ایسا نفقہ شرعا محال ہے الخ **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ شیخ الاسلام علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی سے ماخوذ ہے، جیسا کہ میں نے علامہ سید شریف محمد بن محمد الحسینی افندی المعروف زیرک زادہ جو کہ دسویں صدی کے عالم ہیں کے حاشیہ الاشباہ میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ میں نے علامہ غزی کے قول سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتوٰی دیا کہ جب ام الولد اپنے مالک کے حق میں اقرار کرے کہ میرے ذمہ شرعی حق کے طور پر اس کا قرض ہے تو یہ اقرار باطل ہے اگرچہ مالک نے وثیقہ بھی لکھ رکھا ہو کیونکہ ام الولد پر مالک کے قرض کا تصور نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ام الولد پر مالک کی مکمل ملکیت ہے جبکہ مملوک پر اپنے مالک کا دین نہیں ہوسکتا واللہ تعالٰی اعلم اھ اور اس مقام پر حموی کے قول کے "بعض فضلاء نے فرمایا کہ میں نے اس سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتوٰی دیا کہ ام الولد کا مالک کے حق میں قرض کا اقرار باطل ہے" سے حوالہ مذکورہ مراد ہے۔(ت)

الحمدللہ ایضاح مسئلہ کے لئے اسی قدر کافی ہے باقی تخلیہ کی تحقیق تعریف وتنقیح شرائط و

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

ابانت مرام وازاحت اوہام و تفضیل فروع وجزئیات و تمیز المرجوع والرجیح من الروایت فقیر غفرلہ المولی القدیر کے حواشی متعلقہ ردالمحتار میں ہے **وباﷲ التوفیق والحمدﷲ رب العالمین و صلی اﷲ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین(اٰمین)واﷲ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵: مرسلہ جناب قاضی فرزند صاحب رئیس گیا ۱۵رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب جائداد کثیر بیمار ہوئی کہ ان کو اور ان کے شوہر ثانی کومایوسی ہوگئی اور تمام اطباء ڈاکٹروں نے جو معالج تھے بالاتفاق کہاکہ مرض مہلک ہے اس سے نجات مشکل ہے، حالت یہ تھی کہ اکثر وہ مریضہ غشی میں رہتی تھی اور اٹھنا بیٹھنا بغیر اعانت غیر کے نہیں ہوسکتا تھااور کھانا پینا معمولی موقوف ہوگیا تھا،یہی حالت بلکہ اس سے زیادہ ردی آخر موت تک رہی، شوہر ثانی نے شوہر اول کی اولاد کی حق تلفی کی غرض سے اپنے نابالغ بیٹے کے نام مسماۃ سے اسی مرض میں جائداد کا کثیر حصہ جس کی لاکھوں روپیہ قیمت ہوتی ہے بعوض ایک جلد قرآن شریف اور انگشتری طلائی کے ہبہ نامہ بالعوض لکھوادیا اور اس وثیقہ کے استحکام کے واسطے شوہر اول کی اولاد میں سے صرف ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی بقیہ جائداد میں کچھ حصہ بعوض ایک دلائل الخیرت اور ایک پنجسورہ شریف کے مسماۃ سے اس مرض مذکور میں ہبہ بالعوض لکھوادیا اور بقیہ تین لڑکیاں اولاد شوہر اول کو محروم کردیا،اب مسماۃ نے اسی مرض مذکورہ میں تقریباایک مہینہ کے اند تعمیل وثائق کے انتقال کیا،اب یہ تینوں لڑکیاں آپ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض التجا کرتی ہیں کہ کیاایسی کوئی صورت مطابق شرع شریف کے نکل سکتی ہے کہ ہم لوگ اپنے حق کو پہنچیں اور صورت وحیلہ مردود وباطل ہوجائے،اس کا جواب شافی بحوالہ کتب وعبارات لکھا جائے اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اجر عظیم عطافرمائے گ،مسماۃ مرحومہ مرض مذکورہ میں اندازا تین چار مہینہ مبتلارہی اور کاروائی مذکورہ بالاکے ایک مہینہ کے بعد انتقال کرگئی فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس ہبہ بالعوض کی کاروائی مطلقا باطل ومردود ہے،وہ تمام جائداد جس قدر ایک لڑکے کے نام ہبہ بالعوض کی اور جو شوہر اول کے دو بچوں کے نام لکھنے سے باقی رہی وہ تمام وکمال ترکہ مسماۃ ہے اور حسب فرائض اللہ اس کی سب اولاد پر جو دونوں شوہروں سے ہے بعد

اخراج چہارم کے کہ حصہ زوج ثانی ہے "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ"[1] (لڑکوں کے واسطے لڑکیوں سے دگنا ہے۔ت) تقسیم ہوگی، مسماۃ کی صورت مرض کہ سوال میں مذکور ہوئی باتفاق علماء مرض الموت ہے کہ روز بروز خوف ہلاک غالب بھی تھا اور نشست وبرخاست سے معذور بھی تھی اور ایک سال مرض ممتد بھی نہ رہا اور اسی میں موت عارض ہوئی، تو یہ ہبہ مرض الموت میں تھا اور اپنی اولاد کے نام تھا اور ہبہ بالعوض ابتداء وانتہاء ہر طرح بیع ہے اور بیع کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ ہو اگرچہ برابر قیمت پر ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ومردود ہے، نہ کہ ایسی بیع لاکھوں روپے کا مال آٹھ دس روپے کو یہ تو بالاجماع باطل ہے، درمختار میں ہے:

من غالب حاله الهلاك بمرض اوغيره بان اضناه مرض عجزبه عن اقامة مصالحة خارج البيت هو الاصح كعجز الفقيه عن الاتيان الى المسجد وعجز السوقى عن الاتيان الى دكانه، وفى حقها ان تعجز من مصالحها داخله كما فى البزازيه، ومفاده انها لوقدرت على نحوالطبخ دون صعود السطح لم تكن مريضة قال فى النهر وهو الظاہر قلت وفى اٰخر وصايا المجتبى المرض المعتبر المضنى المبيح لصلٰوته قاعدہ و المقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ولم يقعده فى الفراش كالصحيح ثم رمز "شح" حد	جس شخص کا غالب حال یہ ہو کہ وہ مرض وغیرہ سے ہلاک ہوجائے گا یوں کہ وہ مرض سے اتنا لاغر ہوگیا کہ گھر سے باہر اپنے ضروری امور کو بجا نہیں لاسکتا۔ مرض الموت کے حال کا یہ صحیح بیان ہے، مثلاً کوئی عالم فقیہ مسجد میں جانے سے عاجز ہوجائے یا دکاندار اپنی دکان پر جانے سے عاجز ہوجائے اور عورت گھر میں داخلی ضرورت سے عاجز ہوجائے، جیساکہ بزازیہ میں ہے عورت کے عجز کا معیار یہ ہو کہ اگر کھانا پکانے پر قادر ہو اور چھت پر جانے کی قدرت نہ ہو تو مریضہ شمار نہ ہوگی، نہر میں فرمایا یہی ظاہر ہے، میں کہتاہوں المجتبٰی کے وصایا کے آخر میں ہے کمزور کردینے والا مرض جس میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے، جُڑا ہوا مفلوج او سِل والا لمبی مہلت پالے اور بستر میں پابند نہ ہوجائے تو اس کو صحت مند جیسا شمار کیا جائے گا پھر انھوں نے "شح" کی رمز سے فرمایا لمبی مہلت

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۱

التطاول سنه ھ انتھٰی وفی القنیة المفلوج والمسلول والمقعد مادام یزداد کالمریض اھ.[1] وفیه امالو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً[2] اھ وفیه وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی ولو مثلا القیمة اھ مزیدا من ردالمحتار۔[3]	کی حد ایک سال ہے اور قنیہ میں ہے مفلوج سل زدہ اور جڑا ہوا اگر ان کا مرض بڑھ رہا ہو تو مریض کی طرح شمار ہوں گے اھ اور اسی میں ہے اگر مریض کہے میں نے تجھے فلاں کے بدلہ میں ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع قرار پائے گی اھ، اور اسی میں ہے مریض کا اپنے وارث کو کوئی چیز فروخت کرنا باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا (اگرچہ مثلی قیمت پر فروخت کیا ہو اھ) یہ ردالمحتار کا اضافہ ہے۔ (ت)

خانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جازبیعه وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثة بطل البیع[4] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی چیز اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو فروخت کرے پھر تندرست ہوگیا تو بیع صحیح ہوگی اور اسی مرض میں فوت ہوجائے گی اور باقی ورثاء جائز نہ کریں تو بیع باطل ہوگی اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۶: از ریاست رامپور محلّہ کوچہ قاضی مرسلہ سید ولایت حسین وکیل ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد بدست عمرو بقیمت دو ہزار روپے کے بیع کرکے بیعنامہ میں یہ لکھ دیا کہ سات سو روپے میں نے وصول پائے اور تیرہ سو روپے منجملہ اس کے مشتری کو معاف کردئے تو یہ صورت ہبہ زر ثمن کی ہے یا نہیں؟ اور زید بائع کو حق رجوع عن الہبہ شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الطلاق المریض مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲، ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۴

الجواب:

اگر بیع واقع ہونے کے بعد بیعنامہ میں تیرہ سو کی معافی لکھی تو یہ صورت ہبہ ثمن کی نہیں بلکہ ابراء کی ہے اور ابراء میں شرعاً حق رجوع نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ماافترق فیه الهبة ولاابراء له الرجوع فیها عند عدم المانع بخلافه مطلقا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہبہ اور ابراء میں فرق یہ ہے کہ ہبہ میں مانع نہ ہونے کی صورت میں رجوع (واپس لینا) جائز ہے، ابراء اس کے خلاف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷: از دیوبند ضلع سہارنپور محلّہ مسجد کمال مرسلہ قاسم حسین صاحب تحصیلدار ۱۵ محرم شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے دو لڑکوں نابالغ کے نام خرید کی، بروقت خریداری جائداد کے جس کے نام جائداد خریدی کی گئی اور ایک لڑکی موجود تھی سوائے اولاد مذکورۃ الصدر کے اس وقت اور کوئی اولاد نہیں تھی، بعد ازاں زید مذکور کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور پیدا ہوئی۔ اب جائداد سے وہ لڑکی جو اس وقت بوقت خرید کے موجود تھی اور وہ لڑکا اور لڑکی جو بعد خرید کے پیدا ہوئے شرعاً حصہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں نابالغ جن کے نام ان کے باپ نے جائداد خریدی اس جائداد کے مالک مستقل ہوگئے، جو لڑکی اس وقت موجود تھی یا جو لڑکا لڑکی بعد کو پیدا ہوئے ان کا اس میں کچھ حق نہیں کہ اگر اصل ایجاب وقبول بیع انھیں لڑکوں کے نام ہوا جب تو ظاہر ہے کہ جائداد بائع نے ان لڑکوں کے ہاتھ بیع کی اگرچہ زر ثمن ان کی طرف سے باپ نے ادا کیا جو اس کا تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہ وہ لے سکتا ہے نہ اس کے دیگر ورثہ، اور باپ کو اپنے نابالغ بچوں کے نام ایسی خریداری کا مطلقاً اختیار ہے۔

فلاینفذ الشراء علیه حتی یجعل واهبا کالام اذا شرت بمالها لولدها الصغیر	باپ پر خریداری عائد نہ ہو بلکہ بچے کو ہبہ کرنے والا ہوگا جیسا کہ ماں اگر نابالغ کے لئے اپنے مال سے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

تصیر مشریۃ لنفسھا واھبۃ من ولدھا لعدم ولایتھا کما من العقود الدریۃ[1] وغیرھا۔	کوئی چیز خریدے اور اقرار کرے میں نے اپنے مال سے خریدی ہے تو خریداری ماں کی ہوگی اور نابالغ کے لئے وہ چیز ہبہ قرار پائے گی کیونکہ ماں کی نابالغ بچے کے لئے خریداری کی ولایت نہیں ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے (ت)

اور اگر اصل خریداری میں لڑکوں کے نام نہ تھا اگرچہ بعد کو بیعنامہ میں ان کا نام لکھا دیا تو تو ابتداءً مالک جائداد زید ہوا۔ پھر بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھانا ان کے انکے عــہ سے ہبہ ہوا اور باپ جو اپنے نابالغ بچہ کے نام ہبہ کرے وہ ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہو جاتا ہے۔ نہ قبول نابالغ کی حاجت نہ دو کے نام بلا تقسیم ہبہ ہونا مضر کہ قبضہ والد یعنی خود واہب کا کافی وکامل بلا شیوع ہے، در مختار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع وبعکسہ لکبیرین لاعندہ للشیوع فیما یحتمل القسمۃ[2]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مکان کا ہبہ کیا تو جائز ہے کیونکہ اس میں شیوع نہیں ہے اور عکس کی صورت میں کہ ایک شخص دو بالغ افراد کو ایک مکان دے تو جائز نہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، کیونکہ اس صورت میں شیوع ہے قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

افاد انھا للصغیرین تصح لعدم المرجح لسبق قبض احدھما وحیث اتحد ولیھما فلا شیوع فی قبضہ ویؤیدہ قول الخانیۃ[3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	عکس والی صورت سے ظاہر ہوا کہ دو نابالغوں کو دے تو صحیح ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کو سبقت میں ترجیح نہ ہوئی اور ان کے لئے ایک ولی قبضہ کرے گا تو قبضہ تقسیم نہ ہوگا اور شیوع نہ ہوا۔ اور خانیہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے، الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

عــــہ: فی الاصل ھکذا، لعل الصواب "تام"۔

---

[1] العقود الدریۃ باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

مسئلہ ۹۸تا۱۰۲: از ریاست جاورہ مکان ہیڈ ماسٹر مرسلہ صاحبزادہ محمد صالح خاں ولد محمد یونس خاں ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین:

(۱) محمد یوسف خاں صاحب کو وظیفہ رئیس جاورہ سے ماہ بماہ ملتا تھا اس تنخواہ کو تقسیم کرکے جملہ وارثوں کے نام ہبہ کردئے اور ایک ہبہ نامہ لکھ دیا اور تاحیات واہب مذکور تنخواہ پر قابض ومتصرف رہے اور جملہ موہوب لہم اور زوجگان کو اپنے شامل رکھا، تنخواہ کا قبضہ کسی وارث کو نہیں کرایا تو ایسے قسم کا ہبہ نامہ بموجب کتاب ردالمحتار صفحہ ورق ۴۹۳ و ۴۹۴ کے بموجب ہبہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) اسی قدر واہب نے حویلیاں زوجگان کو ہبہ کیں اور ہبہ نامہ میں قبضہ کا لفظ یا منعقد (عہ) جلسہ ہبہ کے وقت جملہ وارثوں موہوب لہم سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ آپ واہب اس وقت اس سے دستبردار ہوا اور شامل موہوب لہم رہا، ایسے قسم کا ہبہ وہبہ نامہ بموجوب در مختار بغیر قبضہ دئے ہوئے عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ہبہ نامہ دستاویز واہب نے خود ایک وصیت نامہ بھی مندرج کیا، جب تین جز فرضی اور یہ فرض شامل مندرجہ ہبہ نامہ ہوئے ایسے قسم کا ہبہ نامہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) تنخواہ جو بھی تھی یہ قسم فرائض سے نہیں ہے ملک غیر کا ہبہ کرا دینا اور اس پر فرائض تین چیزوں کو ملا کر ہبہ کردینا واہب کا سات دو قسموں میں پس ایسی قسم کا ہبہ وہبہ نامہ عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) کوئی شخص کسی شخص کو اپنی چیز ہبہ کردے اور اس موہوب لہ کو خبر بھی نہ ہو بغیر اس کی رضا وبغیر اس کی اجازت کے، اور نہ اس کو عوض دیا ہو، اس موہوب لہ کو چیز ہبہ کی ہوئی کو دوسروں کو ہبہ کردے ایسی قسم کا ہبہ جائز ہے اور دستاویز واہب جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

(۱) تنخواہ آئندہ کا ہبہ باطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ماسیتحصل من حصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ	اس سے معلوم ہوا کہ جو دو قریوں سے حاصل شدہ ہو اس کا بطریق اولٰی ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ ابھی واہب نے خود قبضہ نہیں کیا تو وہ دوسرے کو کیسے

عــــہ: سوال کا یہ فقرہ ناتمام ہے ہبہ نامہ میں ذکر قبضہ لازم نہیں ۱۲ فقیر احمد رضا خاں قادری غفرلہ۔

وھذا ظاھر [1] واللہ تعالٰی اعلم	مالک بنائے گا، یہ ظاہر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) جملہ وارثوں سے ایجاب وقبول کرانا کچھ ضرور نہیں، ہاں واہب کا اپنا قبضہ تمام وکمال اٹھا کر موہوب لہ کا قبضہ کرادینا ضرور ہے اگر ذرا دیر کو بھی تاحیات ایسانہ کیا ہبہ موت واہب قبل قبضہ زوجات سے باطل ہوگیا، اشباہ ودرمختار میں ہے:

ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ [2]۔	دوسرے کے حق میں مشغول چیز کا ہبہ جائز نہیں الایہ کہ والد اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔ (ت)

مگر یہ ہبہ اگر دین مہر کے عوض کیا ہے تو صحیح ہوگیا اور قبضہ کی حاجت نہیں کہ ہبہ بالعوض بیع ہے۔ درمختار میں ہے:

لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء و انتھاء [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر یوں کہا میں نے تجھے فلاں چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) ہبہ نامہ میں وصیت نامہ شامل کرنے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا۔ سوال بہت گول ومہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) تنخواہ کا جواب اوپر گزر چکا کہ وہ ہبہ نہیں ہوسکتی نہ ملک غیر کا ہبہ کرنا نافذ ہو جب تک وہ اسے جائز نہ کردے، مگر ایسی اشیاء کے ساتھ اپنی ملک خاص کا ہبہ کردینا ملک خاص کے ہبہ کو ضرر نہ دے گا جبکہ وہ چیز جدا منقسم ہو اس غیر ملک کے ساتھ مخلوط ومشاع نہ ہو

لان الھبۃ لا تفسد بالشرائط الفاسدۃ بخلاف البیع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہبہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا بخلاف بیع کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۵) جو چیز کسی کو ہبہ کردی اور قبضہ دے دیا اور ہبہ تام ہوگیا وہ شے موہوب لہ کی ملک ہوگئی، اب جو اس دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے یہ پہلے ہبہ سے رجوع ہے اگر موانع رجوع سے کوئی شیئ پائی جاتی ہو مثلاً جسے ہبہ کیا وہ اپنی زوجہ یا اپنا عزیز محرم مثل پسر یا برادر وغیرہ ہے، جب تو ظاہر ہے کہ اسے رجوع کا کچھ اختیار نہیں۔ وہ ہبہ اسی موہوب لہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا۔ رد کردے گا باطل ہوجائے گا اور اگر موانع رجوع نہ ہو جب بھی رجوع کا خود بخود اختیار نہیں ہوتا بلکہ یا تو موہوب لہ کی مرضی سے ہبہ واپس کرلے یا نالش کرکے بحکم حاکم رجوع کرے۔ اس کے بعد دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے، بغیر اس کے وہی ملک غیر کا ہبہ ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح الرجوع الابتراضیھما اوبحکم الحاکم۔[1]	دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی یا حکم حاکم کے بغیر رجوع صحیح نہیں ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز ھبۃ مال الغیر بغیر اذنہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر کے مال کا ہبہ اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از مقام کبیر کلاں ڈاکخانہ خاص علاقہ ڈبائی ضلع بلند شہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکدار ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ والد نے اپنے فرزند کو اپنے گھر سے نکالا اور کچھ حقیت اپنے فرزند کے نہیں رکھی، فرزند بحکم اپنے والد کے گھر سے نکل کر اجنبی مکان میں سکونت پذیر ہوا۔ بعد اس کے ان کے والد مقروض ہوئے اور اپنے اسی فرزند سے کہا کہ تم میرا قرضہ ادا کردو اور میں اس کے عوض میں ایک قطعہ زمین واسطے مکان کے تمھارے نام لکھتا ہوں، چنانچہ ولد نے اپنے والد کا قرضہ ادا کرکے اس زمین کی رجسٹری کرالی، اب اس کے والد نے مکان کے واپس لینے کی درخواست عدالت میں دی ہے کہ میں نے اپنے فرزند کو مکان عاریتاً دیا تھا ملکیت کے طور پر نہیں دیا تھا، اگر والد نے اپنا مکان واپس کرالیں تو ولد کو بحکم شرع مجاز ہے کہ اپنے والد سے ثمن واپس لیں یا نہیں، یا اس قاعدہ میں ہوگا کہ والد فرزند کے مال کا مالک ہے۔

الجواب:

اگر وہ مکان اس شخص نے اپنے ولد کے نام بیع کیا جب تو ظاہر ہے کہ اسے فسخ بیع کا کوئی اختیار نہیں اور اگر واپس لے گا تو ثمن واپس دینا پڑے گا اور اگر ہبہ کیا اور قبضہ تامہ دلادیا جب

---
[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

بھی وہ مکان ملک ولد ہوگیا اور والد کو اس میں رجوع کا اصلا اختیار نہ رہافان المحرمیۃ تمنع الرجوع (کیونکہ محرم ہونا رجوع کے لئے مانع ہے۔ت) پھر اگر کسی دھوکے سے رجوع کرلی توظاہر ہے کہ ولد نے جو اس کے کہنے سے اس کا قرضہ ادا کیا یہ ادا کرنا تبرعانہ تھا کہ اس کے صلہ میں زمین دینا قرار پایا تھا۔جب زمین واپس ہوجائے گی بلاشبہ ولد کو اپنا روپیہ واپس لینے کا اختیار ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: از شہر کانپور محلّہ پریڈ مرسلہ محمد ابراہیم مسیح صدیقی ۲۸صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ اپنی جائداد غیر منقولہ کے ایک مکان اپنے پسر عمرو کو دے دیا اس طرح پر کہ دفاتر سرکاری میں درخواست دے کہ زید نے اپنا نام رجسٹر مکانات میں خانہ ملکیت سے خارج کراکے اپنے پسر عمرو کا نام داخل کرادیا بعدہ کرایہ نامہ مکان مذکور جو درمیان کرایہ داران اور عمرو کے تحریر وتصدیق ہوتے رہے ان کا کرایہ ناموں پر دستخط بحیثیت مالک کے ثبت ہوا کئے،اور زید اپنی شہادت گواہ شد لکھ کر تحریر کرتارہا۔رسید کرایہ کی عمرو کے دستخط اور نام سے دی جاتی تھی اور نالشان کرایہ داران پر صرف عمرو کی جانب سے ہوتی رہیں اور محصول سرکاری بھی از نام خزانہ سرکاری میں جمع ہوا کرتا ہے اور چند مرتبہ جب زید نے اپنی مملوکہ ومقبوضہ جائداد کی فرد مرتب کرکے داخل سرکار یا عدالت کی ہے تو اس میں بھی اس مکان موہوبہ کو اپنی ملک درج وظاہر نہیں کیا مگر محاصل مکان مذکور یعنی کرایہ مکان موہوبہ سے کبھی بقدر ربع کبھی ثلث اور کبھی نصف زید مذکور عمرو سے واسطے مصارف خورد ونوش اپنے واپنے اہل وعیال کے جس میں عمرو پسر زید بھی شامل شریک تھا لے لیا کرتا تھا۔اور عمرو مذکور بلاعذر بخوشی تمام بہ تعمیل حکم اپنے پدر یعنی زید کے جس قدر روپیہ وہ طلب کرتا تھا دے دیا کرتا تھا۔اس قسم کے عملدرآمد کے سولہ برس کے بعد زید نے وفات پائی،خالدہ وحامدہ دختران زید کا یہ بیان ہے کہ زید نے کسی مصلحت سے یہ مکان عمرو پسر کے نام درج رجسٹر سرکاری کراکے قبضہ عمرو کو دے دیا تھا۔اور زید کا یہ قول بھی بیان کرتی ہیں کہ اس نے بارہا ظاہر کیا کہ اس نے یہ مکان عمرو کی ملک نہیں کردیا ہے،زید کے اس قول کے شاہد بجز دختران مذکور زید کے جو وارث اور مستحق متروکہ زید کے بنی ہیں اور کوئی نہیں ہے،پس ایسی صورت میں از روئے شرع شریف فقہ حنفی یہ مکان موہوبہ تنہا ملک عمرو متصور ہوگا اور اس کا مالک صرف عمرو قرار پائے گا،یا یہ مکان بھی متروکہ زید متصور ہوکے جملہ وارثان پر قابل تقسیم ہوگا۔بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مکان تنہا ملک عمرو ہے زید یا دیگر وارثان زید کا اس میں کچھ حق

نہیں داخل خارج کرادینااور وہ کارروائیاں کہ سوال میں مذکور ہیں قطعاً دلیل تملیک ہیں، اور ثبوت ہبہ کے لئے کافی ووافی ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا دفع لابنه مالافتصرف فيه الابن يكون للاب الا اذا دلت دلالة التمليک، بيرى، **قلت** فقد افاد ان التلفظ بالايجاب والقبول لايشترط بل تكفى القرائن الدالة على التمليك [1] اه مافى الشامى قلت و مثل مافى بيرى فى احكام الصغار وفى الباب السادس من الهندية كليهما عن الملتقط۔	جب بیٹے کو مال دیااور اس نے تصرف کیا تو وہ مال باپ کا ہوگا ہاں یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو تملیک پر دلالت کرے تو بیٹا مالک ہوگا۔ بیری، میں کہتاہوں، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب وقبول لفظاً ضروری نہیں بلکہ تملیک کا کوئی قرینہ کافی ہے۔شامی کا بیان ختم ہوا، **میں کہتاہوں** مثل بیری کے احکام الصغار اور ہندیہ کے چھٹے باب کا بیان ملتقط سے منقول ہے۔(ت)

زید کا عمرو سے روپیہ مانگنااور عمرو کا دینا کچھ منافی تملیک نہیں ہوسکتا جیسے عمرو ابتداءً مالک مکان ہوتا اور باپ کو اس کے مانگنے پر بلکہ بے مانگے اس کا کرایہ دیا کرتا، اور حامدہ وخالدہ کا وہ بیان محض دعوی ہے اور کوئی دعوی بلا دلیل مقبول نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں ہے:

لويعطى الناس بدعوٰهم لذهبوا بدماء الناس و اموالهم ولكن البينة على من يدعى [2]	محض دعوی کی بناء پر لوگوں کو دیا جائے تو لوگ عوام کا مال اور جان لوٹ لیں گے لیکن مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے۔ (ت)

بلکہ بعد ثبوت تملیک اگر زید کا انکار ثابت بھی ہو جائے تو اصلانہ مفید نہ قابل اعتبار کہ بعد تمامی ہبہ، ہبہ للولد سے والد کو رجوع کااختیار نہیں لان المحرمية مانعة (کیونکہ محرم ہونا مانع ہے۔ت) نہ بعد عقد کوئی بلابینہ اس کے فرضی ہونے کا دعوی کرسکتاہے۔

لان من سعى فى نقض ماتم من جهة فسعية مردود عليه	جو شخص اپنے تام کئے ہوئے کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] کنز العمال بحوالہ ق عن ابن عباس حدیث ۱۵۲۹۶ و ۱۵۲۹۷ موسسة الرسالة بیروت ۶/ ۱۹۰

کما فی الاشباہ[1] والدر وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی زوجہ سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بالغ موجود ہیں اور زوجہ اولٰی نے قضاء کی، زید نے نکاح ثانی کیا، اس سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں، زید نے زوجہ ثانیہ کے نام ایک مکان پختہ کلاں مسکونہ لکھ دیا۔ اولاد زوجہ ثانیہ کی دولڑکیاں بالغ جن کی شادی ہوگئی اپنے گھروں پر موجود ہیں۔ اور دولڑکے ایک سات برس کا اور دوسرا پانچ برس کا نابالغ ہیں زید ان دونوں نابالغوں کو اپنی کل جائداد بقیہ لکھتا ہے۔ زید کا کچھ مال یا نقد سوائے اس جائداد کے باقی نہ رہے گا، اس صورت میں زید کی خدمت اور نابالغوں کی پرورش کون کرے گا اور کس چیز سے ان کا خرچ کیا جائے گا اور تجہیز وتکفین کون کرے گا، کون حصہ پائے گا۔ اور کون خدمت گزار بنے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ اپنی جائداد بلاتقسیم ان دونوں کے نام ہبہ کردے گا جب تو ہبہ ہی صحیح نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لووھب اثنان دارا الواحد صح وبعکسہ لا[2]۔	اگر دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو صحیح ہے اور اس کا عکس صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر تقسیم کرکے ہبہ کرے گا یا بعد ہبہ تقسیم کردے گا تو بلاتقسیم ان کے نام بیع کرے گا تو ان صورتوں میں وہ لڑکے ضرور مالک ہوجائیں گے مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[3]۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا۔

پھر اگر زید اس بلائے عظیم کو اوڑھ لے تو بچوں کے خورد ونوش سے سوال کے کوئی معنی نہیں۔ وہ بچے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۷

[2] درمختار کتاب الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء سنۃ النبویہ سرگودھا ص ۱۹۸

مالک جائداد ہو جائیں گے ان کے مصارف ان کے مال سے ہوں گے جسے ان کا باپ ولایۃً صرف کرے گااور زید کہ اب فقیر ہو گیا وہ بھی بقدر کفایت اپنا کھانا پہننا اس سے کرسکے گا۔

قال تعالٰی "مَنْ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو ولی فقیر ہو وہ بھلائی کے طور کھائے اور جو غنی ہو تو وہ عفت اختیار کرے۔(ت)

رہا اس کا کفن دفن وہ اس کے مالدار وارثوں پر ہوگا،

لان کفن المیت علی من کانت نفقتہ علیہ اعتبار الکسوۃ الممات وسکناہ بکسوۃ الحیات وسکناہ کما فی ردالمحتار وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ میت کا کفن اس شخص کے ذمہ ہے جو اس کے نفقہ کا ذمہ دار تھا، مردوں کی سکونت ولباس کہ زندوں کے سکنہ ولباس پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: یکم جمادی الاآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ مسماۃ زینب اپنا مکان اپنی اولاد پر ایک عرصہ سے اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہے، اور اس کے وارث حسب ذیل تھے: ایک لڑکی ہندہ اور زید، بکر، عمرو تین لڑکے، جن میں سے ہندہ نے انتقال کیا اور قبل انتقال اس نے کہا کہ میرا حصہ میرے بھائی عمرو کو ملنا چاہئے، اور مسماۃ زینب اصل مالکہ مکان ابھی زندہ ہے اور وہ خود چاہتی ہے کہ ہندہ کا حصہ عمرو کو دیا جائے۔ تو ایسی حالت میں کتنا زید کتنا بکر کتنا عمرو کو حصہ ملنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تینوں کو برابر ملنا چاہئے، ہندہ کا کوئی حصہ نہ تھا نہ اس کی وصیت کا کچھ اثر، ہاں اگر زید وبکر راضی ہو تو جتنا حصہ چاہیں ہندہ کا قرار دے کر عمرو کو زیادہ دے دیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷ تا ۱۱۲: از رامپور گھیر نجو خاں مرسلہ حافظ قرۃ العین صاحب امام مسجد ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مسماۃ عمر تخمینا ۸۸ سال ساکنہ میرٹھ جو عرصہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶

بعوارض مختلفہ بیمار تھی اور محض لاولد اور صاحب جائداد منقولہ وغیر منقولہ تخمیناً پندرہ سولہ ہزار روپے کے انتقال سے قبل تخمیناً دو ماہ بعارضہ پیچش واسہال مبتلا ہو کر اس میں انتقال ہو گیا، ایک اس کی حقیقی بہن یعنی متوفیہ کی میرٹھ میں اس کے پاس رہا کرتی تھی اور ایک بہن اور ایک بھائی حقیقی شہر رامپور میں رہتے ہیں، اس بہن نے جو میرٹھ میں رہتی ہے بطمع مال واسباب وجائداد رامپور والے بھائی بہن کو اس مرض موت وانتقال سے خبر نہ کی، اور ایک ہبہ نامہ متوفیہ کی طرف سے اس حالت مرض میں جان کر کہ یہ جانبر نہ ہوسکے گی اپنی ایک پوتی اور ایک نواسی کہ ہر دو نابالغ ہیں ہبہ نامہ تحریر کرا کر اپنے میل کے دو آدمیوں سے کہ وہ محض اجنبی تھے اور کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے رشتہ دار متوفیہ کا بنا کر بغرض شہادت ذریعہ کمیشن گھر بلا کر تصدیق کرادیا اور ہبہ نامہ میں ایک مکان مسکونہ کہ جو اس متوفیہ کا تھا اور تادم مرگ اسی مکان میں مع مال واسباب رہی اور ایک مکان مع چہار دکاکیں کہ جو تحت میں پشت پر واقع ہیں اور انھیں کی چھت پر مکان بنا ہوا ہے اور ان دکانوں میں ایک مدت سے کرایہ دار متوفیہ کی طرف سے چلے آتے ہیں۔ اس سب جائداد جزو کل کا ایک ہبہ نامہ مشاع دونوں نابالغوں کے نام مالیت پانچ ہزار روپیہ قرار دے کر بولایت اپنے اس بہن نے جو پاس متوفیہ کے رہا کرتی تھی تصدیق کرادیا، بشہادت انھیں اشخاص کے جن کو رشتہ دار متوفیہ کا بنایا تھا اور خود سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر بعد وفات اپنی بہن کے قابض بن بیٹھی، دوسرے روز مرنے سے متوفیہ کے چند اشخاص کہ جو بتقریب شادی سرکار والی ریاست رامپور کے آئے تھے ان سے خبر متوفیہ کے بھائی کو معلوم ہوئی، بھائی بمجرد سننے خبر فوت بہن کے تیسرے روز سوم کے وہاں پہنچا تو یہ کارروائی دیکھی اور سنی کہ ہبہ نامہ لکھا گیا، اور ہم دونوں بہن بھائی کی حق تلفی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا پس علمائے دین سے اب [۱] سوال یہ ہے کہ یہ ہبہ مشاع جائز ہے یا ناجائز؟ اور [۲] نانی نے نابالغوں کی طرف سے ولی بن کر قبضہ کیا باوجودیکہ باپ نابالغہ کا وہیں میرٹھ میں موجود ہے یہ قبضہ کرلینا نانی کا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

[۳] سوم یہ کہ پوتی اس کی رامپور میں اپنی ماں کی پرورش میں ہے بغیر اطلاع وبلا اجازت پوتی اور ہونے ماں کے قبضہ دادی کا صحیح یا نہیں؟

[۴] **چہارم** یہ کہ وہ متوفیہ اپنے مکان مسکونہ میں تادم حیات مع مال واسباب اپنے کے رہی، تادم مرگ خالی نہیں گیا، اس صورت میں قبضہ ہو گیا یا نہیں؟

[۵] **پنجم** یہ کہ بعض جائداد موہوبہ پر اگر قبضہ ہو جائے اور بعض پر نہ ہو تو موجب نقصان ہبہ ہے یا نہیں؟

ششم: یہ کہ اگر مکان مسکونہ میں متوفیہ تادم حیات خود رہی بعد تحریر ہبہ نامہ کے اور باقی مکان دکانیں میں اسی متوفیہ کے کرایہ دار تھے اور کوئی امر جدید جو موجب قبضہ ہوتا تاحیات متوفیہ عمل میں نہیں آیا تو موجب بطلان ہبہ ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ جزءً وکُلًا تمام وکمال باطل وبے اثر محض ہے وہ سب جائداد متروکہ عورت ہے اس کے وارثوں پر حسب فرائض تقسیم ہوگی بہن کی پوتی نواسی اس میں سے اس عقد و تحریر کی بناء پر ایک حبہ نہیں پاسکتیں، نہ ازروئے ہبہ، نہ بروئے وصیت کہ مرض الموت کا ہبہ اگرچہ حکماً وصیت ہے، حقیقۃً ہبہ ہے اگر موہوب لہ کے قبضہ تامہ شرعیہ سے پہلے واہب کاانتقال ہوجائے باطل محض ہوجاتاہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

قال فی الاصل ولاتجوز ہبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث واذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم ان ہبۃ المریض ہبۃ عقد اولیست بوصیۃ واعتبارھا من الثلث ماکانت لانہا وصیۃ معنی لان حق الورثۃ یتعلق بمال المریض وقد تبرع بالہبۃ فیلزم تبرعہ بقدر ماجعل الشرع لہ وھو الثلث واذا کان ھذا التصرف ہبۃ عقدا شرط لہ سائر شرائط الہبۃ ومن جملۃ شرائطہا قبض الموہوب لہ قبل موت الواہب[1]۔	اصل میں فرمایا ہے مریض کا ہبہ یا صدقہ صرف وہی صحیح ہوگا جس پر اس نے قبضہ دے دیا ہو تو جب قبضہ دے دیا تو اس کے تہائی مال سے جائز ہوگا اور اگر وہ قبضہ دینے سے پہلے فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہوجائے گا یہ جاننا ضروری ہے کہ مریض کا ہبہ عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور اس میں تہائی مال تک جتنا بھی اس کا اعتبار ہے اس لئے ہے کہ وہ معنًی وصیت ہے اس لئے کہ اس کے مال سے ورثاء کا تعلق ہے اور ہبہ کرکے تبرع کیا ہے تو تبرع میں اتنا ہی دیا جاسکتا ہے جتنا شریعت نے اس کو حق دیا ہے اور وہ تہائی حصہ ہے اور جب مریض کا یہ تصرف عقد کے لحاظ سے ہبہ ہے تو اس میں ہبہ کے شرائط معتبر ہوں گے جبکہ اس کے جملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے قبل موہوب لہ کا قبضہ ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ باب العاشر فی ہبۃ المریض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

یہاں جبکہ جائداد قابل قسمت ہے اور دو شخصوں کو بلا تقسیم ہبہ کی گئی ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے۔ تنویر میں ہے:

وھب اثنان دار الواحد صح و بعکسہ لا [1]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مکان دیا تو صحیح ہے اور اس کا عکس ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

للشیوع فیما یحتمل القسمۃ [2]	قابل تقسیم چیز میں شیوع کی وجہ سے (ت)

اور جبکہ تسلیم بالتقسیم سے پہلے واھب نے انتقال کیا ہبہ بالاجماع باطل ہوگیا

ای علی مذہبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ و اشار بالاجماع الی ارتفاع النزاع فی ان ھبۃ المشاع فاسدۃ تفید الملك بالقبض ام باطلۃ فلاتفید اصلا و ذٰلك لان الموت قبل التسلیم مبطل اتفاقا ولو ھبۃ صحیحۃ فضلا عن فاسدۃ۔	یعنی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر اور اجماع کا اشارہ اس لئے کیا کہ مشاع چیز کا ہبہ فاسد ہو تو قبضہ کے ساتھ مفید ملک ہوگا یا وہ باطل ہو تو ملکیت کے لئے اصلا مفید نہ ہوگا اس بات میں نزاع ختم ہوگیا۔ یہ اس لئے ہے کہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو بالاجماع باطل کردیتی ہے اگرچہ ہبہ صحیح ہو تو فاسد کا ذکر ہی کیا رہا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم و لو قبلہ بطل [3]۔	میم سے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد مراد ہے اور موت قبل از تسلم ہو تو باطل ہو جائے گا۔ (ت)

سوال اول کا جواب ہوگیا بلکہ یہاں اسی قدر کافی تھا۔

دوم۲ نابالغہ نواسی اگر نانی کے پاس رہتی تھی نانی کے قبضہ میں تھی تو جو ہبہ اس کے لئے ہوا

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الھبہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

نانی کااس پر قبضہ جائز وموجب تمامی ہبہ تھا، اگر ہبہ مشاع نہ ہوتا تواس صورت میں باپ کااسی شہر میں موجود ہونا نانی کے قبضہ کا مانع نہیں۔یہی صحیح ہےاوراسی پر فتوی، ہاں اگر نواسی اس کے قبضہ میں نہ ہو تو باپ کے ہوتے نانی وغیرہ کسی کا قبضہ جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

ان وھب له اجنبی تتم بقبض ولیه وھو الاب ثم وصیه ثم الجد ثم وصیه وان لم یکن فی حجرھم وعند عدمھم تتم بقبض من یعوله کعمه واجنبی لو فی حجر ھما والالو بفوات الولایة لکن فی البرجندی اختلف فیما لوقبض من یعوله والاب حاضر فقیل لا یجوز والصحیح ھو الجواز [1]۔	اگر نابالغ کو اجنبی نے ہبہ دیا تواس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجائے گا ولی ترتیب وار، باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا پھر اس کا وصی اگر بچہ ان کے پاس نہ ہو اور مذکور لوگ نہ ہوں پھر جس نے بچے کو اپنا عیال بنایا بشرطیکہ بچہ ان کے پاس ہو مثلاً چچااور کوئی اجنبی کہ اس کے قبضہ سے بچے کے لئے ہبہ تام ہوگا اگر مؤخر الذکر لوگوں کے پاس بچہ نہ ہو توان کا قبضہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں ان کو ولایت نہیں ہے۔لیکن برجندی میں ہے کہ عیال میں لینے والا بچے کے والد کی موجودگی میں قبضہ کرے تو اختلاف ہے۔بعض نے کہا جائز نہیں اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہوگا۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

اختلف المشائخ فیه والصحیح الجواز ھٰکذا فی فتاوی قاضی خاں وبه یفتی ھٰکذا فی الفتاوی الصغری [2]۔	اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ کہ جائز ہے، فتاوٰی قاضی خاں میں یونہی ہے اور فتاوٰی صغرٰی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔(ت)

سوم ۳: پوتی کہ ماں کی پرورش میں ہےاس کے ہبہ پردادی کا قبضہ جائز نہیں اگرچہ اسی شہر میں ہو کما تقدم عن الدر [3] من قوله والالا .لفوات الولایة (جیسا کہ درمختار میں گزرا کہ عیال میں ہو تو جائز ورنہ نہیں کیونکہ ولایت نہ پائی گئی۔ت)

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۳

[3] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

چہارم[4] اس صورت میں قبضہ نہ ہوا، درمختار میں ہے:

الموھوب ان مشغولا یملك الواھب منع تمامھا[1]۔	کہ موہوب جب ملک واہب میں مشغول ہو تو تمامی ہبہ سے مانع ہوتا ہے۔(ت)

پنجم[5] دو[2] موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ مستقلہ اگر بغیر دوسرے پر قبضہ کے ہوجائے تو جس پر قبضہ ہوا اس کا ہبہ تمام ہوگیا، اور اگر دو شخصوں کو ہبہ مشاع تھا یا ایک شے دوسرے کی جز یا اس سے مثل جز متصل یا مشغول ہے تو اس پر قبضہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لووھب دارافیھا متاع الواھب وسلم الدار الیه اوسلمھا مع المتاع لم تصح، ولووھب المتاع دون الدار وخلی بینه وبینه صح وان وھب له الدار والمتاع جمیعا وخلی بینه وبینھا صح فیھما جمیعا وان فرق فی التسلیم نحو ان یھب احدھما وسلم ثم وھب الاٰخر وسلم ان قدم ھبة الدار لاتصح وفی المتاع تصح وان قدم ھبة المتاع فالھبة صحیحة فیھما جمیعا ولو وھب الارض دون الزرع او الزرع دون الارض وخلی لم تصح فی الوجھین لان کل واحد منھما متصل لصاحبه اتصال جزء بجزء فصار بمنزلة ھبة المشاع فیما یحتمل القسمة، ولو وھب	اگر ایسے مکان کا ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان موجود ہے اور مکان یا مکان مع سامان کا قبضہ دیا تو صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر سامان صرف ہبہ کیا اور واہب نے سامان کا تخلیہ موہوب لہ کو کردیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ اور اگر مکان مع سامان ہبہ کیا اور تخلیہ کردیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا اور مکان اور سامان کا ہبہ معًانہ کیا بلکہ یکے بعد دیگرے کیا تو اگر پہلے مکان ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا تو مکان میں ناجائز اور سامان میں جائز ہوگا اور اگر پہلے سامان ہبہ کرکے اس کا قبضہ دے دیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا ____ اگر زمین کا بغیر فصل یا فصل کا بغیر زمین ہبہ کیا اور قبضہ کے لئے تخلیہ کردیا ہو تو دونوں صورتوں میں ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ زمین اور اس پر فصل کا اتصال جزئیت والا ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہے اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ ہبہ کیا

[1] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

کل واحد منھما علیحدۃ ان جمع فی التسلیم جازت فیھما وان فرق لاتجوز فیھما ایھما قدم کذا فی السراج الوہاج[1] (ملخصا)	اور قبضہ دونوں کا معًا دیا تو دونوں کا ہبہ جائز ہوگا اور قبضہ علیحدہ علیحدہ دیا دونوں کا ہبہ درست نہ ہوگا خواہ دونوں میں جس کو چاہے مقدم موخر کرے، سراج الوہاج میں یوں ہے۔(ملخصا) (ت)

ششم ہاں اس صورت میں قبضہ نہ ہوا اور قبل قبضہ موت موجب بطلان ہبہ ہے۔ در مختار اور ردالمحتار میں ہے:

فی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الااذا وھب الاب لطفلہ دارا والاب ساکنھا ولو وھب طفلہ دارا یسکن فیھا قوم بغیر اجر جاز ویصیر قابضا لابنہ لالوکان باجر ۲[2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے الایہ کہ باپ اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کرکے خود سکون پذیر بھی ہو تو جائز ہے، اگر نابالغ بیٹے کو باپ نے مکان ہبہ کیا جبکہ اس میں کوئی غیر سکون پذیر ہے اگر یہ سکونت پہلے سے بغیر اجارہ ہے تو ہبہ جائز ہوگا باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور غیر کی وہ سکونت اجارہ کے طور پر ہے تو ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۳: از کانپور مرسلہ کریم احمد معرفت عم او نبی احمد سوداگر عطر بازار کلاں بریلی ۹ رجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ذاتی روپے سے ایک قطعہ مکان اپنی اہلیہ کے نام خرید کیا تھا اور بیعنامہ اپنی بی بی کے نام لکھوایا نہ اپنے نام سے بعد خریداری مکان زید اور اس کی بی بی نے ایک ساتھ مکان مذکور کے بالاخانہ پر سکونت اختیار کی اور مکان مذکورہ کے کل حصہ زیریں میں زید کا تجارتی مال ہمیشہ رہا کیا اور اب تک موجود ہے۔ خریداری مکان سے عرصہ تین سال کے بعد ہاؤس ٹیکس جاری ہوا رجسٹر ہاؤس ٹیکس کے خانہ ملکیت میں زید نے اپنا نام خود درج کرایا اور ٹیکس کا روپیہ بھی تاحین حیات خود ادا کرتا رہا۔ اور مرمت مکان بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب لثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹، ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰

اپنے صرفہ ذاتی سے خود کرتا رہا۔اب زید کا انتقال ہوگیا، بموجب حکم شرع شریف کے وہ مکان مملوکہ خاص زوجہ زید کا ہوگا یا یہ کہ زید کے سب ورثہ میں مشترک ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زید نے وقت ایجاب وقبول بیع بنام زوجہ کرائی مثلاً بائع سے کہا یہ مکان میں نے اپنی بی بی کے نام خریدا بائع نے کہا میں نے تیری بی بی کے ہاتھ بیچا جب تو اس مکان کی مالک زوجہ ہوئی جبکہ زوجہ نے وہ بیع اپنے نام جائز رکھی، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع لفلان فقال بعتہ لفلان توقف، بزازیہ وغیرھا[1]۔	اگر غیر کے لئے کوئی چیز خریدی اور خریداری کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ خریدار کی ہوگی، اگر یہ کہہ کر غیر کی طرف منسوب کی کہ یہ چیز فلاں کے لئے بیع کر اور جواب میں دوسرا کہے میں نے یہ فلاں کے لئے بیع کی، تو اس غیر کی اجازت پر موقوف رہے گی، بزازیہ وغیرہا (ت)

اور اگر زید نے خریداری زوجہ کے نام نہ کی پھر بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھا دیا تو مالک زید ہوا اور بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھانا زوجہ کے لئے ہبہ کہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، اور جبکہ زید خود بھی اس مکان میں رہا اور اپنا اسباب رکھا اور کبھی خالی کرکے زوجہ کو قبضہ نہ دیا یہاں تک کہ مرگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، مکان ملک زید ہے حسب فرائض ورثائے زید پر منقسم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلا لملک الواھب لا مشغولا بہ[2]۔	ہبہ کامل قبضہ سے تام ہوتا ہے اگرچہ موہوب شاغل بملک واہب ہو اور اگر موہوب چیز واہب کی ملک میں مشغول ہے تو تام نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[3]. واللہ تعالٰی اعلم۔	"م" سے مراد فریقین میں سے ایک کی موت بعد قبضہ ہے اور اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۱۱۴: از کانپور مچھلی بازار آوردہ محمد شریف صاحب ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے اپنی حیات میں جو جائداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائداد پر بکر قابض رہا اور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا، بکر نے جو جائداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کرائی تھی اس کی از سر نو تعمیر و مرمت بکر نے اپنے روپے سے کی، جیسے اپنی جائداد کی کرتا تھا، کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام جائداد کا نہیں رکھا۔ بکر تجارت پیشہ تھا اور اس کی تجارت کا مقام کلکتہ میں تھا اور جائداد دوسرے مقام میں تھی، بکر نے انتظام جائداد غیر منقولہ کل وصولیت کرایہ و مرمت واز سر نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائداد کی مرمت و کرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جائے، کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائداد کے ایسے ہیں جن کا بکر سے تجارتی کاروبار تھا، ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ وآمد مال بکر کا ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتہ میں لکھا اور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیا اور بکر نے کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چٹھا کے بنائیں اور اس میں کل جائداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام ہے اس کی قیمت لکھی، اور جو روپیہ نقد از قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا دینا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا، بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اور اپنے وارثان چند لڑکے اور لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا، اب بحکم شرع شریف وہ جائداد جو ان دو پسروں کے نام ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہوگی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے؟ فقط

الجواب:

بکر نے اگرچہ جائداد خریدی مگر آپ خرید کر اپنے دو۲ بچوں کے نام بیعنامہ کرانا اس کی طرف سے ان کے لئے ہبہ ہے، منح الغفار و ردالمحتار میں ہے:

اشتری لها فی صغرها اوبعد ماکبرت وسلم الیها و ذٰلك فی صحته فلاسبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة [1]۔	بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے کوئی چیز والد نے خرید کر قبضہ دے دیا اور والد نے یہ عمل اپنی صحت و تندرستی میں کیا تو ورثاء کا اس چیز پر کوئی دخل نہ ہوگا وہ خالص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب العاریة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

سائل نے زبانی اظہار کیا کہ وہ جائداد بچوں کے نام خریدی دو مکان ہیں ہر ایک بڑا اور قابل تقسیم ہے اور ہر ایک میں دونوں لڑکے بلا تقسیم شریک رکھے گئے ہیں، ایسا ہے تو یہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع باطل ہے۔ جب بکر بلا تقسیم بے قبضہ تقسیم دینے کے مرگیا ہبہ معدوم محض ہوگیا۔ اور ان مکانوں میں بچوں کا کوئی حق سوائے وراثت نہ رہا، تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا الواحد صح وبعکسہ لا [1]۔	اگر دو افراد نے اپنا مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو یہ صحیح ہے اگر اس کا عکس ہو تو صحیح نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں علامہ خیر رملی سے ہے:

لافرق بین ان یکون کبیرین اوصغیرین اواحدھما کبیرا والاٰخر صغیرا [2]۔	دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یا ایک بالغ دوسرا نابالغ ان سب صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل۔ [3]	"م" سے مراد "فریقین میں سے ایک کی بعد از قبضہ موت ہے" اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ زبانی خریداری میں بچوں کا نام نہ لیا اپنے لئے یا مطلق خریدا اور بیعنامہ میں بچوں کا نام لکھا دیا کہ اس صورت میں ملک بکر کی ہوئی اور ان کے نام کرادینا بکر کی طرف سے ان کو ہبہ اور عام طور پر یہی طریقہ رائج ہے، ہاں اگر یہ صورت ہوئی ہو کہ نفس گفتگوئے خریداری میں بچوں کے نام خریدا مثلاً بائع سے کہا کہ یہ مکان اتنی قیمت پر میرے ان دو بچوں کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کئے، اس نے کہا میں نے ان کی طرف سے قبول کئے، تو اس صورت میں اصل بیع ان دونوں کے نام ہوئی اور وہی اصالۃً ان مکانوں کے مالک ہوئے، زرثمن کہ بکر نے اپنے پاس سے ادا کیا وہ تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہیں، اس تقدیر پر بیشک دونوں مکان ملک نابالغان ہیں اور تمام کاروبار وکاغذات حساب وکتاب میں بکر کا ان کو اپنی ملک سے جدا نہ شمار کرنا کچھ مضر نہیں کہ بحکم ولایت اسے اس کا

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

[3] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اختیار تھا یہاں تک کہ متولی وقف کو بوجہ ولایت ہی اپنی ملک سے تعبیر کرتا ہے وکیل ملک موکل کو اپنی ملک کہتا ہے۔
عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادۃ یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	اگر محدود زمین پر اپنا دعوی کیا اور پھر بعد میں اس زمین کے وقف ہونے کا دعوی کیا تواس صورت کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اپنی تولیت میں وقف کا دعوی کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادتًا وقف تصرف اور خصومت میں متولی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر فرض کیجئے کہ اس سے بکر کی مراد ان مکانوں کا خود مالک بننا ہی تھا، جب اصل گفتگوئے بیع لڑکوں کے نام ہوئی ان کی ملک ثابت ہوگئی، پھر بکر اسے اپنے نام کیونکر منتقل کرسکتا ہے، اس صورت میں مکان وراثت سے بری ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۵: مستفسرہ عبداللہ صاحب بہاری بروز چہارم شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے کی شادی ہوئی، قریب عمر ۹، ۱۰ برس کے تھی، نکاح کی اجازت لڑکی کے والد نے دی اور اس برات میں آپس میں نزاع ہوگئی، نکاح دو دن نہیں ہوا، تیسرے دن وقت ۱۰ بجے دن کے نکاح ہوا، بعد مغرب ۸ بجے رات کو رخصت لڑکی کو کرکے ۹ بجے واپس چلی گئی، بعد دو سال کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، بروقت جنازہ تیار ہونے کے لڑکی کے باپ نے مہر معاف کیا، اب جو مال یعنی زیور جو لڑکے کے والد نے شادی میں چڑھایا تھا وہ طلب کرتا ہے تو لڑکی کا والد کہتا ہے کہ میرا مہر دو جب دوں گا، اب اس حالت میں جائز ہے یانہیں؟ شرع سے جو حکم ہو وہ تحریر ہوجائے۔

الجواب:

اگر لڑکی نابالغہ تھی اور باپ نے مہر معاف کیا تو یہ معافی محض باطل ہے اور مہر کا اپنی دختر کے لئے اسے مطالبہ پہنچتا ہے، یونہی اگر وقت معافی مہر دختر بالغہ تھی اور باپ نے اس کی اجازت کے بغیر معاف کیا بعد معافی عورت نے اسے جائز کہا، جب بھی مہر معاف نہ ہوا اور مطالبہ صحیح ہے ہاں اگر وقتِ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

معافی دختر بالغہ تھی اور اس کی اجازت سے باپ نے معاف کیا یا بعد کو اس نے یہ معافی منظور کرلی تو مہر معاف ہوگیا اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اب اس کے لئے چڑھاوا روک سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۶: از شاہجہان پور محلّہ باڑوزئی مرسلہ جناب عبدالغنی صاحب ۱۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

زید نے اپنے حین حیات وصحت ذات وثبات عقل میں چند ظروف مسی وغیرہ پر اپنے بیٹے عمرو کا نام کندہ کرادیئے اور ظاہر کیا کہ یہ عمرو کے واسطے ہیں، چند مدت کے بعد زید مرگیا، اب وہ ظروف وغیرہ جن پر نام کندہ کئے ہوئے ہیں آیا مال متروکہ مشترکہ میں شامل ہوکر سب وارثوں میں تقسیم ہونگے یا وہ ظروف مستثنٰی کرکے تقسیم ہوگی؟

الجواب:

اگر عمرو وقت ہبہ نابالغ تھا ہبہ تمام ہوگیا اور وہ ظروف ملک عمرو ہونگے، ترکہ میں شامل نہ ہوں گے، یونہی اگر عمرو بالغ تھا اور زید نے وہ برتن خالی کرکے اس کے قبضہ میں دے دئے جب بھی وہ متروکہ نہیں، ملک عمرو ہیں، ہاں اگر اس وقت عمرو بالغ تھا اور زید نے ان ظروف کو عمرو کے قبضہ تامہ میں نہ دیا یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا۔ ظروف مثل باقی متروکات ورثہ پر تقسیم ہوں گے، **والمسائل مشہورۃ وفی عامۃ الکتب مسطورۃ** (اور یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں موجود ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۷: از چندوسی ضلع مرادآباد، سرتاج علی خاں طالب علم درجہ نہم (ایس۔ ایس۔ ایم) ہائی اسکول چندوسی ۴ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

ایک مسماۃ نے اپنا چھٹا حصہ جو کہ شرعًا اسکے بیٹے کے ترکہ میں سے اس کی موجودگی میں مرجانے کی وجہ سے نکلتا تھا یہ صحت نفس وثبات عقل اپنے یتیم پوتوں اور بیوہ بہو پر از راہ شفقت بخشش کیا اور قبضہ مالکانہ بھی دلادیا، اب اس کا بیٹا یعنی اس کے پوتوں کا چچا اس چھٹا حصہ کو مانگتا ہے اور مسماۃ کے انتقال کو عرصہ ۴ برس کا ہوا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرع نے اس حق در حق کی میعاد کتنی مقرر کی ہے یعنی کتنے دنوں تک یہ حق لیا جاسکتا ہے؟

الجواب:

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ اس کا چھٹا حصہ کیا[1] ہے اور [2] اس کا چھٹا حصہ کہ عورت کو پہنچا تھا پوتوں اور بہو پر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ میں جتنا ٹکڑا پڑے قابل انتفاع رہے گا یا نہیں، اور

۳عورت نے اس کے جدا جدا ٹکڑے کرکے ہر موہوب لہ کو الگ الگ قابض کرایا یا مجموعی حالت میں ان سب کو ہبہ کیا، اور ۴وہ پوتے بالغ ہیں یا بعض یا سب نابالغ، اور ۵جو نابالغ ہیں کسی کی پرورش میں ہیں۔ اور ۶ان کی طرف سے کس نے قبضہ کیا، اور ۷وہ بہو اور پوتے سب صاحب نصاب ہیں یعنی ان میں ہر ایک چھپن روپے یا زیادہ کے مال کا مالک ہے، یا بعض صاحب نصاب ہیں بعض فقیر یا سب فقرا، اور یہ چھٹا حصہ کہ اس نے ہبہ کیا باقی جائداد میں ملا ہوا تھا یا الگ الگ کرلیا تھا، ان تمام باتوں پر جدا احکام ہوں جن کی تفصیل میں طول ہے اور سائل کی غرض صرف ایک صورت سے متعلق ہوگی، لہذا ان آٹھوں باتوں کا جواب مفصل بیان لکھنے پر اس خاص صورت کا جو حکم ہو بتایا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: از شہر کہنہ مسئولہ سید نور اللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

(زید نے اپنے بیٹے بکر کے نام ایک مکان لکھا) بکر سے بحالت مرض الموت بکر کے اس کو رنج دے کر طوعًا و کرہًا بکر کے نام کا مکان زید نے اپنی دوسری زوجہ غیر کفو کے نام لکھا دیا، کیا یہ ہبہ جائز ہے یا فاسد؟

الجواب:

اگر بکر کے نام کا ہبہ صحیح اور قبضہ خالصہ سے تام ہوگیا تھا تو یہ ہبہ بے رضائے مالک ہوا باطل ہے اگرچہ مالک بے اجازت مرگیا، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹: از بجنور مرسلہ مولوی محسن علی خاں صاحب منصف ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زیور نقرئی وطلائی اور ظروف دیگر وسامان اس نیت وارادہ سے تیار کرایا کہ وہ اپنی دختر نا کتخدا کے عقد نکاح کے بعد رخصت کے وقت جہیز میں دے گا، چنانچہ بعض لوگوں کو یہ سامان دکھلا کر یہی بیان بھی کیا مگر قبل اس کے کہ نوبت عقد ورخصت دختر مذکور کی پہنچے اس نے قضا کی ایسی حالت میں وہ زیور ظروف وسامان ترکہ متوفی قرار پائے یا دختر مذکور تنہا اس کی مالک ومستحق سمجھی جائے۔

الجواب:

کوئی تملیک محض نیت وارادہ سے نہیں ہوسکتی نہ مجرد اظہار ارادہ کہ میں نے اس لئے بنوائے یا یہ مال فلاں کو دوں گا کوئی اثر ملک پیدا کرسکے۔ اصلاح وایضاح میں ہے:

الہبۃ ہی فی الشرع تملیك مال للحال بلا عوض [1]۔	شرع میں فی الحال مال کا بغیر عوض کے لئے مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے۔ (ت)

[1] اصلاح وایضاح

بلکہ اگر دختر اس جہیز کے تیار کراتے وقت بالغہ تھی یعنی اسے حیض آگیا تھا یا پندرہ سال کامل کی عمر ہو چکی تھی اور جہیز بنوا کر اس کے باپ نے صریح الفاظ تملیک بھی کہہ دئے ہوں، مثلاً میں نے اپنی دختر فلانہ کو اس مال کا مالک کیا، جب بھی ازانجا کہ قبضہ دینے سے پہلے اس شخص کا انتقال ہو گیا کہ جہیز پر قبضہ وقت رخصت دیا جاتا ہے۔ یہاں ابھی عقد بھی نہ ہوا تھا وہ ہبہ باطل محض ہو گیا، بہر حال وہ مال تمام و کمال متروکہ متوفی ہے، ہاں اگر لڑکی اس وقت نابالغہ تھی یعنی نہ اسے آثار بلوغ پیدا ہوئے تھے نہ پورے پندرہ برس کی عمر ہوئی تھی اور اس نے اس کے واسطے جہیز بنوایا یا کہا میں نے اسے اس کا مالک کیا، یا یہ اس کا ہے۔ یا اتناہی کہا کہ یہ میں نے اس کے لئے بنوایا ہے۔ تو ضرور کل مال یا اس میں سے جس خاص شیئ کی نسبت یہ لفظ صادر ہوئے تھے ملک دختر ہے اگرچہ قبضہ دختر نہ ہوا کہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ کافی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اشتری ثوبا فقطعه لولده الصغیر صار واھبا بالقطع مسلما الیه قبل الخیاطة ولو کان کبیرا لم یصر مسلما الیه الابعد الخیاطة والتسلیم ولو قال اشتریت ھذا له صار ملکاله کذا فی القنیة [1]۔	کپڑا خرید کر کاٹا اور نابالغ بیٹے کو سلے بغیر دے دیا تو ہبہ ہو گیا اور اگر بالغ بیٹے کے لئے ایسا کیا تو سلائی اور قبضہ دئے بغیر ہبہ نہ ہوگا اور اگر کہا میں نے بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹے کی ملک ہو جائے گا قنیہ میں یوں ہے۔ (ت)

فتاوٰی ولوالجیہ پھر منح الغفار پھر ردالمحتار اور ینابیع پھر ہندیہ میں ہے:

واللفظ للشامی جھز الاب ابنته ثم بقیة الورثة یطلبون القسمة منھا فان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا اوبعد ما کبرت وسلم الیھا وذٰلك فی صحته فلا سبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	الفاظ شامی کے ہیں:- والد نے بیٹی کو جہیز دیا اور والد کی وفات کے بعد باقی ورثاء اس جہیز میں حصہ کے طالب ہوئے تو اگر والد نے اپنی صحت میں بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے خرید کر قبضہ دے دیا تھا تو ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اور وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب العاریة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب، تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حیبن بی بی و صحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش مرحوم بروز پنجشنبہ ۲صفر ۱۳۳۴ھ

سوال اول: امیر بخش مرحوم نے بحالت حیات کسی مصلحت سے ایک لڑکے مسمّٰی اصغر حسین کو جدا کردیا اور تجارتی مال کا پانچواں حصہ ان کو دے دیا اور چار حصہ یعنی بقیہ کل مال بلا تقسیم اپنے قبضہ میں رکھا اور چار لڑکیاں جو دو محل سے موجود تھیں ان کو کچھ نہیں دیا، آیا ایسی تقسیم شرعًا درست ہے؟ اور باپ کے مال میں کیا لڑکیاں شرعاً حقدار نہیں ہیں؟

الجواب:

ایک لڑکے کو پانچواں حصہ دینا باقی بیٹیوں کو نہ دینا اگر اس وجہ سے ہو کہ وہ لڑکا اوروں پر فضل دینی رکھتا ہے تو حرج نہیں **کمافی الدرالمختار والعالمگیریۃ** (جیسا کہ درمختار اور عالمگیریہ میں ہے۔ت) ورنہ حدیث میں اسے ظلم فرمایا:

اکل بنیك نحلت مثل ھذا قال لاقال لاتشھدنی علی جور[1]۔	کیا تو نے تمام بیٹوں کو اس کی مثل عطیہ دیا ہے عرض کی نہیں یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا: مجھے ظلم پر گواہ نہ بنا۔ (ت)

مگر یہ امر دیانۃً ہے، قضاءً باقی اولاد اس پر دعوٰی نہیں کرسکتی **لان الملك مطلق للتصرف** (کیونکہ ملکیت تصرف کی آزادی دیتی ہے۔ت) نہ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امیر بخش نے بیٹیوں کو محروم کرنا چاہا ہے کہ اس نے اور بیٹوں کو بھی نہ دیا نہ کل مال اصغر حسین کو دے دیا کہ اوروں کا حرمان مفہوم ہو **واللہ تعالٰی اعلم۔**

ایضًا سوال چہارم

مورث کے مشترکہ ترکہ کو اگر قبل تقسیم کے بعض وارث بلا استرضائے دیگر ورثہ کے کلًا یا جزءً کسی غیر کو ہبہ کردیں تو یہ ہبہ شرعا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو کیا ہمارے بھائیوں پر واجب نہیں ہے کہ اس غلط تقسیم کو مسترد کرکے دوبارہ فرائض کے مطابق ترکہ تقسیم کردیں اور جس کا جس قدر حصہ رسدی ہو اس کو پہنچادیں۔

[1] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵، مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر دارالفکر بیروت ۴/ ۲۶۸

الجواب:

مال مشترک اگر غیر قابل قسمت ہے اور اس نے صرف اپنا حصہ ہبہ کیا تو صحیح ونافذ ہوگیا، باقی ورثاء اپنا حصہ اس میں سے لے سکتے ہیں اور اگر وہ کل شیئ مشترک ہے اور ایک شریک نے کسی کو ہبہ کردی تو اس کے اپنے حصہ میں ہبہ نافذ ہوگیا اور دوسرے شرکاء کے حصوں کا ہبہ ان کی اجازت پر موقوف رہا، اگر وہ عاقل بالغ ہوں ورنہ باطل،

لانه عقد صدر من فضولی ولا مجیز له وقت العقد۔	کیونکہ یہ عقد فضولی سے صادر ہوا جبکہ عقد کے وقت اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہ تھا۔(ت)

اور اگر وہ شے قابل قسمت ہے اور اس نے اپنا حصہ قبل تقسیم ہبہ کیا تو وہ ہبہ محض بے اثر ہے کہ قبضہ سے بھی مفید نہ ہوگا مگر اس کا فسخ اس پر لازم نہیں، اسے جائز ہے کہ بعد تقسیم اپنے حصہ پر موہوب لہ کو قبضہ دے دے اور تکمیل ہبہ کردے، اس کا استرداد واہب کا حق ہے نہ کہ واہب پر حق، ہاں دوسروں کے حصوں میں مزاحمت نہ کرنا اس پر واجب اور اگر شے قابل قسمت ہے اور اس نے کل ہبہ کردی تو یہ وہی ہبہ فضولی کی صورت ہے، اور اگر بقیہ شرکاء سب عاقل بالغ ہوں اور جائز کردیں تو جائز ہوجائے گا۔

کما لو وھب اثنان دارا من واحد جاز کما فی الدر وغیرہ[1]	جیسے دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو جائز ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر اس میں ایک شخص بھی اجازت سے دست کش یا غیر مکلّف ہوگا تو اس کل میں ہبہ باطل ہے یعنی بے اثر ونامفید ملک، بہرحال کسی صورت میں بھائی یہ اختیار نہیں رکھتے کہ بہنوں کو محروم کردیں، ان کا مال بے اجازت کے کسی کو دے دیں،

قال تعالٰی "لَاتَاْكُلُوْۤااَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: از سنبھل محلّہ کوٹ شرقی ضلع مراد آباد مسئولہ محمد جمیل صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو زیور یا لباس وقت عقد یا بعد عقد زوج اپنی زوجہ کو استعمال کے واسطے دے وہ امانت شمار ہوگا یا ہبہ؟ اور ان دونوں صورتوں

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

میں واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور نیز وہ زیور کہ جو زوجہ کے باپ کے یہاں کا تھا اور شوہر نے اپنے پاس سے کچھ اور چاندی یا سونا ڈال کر بڑھادیا ہو اس کا کیا حکم ہے آیا ہبہ ہے یا امانت؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو کچھ شوہر نے استعمال کے لئے دیا وہ ملک شوہر ہے مگر یہ کہ دلالت تملیک پائی جائے خواہ لفظًا یا عرفًا، اور عورت کا قبضہ ہوجائے تو اب وہ ملک زوجہ ہوجائے گا اور اب اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا **لان الزوجیة من موانع الرجوع** (کیونکہ زوجیت موانع رجوع میں سے ہے۔ت) جہیز میں جو زیور وغیرہ عورت کو ملتا ہے وہ یقینًا ملک زن ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة لاحق لاحد فیه[1]۔	ہر ایک کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ (ت)

اس نے جو کچھ اور اس میں ڈلوا کر بڑھوادیا ظاہرًا اس سے مقصود مالک کردینا ہی ہوتا ہے اگر یوں ہو اور قبضہ تامہ پایا جائے تو ملک زوجہ ہوجائے گا ورنہ نہیں **فان الظاهر حجة للدفع لا للاستحقاق**[2] (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہوتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: مشاع کی تعریف کیا ہے؟ **فقط**

الجواب:

ایک شیئ دو یا چند اشخاص کو بلا تقسیم ہبہ کی جائے اگرچہ حصے نامزد کردے جائیں کہ نصف نصف یا ایک کو ثلث اور دوسرے کو دو ثلث یا اپنی ملک کا کوئی حصہ غیر معینہ غیر ممتازہ مثلًا نصف، ثلث، ربع، وغیرہ کسی شخص کو ہبہ کرے یا اپنی پوری ملک ہبہ کرے مگر یہ خود کسی شے کے ویسے ہی غیر معین حصے نصف وغیرہ کا مالک ہو، یہ سب ہبہ مشاع ہیں پھر اگر وہ چیز ناقابل تقسیم ہے تو جائز۔ ورنہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: مرسلہ محمد نجم الدین صاحب محلّہ رفعت پورہ مراد آباد ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بقضائے الٰہی اچانک فوت ہوگیا او وہ ایک دولتمند شخص تھا اور اس نے جائداد

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب النفقه دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی اور کل پانچ وارث چھوڑے دو دختران اور ایک پسر اور ایک والدہ اور ایک زوجہ ثانی لاولد جو اس کے عقد میں قریب آٹھ برس کے تھی، متوفی مذکور نے نکاح کے وقت کچھ زیور تیار کراکر زوجہ مذکور کو دیا تھا وہ اس کے قبضہ میں ہے، اس کے علاوہ اور زیور بھی تیار کراکر وقتاً فوقتاً زوجہ مذکورہ کو دیتا رہا جو زوجہ مذکورہ کے قبضہ وتصرف میں ہے اور وہ اس کی زکوۃ بھی ادا کرتی ہے پھر پندرہ سو روپے نقد واسطے زیور تیار کرانے کے زوجہ مذکورہ کو دئے تھے جو اس کے قبضہ میں ہے، لیکن تعمیر مکان کی ضرورت سے بطور قرض کے متوفی مذکور نے زوجہ مذکورہ سے لئے تھے، اور کلکتہ جاکر ایک ہزار روپے کا نوٹ معرفت حاجی محمد خلیل کے زوجہ مذکورہ کے پاس بھیج دیا، پانسو روپے منجملہ اس کے باقی رہ گئے، نیز زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے یہاں جب مراد آباد آتی تھی اور اس کے عزیز واقارب سے اس کو نقد ملتا تھا اس کا پارچہ وبرتن وغیرہ خرید کرلے جاتی تھی جو اس کے تصرف میں ہے، نیز نقد وزیور کے علاوہ متوفی مذکور زوجہ مذکورہ کو اکثر اشیاء لاکر دیتا رہتا تھا اور اپنی دختران وپسر کو اس کے علاوہ دیتا رہتا تھا۔

پس صورت مذکورہ میں جو اسباب ونقد زیور وغیرہ متوفی مذکور نے اپنی حیات میں زوجہ مذکورہ کو دیا ہے اور اب تک اس کے قبضہ وتصرف میں ہے وہ ترکہ متوفی سے علیحدہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیور خواہ نقد خواہ کسی قسم کا مال جو زید اپنی زوجہ کو بطور تملیک دیتا تھا اس کی مالک زوجہ ہے، وہ ترکہ نہیں ہوسکتا۔ تملیک ثابت ہونا درکار ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً بغیر اس کے دعوی ملک مسموع نہیں، مثلاً اگر وہ پندرہ سو روپے قرض کہہ کر مانگے تو ضرور ثابت ہوا کہ ملک کردئے تھے، یونہی اگر اس کی عادت سے ثابت ہو کہ ان لوگوں کو ایسا دینا بطور تملیک ہی کرتا تھا یہی لوگ اس کے مالک سمجھے جاتے تھے تو بیٹی بیٹے زوجہ جس کو جو دیا وہ اس کا مالک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵: از سہارنپور محلّہ قاضی مرسلہ ریاضت احمد صدیقی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مرگئی اور اس نے ایک دختر اور ایک برادر حقیقی دو۲ وارث چھوڑے، متوفیہ کے بھائی نے اپنا شرعی حصہ جو اس کو بہن سے پہنچا تھا اپنی بھانجی کو دے دیا اور اس کے نام پر داخل خارج بھی کاغذات سرکاری میں کرایا اب چند سال کے بعد ناراض ہوکر اس دی ہوئی جائداد واسباب کو واپس لینا چاہتا ہے۔ کیا شرعاً اس اسباب وجائداد کو واپس لینے کا بھانجی سے حق حاصل ہے کہ جس کا اپنی خوشی ورضامندی سے

مالک بنادیا ہو۔

الجواب:

اگر اس نے اپنا حصہ جداجدا تقسیم کراکر ہبہ کیااور بھانجی کو قبضہ دے دیا یا ہبہ کے بعد تقسیم کرکے حصہ منقسمہ پر قبضہ دے دیا یا وہ مشترک جائداد قابل تقسیم نہ تھی اگر دوحصے کئے جاتے تو ہر حصہ قابل انتفاع نہ رہتا، جیسے کوئی کوٹھری یا چھوٹی دکان تو ان صورتوں میں بعد قبضہ دختر ہبہ تمام ہوگیا اور ماموں کو اس سے واپس لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر شیئ قابل قسمت تھی اور بلا تقسیم ہبہ کیااور اب تک تقسیم کرکے قبضہ نہ دیا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور مالک بنانا ہبہ نہیں عـــہ اسے واپس لے سکتا ہے۔
درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووھبه لشریکه لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان ھو المذھب [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ تام نہیں ہوتا اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو کیونکہ اس پر کامل قبضہ کا تصور نہیں ہوسکتا جیسا کہ عام کتب میں ہے لہٰذا یہی مذہب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۶: از قصبہ کہوڑٹی ضلع ساگر قسمت جبل پور ممالک متوسط مرسلہ ابراہیم ولد قمر علی ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ابراہیم کے والد قمر علی تین بھائی حقیقی تھے، منجملہ ہر سہ بھائیوں کے ایک لاولد تھے جن کا نام نعمان حسن تھا، میرے چچا یعنی نعمان حسن نے نکاح ایک بیوہ عورت سے کیا جس کے ہمراہ لڑکا آیا۔ لڑکے کی عمر اس وقت ۵ سال کی تھی۔

آپ کو تکلیف دیتاہوں کہ جو کاغذات نقل یعنی فیصلہ کچہری شرع شریف ہوا ہے وہ خدمت میں آنجناب کی ارسال ہے بہ نظر ترحّم کاغذات کوملاحظہ فرما کر اطلاع دیجئے گا آیا وہ جائداد کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نعمان حسن نے اس لڑکے کو متبنی نہیں کیا تھا اور اس نے کچہری میں یہی بیان کیا کہ نعمان حسن نے مجھے متبنی کیا، کاغذات متبنی کرنے کے موجود نہیں ہیں جو ہبہ نامہ پیش کیا گیا ہے وہ مصنوعی بنا ہوا ہے، نہ تو اس میں کوئی گواہ ہے اور نہ حاکم وقت کے دستخط ہیں، نہ تاریخ ہے، غلام عباس متبنی فوت ہوچکا ہے، اور زوجہ نعمان حسن بھی فوت ہوچکی ہے۔

عـــہ: اصل میں "ہبہ نہیں" کالفظ قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الجواب: شریعت میں متبنی کوئی چیز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَاجَعَلَ اَدْعِیَآءَ کُمْ اَبْنَآءَ کُمْ "[1]۔ وقال تعالٰی "لِکَیْ لَایَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآ ئِھِمْ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھارے نرے دعووں نے ان کو تمھارے بیٹے نہ بنادیا۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تاکہ مومنین پر ان کی بیویوں کے دعاوی میں حرج نہ ہو۔(ت)

نرا کاغذ اگرچہ اس میں تاریخ و تحریر گواہان ودستخط حاکم بھی ہوں شرعاً اصلاً کوئی چیز نہیں اور محض اس کی بناء پر ہبہ ماننا باطل اور ایسا فیصلہ محض خلاف شرع۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بہ فلایعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ الخطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار او النکول کمافی وقف الخانیۃ[3]۔	خط پر نہ اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے گا لہٰذا وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کے خطوط ہیں قابل عمل نہ ہوگا، کیونکہ قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے، جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔(ت)

عجب تر یہ ہے کہ مفتی صاحب حاکم سرونج نے فیصلہ میں حکم یہ لکھا کہ "باغ وزمین متدعویہ کے تین حصے مساوی کئے جائیں، تیسرا حصہ ہبہ غلام عباس کو دلا یا جائے" جبکہ وہ باغ وزمین اب تک مشترک غیر منقسم تھی اور نعمان حسن بلا تقسیم مرگیا تو اگر غلام عباس کو واقعی ہبہ ہوا تھا تو باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[4]۔	میم سے "فریقین میں سے ایک کی قبضہ کے بعد موت" مراد ہے، اور اگر قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۳۸

[4] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بہر حال فیصلہ غلط ہوا غلام عباس کا اس باغ وزمین میں حق نہیں، وہ صرف وارثان شرعی کا حق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷: از شہر کہنہ گھیر جعفر خان مسئولہ حکیم عرفان علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کو جو اس کی مملوکہ ومقبوضہ ہے اور اس پر متصرف ہے اور تنہا مالک بلاشرکت غیرے ہے باختیار جائز ومالکانہ اس جائداد کو بلااکراہ واجبار اپنی خواہش سے بنظر دور اندیشی ورفع شر اس امر کے کہ بعد میری وفات کے کسی قسم کا میری اولاد یعنی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان نزاع اور مخالفت نہ ہو تقسیم کیا اس طور سے ایک حصہ تھوڑی مقدار کا لڑکی کو دیا اور زیادہ مقدار کا لڑکے کو دیا اس وجہ سے کہ لڑکی بالغ ہے اور اس کی شادی بھی ہوگئی ہے او وہ خوشحال حالت میں ہے اور اس کے حصہ کی جائداد پر کوئی خرچ کا بار بھی نہیں پڑے گا، اور لڑکا نابالغ ہے اور اس کی پرورش وتعلیم وشادی سب خرچ اس کا بھی اسی جائداد پر پڑنے والا ہے اور نیز حسن سلوک شادی وغمی کا خرچ حسب رواج اس کا بار بھی لڑکے ہی کی جائداد پر ہے اور اپنا اور اپنی زوجہ کا بھی خرچ ماہانہ مقرر کرکے سب لڑکے ہی کے حصہ پر رکھا، تو اب ایسی صورت میں یہ فعل اس کا یعنی تقسیم کرنا جائداد کا بلحاظ حصہ پورا ہونے نہ ہونے فرائض کے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

صحیح بایں معنی کہ وہ کاروائی چل جائے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے تمام وارثوں کا بے خطا بے سبب نان شبینہ کے لئے محتاج چھوڑ کر اپنی تمام املاک کسی راہ چلتے کو دے دے اور اگر یہ مراد کہ ایسی کاروائی کرنی عنداللہ اسے جائز ہے یا اس پر مؤاخذہ ہوگا تو جواب یہ ہے کہ جن مہمل وجوہ پر زید نے ایک قلیل جز بیٹی کو دیا اور باقی تمام جائداد کثیر بیٹے کو دی، یہ ضرور عنداللہ ناجائز ہے اور زید گنہگار اور بیٹی کے حق میں گرفتار ہوا شرع مطہر نے بعد موت بیٹی کا ایک اور بیٹے کے دو حصے رکھے ہیں لیکن زندگی میں تقسیم کرے تو حکم ہے کہ پسر ودختر دونوں کو برابر برابر دے قصداً بلاوجہ شرعی بیٹی کو نقصان دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

فی الخانیة لابأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وکذا فی العطایا اذا لم یقصد به	خانیہ میں ہے: محبت میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دل کا عمل ہے اور یونہی عطیات میں بھی بشرطیکہ کسی کو

الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی[1]۔	ضرور پہنچانا مقصود نہ ہو، اور یہ بات پیش نظر ہو تو پھر سب کو مساوی دے اور لڑکی کو لڑکے کے برابر دے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح و الھندیۃ[2]۔	عطیہ میں فضیلت مکروہ ہے جب اولاد درجہ میں مساوی ہو، جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے۔(ت)

لڑکی کا بالغہ ہونا اس کا کوئی جُرم نہ تھا، نہ شادی ہو جانا اس کی خطا تھی، اور اپنے گھر سے خوشحال ہونا زید کی بخشش نہیں جسے اپنی جائداد دینے میں مجرا لے اور لڑکی کا خرچ اور پر ہونا اور لڑکے پر اور کا خرچ ہونا شریعت زید سے زیادہ جانتی ہے پھر حکم دونوں کو برابر دینے کا فرمایا، اور یہ عذر کہ اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ لڑکے پر رکھا ہے بے معنی ہے اسے حکم شرع ماننا تھا تو دونوں کو برابر دیتا اور اپنا زوجہ کا خرچ دونوں پر یکساں رکھتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: از شہر مرسلہ شیخ علی جان صاحب محلّہ بھوڑ معرفت حمید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شخصے املاک نقد وجنس منقولہ خویش باولاد ذکور واناث حسب قواعد شریعت نفقہ کردن می خواہد ویک پسر خود را ازیں تقسیم ارث محروم ساختہ عاق کردہ می شمرد کہ از اطاعت وفرمانبرداری انحراف و رزیدہ واز تعمیل احکام شرعیہ روگردانیدہ بفسق وفجور منہمک شدہ۔ پس از شریعت اجازت	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ اور نقد املاک کو اپنی اولاد نرینہ ومؤنث میں شرعی قواعد کے مطابق نفقہ کے طور پر دینا چاہتا ہے اور ایک بیٹا جو کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے انحراف اور شرعی حکم کی تعمیل سے روگردانی کرتا ہے اور فسق وفجور میں منہمک ہے، پس شریعت اجازت

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

می دہد کہ آں فرزند عاق کردہ ازیں ارث چیزے ندہم و او را محجوب الارث شمرد واز املاک خویش جوے ندہم روز جزا در مواخذہ او مارا گرفت خواہد شد یانہ از اقوال فقہائے احناف جواب شافی عنایت فرمایند۔	دیتی ہے کہ اس بیٹے کو عاق کرکے اپنی وراثت سے کچھ نہ دوں اور اس کو محروم از وراثت قرار دوں اور اپنی املاک سے جو تک نہ دوں، روز جزا اس میں ہمارا مؤاخذہ اور گرفت ہوگی یا نہ؟ فقہائے احناف کے اقوال سے شافی جواب عنایت فرمائیں (ت)

الجواب:

اگر فی الواقع او فاسق وفاجر است پدر را میرسد کہ او را محرم دارد، کما فی الدر وغیرہ من السفار الغر .واللّٰہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم	اگر فی الواقع وہ فاسق وفاجر ہے تو باپ کو حق ہے کہ اس کو محروم رکھے جیسا کہ درمختار وغیرہ روشن کتب میں ہے، واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۹: مرسلہ مولوی محمد علیم الدین از شہر کانپور مدرسہ دارالعلوم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنی زمین مزروعہ (۴۵ بیگھ) کے تین حصے کرکے ایک حصہ بڑے لڑکے کو اور ایک حصہ چھوٹے لڑکے کو دے دیا اور ایک حصہ اپنے واسطے رکھا اور دونوں لڑکوں سے کہہ دیا کہ میرے حصے کو میرے مرنے کے بعد برابر تقسیم کرلینا بعد چند روز کے زید نے اپنا حصہ بڑے لڑکے کو ہبہ کردیا، یہ ہبہ شرعاً ہوا یا نہیں؟ درصورت صحت چھوٹا لڑکا مجاز فسخ ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ زمین نامقسم ہے اور بلا تقسیم ایک ایک ثلث دونوں بیٹوں کو دیئے پھر اپنا ثلث بھی ایک کو دے دیا، تو یہ دونوں ہبہ باطل وبے اثر محض ہیں جب تک زید اپنی زندگی میں تقسیم کرکے ہر بیٹے کو اس کے منقسم حصے پر جداگانہ قبضہ نہ دے، اور اگر بیٹوں کو بلا تقسیم دو ثلث میں شریک کیا تھا اور اپنا حصہ جداگانہ منقسم رکھا تھا اور اب یہ ثلث بڑے بیٹے کو دے کہ قابض کردیا تو پہلا ہبہ باطل ہے جب تک زید اس ٹکڑے کا دو حصے جدا جدا کرکے ہر بیٹے کو قبضہ نہ دے لیکن اس تیسرے ثلث کا ہبہ بڑے بیٹے کے نام بوجہ تقسیم صحیح وتام ہوگیا اس تہائی کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا اور وہ دو تہائی اب تک زید کی ملک ہیں، ہاں اگر وہ دونوں حصے جدا جدا بانٹ کرکے ہر بیٹے کو اس کے حصہ پر قبضہ دے دیا تھا پھر اپنا تہائی بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تھا تو ان دو ثلث کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا، اپنے ثلث کا چھوٹا بیٹا مالک رہا۔

اس صورت میں چھوٹا بیٹا فسخ کرانے کا مجاز نہیں، اور پہلی دو صورتوں میں فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ ہنوز ہبہ ہی تام نہ ہوا، **والمسألۃ دوارۃ متونا وشروحا وفتاوٰی** (یہ مسئلہ متون، شروح اور فتاوٰی میں دائر ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۰: از بزم حنفیّہ لاہور مرسلہ محمد عبدالحمید صاحب سیکرٹری بزم مذکور ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

بحضرت فیض درجت، عظیم البرکت، فاضل کبیر کامل نحریر، امام العلماء المحققین، مقدام الفضلاء المدققین، عالم عظیم الشان، اعیلحضرت، مولانا المکرم، ذوالمجد والکرم، مولانا، مولوی، حاجی، صوفی، حافظ، مفتی محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہم، السلام علیکم و علی من لدیکم، مزاج مقدس!

آج یہ فقیر بارشاد فیض رشاد فرمان واجب الاذعان سیدی وآقائی مولٰنا المحترم ذواللطف والکرم حضرت مولوی محمد اکرام الدین البخاری خطیب وامام مسجد وزیر خاں خدمت میں اعلیحضرت دام فیضہم کے چند سطور بتاکید مولٰنا ممدوح تحریر کرتا کہ اعلیحضرت اس مسئلہ متنازعہ کو بہ تشریح تامہ وتفصیل کاملہ صاف وشستہ مبسوط تحریر فرماکر متنازعین کے شکوک کو بدلائل واضحہ رفع فرمادیں گے اور مولٰنا ممدوح نے یہ فرمایا کہ اس مسئلہ کی مختلف صور کی مرجح ومفتی بہ اشکال کے اظہار کا حق صرف اعلیحضرت کے قلم فصیح رقم کو حاصل ہے اور اس پر بہ اثبات حکم محکم فریقین متنازعین کے قلوب میں نورانی جوہر محبت بھرنے گوہر ڈال دینے نااتفاقی وکشیدگی کے توہمات کو نکال دینے کا اعلیحضرت ہی کو شرف حاصل ہے پس ارشاد مولٰنا ممدوح معروض بخدمت حق اقدس ہوں کہ جس ہبہ وتملیک کی رجسٹری بذریعہ گورنمنٹ ہوچکی ہے اور وہ برائے ملاحظہ حضرت بلفظہٖ ناقل رجسٹری ہبہ شدہ ارسال خدمت ہے کہ بعد وفات موہوب لہ کے واہب نے بھی زندہ رہ کر اس موہوبہ مکان کو واپس نہ کیا اور وہ موہوب لہ کی اولاد کے قبضہ میں ہی رہا، اب واہب کے مرجانے کے بعد [عـــہ] ہمشیرہ دعوٰی دخلیابی کا کرکے موہوب لہ کے پسماندگان بیوہ و یتامٰی سے موہوبہ مکان کو بعد گزرجانے ۲۷ برس ہبہ شدہ کا رجوع کرانا چاہتی ہے بحالیکہ ہبہ وتملیک کردینے کے بعد واہب نے اگرچہ موہوب لہ کا وہ باپ تھا علیحدہ کرایہ نامہ تحریر کردیا اور واپس نہ کرایا اور بطور کرایہ دار اسی میں سکونت کرتا رہا اور ۶ برس تک زندہ رہا۔ اب مفصل صورت سوال حسب ذیل ہے۔

زید	عمرو	بکر	ہندہ
(نظر محمد)	(جان محمد)	(خیر محمد)	

عـــہ: لفظ "**بعد**" قلم ناسخ سے چھوٹ گیا، عبدالمنان اعظمی

زید نے اپنی حین حیات میں بلا کراہ واجبار برضامندی خود اپنا ایک مکان زرخرید خود اپنے بیٹے خورد نامی عمرو (جان محمد) کے نام ہبہ تملیک بشرائط چندے رجسٹری کردیا جس کا خود واہب بدیں الفاظ مقر ہے کہ :

(۱) مکان موہوبہ ملکیت عمرو ہے۔

(۲) عمرو کو ہر طرح کا حق حاصل ہے کہ میری حیات میں اور بعد ممات کے اس مکان کو بیع ورہن کر کراسکتا ہے۔

(۳) مکان مذکور میں میرا یا میرے دیگر کسی لواحق کا حق خاخدشہ ہرگز نہیں، مکان مذکور میرا ذاتی ملکیت ہے جو عمرو کے نام ہبہ کردیا ہے کہ اب اصل مالک وہی ہے۔

(۴) زید کی حین حیات میں اس کا بیٹا عمرو فوت ہوگیا اور دوسرا بیٹا بکر زندہ رہا اور عمرو کا باپ زید عرصہ ۶ سال بعد وفات عمرو زندہ رہا اور موہوب شدہ مکان کو زید واہب نے اپنی حین حیات میں بھی واپس نہیں لیا بلکہ زید کی موجودگی میں بھی وہ مکان صرف عمرو کی اولاد وبیوہ کے قبضہ میں رہا اور وہی اس کے کرایہ وغیرہ کو حاصل کرتے رہے، پھر زید یعنی اصل واہب فوت ہوگیا، موجودگان از زید اصل واہب متوفی، بکر (خیر محمد) ہندہ، بکر جو واہب متوفی کا بڑا بیٹا ہے اور ہندہ جو واہب کی بیٹی ہے اور موہوب لہ متوفی کے یہ ہر دو موجودہ حقیقی ہیں اور ہندہ موہوب لہ متوفی کی اولاد کی پھوپھی ہے زندہ موجود ہیں۔

(۵) بکر کا بیان ہے کہ جو کچھ میرا باپ زید میرے حقیقی بھائی عمرو کے نام مکان مذکور ہبہ وتملیک کرچکا ہے اور نیز اس نے بعد وفات عمرو کے اس ہبہ وتملیک کو واپس نہیں لیا، لہٰذا یہ ساختہ پرداختہ میرے باپ زید متوفی کا مجھ کو منظور ومقبول ہے، یہ مکان ملکیت عمرو کا ہوچکا ہے اس کے بعد اس کی اولاد وارث ہے۔

(۶) عمرو کی بہن ہندہ یہ دعوی کرتی ہے کہ یہ ہبہ وتملیک رجوع ہوسکتا ہے اور اس ہبہ شدہ مکان کو عمرو کی اولاد کے قبضہ میں جائز گردانتی ہے۔

پس مندرجہ بالا صورت متنازعہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہبہ جو تملیک بنام عمرو ہوچکا ہے اور جس کو خود واہب زید نے بعد فوتگی عمرو موہوب لہ کے واپس لینے کا ارادہ ہی نہ کیا اب موہوب لہ اور واہب کے فوت ہوجانے کے بعد جس کو ۱۲ برس سے زیادہ گزر گئے اجبار قابل رجوع ہے یا نہیں (اجبارا) اور ان صورتوں میں شریعت مطہرہ کو کیا حکم ہے پس اس اہم

اولاً: موہوب لہ واہب کا بیٹا ہے اور ذی رحم محرم سے رجوع کا خود واہب کو بھی اختیار نہیں،

ثانیاً: موہوب لہ مر گیا،

ثالثاً: واہب بھی گزر گیا اور اس میں ہر ایک کی موت مانع رجوع ہے تو اب رجوع نا ممکن ہے اور وہ شرط قبضہ تخلیہ اس صورت میں ہے کہ موہوب لہ وقت ہبہ بالغ ہو، اور اگر نا بالغ تھا تو باپ نے جس وقت ہبہ نامہ لکھ دیا اس سے پہلے جس وقت زبانی کہا میں نے ہبہ کیا معًا ہبہ کرتے ہی بیٹا مالک ہو گیا اگرچہ باپ نے ایک آن کو مکان نہ خالی کیا نہ قبضہ دیا کہ اس صورت میں باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہے اور رجوع نا ممکن، در مختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہا موت احد العاقدین بعد التسلیم والقرابة فلو وھب الذی رحم محرم منه نسبا لا یرجع[1] (ملخصاً)	قبضہ دینے کے بعد کسی فریقین کی موت اور قرابت رجوع سے مانع ہے تو اگر کسی محرم کو ھبہ کیا رجوع نہ ہوگا (ملخصاً)۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان الموہوب ان مشغولا بملك الواھب منع تمامھا وان شاغلا لا وفی الاشباہ ھبة المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفله[2] (ملخصاً)	ضابطہ یہ ہے موہوب چیز اگر واہب کی ملک میں مشغول ہو تو ہبہ کے تام ہونے سے مانع ہے اگر وہ شاغل ہو تو مانع نہ ہوگا۔ اور الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر والد اپنے طفل کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔ (ملخصاً) (ت)

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱ تا ۱۶۲

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

ردالمحتار میں ہے:

کان وھبه دار والاب ساکنھا اوله فیھا متاع لانھا مشغولة بمتاع القابض و ھو مخالف لما فی الخانیة فقد جزم اولا بانه لاتجوز ثم قال وعن ابی حنیفة فی المجرد تجوز ویصیر قابضا لابنه[1]۔	مثلاً یہ کہ والد ایسے مکان کا ہبہ کرے کہ خود اس میں سکونت پذیر ہو یا سامان بھی رکھتا ہو کیونکہ یہ قابض کے حق میں مشغول ہے یہ بات خانیہ کے بیان کے خلاف ہے، تو شک نہیں کہ پہلے انھوں نے عدم جواز کا جزم کیا اور پھر کہا امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے علیہ سے روایت ہے کہ خالی مکان ہو تو جائز ہے اور اپنے طفل کے لئے قابض قرار پائے گا۔ (ت)

اس پر حاشیہ فقیر جدالممتار میں ہے،

اقول: جزم فی وجیز الکردری والولوالجیة والذخیرة وغیرھا باطلاق الجواز وفی الھندیة عن العتابیة الماخوذ به وعلیه الفتوی وفیھا عن السراجیة علیه الفتوی وفی الحموی عن الوالوالجیة علیه الفتوٰی وعن البزازیة تجوز وعلیه الفتوٰی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں کہتا ہوں وجیز الکردری ولوالجیہ اور ذخیرہ وغیرہا میں مطلق جواز پر جزم کیا اور ہندیہ میں عتابیہ سے منقول ہے کہ یہی ماخوذ اور اسی پر فتوٰی ہے اور ہندیہ میں ہی سراجیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اور حموی میں ولوالجیہ سے ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اور بزازیہ سے منقول ہے کہ جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۱: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

مع دو جواب بغرض تصحیح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بروہی ومسماۃ بہرائی کل متروکہ "سماء" متوفی مورث پر بروئے وراثت وغیرہ قابض ومتصرف رہے فوتیدگی مسماۃ بہرائی پر جس کو عرصہ ۱۶ سال کا گزر گیا ہے مسمّٰی بروہی بدستور قابض رہا بعد فوت ہونے بروہی کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

پسر اس کا الٰہی بخش بھی بدستور قابض رہا، مسماۃ شرم خاتون بنت مسماۃ متوفی کو جو حق وراثت اپنے والدین سے بروئے شرع شریف آتا تھا لیکن قبضہ الٰہی بخش میں پہلے سے تھا پھر اس کو ہبہ کرکے قبضہ سابقہ اس کے کو بحال رکھا اور اقرار ہبہ کا اسٹام گورنمنٹی پر بھی لکھ دے کر براءت دعوی اپنے کی بالفاظ ذیل ظاہر کی (کہ بعد دخل نہیں ہے ونہ ہوگا) اب عرصہ تین سال سے الٰہی بخش فوت ہے اور پسران ان کے جندوڈہ وغیرہ قابض و متصرف ہیں مسماۃ شرم خاتون مدعیہ اپنے حصہ وراثت پر کسی وقت میں قابض و متصرف نہیں رہی جس کو تخمینا عرصہ چالیس سال کا گزر گیا ہے بلکہ تصرف مالکانہ باپ مدعا علیہ وداد اس کے کا جائداد متدعویہ پر باوجود قرب جواری ورشتہ داری کے دیکھتی رہ کر ساکت رہی اب مدعیہ بعد عرصہ طویل کے حصہ موہوبہ خود مقبوضہ مدعا علیہ کو بعد فوتیدگی اصل موہوب لہ کے بعد از ہبہ مشاع استرجاعا واپس لینا چاہتی ہے، کیا باوجود قبضہ قدیم کے اس کو بعذر مذکور دیانۃ حق رجوع ہوسکتا ہے اور باوجود اطلاع علی التصرف وابراء عن الدعوی ومرور میعاد سماعت دعوی شرع اقدس میں قضاء دعوی اس کا قابل سماعت ہے یا نہ؟

جواب بہاول پور

ہبہ مشاع کا شریک وغیر شریک کہ قدیم سے ائمہ دین میں اختلافی ہے۔ صاحبین رضی اللہ تعالی عنہما جواز وصحت اس کے قائل ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فساد کے (روایت)

ہبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ من رجلین او من جماعۃ صحیحۃ عندہما وفاسدۃ عند الامام ولیست بباطلۃ حتی تفید الملك بالقبض کذا فی جواہر الاخلاطی[1] (بعد سطر) ہبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ لایجوز سواء کانت من شریکہ او من غیر شریکہ ولو قبضہا ہل تفید الملك ذکر حسام الدین فی کتاب الواقعات	مشاع چیز کو جب دو افراد یا جماعت کو ہبہ کرے صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسد ہے اور باطل نہیں حتی کہ قبضہ ہوجانے پر ملک کے لئے مفید ہوگا یوں جواہر اخلاطی میں ہے (اور ایک سطر بعد فرمایا کہ) قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ خواہ شریک یا غیر شریک کو ہو اور قبضہ دے دیا تو مفید ملک ہوگا یا نہیں، حسام الدین نے کتاب الواقعات میں ذکر کیا کہ مختار

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

ان المختار انه لاتفید الملك وذکر فی موضع اٰخر انه تفید الملك ملکافاسدا وبه یفتی کذا فی السراجیة [1]۔	یہ ہے کہ مفید ملک نہ ہوگا، اور دوسرے مقام میں ذکر کیا ملکیت فاسدہ کا فائدہ دے گا، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے۔(ت)

(عالمگیریہ جلد ثالث ص ۴۷۱) اور صاحب درمختار نے مذہب صاحبین کو ترجیح دی ہے (بروایت ذیل):

ولو سلمه شائعا لایملکه فلاینفذ تصرفه فیه اھ لکن فیھا عن الفصولین الھبة الفاسدة تفید الملك بالقبض وبه یفتی ومثله فی البزازیة علی خلاف ماصححه فی العمادیة لکن لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح کما بسطه المصنف [2] قوله لکن لفظ الفتوی استدراك علی مایستفید من قوله ماصححه فی العمادیة من ان القولین سواء حیث کان لفظ الفتوی اٰکد فیکون العمل علی مافی الفصول والبزازیة لانه قال وبه یفتی وھو اٰکد فی الصحیح [3] اھ۔	اگر شائع حالت میں قبضہ رہا تو مالک نہ ہوگا تو اس کا تصرف نہ نافذ ہوگا اھ لیکن اسی میں فصولین سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ ملک کا فائدہ دیتا ہے اور اسی پر فتوی ہے اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے جو کہ عمادیہ کی تصحیح کے خلاف ہے، لیکن فتوی کا لفظ زیادہ مؤکد ہے صحیح کے مقابلہ میں جیسا کہ مصنف نے اپنے قول کو مبسوط ذکر کیا کہ لفظ فتوی عمادیہ کے قول تصحیح سے مستفاد پر استدراک ہے کہ دونوں قول مساوی ہوں تو فتوی والا قول زیادہ قوی ہوتا ہے، تو عمل فصولین اور بزازیہ کے بیان پر ہوگا کیونکہ ان میں فتوی کا ذکر ہے اور اسی پر فتوی کا لفظ زیادہ قوی ہے صحیح مذہب میں اھ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی کتاب الھبة ص ۳۴۴) بہر کیف ہبہ مشاع کا مسئلہ اختلافی ہے کوئی اہل فہم اس کا اتفاق میں نہیں ڈال سکتا لیکن فی الواقع پہلے سے قبضہ موہوب لہ کا بطور امانت کے ہے (بروایت ذیل):

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] قرۃ عیون الاخیار (تکملہ ردالمحتار) کتاب الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

اقول: بیانه ان الترکة فی یداحد الورثة امانة فاذا انکرھا اومنعھا صار غاصبا[1]	میں کہتاہوں اس کا بیان یہ ہے کہ ترکہ کسی ایک وارث کے قبضہ میں ہو تو وہ امانت ہے اگر وہ اس سے انکار کردے یا نہ دے تو غاصب ہوجائیگا۔(ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۷۵ سطر ۱۸ فصل التخارج) اور قبضہ امین موہوب لہ کے لئے تجدید قبض کی ضرورت نہیں تو ہبہ صحیح وتام ہوگیا (روایت):

وملك بالقبول بلاقبض جدید لوالموھوب فی ید الموھوب ولو قبض اوامانة لانه عامل لنفسه[2]۔	اگر موہوب چیز موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو قبول کرنے سے قبضہ جدید کے بغیر مالک ہوجائے گا اگرچہ بطور قبضہ سابق ہو یا بطور امانت ہو کیونکہ قبول کا عمل اپنے لئے ہی ہوگا۔(ت)

(درمختار کتاب الہبہ) اور مدعیہ جب تصرف مدعاعلیہ پر مطلع رہ کر ساکت رہی ہے اور ابراء عن الدعوی بھی لکھ دیا ہے اور میعاد سماعت دعوی کا بھی گزر گیا ہے تو قضاء دعوی اس کا قابل سماعت نہیں (بروایت ذیل):

وفی الحامدیة عن الولوالجیة رجل تصرف زمانا فی الارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع و مات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ تترك علی ید التصرف لان الحال شاھد[3] (وبعد اسطر) واذا کان المدعی ناظر اومطلعا علی تصرف المدعی علیه الی ان مات المدعی علیه لاتسمع الدعوی	حامدیہ میں ولوالجیہ سے منقول ہے، ایک شخص زمانہ سے ایک زمین میں تصرف کررہاہے اور دوسرا شخص زمین اور تصرف کو دیکھ رہاہے اور کوئی دعوی کئے بغیر فوت ہوگیا تو اس کی اولاد کا دعوی اس میں مسموع نہ ہوگا اور وہ تصرف کرنے والے کے قبضہ میں رہے کیونکہ حال شاہد ہے (اور چند سطروں بعد فرمایا) جب مدعی، مدعی علیہ کے تصرف پر مطلع اور دیکھ رہا ہو حتی کہ مدعی علیہ اپنے تصرف پر فوت ہوا تو اب اس کے ورثاء پر مدعی کا دعوی

[1] قرۃ عیون الاخیار (تکملہ ردالمحتار) کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۸۵

[2] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الدعوی باب التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

علی ورثة کما مر عن الخلاصة[1] (و بعد سطر)والظاھر ان الموت لیس بقید وانه لاتقدیر بمدة مع الاطلاع علی التصرف لما ذکرہ المصنف والشارح فی مسائل شتی اٰخر الکتاب(وبعد اسطر)اقول:وعلی ھذا الوادعی علی اخردارا مثلا وکان المدعی علیه متصرفا فیھا ھدماوبناء او مدة ثلثین سنة وسواء وبناء او مدة ثلثین سنة وسواء فیه الوقف و الملك ولوبلانھی سلطانی اوخمس عشر سنة ولابلاھدم وبناء فیھما، والمدعی مطلع علی التصرف فی الصور الثلاث مشاھد له فی بلدة واحدة ولم یدع ولم یمنعه من الدعوی مانع الشرعی لاتسمع دعواہ علیه[2].اما الاول فلا طلاعه علی تصرفه ھدما وبناء وسکوته وھو مانع من الدعوی المدة المذبورة وسکوته وھو دلیل علی عدم الحق له ولان صحة الدعوی شرط لصحة القضاء و المنع منه حکم اجتھادی کما علمت واما الثالث فلمنع من السلطان	مسموع نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کے حوالے سے گزرا۔(اور ایک سطر بعد فرمایا)اور ظاہر یہ ہے کہ موت شرط نہیں اور مطلع رہنے کی مدت کا تعین بھی نہیں ہے، یہ مصنف اور شارح نے مسائل شتی آخرالکتاب میں ذکر کیا ہے(اور چند سطر بعد فرمایا)میں کتاہوں اس بناء پر اگر کوئی دوسرے پر مکان کا دعوی کرے حالانکہ مدعی علیہ اس مکان میں تیس سال سے گرانے بنانے جیساتصرف کرتا رہا،خواہ یہ مکان وقف ہو یا ملک اگرچہ حکمران کی ممانعت نہ ہو، یا پندرہ سال تک تصرف گرانے بنانے والانہ بھی ہو اور مدعی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو اس شہر میں ہونے کے باوجود نہ دعوی کرتے نہ ہی دعوی سے کوئی شرعی مانع ہو تو اب مدعی کا اس مکان پر دعوی مسموع نہ ہوگا،ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں اس لئے کہ وہ گرانے بنانے والے تصرف پر مطلع ہونے کی باوجود خاموش رہا یہ چیز دعوی سے مانع ہو گئی جیسا کہ تو معلوم کرچکا، لیکن دوسری صورت میں اس لئے کہ مذکورہ مدت تک دعوی سے خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس مکان میں اس کا حق نہیں ہے،اور اس لئے بھی کہ دعوی کا صحیح ہونا صحت قضاکے لئے شرط ہے اور دعوی سے باز رہنا اجتہادی معاملہ ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکااور تیسری صورت میں

[1] قرة عیون الاخیار تکمله کتاب الدعوٰی التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

[2] قرة عیون الاخیار تکمله کتاب الدعوٰی التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

نصرالرحمٰن قضاۃ فی سائر ممالکہ عن سماعھا بعد خمس عشر سنۃ اذا کان ترکھا بغیر عذر شرعی فی الملك [1]۔ تکملہ شامی جلد اول باب التحالف ص ۳۷۷ سطر ۲	اس لئے کہ حکمران کی پندرہ سال کے بعد سماعت کی ممانعت اللہ تعالٰی کی طرف سے اس کے تمام حکومتی علاقہ کے قاضیوں کے لئے رحمت ہے خصوصا کوئی عذر نہ ہونے کی صورت میں یہ تاخیر ہو۔(ت)
واماالابراء من دعوی العین فجائز کما فی الدرر وھوان یقول برئت عنھا اوعن خصوصی فیھا او عن دعوای ھذہ الدار لاتسمع دعواہ ولابینۃ [2]۔ تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۰ سطر ۳۱ کتاب الصلح۔	لیکن کسی معین چیز کے دعوی میں بری کردینا جائز ہے جیسا کہ درر میں ہے، اور ابراء یہ ہے کہہ دے کہ میں نے بری کردیا یا اس مکان کے جھگڑے سے یا اپنے دعوی سے میں نے بری کردیا، تو اب اس کا دعوی اور گواہی قابل سماعت نہ ہوگی۔(ت)
فی البزازیۃ عن المحیط لوابراء احد الورثۃ الباقیۃ ثم ادعی الترکۃ وانکر لاتسمع دعواہ [3]۔ تنقیح حامدیہ جلد ثانی ص ۵۴ سطر ۹ کتاب الاقرار۔	کتاب الصلح میں بزازیہ سے بحولہ محیط منقول ہے، کہ اگر ایک وارث باقی وارثوں کو بری کرکے پھر بعد میں ترکہ پر دعوی کرے تو مسموع نہ ہوگا(ت)
فی البزازیۃ ابراء عن الدعاوی ثم ادعی علیہ ارثان عن ابیہ ان کان مات ابوہ قبل الابراء لاتصح والدعوی [4]۔ عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ جلد ثانی کتاب الدعوٰی۔	بزازیہ میں ہے کہ اگر کہا میں اپنے دعووں سے بری کرتا ہوں، پھر اس نے دوسرے پر والد کی وراثت کا دعوی کردیا، تو اگر بری کرنے سے قبل والد فوت ہوا تو دعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷۔۴۸

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۶۲

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۴

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۶۳

وکذٰلك لو قال وھبت الذی لی علیہ من مالی فھو بریئ من ذٰلك [1]۔	اور یوں ہی اگر کہا میں نے اس پر اپنا مال اس کو ہبہ کیا تو بری ہو جائے گا۔ (ت)

عالمگیریہ جلد ثالث کتاب الاقرار ص ۵۸۴ اور مدعا علیہ کا قبضہ قدیم سے بطور امانت یا غصب کے جب ثابت ہے تو شرعا مدعیہ کو کسی طرح حق رجوع حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ رجوع بعد التسلیم کے واسطے قضا یا رضا شرط ہے (بروایت ذیل):

وبعد التسلیم لیس لہ حق الرجوع فی ذی الرحم المحرم وفیما سوی ذٰلك لہ حق الرجوع الاان بعد التسلم لاینفرد الواھب بالرجوع بل یحتاج فیہ الی القضاء اوالرضاء [2]۔	قبضہ دینے کے بعد محرم سے واپس لینے کا اس کو حق نہ ہوگا، اور غیر محرم سے واپسی کا حق ہے مگر قبضہ دینے کے بعد واہب کو خود واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ قضاء یا باہمی رضامندی ضروری ہوگی۔ (ت)

تکملہ شامی جلد ثانی ص ۳۵۸ سطر، باب الرجوع فی الہبہ، صورت مسئولہ میں رضا مدعا علیہ کی تو ہے نہیں اور صحت قضا کے واسطے صحت دعوی شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی کما مر، پس بوجوہات قویہ بالامدعیۃ کو نہ حق رجوع حاصل ہے اور نہ دعوی اس کا قابل سماعت ہے خاص کر سلطنت انگلشیہ میں میعاد سماعت ۱۲ سال مقرر ہے اور بناء نہی سلطانی پر سماع دعوی زائد المیعاد قضاء تو نافذ نہیں قبضہ مدعا علیہ کا اگر وفات مسماۃ بہرائی سے فرض کیا جائے تب بھی دعوی مدعیہ زائد المیعاد ہے کیونکہ وفات اس کی کو ۱۶ سال گزر گئے ہیں اور ہبہ نامہ مرقومہ اگرچہ ظاہرا ہبہ مشاع ہے مگر حقیقت میں ابراء ہے (بروایت ذیل):

وحاصل ان الابراء المتعلق بالاعیان اما ان یکون عن دعواہا وہو صحیح مطلقا وان تعلق بنفسھا فان کانت مغصوبۃ ہالکۃ صح	اسی کا حاصل یہ ہے کہ معین موجود چیز سے متعلق بری کرنا، یہ اس پر دعوی ہے براءت میں تو وہ مطلقًا صحیح ہے، اور اگر نفس چیز معین سے براءت کا تعلق ہو تو اگرچہ وہ چیز مغصوب ہلاک شدہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۰۴

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۲۴

ایضاکالدین وان کانت قائمۃ فھی بمعنی البراءۃ عنھا عن ضمانھا لو ھلکت وتصیر بعد البراءۃ من عینھا کالامۃ اتضمن الابالتعدی علیھا و ان کانت العین امانۃ فالبراءۃ لاتصح دیانۃ بمعنی انہ اذا ظفر بھا مالکھا اخذھا وتصح قضاءً فلایسمع القاضی دعواہ بعد ابراء ھذا ملخص مااستفید من ھذا المقام [1]۔	ہے تو دین کی طرح اس کی براءت صحیح ہے اور وہ چیز موجود ہو تو پھر اس چیز سے براءت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو اس کے ضمان سے براءت ہے اور اس موجود سے برائت کے بعد تو پھر وہ چیز امانت کی طرح ہوگی تو ہلاک کئے بغیر ضمان نہ دے گا، اور وہ چیز امانت پر ہو تو براءت دیانۃ صحیح نہ ہوگی اس معنی سے کہ اگر مالک اس چیز پر قابو پالے تو حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن قضاء یہ براءت صحیح ہوگی تو برائت کے بعد قاضی اس کے دعوی کو نہ سنے گا، اس مقام میں حاصل شدہ فائدہ کا یہ خلاصہ ہے۔ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۳ سطر ۵ کتاب الصلح) ہبہ نامہ میں اگرچہ لفظ براءت کا صریح نہیں مگر لفظ ہبہ سے بھی براءت ہوسکتی ہے کما مر عن العالمگیریۃ (جیسا کہ عالمگیریہ سے گزرا۔ ت) خصوصا لفظ مندرجہ ہبہ نامہ (کہ کوئی دعوی ودخل نہیں ہے اور نہ ہوگا) نص صریح براءت عن الدعوی پر ہے جو بالاتفاق صحیح ہے، لہٰذا اشر عاقبضہ مالکانہ مدعاعلیہ رکھ کر دعوی مدعیہ کا قضاء قابل اخراج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب دیوبند

اقول: قال فی الدر المختار لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووھبہ لشریکہ اولاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھوا لمذھب الخ ولو سلمہ شائعا الا یملکہ [2] الخ درمختار، وفی ردالمحتار	**میں کہتاہوں** درمختار میں فرمایا: قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ دینے سے تام نہ ہوگا خواہ شریک کو ہبہ کیا یا اجنبی کو، کیونکہ اس میں کامل قبضہ کا تصور نہیں جیسا کہ عام کتب میں ہے، تو یہی مذہب ہے الخ اور اگر مشاع کا قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا الخ درمختار، اور

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۶۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

وکما یکون للواھب الرجوع فیھا یکون الوارثۃ بعد موتہ [1] الخ فھذا یفید ان للواھب استردادہ من ورثۃ الموھوب لہ وایضا لحق لایسقط بتقادم الزمان کما حققہ المحقق الشامی [2] فی مسائل شتی من اٰخر الکتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتب عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ	ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح خود واہب کو رجوع کا حق ہے اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو حق ہے الخ، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ واہب کو موہوب لہ کی موت کے بعد اس کے وارثوں سے واپس لینے کا حق ہے اور نیز کوئی حق پرانا زمانہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ جیسا کہ کتاب کے آخر میں علامہ شامی نے مسائل شتی میں اس کی تحقیق فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتبہ عزیز الرحمان عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ (ت)

باسمہٖ تعالٰی

از ابوالمنظور محمد غوث بخش مقیم بیت العلم والحکم پر وچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خانپور۔

بعالی خدمت اسم درجت مدراء سجال العلوم علی العمود حضرت مولٰنا ومخدومنا قبلہ آمال وآمال خیار عباداللہ المتعال حضرت احمد رضا خاں صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف عنصر لطیف

خدمت میں ضروری عرض ہے توجہ سے سن کر جواب بتدقیق وغور تمام بعجلت عطا فرمائیں ایک استفتاء متعلق ہبہ مشاع وطلاق صبی بمعہ ٹکٹ کچھ عرصہ سے خدمت میں بھیجا تھا، مولٰنا امجد علی صاحب اعظمی کے خط سے معلوم ہوا کہ نہیں ملا، پس حسب الایماء ان کے دوسری نقل ارسال ہے کرم نوازی من ! عدالت ڈسٹرکٹ ججی خانپور میں دعوی عن الہبہ کا گزرا ہے کہ جس کا رجوع شرع مقدس کی طرف ہے علماء علاقہ ہذا آپس میں مختلف ہیں، حضرت اعلٰی کی خدمت اقدس میں فتوی مع الجواب ارسال ہے براہ کرم بخششی وحسبۃً للہ بامعان نظر فتوی مرسلہ پر دستخط ومہر بالشمولیت جماعت علمائے کرام ثبت فرمادیں بمعہ مزید تائید جواب اس کے کہ واقعات صورت حال از کتاب القضاء مخالف دعوی وغیرہ وغیرہ رجوع عن الہبہ سے مانع ہے، اپنی ذات باحسنات سے اضافہ فرمادیں، جناب والا ایک نقل دیوبند بھی ارسال کی گئی تھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳، ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۴

مگر مفتی دیوبند نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتاء واپس کردیا ہے جس پر بڑی حیرت دامنگیر ہے کہ یہ کیا جواب ہے کہ کتاب القضاء مخالف ومخالف دعوی وغیرہ پر کچھ بھی غور وتوجہ نہیں کی، مرکز فتاوٰی جناب اقدس میں التجا ہے کہ بجنسہٖ استفتار جس پر مفتی دیوبند کا جواب ہے غور فرمار بجلدی جواب مفصل بحوالہ صفحہ کتاب وغیرہ معززفرمائیں اور چند پیشی پہلے گزر گئی ہیں فقط، ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ / ۱۱ مئی ۱۹۱۹ء

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، یہاں چند امور پر لحاظ ضرور جن سے انکشاف جواب وظہور صواب ہو، **وباللّٰہ التوفیق**۔

اولاً: ے صالح قسمت میں ہبہ مشاع باجماع ائمہ حنفیّہ غیر نافذ ہے، صاحبین وغیرہما کسی کو خلاف نہیں، امام شافعی کا خلاف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ بدائع امام ملک العلماء جلد ششم ص ۱۱۹:

لاتجوز ھبۃ المشاع فیمایقسم وھذا عندنا وعند الشافعی تجوز[1]۔	قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ ہمارے نزدیک جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ (ت)

ہدایہ ج ۲ ص ۲۱۲:

لاتجوز الھبۃ فیما یقسم الامجوزۃ مقسومۃ وقال الشافعی یجوز[2]۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ تقسیم شدہ ہوئے بغیر جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق جلد ۵ ص ۹۳:

لاتجوز فی مشاع یقسم وقال الشافعی تجوز[3]۔	قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ جائز نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جائز ہے۔ (ت)

ہاں اختلاف اس میں ہے کہ صرف وقت قبضہ وجود شیوع مانع جواز ہبہ ہے یا جبکہ وقت عقد بھی ہو اول قول امام ہے اور ثانی قول صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم اور قول ہمیشہ قول امام ہے کما حققناہ فی اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام (جیسا کہ ہم نے اس پر تحقیق "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے۔ ت) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۲:

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبۃ فصل فاما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۱۹

[2] الھدایۃ کتاب الھبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۸۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۳

ابو حنیفۃ یعتبر الشیوع عند القبض وھما یعتبرانہ عند العقد والقبض وھما جوزاھا لانہ لم یوجد الشیاع فی الحالین بل وجد احدھما دون الاٰخر[1]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں اور صاحبین عقد اور قبضہ دونوں میں اعتبار کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کا دو افراد کو قابل تقسیم چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں کرتے کیونکہ قبضہ میں شیوع پایا جائے گا۔اور صاحبین اس کو جائز فرماتے ہیں کیونکہ عقد اور قبضہ میں شیوع نہیں ہے،بلکہ صرف قبضہ میں شیوع ہے عقد میں نہیں۔(ت)

بالجملہ اگر شیوع صرف وقت عقد ہو نہ وقت قبض جیسے دو شخص اپنا مکان مشترک جس میں تیسرا شریک نہیں شخص واحد کو ہبہ کرکے ایک سابقہ قبضہ دے دیں یہ صورت بالاجماع جائز ہے،کنزو تنویر وعامہ متون میں ہے:**وھب اثنان دار الواحد صح**[2] (دو افراد نے ایک شخص کو مکان ہبہ کیا تو جائز ہے۔ت)اور اگر صرف وقت قبض ہو نہ وقت عقد جیسے ایک شخص اپنا مسلم مکان دو کو ہبہ کرے یہ امام کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے جائز،متون میں بعد عبارت مذکورہ ہے،**لاعکسہ**[3] (اس کا عکس نہیں ہے۔ت) تبیین وغیرہ شروح میں ہے:**ھذا عندہ وقالا یجوز**[4] (یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے۔ت) اور اگر عقد و قبض دونوں میں شیوع ہو جیسے ایک شخص کسی مکان یا گاؤں میں اپنا غیر منقسم حصہ کسی کو ہبہ کرے یا ایک مکان کے دو شریک ہیں ایک اپنا حصہ زید کو دوسرا عمرو کو ہبہ کریں اگرچہ معاً ہبہ کیا اور معاً قبضہ دیا ہو،یہ صورتیں بالاجماع ناجائز ہیں،تبیین ج ۵ ص ۹۷:

الاتری ان رجلین لووھبا رجلین علی ان نصیب احدھما لاحدھما بعینہ ونصیب الاٰخر للاٰخر لایجوز الاجماع[5]۔	آپ دیکھیں گے کہ دو حضرات اگر دو اشخاص کو اس طرح ہبہ کریں کہ ایک کا حصہ ایک کو اور دوسرے کا حصہ دوسرے کو معین طور پر ملے تو بالاتفاق جائز نہیں۔(ت)

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبۃ فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] کنزالدقائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۹

[4] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۹۶

[5] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۹۷

عالمگیریہ جلد ۴ص ۳۷۸ ذخیرہ سے:

الشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمۃ مانع عن جواز الھبۃ بالاجماع[1]۔	دونوں طرف سے شیوع ہو تو وہ قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے بالاتفاق جواز ہبہ کے لئے مانع ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ سوال صورت ثالثہ ہے کہ صالح قسمت میں غیر منقسم ہبہ کیا ہے تو باجماع امام وصاحبین ناجائز ہے۔
ثانیاً: روایت ظاہرہ اصل مذہب میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ہبہ مشاع کہ ناجائز ہے اور بعد قبض بھی مفید ملک نہیں ہوتا بلکہ شے بدستور ملک واہب پر رہتی ہے ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ملک فاسد خبیث حاصل ہوجاتی ہے، اسے بھی خلاف امام وصاحبین سے کچھ علاقہ نہیں، بعض مشائخ کا خلاف ہے اور صحیح ومعتمد اول کہ وہی قول امام بلکہ قول ائمہ ثلثہ اور وہی ظاہر الروایہ مصححہ ومرجحہ ہے تو اس سے عدول جائز نہیں اگرچہ بعض اس کے خلاف کو **بہ یفتی** (اسی پر فتوٰی ہے۔ت) کہیں، فتاوٰی خیریہ میں ج ۲ص ۱۰۱:

| لاتصح ہبہ المشاع الذی یحتمل القسمۃ ولو صدق الوارث علی صدورھا من المورث فیہ لان تصدیقہ لا یصیر الفاسد صحیحا وکما لاتصح ھبتہ من الاجنبی لاتصح من الشریك کما فی اغلب الکتب ولا عبرۃ بمن شذ بمخالفتھم ولاتفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی لو سلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحطاوی وقاضی خاں وروی عن ابن رستم مثلہ وذکر عصام | قابل تقسیم مشاع چیز ہو توھبہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ وارث تصدیق کرے کہ مورث نے یہ ہبہ کیا ہے کیونکہ اس کی تصدیق فاسد کو صحیح نہیں بناسکتی اور جس طرح اجنبی کے لئے صحیح نہیں ہے اس طرح شریک کے لئے بھی صحیح نہیں جیسا کہ عام کتب میں ہے اور جو ان کی مخالفت میں اکیلا ہو تو اس کا اعتبار نہیں اور ظاہر روایت میں یہ مفید ملک نہ ہوگا، زیلعی نے فرمایا اگر شیوع کی حالت میں قبضہ دیا تو ملک نہ بنے اس لئے اگر تصرف کرے تو نافذ نہ ہوگا اور موہوب لہ کو ضمان دینا ہوگا۔ واہب کا تصرف اس میں نافذ رہے گا، یہ طحطاوی اور قاضیخاں نے ذکر فرمایا ہے اور ابن رستم سے اس طرح روایت ہے اور عصام نے |

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۸

انہاتفید الملك وبہ اخذ بعض المشائخ[1] انتہی،	ذکر کیا ہے کہ یہ مفید ملک ہوگا، اور بعض مشائخ نے اس کو اپنایا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے فتوٰی مذکورہ علامہ خیر الدین رملی کو ھبہ مشاع مفید ملک موہوب لہ نہیں ذکر کرکے فرمایا ج ۴ ص ۵۱۱:

وافتی بہ فی الحامدیۃ ایضاً والتاجیۃ وبہ جزم فی الجوہرۃ والبحر ونقل عن المبتغی بالغین المعجمۃ انہ لو باعہ الوھوب لہ لا یصح وفی نور العین عن الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض ولایثبت الملك فیہا الاعند اداء العوض نص علیہ محمد فی المبسوط و ھو قول ابی یوسف اھ وذکر قبلہ ھبۃ المشاع فیمایقسم لاتفید الملك عند ابی حنیفۃ وفی القھستانی لاتفید الملك وھوالمختار کما فی المضمرات وھذا مروی عند ابی حنیفۃ وھوالصحیح اھ فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد وروہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل وان صرح بان المفتی بہ خلافہ[2]۔	اس پر حامدیہ وتاجیہ نے بھی فتوٰی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم کیا ہے، اور مبتغی (غین کے ساتھ) سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ کے نے اسے فروخت کردیا تو صحیح نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول کہ فاسد ہبہ قبضہ کی وجہ سے مضمون ہوگا اور اس میں ملکیت عوض کی ادائیگی کے بغیر ثابت نہ ہوگی، اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے اور یہی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ اور اس سے قبل ذکر فرمایا کہ قابل تقسیم مشاع کا ہبہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مفید ملک نہیں ہے، اور قہستانی میں ہے کہ وہ مفید ملک نہیں ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہ امام صاحب سے مروی ہے اور وہی صحیح ہے اھ) تو جب معلوم ہوگیا کہ یہ ظاہر الروایت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی اس پر نص ہے اور انھوں نے یہ امام صاحب سے روایت کیا ہے تو یہ صحیح ہے اگرچہ تصریح کی گئی ہو کہ اس کے خلاف پر فتوٰی ہے۔(ت)

ثالثاً: بعض کے نزدیک اگرچہ مفید ملک ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ واہب کو اس پر دعوٰی نہ رہا۔ نہیں نہیں بلکہ اسے دعوٰی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

پہنچتا ہے اور بالاجماع رجوع کرسکتا ہے اگرچہ یہ ہبہ ذورحم محرم کو کیا ہو حالانکہ وہ مانع رجوع ہے اور جس طرح واہب کو دعوی پہنچتا ہے اگر وہ مرجائے اس کا وارث دعوی کرسکتا ہے حالانکہ موت احدالعاقدین بھی مانع رجوع ہے اور اگر شیئ موہوب، موہوب لہ کے پاس تلف ہوجائے اس کا تاوان واہب کو دے حالانکہ موہوب بھی مانع رجوع ہے اور وجہ وہی ہے کہ ان بعض کے نزدیک بھی یہ ملک صحیح نہیں بلکہ خبیث ہے اور عقد فاسد وواجب الرد ہے، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ بعد عبارت مذکورہ:

ومع افادتها الملك عندهذا البعض اجمع الكل علی ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو كان ذارحم محرم من الواهب قال فی جامع الفصولين رامز الفتاوٰی الفضلی ثم اذا هلكت افتيت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذا الفاسدة مضمونة علی مامرة ذاكانت مضمونة بالقيمة بعد الهلاك كانت مستحقة الرد قبل الهلاك انتهی وكما يكون للواهب الرجوع فيها يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك كالبيع الفاسد اذا مات احد المتبايعين فلورثته نقضه لانه مستحق الرد و مضمون بالهلاك[1]۔	اس کے باوجود کہ بعض کے نزدیک یہ ہبہ مفید ملک ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وھب کو اس میں رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، جامع الفصولین میں فتاوٰی فضلی کی رمز سے فرمایا کہ پھر اگر ہلاک ہوجائے تو میں نے فتوٰی دیا کہ محرم کو فاسد ہبہ دینے ہیں واہب کو رجوع کا حق ہے کیونکہ فاسد ہبہ مضمون ہوتا ہے جیسا کہ گزرا تو جب ہلاک ہوجانے پر قیمت برابر ضمان ہے تو ہلاک ہونے سے قبل واپس لینے کا حق ہے اھ اور جیسے واہب کو رجوع کا حق ہے تو اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو رجوع کا حق ہوگا کیونکہ وہ قابل واپسی ہے او ایسا ہوجانے پر اس کا ضمان دینا ہوگا جیسا کہ فاسد بیع میں کوئی فریق فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ قابل واپسی ہے اور ہلاک ہوجانے پر مضمون ہے۔(ت)

ولہٰذا ردالمحتار ص ۷۸۱ میں بعد عبارت مذکورہ بحال تنزل بقول دیگر اس کا محض نامفید ہونا یوں ظاہر فرمایا:

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۲ /۱۱۲

ولاسیما انہ یکون ملکا خبیثا کما یأتی ویکون مضمونا کما علمتہ فلم یجد نفعا للموھوب لہ فاغتنمہ [1]۔	خصوصا خبیث ملکیت ہو جیسا کہ عنقریب آئیگا اور مضمون ہو جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے، تو وہ موہوب لہ کو مفید نہیں ہے، اسے غنیمت سمجھو۔ (ت)

رابعاً مسئلہ ابراء عن الاعیان اگر یہاں سے متعلق ہوتا تو اس کا اثر صرف قضا پر تھا دیانۃً اپنی مملوکہ عین سے سو بار ابراء کرے ملک زائل نہ ہوگی اور جب ملے لے سکے گا، درمختار اوائل الصلح۔

قولھم الابراء عن الاعیان بطل معناہ لم یصر ملکا للمدعی علیہ ولذا لو ظفر بتلك الاعیان حل لہ اخذھا لکن لاتسمع دعواہ فی الحکم [2]۔	ان کا فرمانا کہ عین موجود چیز سے بری کرنا باطل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ مدعی علیہ کی ملک نہ بنے گا لہٰذا دینے والا اگر قابو پاکر اسے لے لے تو لینا جائز ہوگا لیکن قاضی کے ہاں اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار ج ۴ ص ۴۷۵:

نقل الحموی عن حواشی صدر الشریعۃ للحفید معنی قولنا البرأۃ عن الاعیان لاتصح ان العین لا تصیر ملکا للمدعی علیہ لاان یبقی المدعی علی دعواہ الخ ابوالسعود وھذا اوضح مما ھنا قال السائحانی و الاحسن ان یقال الابراء عن الاعیان باطل دیانۃ لاقضاء [3]۔	حموی نے صدر الشریعۃ کے پوتے کے لئے حواشی سے نقل کیا، اعیان اشیاء سے براءت صحیح نہیں ہمارے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز مدعی علیہ کی ملک نہ بنے گی، اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ مدعی کا دعوی قائم ہے الخ ابوالسعود نے کہا یہاں پر سائحانی نے جو فرمایا اس سے یہ زیادہ واضح ہے اور یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ اعیان اشیاء سے بری کرنا دیانۃ باطل ہے قضاء باطل نہیں۔ (ت)

مگر صورت مسئولہ میں کوئی ابراء ابتداء نہیں بلکہ اس ہبہ ناجائز پر مبنی ہے جس پر اس کی یہ عبارت شاہد ہے کہ بعد الیوم سے مظہرہ وورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد کے کوئی دعوی ودخل نہیں ورنہ ہوگا،

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

[2] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۲

[3] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۷۵

یہ وہی عبارت ہے جو بیعنامہ کے آخر میں لوگوں نے معمول کرلی ہے کہ آج سے میرا مبیع اور مشتری کا زرِ ثمن میں کوئی دعوی نہ رہا، یہ اسی بیع پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ کوئی ابرائے ابتدائی اگر بیع باطل ثابت ہو تو بلاشبہ مبیع وثمن واپس دیئے جائیں گے، اور وہ الفاظ کہ دعوی نہ رہا کچھ خلل انداز نہ ہوگا، بعینہٖ یہی حالت یہاں سے اس ہبہ کی بناء پر کہہ رہی ہے کہ آج سے کوئی دعوی نہیں جب وہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے ان الفاظ کا بھی کچھ اثر نہیں، عقود الدریہ ج ۲ ص ۵۹:

اذا جری الصلح بین المتداعین وکتب الصك وفیه ابراء کل واحد منهما صاحبه عن الدعوٰی ثم ظهر ان الصلح وقع باطلا بفتوی الائمة فاراد المدعی ان یدعی مادعی لاتصح دعواہ للابراء السابق والمختار ان تسمع لان هذا ابراء فی ضمن صلح فاسد فلا یعمل مجمع الفتاوٰی [1]۔	جب دونوں مدعی حضرات آپس میں صلح کرکے صلحنامہ لکھ دیں جس میں ہر ایک نے دوسرے کو بری کردینا لکھ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ائمہ کرام کے فتوی کی رو سے صلح باطل ہے تو اب ایک مدعی اپنے دعوی کو بحال کرے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ پہلے برات کرچکا ہے اور مختار یہ ہے کہ اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ یہ ابراء صلح فاسد کے ضمن میں ہے لہٰذا وہ معتبر نہ ہوگی، مجمع الفتاوٰی (ت)

فتاوٰی امام قاضیخان ج ۲ ص ۲۳۸، جامع احکام الصغار ص ۱۰۷:

لاتحرم هوالصحیح لانه ما اقر بالحرمة ابتداء و انما اقر بالسبب الذی تصادقا علیه وذٰلك السبب باطل [2]۔	دوبارہ دعوی حرام نہیں ہے کیونکہ پہلا اقرار صلح کے اس سبب پر جس پر دونوں نے اتفاق کیا تھا اور وہ باطل ہوچکا ہے۔ (ت)

خامساً بفرض غلط اگر یہ ابتدائی ابراء بھی ہوتا تو اس چیز کی نسبت ہے کہ اس وقت تک اس کی ملک ہے جو خود معلوم اور بعد الیوم کی قید سے مفہوم اور نہ کسی منازعت میں ہے نہ کسی خاص کے نام تو محض باطل وبے اثر ہے، عقود الدریہ ج ۲ ص ۴۵:

وفی العمادیة قال ذوالید لیس هذا لی اولیس ملکی اولاحق لی فیه اونحوذٰلك	عمادیہ میں ہے قابض نے کہا یہ میرا نہیں، یا میری ملک نہیں۔ یا میرا حق نہیں، یا اور ایسے

[1] العقود الدریۃ کتاب الصلح ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۷۰

[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل الطلاق نورانی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۷

ولامنازع له حنیئذ ثم ادعاه احد فقال ذوالید ھو لی فالقول له لان الاقرار بمجهول باطل والتناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد اھ ومثله فی الفیض وخزانة المفتین [1]۔	الفاظ کہے جبکہ اس وقت کسی نے تعرض نہ کیا پھر کسی نے اس مقبوضہ چیز پر دعوی کردیا تو اس کے جواب میں اس نے کہا یہ میری چیز ہے تو اس کا یہ کہنا معتبر ہوگا کیونکہ پہلا اقرار تھا جو باطل ہے۔اور تناقض تب ہوتا کہ وہ کسی کے لئے حق کا اقرار کرتا اھ اور اس کی مثل فیض اور خزانۃ المفتین میں بھی ہے۔(ت)

سادسًا: ایک شخص دوسرے کو مدت تک کسی شے میں مالکانہ تصرف کرتے دیکھے اور بلاعذر ساکت رہے پھر کہنے لگے کہ یہ تو میری ملک ہے علماء کرام نے قطع تزویر وحیل کے لئے اس کا دعوی نامسموع رکھا ہے اور یہ حکم فقہی ہے،نہ بربنائے منع سلطانی۔اس کی بعض عبارات فتاوی بہاولپور میں ہیں اور کثیر ووافر ہمارے فتاوی میں یہ حکم دیانۃً نہیں محض قضاء ہے کہ نظر بظاہر حال ممانعت فرمائی **کما نصوا علیه** (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ت) سائل نے سوال ہی میں اس کا اشعار کردیا تھا کہ باوجود اطلاع علی التصرف قضاء دعوی اس کا قابل سماعت ہے نہ،مجیب نے تصریح کردی تھی کہ صحت قضاء کے لئے دعوی شرط ہے،اور وہ یہاں نہیں دعوی قضاء قابل اخراج ہے،اور یہ عبارت کہ **الحق لایسقط بتقادم الزمان** [2] (زمانہ گزر جانے پر حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) حکم دیانت ہے تو اس کے مقابل اسے پیش کرنا فتوی دیوبند کی حماقت ہے ان محقق شامی نے جن کے مسائل شتی آخر الکتاب کا حوالہ دیا اس جگہ فرمادیا تھا۔ج ۵ ص ۴۲۶:

ثم اعلم ان عدم سماعها لیس مبینا علی بطلان الحق حتی یردان ھذا قول مهجور لانه لیس ذلك حکما ببطلان الحق وانما ھو امتناع من القضاة عن سماعها خوفا من التزویر	پھر معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا عدم اسماع کسی حق کے بطلان پر مبنی نہیں تاکہ اعتراض ہوسکے کہ اس کا یہ دوسرا قول مہجور ہے کیونکہ یہ کسی حق کے بطلان کا حکم نہ تھا بلکہ یہ تو قاضیوں کا ترکہ سماع اس خوف کی بناء پر تھا کہ من گھڑت معاملہ ہوسکتا ہے۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۳

[2] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴،ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

ولدلالة الحال كمادل عليه التعليل والافقد قالوا ان الحق لايسقط بالتقادم كما فى قضاء الاشباه فلا تسمع الدعوٰى فى هذا المسائل مع بقاء الحق الاخر ولذالواقربه الخصم يلزمه[1]۔	اور حال کی دلالت کی وجہ سے جیسا کہ اس کی بیان کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے ورنہ تو زمانہ گزرنے کے وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ الاشباہ کی بحث قضاء میں ہے، تو ان مسائل میں دوسرے کے حق کے باوجود دعوی مسموع نہ ہوگا۔ اسی لئے اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہو جائیگا۔ (ت)

یہاں علامہ شامی نے الحق لایسقط بالتقادم (زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) جواب دینے کے لئے نقل فرمایا ہے اس کی کوئی تحقیق نہ کی، تحقیق اسی کی لکھی ہے کہ اس صورت میں دعوی مسموع نہیں اور یہ اس پر الحق لایسقط بالتقادم (زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) وارد نہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر شامی کا الٹا حوالہ دینا جس سے وہ جواب دے چکے اسی کو پیش کرنا اور ان کے سر دھرنا عجیب جہالت ہے بلکہ جواب صحیح ی ہے کہ یہ مسئلہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں جہاں مدعی علیہ کا اقرار موجود ہو، اگر سو برس بھی گزر جائیں مانع دعوی نہیں۔ یہاں اس مال کا متروکہ سماء او شرم خاتون کا وارث سماد ہونا امر مسلم ہے جس میں کسی کو نزاع نہیں، پھر الٰہی بخش کا شرم خاتون سے ہبہ نامہ لکھوانا صراحۃً ملک شرم خاتون کا اقرار ہے تو مسئلہ مذکور یہاں سے اصلا متعلق نہیں، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۷۳:

سئل فيما ادعى زيد على عمر و محدودا انه ملكه ورثه عن والده فاجابه المدعى عليه انى اشتريت من والدك بكذا اوانى ذويد عليه من مدة تزيد على اربعين سنة وانت مقيم معى فى بلدة ساكت من غير عذر يمنعك عن الدعوى هل يكون ذٰلك من باب الاقرار بالتلقى من مورثه فيحتاج الى بينة تشهدله بالشراء ولاينفعه	ان سے سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر دعوی کیا کہ یہ محدود رقبہ میرے والد کی وراثت میں میری ملک ہے تو مدعٰی علیہ نے جواب میں کہا میں نے یہ رقبہ اتنے میں تیرے والد سے خریدا ہے اور چالیس سال سے زائد عرصہ میرے قبضہ میں چلا آرہا ہے اور تو شہر میں میرے پاس مقیم اور عذر کے بغیر تو خاموش رہا اور دعوی نہ کیا، تو کیا مدعی علیہ کا یہ جواب مدعی کے مورث سے خرید کے ثبوت کے لئے گواہی کی ضرورت ہوگی اور مدت مذکورہ سے اس کا قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا۔

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۷۴-۴۷۳

کونہ واضعایدہ علیہ المدۃ المذکورۃ و لاتکون الحادثۃ من باب الدعاوی التی مر علیہا خمس عشرۃ سنۃ اجاب نعم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك لہ ودعوی الانتقال منہ الیہ فیحتاج المدعی علیہ الی بینۃ وصار المدعی علیہ مدعیاولاینفعہ وضع الید المدۃ المذکورۃ مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوٰی بل من باب المؤاخذۃ بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقابا کثیرۃ لاتعد وھذا مما لایتوقف فیہ [1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	اور یہ پندرہ سال پرانے کیس سے متعلق دعوی کے باب سے نہ ہوگاجواب دیا،ہاں مدعٰی علیہ کا یہ دعوی کہ میں نے تیرے مورث سے خریدا ہے،یہ مورث سے حصول کا اقرار ہے اور اس سے اپنے لئے منتقل ہونے کا دعوی بنتا ہے تو اس پر مدعٰی علیہ کو گواہی کی ضرورت ہوگیاور اس بناء پر مدعی علیہ مدعی بن جائے گا،اورمذکورہ اقرار کی وجہ سے اس کا چالیس سالہ قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا،اور یہ معاملہ پندرہ سالہ پرانے کیس والا نہیں بلکہ یہ اقرار پر مؤاخذہ کے باب سے ہوگا جبکہ دوسرے کی چیز کا اقرار کرنے والا اپنے اقرار کی بناء پر پابند ہوجاتا ہے اگرچہ اس کا قبضہ زمانوں سے ہو شمار نہ ہوگا اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی توقف نہیں ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

عقود الدریۃ ج ۲ص ۷:

اذا ادعی اخوات زید علیہ بحصتھن من دار ابیھن المتوفی من خمس عشرۃ سنۃ وھو معترف بان الدار مخلفۃ لھم عن ابیھم تسمع الدعوٰی علیہ لو طالت المدۃ کما افتی بذٰلك العلامۃ ابو السعود العمادی [2]۔	جب زید کی بہنوں نے اس پر دعوی کیا کہ اس مکان میں پندرہ سال قبل فوت شدہ ہمارے والد کی ورثت کے طور پر ہمارا حق ہے اور زید اعتراف کرتا ہے کہ یہ مکان والد کی وراثت میں ہے تو اس کی بہنوں کا دعوی قابل سماعت ہوگا اگرچہ لمبی مدت گزرچکی ہو،جیسا کہ علامہ ابوالسعود عمادی نے یہ فتوی دیا۔(ت)

ایضًا صفحہ ۴۶:

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۶

فی البزازیۃ عن المحیط لو ابراء احد الورثۃ الباقی ثم ادعی الترکۃ وانکر لاتسمع دعواہ وان اقروا بالترکۃ امروا بالرد علیہ [1]۔	بزازیہ میں محیط سے منقول ہے اگر ایک وارث نے باقی ورثاء کو بری کردیا اور پھر بعد میں اس نے ترکہ کا دعوی کردیا اور باقی ورثاء انکار کردیں تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا اور ورثاء اقرار کریں تو ان کو ترکہ واپس کرنے کا حکم ہوگا۔(ت)

ابھی ردالمحتار سے گزرا: **لواقر بہ الخصم یلزمہ** [2] (اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہوجائے گا۔ت)

سابعًا: ان بیانات سے روشن ہوا کہ دعوی شرم خاتون شرعا دیانۃ اور قضاء ہر طرح مسموع ہے، اب رہا نہی سلطانی کا شبہ، اگر قانون ریاست بہاولپور میں مسئلہ تمادی جب تو ظاہر کہ وہاں کے قضاۃ ہرگز ممنوع عن السماع نہیں اور اگر ہے لیکن بحال وجود اقرار مدعی علیہ موثر نہیں جیسا کہ حکم شرعی ہے جب بھی اسے یہاں سے تعلق نہیں کما تقدم۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۵۳۱:

نقل فی الحامدیۃ فتوی ترکیۃ عن المولی ابی السعود وتعریبھا اذا اترکت دعوی الارث بلاعذر شرعی خمس عشرۃ سنۃ فھل لاتسمع الجواب لاتسمع الا اذا اعترف الخصم بالحق ونقل مثلہ شیخ مشائخنا الترکمانی عن فتاوی علی اٰفندی مفتی الروم ونقل مثلہ ایضا شیخ مشائخنا السائحانی عن فتاوی عبد اللہ افندی مفتی الروم [3]۔	حامدیہ میں مولٰی ابی السعود کا ترکی فتوی نقل کیا ہے جس کا عربی ترجمہ یہ ہے جب شرعی عذر کے بغیر پندرہ سال تک وراثت کا دعوی نہ کیا ہو تو کیا اب قابل سماعت نہ ہوگا۔ الجواب، فریقِ مخالف کے اعتراف کے بغیر قابل سماعت نہ ہوگا، اسی کی مثل مفتی روم علی آفندی کا فتوی ہمارے مشائخ کے شیخ ترکمانی سے نقل کیا ہے اور مفتی روم عبداللہ آفندی کا فتوی ہمارے مشائخ کے شیخ سائحانی نے بھی اس کی مثل نقل کیا ہے۔(ت)

[1] العقود الدریہ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۴

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۲۳

ایضًا ص ۵۳۲:

عدم سماع القاضی لھا انما ہوعند انکار الخصم فلو اعترف تسمع [1]۔	قاضی کا دعوی نہ سننا صرف اس صورت میں ہوگا جب فریق مخالف انکار کرے وہ اگر اعتراف کرے تو دعوی سنا جائے گا۔ (ت)

اور اگر وہاں مطلقًا ممانعت ہے کہ مثلًا ۱۲ سال کے بعد کوئی دعوی نہ سنا جائے گا اگرچہ مدعا علیہ کا اقرار موجود ہو توالبتہ وہاں کے قاضی نہ سن سکیں گے کہ وہ قدر تولیت سے زائد میں معزول وکاحد من الناس ہیں مگر خود رئیس پر فرض ہوگا کہ آپ سنے یا کسی کو سننے کی اجازت دے کہ حق ضائع نہ ہو، درمختار قبیل التحکیم:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لو امر السلطان بعد سماع الدعوٰی بعد خمسة عشر سنة فسمعھا لم ینفذ [2]۔	زمان، مکان اور واقعہ کی وجہ سے قضا کا تخصص ہوسکتا ہے حتی کہ اگر حاکم پندرہ سال بعد دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی کی کاروائی کے باوجود نافذ ہوگا۔ (ت)

خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ شامی ج ۴ ص ۱۸۷:

لانہ معزول عنہ بتخصیصہ فالتحق فیہ بالرعیة نص علیہ ذٰلک علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی [3]۔	کیونکہ قاضی اس میں بے اختیار ہوجاتا ہے تو رعیت ہوجانے کی بناء پر قاضی پابند ہوجاتا ہے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

غمز العیون ص ۲۲۳:

یجب علیہ عدم سماعھا لان امر السلطان یصیر المباح واجبا ولکن یجب السلطان ان یسمعھا	قاضی پر سماعت نہ کرنا لازم ہوجاتا ہے کیونکہ حاکم کے حکم سے مباح چیز واجب ہوجاتی ہے تاہم حکم پر لازم ہے کہ خود سماعت کرے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی المحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی المحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

کذا فی معین الفتوی [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	معین المفتی میں یوں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۲: از موضع گھر پیا تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ مسماۃ افضل بیگم ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی نیاز علی کی بیوی منکوحہ قضائے الٰہی سے وفات ہوئی، اس نے اپنا ایک بیٹا محمد ولی خان چھوڑا، جب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں نے دوسری بیوی کرنا چاہی تو قبل زوجہ ثانیہ کے کرنے سے نیاز علی خان نے اپنی کل جائداد اپنے لڑکے محمد ولی خاں کے نام اسٹام پر تحریر کرادی اور اس کے بعد نکاح ثانی افضل بیگم کے ساتھ کیا لیکن وقت نکاح نیاز علی خان نے یہ امر افضل بیگم سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا تھا، صاف ظاہر کردیا تھا کہ جائداد جو کچھ ہے وہ محمد ولی خاں کے نام تحریر ہے میرے پاس صرف ہاتھ پیر ہے تمھارا دل چاہے نکاح کرو یا مت کرو۔ لیکن افضل بیگم نے نکاح کرنا اسی حالت میں قبول کیا اور نکاح ہوگیا، اب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں فوت ہوگیا ہے تو اب مسماۃ افضل بیگم نے لڑکے محمد ولی خاں سے اپنا مہر چاہنے کی خواہش کی بلکہ دعوی کچہری میں داخل کردیا اور محمد ولی خاں وہ اسٹام جو قبل نکاح نیاز علی تحریر کرچکا ہے اس کو پیش کرتا ہے کہ جائداد میری ہے نیاز علی خاں کی نہیں کہ میں مہر ادا سکوں، فریقین نے اس امر کو پنچائت پر قبول کیا ہے، پنچ فیصلہ خلاف حکم شرع شریف نہیں کرنا چاہتی، اس لئے خلاصہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بحالت مذکورہ بالا افضل بیگم اپنا دین مہر محمد ولی خاں پسر نیاز علی خاں متوفی سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ مطابق حکم شرع شریف خلاصہ احکام سے آگہی بخش جائے، دیگر یہ بھی کہے کہ تحریر اسٹام سے اور نیاز علی خاں کے فوت ہونے تک کمی بیشی اس جائداد کی ہوئی ہے، اس میں جو مناسب ہو تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

اگر جائداد کسی کی شرکت میں نہ تھی خالص نیاز علی کی تھی اور اس نے بیٹے کے نام لکھ کر اپنے قبضہ سے بالکل خالی کرکے بیٹے کا قبضہ کرادیا تھا تو وہ کل جائداد محمد ولی کی ہوگئی، افضل بیگم کا اس پر دعوی باطل ہے، اور اگر اس میں کوئی جائداد دوسرے کی شرکت میں تھی کہ نیاز علی کا حصہ جدا تقسیم شدہ ممتاز نہ تھا یا کسی جائداد سے اپنا قبضہ نہ اٹھایا مثلاً مکان تھا بیٹے کا نام اسٹامپ میں کرادیا اور خود ایک آن کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے خالی نہ کیا یا نام کرادیا اور بیٹے کا قبضہ نیاز علی کی زندگی تک نہ ہوا، توان صورتوں میں ایسی جائدادیں نیاز علی ہی کی ملک ہیں اور افضل بیگم کا دعوی مہر ان پر بجا ہے اس کا مہر اور

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹

پہلی بی بی کا مہر باقی ہو تو وہ بھی اور جو کچھ نیاز علی پر دین ہو وہ سب ایسی جائدادوں سے پہلے ادا کیا جائے گا اگر کچھ نہ بچے گا ان جائدادوں سے محمد ولی کچھ نہ پائے گا، اور جو جائداد تینوں شرطوں کے ساتھ محمد ولی کو نیاز علی کی زندگی میں مل چکی وہ محمد ولی کی ہے اس پر کسی کا دعوی نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از فرید آباد ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ نوراحمد افریدی سجادہ نشین فرید آباد ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی واحد بخش نے مرنے سے ایک ماہ پہلے بحالت بیماری بدرستی ہوش حواس و سلامتی عقل برضاورغبت خود بروئے گواہان کہا کہ میری کل جائداد کا مالک قابض میرا پتر حقیقی مسمّٰی غلام احمد ہے اور اس نے قبول کرکے ایک ماہ تک اس کی حیات میں حسب قولش ایسا ہی کیا کہ مالک قابض متصرف جائداد پر اور بخانہ اش مقیم رہا ہے، اراضیات کی کلبہ رانی کاشت برداشت وتدارک آبادی وغیرہ بھی کرتا رہا ہے، ایک ماہ کے بعد واحد بخش فوت ہوا اور خرچ اخراج تجہیز وتکفین تدفین وغیرہ مناسب اسی نے کی ہیں تیسرے روز قل خوانی پر حسب قول متوفی سب برادری وغیرہ نے دستاربندی اسی غلام احمد کی کرائی ہے کیونکہ واحد بخش کی اولاد نرینہ یہی تھی اسی لئے مرنے سے ایک ماہ پیشتر برضائے خود غلام احمد کو مالک قابض متصرف بناکر دارالبقا کو چلا گیا ہے بلکہ یہ بھی اس وقت اس نے کہا تھا کہ میری ہر دو دختران کی شادی کرانے کا بھی یہی مالک ہے، واحد بخش کے اہل وراثت حسب ذیل موجود ہیں ذوی الفروض سے دو زوجہ مسماۃ غلام فاطمہ وجامل اور دو دختران مسماۃ خیران وامیران اور اقرب العصبات سے چار بنوعم مسمیان غلام احمد مذکور واحد بخش خدا بخش غلام رسول موجود ہیں، بعد توفیت واحد بخش کے دو ماہ دیگر بھی یعنی کل تین ماہ تک برضائے کل مالک قابض ومتصرف رہا ہے، پھر غلام فاطمہ جو اس کی درونی ناخواہ تھی اس کو گھر سے نکال دیا ہے اور ایسا نہیں چاہئے الاقبضہ غلام احمد کا اراضیات پر تاحال بدستور موجود ہے خیران کا نکاح مسمّٰی لعل سے اور امیران کا نکاح غلام احمد مذکور سے شرعی طور پر ہوچکا ہے پس اب شرعا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ قول واحد بخش کا غلام احمد کے لئے ہبہ ہوسکتا ہے یا کیونکر، فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

رجل قال جمیع ماملکه لفلان یکون هبة حتی لا یجوز بدون القبض [1]۔	ایک شخص نے "میری تمام مملوکہ فلاں کے لئے ہے" کہا تو ہبہ قرار پائے گا حتی کہ قبضہ کے بغیر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

اور فتاوٰی عالمگیریہ مترجم جلد سوم میں ہے کہا: **وھبت ھذا الشیئ لك او ملکتہ منك** یعنی یہ شے تجھے ہبہ کی یا تجھے اس کا مالک کیا اور **جعلتہ لك او ھذا لك** یا میں نے تیرے واسطے کردی یا یہ شے تیرے واسطے ہے **او اعطیتك او نحلتك** یا میں نے تجھے عطا کی یا **نحلہ دی فھذا کلہ ھبۃ** (یہ تمام صورتیں ہبہ کی ہیں۔ت) [1]

اور نیز فتاوٰی عالمگیری مترجم مذکور میں ہے "کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ مریض کا ہبہ یا صدقہ جائز نہیں ہے مگر جبکہ اس پر قبضہ ہوجائے اور جب قبضہ ہوگیا تو تہائی مال سے جائز ہے اور اگر سپرد کرنے سے پہلے واہب مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا" [2]۔

اور جاننا چاہئے کہ مریض کا ہبہ کرنا قصدا ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور تہائی مال اس کا اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ وصیت ہے بلکہ اس واسطے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال سے متعلق ہوتا ہے اور اس نے ہبہ کردینے میں احسان کیا تو اس کا احسان اس قدر مال سے ٹھہرایا جائے گا جتنا شرع نے اس کے واسطے قرار دیا ہے یعنی ایک تہائی اور جب یہ تصرف عقد ہبہ ٹھہرا یا گیا تو جو شرائط ہبہ کے ہیں وہ مرعی ہونگے، اور از انجملہ ایک شرط یہ ہے کہ واہب کے مرنے سے پہلے موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے، یہ محیط میں ہے اور درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا حروف دمع خزقہ [3]۔	ہبہ سے رجوع کرنے سے یہ حروف "دمع خزقہ" بین الورثہ شرعا منقسم ہونگی

پس ان عباراتِ کتب معتبرہ سے کیا استخراج ہوسکتا ہے اور کس طور حصص بطور ہبہ یا وراثت فیما بین الورثہ شرعًا منقسم ہونگی۔

الجواب:

مرض الموت میں ہبہ اگرچہ حقیقۃً ہبہ ہے فلہذا قبضہ شرط ہے اور مایقسم میں مشاع ناجائز مگر حکما وصیت ہے ولہذا بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہیں اور وارث کے لئے بے اجازت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الھبۃ باب اول حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/ ۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الھبۃ باب دہم حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/ ۱۲۲

[3] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

دیگر ورثہ باطل۔ عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے:

وهب الرجل فی مرضه غلاما لابنه ولابنه علی هذا الغلام دین فان صح فهو جائز وان مات فصار للورثة عاد دینه[1]۔	ایک شخص نے اپنی مرض موت میں اپنے بیٹے کو غلام ہبہ کیا جبکہ اس بیٹے کا غلام پر دین تھا اگر صحیح ہوجائے تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو غلام واپس اس کے ورثاء کی ملکیت بن جائے گا اور بیٹے کا غلام پر قرض بحال ہوجائے گا۔(ت)

اسی میں جامع المضمرات سے ہے:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة[2]۔	مریضہ نے خاوند کو اپنا مہر ہبہ کیا اگر مرض الموت میں ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

عبارات مذکورہ سوال کا بھی یہی مطلب ہے دوماہ بعد تک برضاء کل قابض متصرف رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ بقیہ ورثہ نے اس کے نام اس ہبہ کو جائز کردیا اور اس پر اپنی رضا کی تصریح کردی تو بلاشبہ غلام احمد مالک مستقل ہوگیا جبکہ باقی سب ورثہ عاقل بالغ اہل اجازت ہوں اور اب ان کو اس اجازت سے رجوع کا اختیار نہیں، اور اگر ان کے مجرد سکوت وعدم منازعت کو رضا قرار دیا ہے تو اتنی قلیل مدت تک سکوت دلیل رضا نہیں ان میں کل یا بعض جو اجازت نہ دے چکا ہو منازعت کرسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۴: از شہر بریلی ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ڈیڑھ سو روپیہ کی ڈیڑھ سو گز زمین خرید کر اپنی عورت کے نام کردی اس پر عملہ بھی شوہر نے بنوایا، بیاہتا عورت فوت ہوگئی، اس کی اولاد ایک لڑکا ایک لڑکی جن کے تمامی حقوق سے ادا کرچکا، اب دوسری شادی کرلی ہے اس سے دو لڑکے ہیں اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی میں فیصلہ ہوجائے تاکہ بعد میرے مرنے کے جھگڑا نہ ہو تو آیا پہلی عورت کی جو اولاد ہے ایک لڑکا ایک لڑکی ان کو اس جائداد سے کیا پہنچتا ہے اور جو دوسری عورت سے دو لڑکے ہیں ان کو اس جائداد سے کیا حق پہنچتا ہے، تعداد جائداد کی ایک ہزار روپیہ ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۲

الجواب:

پہلی عورت کا مہر اور وہ زمین کہ اس کے نام کر دی تھی جبکہ اسے پورا قبضہ دے دیا ہو اور وہ عملہ بھی جبکہ اسی کے لئے بنا ہو اس عورت کے وارثوں کا ہے جن میں شوہر بھی اور عورت کے پسر و دختر، اور اگر مادر پدر ہوں تو وہ بھی، اور اگر وہ زمین عورت کے نام نہ خریدی نہ خود خرید کر اسے دے کر اس کا پورا قبضہ کرایا تو زمین شوہر کی ہے اور عملہ بھی اسی کا ہے،

لان ان وھب البناء قبل ان یبنی فھبۃ معدوم او بعدہ فھبۃ متصل وھی کھبۃ مشاع کما اوضحہ فی العقود الدریۃ[1] وبیناہ علی ہامشہا وفی الخیر الرملی علی جامع الفصولین شجر او بناء فی ارض الاٰخر وھبہ لمن الارض بیدہ لاتجوز الھبۃ[2] اھ وفی الدرر تجوز ھبۃ البناء دون العرصۃ اذا اذن الواھب فی نقضہ[3]۔	کیونکہ اگر تعمیر سے قبل عمارت کا ہبہ ہو تو یہ مقدوم چیز کا ہبہ ہوا اور اگر تعمیر کے بعد ہبہ کیا تو یہ اپنی ملکیت سے متصل چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوا جیسا کہ عقود الدریہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کر دیا ہے اور جامع الفصولین پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں ہے دوسرے کی زمین میں اس کے درخت یا عمارت ہوں اور وہ اس کو زمین کے قابض کو ہبہ کر دے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ درر میں ہے کہ اگر واہب اکھاڑ لے جانے کی اجازت دے دے تو زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ جائز ہوگا۔ (ت)

پہلی صورت میں کہ زمین عورت کی تھی عملہ اس کا ہونے نہ ہونے کے لئے یہ معلوم ہونا درکار ہے کہ عملہ شوہر نے بطور خود بنایا، اور کیا کہہ کر بنایا کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا عورت کے لئے یا کچھ نہ کہا یا عورت کے کہنے سے بنایا اور عورت نے کیا کہا یہ کہ میرے لئے بنالے، یا کچھ نہ کہا، اور بنانے کے لئے روپیہ عورت نے دیا یا شوہر کا تھا عورت نے دیا تو کیا کہہ کر دیا۔

---

[1] العقود الدریہ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۵۔ ۹۴

[2] العقود الدریہ بحوالہ الرملی کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۴، اللاآلی الدریۃ الفوائد الخیریہ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الھبۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۱

بہر حال وہ کل مکان یا صرف عملہ اور زمین کا حصہ یا دونوں کا حصہ جو کچھ ملک شوہر ٹھہرے اور ایسے ہی اس کے اور املاک ان میں اسی کی حیات میں کسی کا دعوی نہیں، ہاں وہی تقسیم کرنا چاہئے تو چاروں بیٹے بیٹی کو برابر دینا چاہئے۔ پہلے جوان کے خرچ خوراک یا تعلیم یا شادی میں لگا چکا وہ اس حصے میں مجرانہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵: از بمبئی ڈاکخانہ نمبر ۹ ائسکریم ہوٹل مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منگنی کے وقت کچھ زیور وغیرہ اس عورت کے لئے دیا جس کے ساتھ اس کی منگنی قرار پائی، چند ماہ بعد عقد نکاح کے لئے آیا تو کچھ کپڑے بھی پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد سی عورت کے ساتھ ہوگیا زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد اسی عورت کے ساتھ ہوگیا زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے مالک بنادیا تھا اب کچھ عرصہ بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی اور زیور کپڑے جو چڑھائے تھے وہ سب چھین لئے، پس یہ واپسی جائز ہے یا نہیں، اکثر کتب فقہیہ میں ہے کہ قبل از عقد جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا شوہر کو اختیار ہے بعد از عقد جو چاہے وہ نہیں لے سکتا۔

الجواب:

فی الواقع بعد نکاح جو کچھ تملیکا دیا اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور قبل نکاح جو کچھ دیا اسے بے مرضی زن واپس لینا گناہ ہے اور خود چھین لینے کا ہر گز اختیار نہیں بلکہ عورت نہ دے، نالش کرکے بحکم قاضی لے سکتا ہے اور گناہگار اس میں بھی ہوگا کہ صحیح حدیث میں فرمایا:

العائد فی ہبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء [1]۔	یعنی بُری مثال مسلمان کے شایاں نہیں دے کر لینے والا کتے کی طرح ہے کہ قے کرکے پھر چاٹ لیتا ہے۔

درمختار میں دربارہ موانع رجوع ہے:

والزوجیۃ وقت الھبۃ فلو وھب لامرأۃ ثم نکحھا رجع ولو وھب لامرأتہ لا [2]۔	ہبہ کے وقت منکوحہ بیوی ہونا، لہٰذا اگر کسی عورت کو ھبہ کرکے بعد میں اس سے نکاح کیا تو ہبہ میں رجوع کرسکے گا اور اگر بیوی کو ہبہ کیا رجوع نہ کرسکے گا۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الھبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۲

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲ / ۱۶۳

اسی میں ہے:

لایصح الرجوع الابتراضیھما اوبحکم الحاکم [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے ہی رجوع صحیح ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۶: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ اسٹیٹ محلّہ افیم کا کانٹہ بر مکان محمد حیات صاحب انجنیر مسئولہ نیاز الحسن صاحب ۶ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق مذہب حنفی کے کہ زید کے دولڑکے ہیں بکر وعمرو، اب زید نے اپنی جائداد عمرو کو ہبہ کرکے اس پر عمرو کا قبضہ کرادیا اور بعد وفات زید کے عمرو نے جائداد موہوبہ اپنی زوجہ مسماۃ امیرن کو بالعوض مہر بخشش کردی اور بعد وفات امیرن کے عمرو نے اپنے بھائی بکر کو ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا ہے کہ جائداد مذکورہ کے تم مالک ہو اور عمرو کے امیرن کے بطن سے دولڑکے ہیں خالد وناصر اب بکر مدعی ہے کہ جائداد کا مالک میں ہوں، اور خالد وناصر مدعی ہیں کہ مالک ہم ہیں، شرعا مالک ووارث کون قرار دیا جاسکتا ہے۔

الجواب:

جب زید نے عمرو کو ہبہ کرکے قابض کردیا اور عمرو نے امیرن کے مہر میں دے دی امیرن مالک ہوگئی، عمرو کو کوئی اختیار نہ رہا کہ اپنے بھائی کو اس کا مالک کردے، جائداد بقدر حصہ خالد وناصر کی ہے، ہاں چہارم عمرو کو حصہ شوہری میں ملی اسے اپنے بھائی کو یا جسے چاہے ہبہ کرسکتا ہے مگر ابھی نہیں بلکہ بعد تقسیم اپنا چہارم الگ متمیز کراکر ہبہ کرسکے گا ورنہ اس کا ہبہ بھی باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: از رائے بریلی یونانی دواخانہ کبیر گنج مسئولہ محمد عظیم عطار ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے جو اس کے ذاتی دو مکان تھے اور اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا، منجملہ دو قطعہ مکان کے ایک مکان خورد لڑکی کو اور مکان کلاں لڑکے نرینہ مع کل اسباب وغیرہ کے اپنی حیات میں ہبہ کرکے رجسٹری کرادی اور یہ الفاظ بھی رجسٹری میں تحریر کئے کہ چونکہ لڑکی مؤنث اور داماد میری خدمت گزاری کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں اور حق شرع بھی قریب قریب اسی کے ہوتا بخیال دور اندیشی واقع متنازع آئندہ کے ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ بھی دیتی ہوں لیکن بوجہ جھگڑا فساد کے کچھ عرصہ تک قیام کرکے لڑکی اپنے دوسرے ذاتی مکان میں اٹھ گئی اور نیز برادران نے زبردستی جبر

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۴

کرکے مؤنث سے ایک ہبہ نامہ بھائی کو لکھوالیا اور (عہ/) خرچ رجسٹری وغیرہ برادران نے دلوادیا بوجوہ اب تک لڑکی خاموش رہی، لیکن اب وہ مکان لینا چاہتی ہے آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ لڑکی عرصہ تک اس مکان پر قابض رہی اور ماں بھی اس مکان میں رہتی رہی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ماں اگر اسی مکان میں رہتی رہی اور تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے کل اسباب سے بالکل خالی کرکے لڑکی کو قابض نہ کردیا تھا جب تو لڑکی کے نام وہ ہبہ ہی صحیح نہ ہوا، ہندہ اگر زندہ ہے تو اپنے مکان کی وہ خود مالک ہے، اور اگر مرچکی ہے تو لڑکی اس مکان میں سے تہائی لے سکتی ہے، اور اگر ہندہ نے مکان بالکل خالی کرکے پورا قبضہ لڑکی کو دے دیا تھا وہ اس کی مالک ہو گئی پھر اہل برادری کے اصرار سے بغیر شرعی مجبوری کے اس نے بھائی کے نام ہبہ کردیا اور اپنی ذات اور اسباب سے بالکل خالی کرکے بھائی کو قبضہ دے دیا تو بھائی مالک ہوگیا اب لڑکی کو اس سے واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر واقعی اس کو مجبور شرعی کرکے بالجبر ہبہ نامہ لکھوایا یا لڑکی نے کچھ دیر کے لئے بھی مکان اپنی ذات اور بالکل اپنے اسباب سے خالی کرکے بھائی کو قبضہ نہ دیا تو لڑکی اس مکان کی مالک ہے جب چاہے بھائی سے واپس لے سکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸: از میرتہ سٹی ضلع جودھپور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نہ اولاد ہے نہ بھائی حقیقی، نہ بیٹا ہے، وہ اگر اپنا ورثہ مال یتیم کو دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کا کوئی وارث شرعی نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۳۹: از سنبھل محلّہ دیپاسرائے ضلع مرادآباد مرسلہ حافظ عبدالرؤف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے لڑکے لڑکا پیدا ہوا، زید کی ہمشیرہ ہندہ نے بوجہ خوشی زید کے لڑکا پیدا ہونے کے زید کے لڑکے کو موافق رواج کے ہنسلی کھنڈوے چڑھائے جن کی قیمت ۶ روپے تھی، زید اپنی بہن ہندہ کو اپنے لڑکے کی پیدائش کی خوشی ہنسلی کھنڈوے کے صلہ میں دو بھینسیں دیں، ایک بھینس ہندہ نے فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنے شوہر کے روپے میں ملا کر غلہ کی تجارت کی اور نفع ہوا، دوسری بھینس کا بچہ ہندہ نے اپنے گھر رکھا اور بھینس کو بیچ کر کچھ اور روپیہ شوہر کے روپیوں میں سے ملا کر اور بھینس شوہر سے خرید والی جو اب مع بچہ کے موجود ہے، غرض فی الحال دو بھینسیں اور

ایک بچہ موجود ہے، مگر گوت یعنی چارہ وغیرہ کا خرچ بھینسوں کا شوہر کے ذمہ رہا، بلا کسی شرط کے اور گھی دودھ وغیرہ میاں بی بی دونوں کے تصرف میں ہوتا رہا۔ اور یہ معلوم نہیں ہنسلی کھنڈوے ہندہ کے روپیہ کے تھے یا شوہر کے داموں سے بنوائے گئے تھے، صورت مسئولہ میں اس مال تجارت مع نفع اور ان تینوں جانوروں کا مالک شوہر ہوگا یا ہندہ؟

الجواب:

وہ خریداری ہندہ نے اگر اپنے لئے کی ہے، مالک صرف ہندہ ہے اگرچہ قیمت میں شوہر کا روپیہ بھی شریک ہے، پھر ی روپیہ اگر شوہر نے ھبۃً دیا فبہا ورنہ اس قدر روپیہ ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، اور اگر قیمت میں شوہر کا روپیہ شامل کرنے سے اس شے میں شرکت مراد تھی تو وہ مال زن و شوہر دونوں میں مشترک ہے، زوج زوجہ میں انبساط کامل ہونے کے سبب یہ نہ دیکھا جائے گا کہ چارہ کس نے دیا اور دودھ دہی کس کے کام آیا، ہنسلی کڑے کسی کے روپیہ سے ہوں، وہ بھینسیں کہ بھائی نے بہن کو دیں بہن کی ملک ہوئیں، بہنوئی کا کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از سیتاپور محلّہ عالم نگر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالقادر صاحب طالب علم ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کچھ جائداد کو بعد انتقال اپنے لڑکے کے اس کے دو[۲] صغیر بچوں کے نام ہبہ کرکے تاحیات بحیثیت متولی قابض رہا، بعد وفات واہب عمرو مدعی ابنیت زید دعوی فسخ ہبہ وعدم جواز بنابر مشاعیت موہوب وعدم قبضہ بذات خود صغیرین کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اگر شخص نے اپنی جائداد بلا تقسیم و تفریق حصص بینھما مسلم دو موضع جس میں واہب نے اپنا کسی قسم کا کچھ قبضہ وشرکت باقی نہیں رکھی، ہبہ کرکے بحیثیت متولی، کیونکہ یہ یتیم بچے اس کی پرورش میں تھے قابض رہے، یہ ہبہ جائز ہے یا ناجائز بالاتفاق یا باختلاف، اور فتوی کس کے قول پر ہے، اور قبضہ واہب منجانب صغیرین ان کا قبضہ برائے جواز ہبہ متصور ہوگا یانہیں؟ اور قول مشہور ہے کہ وقت اختلاف ائمہ ثلثہ معاملات میں قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی مفتی بہ ہوتا ہے اس کی کیا اصل ہے؟ بوضاحت مع حوالہ کتب جواب باصواب سے مشرف وممتاز فرمایئے گا۔

الجواب:

اگر وہ دونوں بچے فقیر تھے اپنے باپ یا اور کسی سے ارثا یا ھبۃً کسی مال بقدر نصاب کے مالک نہ تھے تو یہ جائداد کہ دادا نے بعد وفات پسر انھیں مشترکا ہبہ کی اور اپنا کوئی حصہ اس میں نہ رکھا یہ ہبہ

بلا شبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا، نہ مشاع ہونا اس کی صحت کو مضر، نہ موہوب لھما کا قبضہ ہونا اس کی تمامی کو ضرور کہ جب وہ دونوں مالک نصاب نہ تھے تو ان کے لئے ہبہ صدقہ ہوا اور ایسا شیوع صحت صدقہ کا مانع نہیں اور جبکہ وہ یتیم ونابالغ ہیں تو دادا کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے، ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوگیا، درمختار میں ہے:

(او وھبھا لفقیرین صح)لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یرادبھا وجہ اللہ وھو واحد فلا شیوع[1]	(یا مشاع چیز دو فقیروں کو ہبہ کرے تو صحیح ہے) کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے جبکہ وہ وحدہ لاشریك ہے، تو شیوع نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

وھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقدۃ لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ او فی ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب[2]۔	اور بچے کے والی کا بچے کو ہبہ کرنا عقد سے تام ہوجاتا ہے بشرطیکہ موہوب چیز معلوم ہو اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس کی امانت والے کے قبضہ میں ہو، کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کے قبضہ کے قائم مقام ہوگا، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص فریقین کی طرف سے ولی بن سکتا ہو تو ایسے عقد میں صرف ایجاب کافی ہوا ہے)(ت)

ہاں اگر وہ دونوں یتیم یا ایک غنی ومالک نصاب تھا تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہ ہوا اور موت واہب سے باطل ہوگیا، تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبہ لا[3]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مشاع چیز ہبہ کی تو جائز ہے اور اگر عکس ہو تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار، کتاب الھبۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اطلق ذٰلك فافادانه لافرق بين ان يكون كبيرين اوصغيرين اواحدهما كبيرا والاخر صغيرا وفی الاولين خلافهما [1]۔	اس کو مطلق بیان کیا تواس کا فائدہ یہ ہے کہ موہوب لہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یاایک بالغ اور ایک نابالغ ہو پہلی دوصورتوں میں صاحبین کاخلاف ہے۔(ت)

اور فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے

كما حققناه فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام	جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے(ت)

امام اجل برہان الملۃ والدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان يفتی بقول ابی حنيفة بكل حال [2]۔	میرے نزدیک واجب ہے کہ ہر حال میں فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر دیا جائے۔(ت)

یہ کہیں نہیں ہے کہ معاملات میں فتوٰی قول امام ابی یوسف پر ہے، ہاں مسائل وقف وقضا میں ایسا کہا گیا وہ بھی نہ کلیہ ہے نہ اعطائے قاعدہ کہ ائمہ ترجیح کافتوٰی دیکھو یا نہ دیکھو مسائل کتاب القضاوکتاب الوقف میں قول ابی یوسف پر فتوٰی سمجھ لو ایسا نہیں بلکہ بلحاظ کثرت بیان واقع ہے ان دونوں کتابوں کے خلافیات میں مشائخ نے بہت جگہ قول ابی یوسف اختیار کیا ہے یہ فتوٰی انھیں مواضع پر مقتصر رہے گا، كما افاده فی ردالمحتار ولا يمتری فيه من له ممارثة بالفقة (جیسا کہ افادہ ردالمحتار میں کیا اور جس کو فقہ میں ممارثت ہے وہ اس میں شک نہ کریگا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کانپور محلّہ انورگنج مرسلہ سید محمد باقر حسین پسر سید علی حسین خاں بہادر مرحوم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کاروبار کے بہی کھاتے میں

---
[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۴

[2] التجنیس والمزید

بدفعات وبتواریخ سنہ وسال مختلف کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے بیٹے اور کبھی مشترکہ دونوں تینوں کے ناموں سے بھی کھاتہ جات میں اکثر رسومات مثل نقد یا آمدنی کمیشن یا منافع تجارت وغیرہ کو بمد جمع اندراج کرتا رہتا تھا اور بعد اندراج جملہ رقومات کو اپنے قبضہ تصرف میں رکھتا تھا چونکہ اسی درمیان میں زید دو [۲] لڑکے اور دو [۲] لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کر گیا لہٰذا اب جس قدر مال ومتاع ہے اس میں سے نمبر او نمبر ۲ و نمبر ۳ کے ناموں سے جو رقومات بمد جمع اندراج بہی کھاتہ جات ہیں تو کیا وہ رقومات جن کے ناموں سے زید نے اندراج بہی کھاتہ جات کئے ہیں وہ انھیں کی خاص سمجھی جائیں گی جبکہ ان رقومات پر متوفی خود ہی قابض ودخیل تھا اور اپنے کاروبار می ں لگائے ہوئے تھا ورنہ خاص ان رقومات کا کوئی منافع علیحدہ کرتا تھا، یا جملہ رقومات شرعاً زید کے کل ورثہ کا حق ترکہ قرار پائے گا۔

الجواب:

ان میں اگر اس کا کوئی بیٹا اس وقت نابالغ تھا تو اس کے نام سے جو رقم مندرج کی وہ اس بیٹے کی ٹھہرے گی باقی جو رقم کسی بالغ کے نام مندرج کیں اور اسے قبضہ نہ دیا، یا دو کے نام مشترکا درج کیں خواہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ، یا ایک بالغ ہو اور ایک نابالغ ان چاروں صورتوں میں وہ اندراج بے اثر محض ہے، اور ایسی جملہ رقوم متروکہ زید ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲: مرسلہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ کالج ۲۴ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی کوئی اولاد صلبی نہیں ہے ایک دختر زادی ہے ایک زوجہ، ونیز علاتی بھائی ہیں، وہ شخص عاقل بالغ ہے وہ اپنی جائداد دختر زادی کے نام بوجہ محبت ذاتی کے، اور زوجہ کے نام بوجہ خدمات اور ادائے حقوق زوجیت کے منتقل کرنا چاہتا ہے، یہ شخص اس قسم کے تصرفات کا مستقل طور پر مجاز ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ دوسرے ورثاء اس کے حین حیات اس کاروائی میں کسی قسم کے عذر اور مزاحمت کرنے کے مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شخص مذکور کو شرعاً اختیار ہے، اپنی جائداد اپنی بی بی اور نواسی کو خواہ جسے چاہے دے دے اس کے بھائی وغیرہم کسی کو اصلاً حق مزاحمت نہیں، اگر مزاحمت کریں باطل ونامسموع محض ہے، ملک ایک اختصاص حکمی ہے کہ انسان کو اس کے مال میں اطلاق تصرف کا ثمرہ دیتا ہے کسی مالک کا اسکی ملک میں تصرف ممنوع النفاذ ہونا دو ہی طور پر معقول ہے، یا تو اس کی اہلیت میں قصور ہو

جیسے مجنون یا صبی لایعقل کہ ان کے تصرفات مطلقاً باطل یا معتوہ یا صبی عاقل کہ ان کے تصرفات ضارہ باطل اور دائر بین النفع والضرر اجازت ولی پر موقوف قول صاحبین پر سفیہ بھی اسی کے ساتھ ملتحق ہے وہ کہ اپنا مال فضول ولغو باتوں میں برباد کرے گا امام محمد کے نزدیک بنفس سفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک بعد حجر حاکم وھوالراجح۔ یا اہلیت تو کاملہ ہے مگر حق غیر متعلق ہے یہ حق اگر بعینہٖ اس شے سے متعلق ہے جس میں تصرف کرنا چاہتا ہے جب تو منع نفاذ ظاہر ہے،[5] جیسے راہن شے مرہون میں بے اذن مرتہن تصرف نہیں کرسکتا، یا[6] مواجر شے مواجر میں بے اذن مستاجر جب تک رہن واجارہ باقی ہیں،[7] بخلاف رعایت کہ وہ محض اس کی طرف سے تبرع ہے حق مستعیر اس سے متلق نہیں اور اگر عین شیئ سے تعلق حق نہ ہو تو منع نفاذ حجر حاکم پر موقوف ہے مثلاً زید مدیون ہے اور دین اس کے جائداد کو مستغرق ہے، تو[8] قبل حکم حجر اگر وہ اپنی جائداد کسی کو ہبہ کردے، یقیناً یہ تصرف نافذ ہوجائے گا کہ دین عین سے متعلق نہ تھا، بلکہ اس کے ذمہ پر ہاں اگر دائنوں نے درخواست دی کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ یہ جائداد تلف کردے گا تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک اب بھی اسے تصرف سے منع نہ کیا جائے گا کہ وہ مالک ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس خیال سے کہ شائد تلف کردے دائنوں کا ضرر محتمل ہے، اور اسے ممنوع التصرف کردینے میں اسے اہلیت سے خارج اور بہائم سے ملتحق کردینا اس کا شدید ضرر حاضر ہے، ایک ضرر خفیف موہوم سے بچنے کے لئے دوسرے کو بالفعل ضرر شدید پہنچانا منتقضائے عدل وحکمت نہیں، مگر صاحبین بنظر فساد زمانہ حاکم کو اس صورت میں اجازت حجر دیتے ہیں یعنی اس کے ممنوع التصرف ہونے کا حکم کردے، اس حکم سے پہلے وہ بالاجماع ممنوع التصرف نہ ہوگا۔ اور [10] امام کے نزدیک بعد حکم حاکم بھی، بلکہ یہ حکم ہی باطل ہوگا اسی تعلق حق غیر سے "صورت مرض الموت ہے کہ مریض کے دو ثلث مال سے شرعاً حق ورثہ بایں معنی متعلق ہوجاتا ہے کہ وہ نہ اسے ہبہ کرسکتا ہے نہ کسی ایک وارث کے ہاتھ بیع،[12] اگرچہ ثمن مثل کو ہو،[13] اور اگر کسی نے حالت مرض میں ایک وارث یا اجنبی کو اپنا کچھ مال یا کل ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا اور پھر وہ اچھا ہوگیا اگرچہ چند روز کے بعد مرگیا، تو اب وہ تصرف بالاجماع صحیح ونافذ ہوگیا، تنہا موہوب لہ اس مال کا مالک قرار پائے گا اور ورثہ کو اس پر کچھ دعوی نہ پہنچے گا، کہ دو ثلث مال سے ان کے حق کا تعلق بحال مرض الموت تھا جب وہ اچھا ہوگیا ظاہر ہوا کہ وہ مرض الموت نہ تھا،[14] اور تندرست کو اختیار ہے کہ اپنا کل مال ایک وارث خواہ راہ چلتے کو دے دے کوئی اس سے مزاحمت نہیں کرسکتا نہ کوئی حاکم ایسا دعوی سن سکتا ہے نہ اس کے ممانعت کا حکم دے سکتا ہے، اوا گر دے گا تو بالاجماع باطل ہوگا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک حق عاقل بالغ پر حجر ہوسکتا ہی نہیں اگرچہ سفیہ ہو اگرچہ مدیون ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر

حجر ہے تو بوجہ سفہ یا دین اور یہاں دونوں مفقود تو حجر محض باطل ومردود، یہ حکم قضا ہے، رہا حکم دیانت اس کا تعلق آخرت سے ہے قاضی اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا اور دیانۃً بھی بعض ورثہ کو محروم کرنا اس حالت میں منع ہے جبکہ محض بلاوجہ شرعی ہو، اگر ایسا کرے گا گنہ گار ہوگا، حدیث میں فرمایا: "جو اپنے وراث کے میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا" **والعیاذ باللہ**۔ (رواہ ابن ماجہ[1] وغیرہ)

ورنہ اگر[۱۵] وہ وارث مسرف ہے کہ مال فضول تباہ وبرباد کرے گا یا فاسق ہے کہ مال ملنے سے اس کے فسق وفجور کو مدد پہنچے گی یا بدمذہب ہے کہ فسق عقیدہ فسق عمل سے بدتر ہے اور اسے مال ملنے سے دین پر احتمال ضرر ہے تو ان صورتوں میں دیانۃً بھی وہ ایسے وارثوں کو محروم کرسکتا ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو کوئی دوسرا اس کے تصرف میں رکاوٹ نہیں کرسکتا، نہ کسی مدعی کو دعوی پہنچتا ہے نہ کسی حاکم کو حکم کہ وہ اپنے خاص ملک میں متصرف ہے[۱۶] ان کہ نہ ملک ہے نہ حق پھر مزاحمت کیا معنی، بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادہ نعمان رضی اللہ تعالٰی کو ایک غلام ہبہ کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت انور میں حاضر ہوئے کہ ان کی ماں رضی اللہ تعالٰی عنہا چاہتی ہیں کہ حضور اس پر گواہ ہوجائیں ارشاد فرمایا: **اکل بنیك نحلت مثل هذا** کیا تم نے سب بیٹوں کو ایسا ہی ہبہ کیا ہے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: **لاتشهدنی علی جور**[2] مجھے جور پر گواہ نہ کر، یہ حکم دیانت کی طرف اشارہ تھا اسے قضا سے کوئی تعلق نہیں کہ نہ کوئی مدعی تھا نہ تنازع اور[۱۸] قضا بے خصم حاضر ناممکن ہے۔ بالجملہ اس کاروائی پر کسی کو اختیار دعوی ومزاحمت اصلا نہیں ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ [۱] الاشباہ ص ۲۶۳:

قال فی الفتح القدیر الملك قدرة یثبتها الشارع ابتداء علی التصرف فخرج نحو الوکیل اه وینبغی ان یقال	فتح القدیر میں ہے: ملک ایسی قدرت ہے جس کو شارع نے ابتداء تصرف کے لئے ثابت کیا ہو تو اس سے وکیل خارج ہو گیا اھ "بغیر مانع"

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵، مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸

الالمانع کالمحجور علیه فانه مالك ولا قدرة له علی التصرف والمبیع المنقول مملوك للمشتری ولاقدرة له علی بیعه قبل قبضه وعرفه فی الحاوی القدسی بانه الاختصاص الحاجز وانه حکم الاستیلاء [1]۔	کی قید لگانا مناسب ہے جیسا کہ مجور شخص کہ مالک ہے لیکن تصرف کی قدرت نہیں، اور وہ مبیع جو منقولہ چیز ہو تو مشتری اس کا مالک ہوتا ہے لیکن قبضہ سے قبل فروخت کا تصرف نہیں کرسکتا اور حاوی قدسی میں اس کی تعریف یوں ہے وہ ایسا اختصاص ہے جو دوسرے کے دخل کو روک سکتا ہے اور وہ غالب کردیتا ہے۔ (ت)

جوہرہ نیرہ جلد اول:

و ۲ لایجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقله بحال والصبی والمجنون لایصح عقودهما ولا اقرارهما لانه لاقول لهما اماالنفع المحض فیصح منهما مباشرته مثل قبول الهبة والصدقة [2]۔	مجنون مغلوب العقل اور بچے کا تصرف جائز نہیں اور ان دونوں کا عقد صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ان کا اقرار صحیح ہے کیونکہ ان کا قول معتبر نہیں ہے لیکن خالص نفع والے معاملہ کو اپنانا ان کو جائز مثلاً ہبہ اور صدقہ کو قبول کرنا۔ (ت)

درمختار جلد ۵ ص ۱۲۸:

و ۳ تصرف الصبی والمعتوه الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام صح بلااذن وان ضارا کالطلاق لا وان اذن وماتردد توقف [3] (اختصار)۔	بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کو سمجھتے ہوں اگر ان کا تصرف خالص فائدہ مند رہے جیسا اسلام قبول کرنا تو پھر ان دونوں کا تصرف صحیح ہے اور ان کے لئے وہ مضر ہو تو ولی کی اجازت سے بھی جائز نہیں اور اگر نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو تو اجازت ولی پر موقوف ہوگا۔ مضر کی مثال طلاق ہے۔ (اختصار) (ت)

۴ بدائع ج ۷ ص ۱۶۹:

واختلف ابویوسف ومحمد فی السفیه	بیوقوف کے متعلق امام ابویوسف اور امام محمد

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲ / ۲۰۲

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الحجر مکتبہ امدایہ ملتان ۱ / ۲۹۳۔۲۹۲

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۲۰۳

قال ابو یوسف لایصیر محجورا الابحجر القاضی و قال محمد ینحجر بنفس السفه[1] (باختصار)	رحمہما اللہ تعالٰی کاآپس میں اختلاف ہے، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں وہ مجور نہ بنے گا مگر قاضی مجور بنائے تو مجور ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ سفاہت وبیوقوفی پائے جانے سے خود بخود مجور قرار پائے گا (باختصار)۔ (ت)

۵ ردالمحتار میں ہے:

وظاھر کلامھم ترجیحه علی قول محمد[2]۔	فقہاء کاظاہر قول امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ترجیح میں ہے۔ (ت)

۶و۷ انقرویہ جلد ۲ ص ۲۸۲:

بخلاف ما اذاکان فی ید الغاصب اوفی ید المرتھن اوفی ید المستاجر حیث لاتجوز الھبة لعدم قبضه لان کل واحد منھم قابض لنفسه وعامل لنفسه[3]۔	جب چیز غاصب یا مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو اس کا ہبہ ان کا جائز نہیں کیونکہ موہوب لہ کا قبضہ نیا نہیں بلکہ پہلا قبضہ ہے جو ان کو اپنے حق کی وجہ سے ہے نیز وہ ہبہ کا قبضہ کریں بھی تو خود اپنے لئے عامل قرار پائیں گے۔ (ت)

ایضًا ص ۲۸۲:

ومالو کانت باعارة لعدم اللزوم، بزازیة، فی الجنس الثالث فی ھبة الصغیر[4]۔	اور لیکن عاریۃ قبضہ ہو تو جائز ہوگا کیونکہ اس میں لزوم نہیں ہے، بزازیہ کی تیسری جنس نابالغ کے ہبہ کے بیان میں ہے۔ (ت)

۸ ہندیہ میں ہے:

یرکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی	ایک شخص پر اتنا قرض ہوگیا جس میں اس کا تمام مال مستغرق ہوگیا تو قرض خواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ مقروض پر پابندی عائد کردے تاکہ

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹
[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۳
[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۲
[4] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۲

لایهب ماله ولایتصدق به فالقاضی یحجر علیه عندهما ویعمل حجره حتی لا تصح هبته ولاصدقة بعد ذٰلك لکن یشترط علم المحجور علیه بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشره قبل العلم به یکون صحیحا[1] (باختصار)۔	وہ ہبہ یا صدقہ نہ کرے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی اس پر پابندی نافذ کردے تو وہ مؤثر ہوگی حتی کہ اس کا ہبہ اور صدقہ صحیح نہ ہوگا بشرطیکہ اس کو پابندی کا علم ہوجائے لہٰذا اگر علم سے پہلے اس نے کوئی تصرف کیا تو صحیح ہوگا۔ (ت)

۹ ایضًا:

وقال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه لاحجر علی السفیه اذا کان حوا بالغا عاقلا والسفیه خفیف العقل الجاهل بالامور الذی لاتمیزله العامل بخلاف موجب الشرع وانما لم یحجر علیه انداابی حنیفه لانه مخاطب عاقل ولان فی سلب ولایته اهدار اٰدمیته و الحاقه بالبهائم وذٰلك اشد علیه من التبذیر فلا یحتمل الاعلی لدفع الادنی[2]۔	اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں بیوقوف کو پابند نہ کروں گا بشرطیکہ وہ آزاد عاقل بالغ ہو، اور امام صاحب کے نزدیک یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ عاقل مخاطب ہے اوراس لئے کہ اس پابندی سے اس کی ولایت ختم ہوجانے سے اس کی آدمیت کو ضائع کرنا اور اس کو حیوانات سے ملحق کرنا لازم آتا ہے اور یہ چیز اس کی فضول خرچی سے زیادہ شدید ہے لہٰذا ادنی کی وجہ سے اعلی سزا کا احتمال نہیں ہوگا اور سفیہ خفیف العقل امور سے ناواقف معاملات کی تمیز نہ رکھنے اور شریعت کے خلاف عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ (ت)

۱۰ بدائع جلد ۷ ص ۱۶۹:

ولو حجر القاضی علی السفیه ونحوه لم ینفذ حجره عندابی حنیفة رحمه الله تعالٰی حتی لو تصرف بعد	اگر قاضی سفیہ کو تصرف سے روک دے تو پابندی نافذ نہ ہوگی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اگر قاضی کی پابندی کے بعد

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۶۱

الحجر ینفذ تصرفہ عندہ[1]۔	وہ شخص کوئی تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ قرار پائے گا۔(ت)

"ہدایہ میں ہے:

ولاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ[2] (باختصار)۔	اور ہبہ تہائی مال سے زائد جائز نہیں کیونکہ وہ ورثاء کا حق ہے(باختصار)۔(ت)

"نتائج الافکار جلد ۸ ص ۴۲۱ میں ہے:

واوضحہ صاحب الکافی بان قال ولانہ انعقد سبب زوال املاکہ عنہ الی غیرہ لان المرض سبب الموت وبالموت یزول ملکہ لاستغنائہ عنہ ولو تحقق السبب لزال من کل وجہ فاذا انعقدت ثبت ضرب حق[3] اھ۔	اور اس کو صاحب الکافی نے مزید واضح فرمایا کہ مریض کے املاک کادوسروں کو منتقل ہونے کاسبب پایا گیا ہے اس لئے کہ یہ مرض موت کا سبب ہے اور موت سے اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے۔کیونکہ وہ ملک سے مستغنی ہوجاتا ہے اور جب یہ سبب پایا جائے تو مکمل طور پر اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے اور جب سبب متحقق ہوگیا تو ایک طرح سے ورثاہ کا حق ہوگیا۔اھ(ت)

"درمختار جلد ۴ ص ۶۱۵ میں ہے:

ووقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی[4]۔	مریض کی اپنے وارث سے بیع باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

"ردالمحتار میں ہے:

ای ولو بمثل القیمۃ وھذا عندہ[5]۔	یعنی اگرچہ وہ بیع مثلی قیمت پر ہو اور یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے۔(ت)

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹

[2] الھدایہ کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] نتائج الافکار تکمہ فتح القدیر کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۶

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱و۳۲

[5] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

[15]عالمگیری ج ۳ ص ۵۲:

ومن الموقوف اذا ماباع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثة بطل البیع [1]۔	بیع موقوف کی ایک صورت یہ ہے کہ جب مریض اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو اپنے مال میں سے کسی عین چیز کی بیع کرے اگر تندرست ہو جائے تو بیع جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے اور باقی ورثاء اجازت نہ دیں تو باطل ہوجائے گی۔(ت)

[16]عالمگیری ج ۴ ص ۱۴۱:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان برئت من مرضها صح وان ماتت من ذٰلك المریض فان کانت مریضة غیر مرض الموت فکذلك الجواب وان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة [2]۔	مریضہ نے اپنے خاوند کو مہر ہبہ کیااور اگر وہ تندرست ہو گئی تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو وہ مرض اگر موت کا باعث نہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے اگر وہ مرض الموت ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر ہبہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[17]بحر ج ۷ ص ۳۱۴:

وان وهب ماله کله لواحد جاز قضاء وهواٰثم کذا فی المحیط [3]۔	اگر کسی نے اپنا تمام مال ایک شخص کو ہبہ کردیا تو قضاء جائز ہے جبکہ وہ گنہ گار ہوگا، محیط میں یوں ہے۔(ت)

[18]ابوالسعود ج ۲ ص ۲۲۱:

ولووهب ماله کله لواحد جازقضاء واٰثم والمختار التسویة بین الذکر	اگر ایک ہی کو تمام مال ہبہ کردیا تو صحیح ہے اور گنہ گار ہوگا، اور مختار یہی ہے کہ مرد و عورت کو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۲

[3] بحر الرائق کتاب الهبة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۸۸

والانثی فی الھبۃ [1]۔وفی الخانیۃ لاباس بتفضیل بعض الاولاد علی البعض فی المحبۃ لان المحبۃ عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوٰی ولووھب فی صحتہ کل المال للولد جازواثم انتھت [2](ملخصا)	مساوی ہبہ دے،اور خانیہ میں ہے اولاد میں سے بعض کو محبت میں فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہےاویوں ہی عطیہ میں بشرطیکہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو،اگر ضرر کی صورت ہو تو پھر لڑکی اور لڑکے کو مساوی دے،یہ امام ابویوسف کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔اور اگر تمام مال بیٹے کو دینی صحت میں دے دے تو جائز ہے مگر گنہگار ہوگا(ت)

۹خلاصۃ الفتاوی:

ولواعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لاباس بہ وان کان سواء لاینبغی ان یفضل ولوکان ولدہ فاسقا فارادان یصرف بمالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ ولو کان ولدہ فاسقا لایعطی لہ اکثر من قوتہ انتھت [3] وان کان بعض اولادہ مشتغلا بالعلم دون الکسب لاباس بان یفضلہ علی غیرہ وعلی جواب المتأخرین لاباس بان یعطی من اولادہ من	اگر اولاد میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اگر زیادہ نیک ہونے پر ایساکیاتو کوئی حرج نہیں اور اگر تمام مساوی ہوں تو ایسانہ کرے،اگر بیٹا فاسق ہو تو چاہے کہ اپنا تمام مال خیرات میں کردے اور فاسق کو محروم رکھے تو مال کو باقی رکھنے کے بجائے یہ بہتر ہے کیونکہ مال ترکہ چھوڑنے میں فاسق کی معصیت میں اعانت ہوگی اور اگر بیٹا فاسق ہوت واس کو وقت کی خوراک سے زیادہ نہ دے،اھ اور اولاد میں سے بعض علم میں مشغول ہوں اور کسب نہ کریں تواسکو دوسروں پر فضیلت دینے میں حرج نہیں ہے،اور متاخرین کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو

[1] فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین کتاب الہبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۲۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۰۴-۷۰۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الہبۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

كان عالما متادبا ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا ولو كان ولدها فاسقا فاراد صرف ماله فى الخير فحرمانه هذا خير من تركه لانه فيه اعانة على المعصية۔	عالم اور تربیت والا ہو اس کو دے اور جو فاسق فاجر ہو اس کو نہ دے، اور اگر بیٹا فاسق ہو اور چاہے کہ تمام مال خیر میں صرف کردے تو اس طرح فاسق کو محروم کرنا بہتر ہے کیونکہ ترکہ چھوڑنے میں معصیت میں اعانت ہوگی۔(ت)

[۲۰]غنیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المبتدع فاسق من حيث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حيث العمل[1]۔	بدعقیدہ شخص اعتقادی فاسق ہے اور یہ عمل فسق سے زیادہ شدید ہے۔(ت)

[۲۱]تنویر الابصار جلد ۴ ص ۲۴۵ میں ہے:

الدعوى هى قول مقبول يقصد به طلب حق قبل غيره اودفعه عن حق نفسه[2]۔	دعوی، ایسا مقبول قول ہے جس کے ذریعہ غیر سے اپنا حق طلب کیا جائے یا اپنے حق کا دفاع کیا جائے۔(ت)

[۲۱]تنویر الابصار ج ۴ ص ۴۵۹:

القضاء هو فصل الخصومات وقطع المنازعات[3]۔	قضاء، منازعات کا فیصلہ اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا نام ہے۔ (ت)

[۲۲]درمختار ج ۴ ص ۵۰۲ و ۵۰۳ تحت قول الماتن **اذا رفع اليه حكم قاض نفذه** (جب اس کو قاضی کا فیصلہ مل جائے تو نافذ کرے۔ت) فرمایا:

بعد دعوى صحيحة من خصم على خصم حاضر والا كان افتاء[4]۔	ایک فریق کا صحیح دعوی مخالف حاضر فریق پر ہو ورنہ وہ فتوی ہوگا۔(ت)

[۲۳]ردالمحتار میں ہے:

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[4] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۸

قال فی البحر اول کتاب القضاء فان فقد ھذا الشرط لم یکن حکما وانما ھو افتاء صریح بہ امام السرخسی [1]۔	بحر کی کتاب القضاء کے ابتداء میں فرمایا اگر یہ شرط مفقود ہوجائے تو یہ فیصلہ اور حکم نہ ہوگا وہ صرف افتاء ہوگا، امام سرخسی نے اس کی تصریح کی ہے۔(ت)

[۲۴] درمختار صفحہ ۳۷۴ و ۴۷۴:

فی ایمان البزازیۃ المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاھر [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ کی کتاب الایمان میں ہے مفتی دیانت پر فتوی دے گا اور قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۶

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

کتاب الاجارۃ

(اجارہ کا بیان)

مسئلہ ۱۴۳: از کرتولی مرسلہ حضرت مولوی رضاخاں صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بحضور میاں بھائی دام ظلھم العالی بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمین الٰہی آمین!

صورت مسئولہ یہ ہے کہ بیچ ۲۵ سنہ ف میں بعد اختتام کار ربیع فصل سے خالی زمین کرکے چند کاشتکاران مرزاپور ساکن ضلع سلن نگر نے زبانی استعفا دیا جس میں سے ایک شخص نے مجھ سے خود کہا کہ میں نہیں کروں گا بجواب اس کے میں نے کہا کہ توہم سے ناتہ توڑ رہا ہے دو روپیہ فارغخطانہ کے دے دے، اس نے وہ بھی دے دئے، قاعدہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ زمیندار کاشتکار کو بے دخل نہ کرائے یا وہ استعفا باضابطہ مقررہ نہ دے اس وقت تک نام کاشتکار خارج نہیں ہوسکتا، اور کاشتکار بلااخراج نام بصورت مداخلت زمیندار اگر چاہے تو دعوی مال اور فوجداری میں کرسکتا ہے ۲۶ سنہ ف کے شروع میں سب کو دوبارہ اطلاع دی گئی کہ چاہے زمین کرو یا پڑی رکھو لگان دینا ہوگا۔ اس پر بھی انھوں نے زمین کاشت کرنے کا اقرار کیا، نہ کاشت کی، ۲۶ سنہ خریف موجود ۲۷ سنہ کی نالش کردی گئی آج ان مقدمات کی تاریخ ہے کل حضور کے اقبال سے چار قطعہ نالشات (مالعہ عہ/) روپیہ ملازم کو دئے گئے اور (لہ/) انشاء اللہ العزیز انھیں دوچار یوم میں اور ملیں گے، یہ روپیہ مجھ کو جائز ہے یا نہیں، بنظر احتیاط ناکارہ غلام دو عدد بہیلیاں قیمت (۱۴/) کو ہر شخص کو اس کا روپیہ اس کے ہاتھ میں دے کر اور یہ کہہ کر ہم اپنا معاملہ پاک کرنا چاہتے ہیں

نصف بہیل تمھارے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تم اس کو (للعہ) پر خرید کرتے ہو سب نے بخوشی اپنے مطالبہ میں قبول کیا اور عمل بیع واقع ہوگیا، یہ کاشتکار رئیس کھیڑہ کی زمینداری میں آباد ہیں، ان سات کس مدعا علیہم کے ہمراہ ایک کارندہ یا ٹھنپت زمیندار اور ایک اس کا رفیق تھا، یہ صورت میں نے حضور میں اس بناء پر پیش کی کہ بجز اس کے کہ پٹواری مطیع اور نالشات دائر ہیں اور زیادہ دباؤ کی صورت نہیں، بیع خوشی سے عمل میں آئی کاشتکار سب کفار ہیں۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جان برادر بلکہ از جان ہزار جا بہتر مولوی محمد رضا خاں سلمہ الرحمٰن وحفظہ فی کل آن آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک زمیندار بے دخل نہ کرائے یا کاشتکار باضابطہ استعفانہ دے زبانی استعفا کاشت چھوڑنا نہیں سمجھا جاتا یہاں تک کہ زمیندار مداخلت کرے تو اس پر مال وفوجداری دونوں میں دعوی ہوسکے، اور یہ قاعدہ خود ان کاشتکاروں کے علم میں بھی ہے اور باضابطہ استعفانہ دیا تو ثابت ہوا کہ وہ اجارہ زمیں سے دستبردار نہ ہوئے، اگر ہونا چاہتے باضابطہ استعفا دیتے، پھر بھی اس میں شبہ رہتا کہ زبانی تو چھوڑ چکے تھے اگرچہ قانونا ان کا دعوی باقی رہتا مگر جب تم نے شروع سال میں یہ صاف کہہ دیا کہ لگان بہر حال دینا ہوگا۔ اور انھوں نے سکوت کیا اگرچہ کاشت بھی نہ کی، تو یہ دوبارہ قبول اجارہ ہوگا اور لگان ان پر لازم آئی، یہ روپیہ **بحمد اللہ** تمھیں بروجہ حلال ملا، اس کے بعد اس احتیاط کی حاجت بھی نہ تھی، اب کہ کرلی گئی وہ روپے اس بیع کے ہوگئے، لگان ان پر بدستور رہتا، مگر ظاہرا تم نے روپے لگان میں لے کر پھر ان کے ہاتھ میں دے کر بیع کی بہیلی لگان میں لے لینے سے لگان ادا ہوگیا، اور وہ بھی مطالبہ سے بری ہوگئے، بہر حال یہ روپیہ تمھارے لئے بفضلہٖ تعالٰی حلال طیب ہے، مولٰی عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں دین ودنیا میں تمھارا اقبال دن دونا رات سوایا کرتا رہے۔ آمین!

مسئلہ ۱۴۴: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مزدری کرتا ہے، دن روزہ کی مزدوری میں جب کام کرتا ہے تو بدرجہ کمی اور ٹھیکہ میں جب کرتا ہے تو کوشش اس امر کی کرتا ہے کہ زیادہ ہو ایسی صورت میں اس کی روزی کیسی ہوئی؟

الجواب:

کام کی تین حالتیں ہیں: سست، معتدل، نہایت تیز، اگر مزدوری میں سستی کے ساتھ کام کرتا ہے گنہگار ہے اور اس پر پوری مزدوری لینا حرام، اتنے کام کے لائق جتنی اجرت ہے لے، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، ان کا بھی پتہ نہ چلے تو مسلمان محتاج پر تصدق کرے اپنے صرف میں لانا یا غیر صدقہ میں اسے صرف کرنا حرام ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں بھی کاہلی سے سستی کرتا ہو، اور اگر مزدوری میں متعدل کام کرتا ہے مزدوری حلال ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر ایک اجیر پیشہ ور کو معتبر و متدین سمجھ کر سالہا سال اُجرت پر کام بنانے کے لئے دیا وہ کاریگر ہمیشہ بہ دیانت تمام کام بنایا کیا، کبھی اس سے تقصیر واقع نہ ہوئی اب برسوں کے بعد ایک مال اس کی حفاظت سے گم ہوگیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے،

فی الوقایہ لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان وبه یفتی [1]، وفی الاصلاح والتنویر [2] بلفظه وفی النقایة کذلك الا قوله وبه یفتی [3] وفی الملتقی المتاع فی یدہ امانة لایضمن ان هلك وان شرط ضمانه	وقایہ میں ہے، اجیر کے قبضے سے گم شدہ چیز پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی لگائی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور اصلاح اور تنویر میں یہی الفاظ ہیں اور نقایہ میں یونہی ہے سوائے "به یفتی" کے۔ اور ملتقٰی میں ہے اس کے قبضہ میں مال امانت ہے، ہلاک ہو جانے پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی ہو۔

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارۃ باب من الاجارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

[3] مختصر الوقایۃ فی مسائل الهدایہ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

به یفتی [1]. وفی الکنز المتاع فی یدہ غیر مضمون بالھلاك [2]. وفی الغرر لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان [3] اھ وفی منح الغفار قد جعل الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات وبه جزم اصحاب المتون فکان ھوا لمذھب [4]. وفی الخانیة المختار فی اجیر المشترك قول ابی حنیفة [5] وفیھا قال الفقیه ابوالليث علی قول ابی حنیفة لایضمن وبه ناخذ و الفتوٰی علی قول ابی حنیفة [6] اھ. وفی الخلاصة من جنس القصار القاضی الامام یفتی بقول ابی حنیفة قال وانا افتی به [7] وفی التاتارخانیة عن الابانة اخذ الفقیه ابوالليث فی ھذہ المسئلة بقول	اسی پر فتوٰی ہے اور کنز میں ہے اس کے قبضہ میں مال ہلاک ہوجائے تو مضمون نہیں ہے، اور غرر میں ہے اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر ضمان نہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو، اھ اور منح الغفار میں ہے کثیر معتبر کتب میں اسی پر فتوٰی ہے اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا ہے تو یہی مذہب ہے اور خانیہ میں ہے مشترک اجیر کے متعلق مختار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی میں ہے کہ فقیہ ابواللیث نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر وہ ضامن نہ ہوگا۔ ہمارا یہی مختار ہے، اور فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے۔ اھ ملخصا۔ اور خلاصہ کی جنس القصار میں ہے امام قاضی خاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیتے ہیں، اور انھوں نے فرمایا میں اسی پر فتوٰی دیتا ہوں۔ اور تاتارخانیہ میں الابانۃ سے منقول ہے کہ فقیہ ابواللیث نے اس مسئلہ

[1] ملتقی الابحر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲ /۱۶۴

[2] کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب فی بیان احکام ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۱۹

[3] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارہ باب من الاجارہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۵

[4] منح الغفار

[5] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارۃ باب الاجارہ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۴۱

[6] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارۃ باب الاجارہ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۴۴

[7] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳ /۱۳۶

ابی حنیفه وبه افتی [1] وفی الانقرویة قال القاضی فخر الدین الفتوی علی انه لایضمن تاتارخانیه [2]. اھ وفی البزازیة نوع القضاء القاضی افتی بقول الامام [3] اھ. فیها قال فی العون اخترت قول الامام [4] اھ. وفیها لو شرط الضمان علی المشترك ان هلکت قیل یضمن اجماعا والفتوی علی انه لا اثر له واشتراطه وعدمه سواء لانه امین [5]. اھ. و فیها بُعَیْدَہ. فی مسئلة لا یضمن وبه یفتی [6] اھ وفی الجامع الفصولین قال وفیها علیه قول البزازی ث [7] (الفقیه الامام ابو اللیث) به ناخذ قال هذ (صاحب الذخیرة)۔ وفی الهندیة اوائل الفصل الاول فی	میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول لیا ہے اور اسی پر فتوٰی دیا ہے، اور انقرویہ میں ہے قاضی فخر الدین نے فرمایا فتوٰی یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا، تاتارخانیہ اھ، اور بزازیہ کی نوع القضاء میں ہے قاضیخاں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے انھوں نے العون میں فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر مشترک اجیر پر شرط ضمان لگائی تو بعض نے کہا بالاتفاق ضامن ہوگا، اور فتوٰی یہ ہے کہ اس شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ امین ہے اھ، اور اسی میں ایک مسئلہ میں تھوڑا بعد فرمایا ضامن نہ ہوگا اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ اور جامع الفصولین میں فرمایا اور اس میں اس پر بزازی کا "ث" یعنی فقیہ ابواللیث کا قول ہم نے یہی اختیار کیا ہے اور "ھذ" کہا یعنی صاحب ذخیرہ نے، ہندیہ میں اجیر مشترک کی بحث کی ابتداء میں ہے

---

[1] الفتاوٰی التاتارخانیه

[2] فتاوٰی انقرویه کتاب الاجاره باب فی ضمان الاجیر المشترك دارالاشاعة العربیه قندہار افغانستان ۲/ ۳۲۵

[3] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۸

[4] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۸

[5] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۸۸

[6] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۸۸

[7] جامع الفصولین

الاجیر المشترك قال فخر الدین وعلیه الفتوٰی وبه نأخذ اھ [1] وفیھا اواخر الفصل المذکور ایضاً عن الکبری الفتوی علی انه لاتضمن الاجیر المشترك الامّاتلف بصنعه [2]۔	فخر الدین نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے اور ہم نے اسی کو لیا ہے اھ اور اسی میں فصل مذکور کے آخر میں کہا کہ فتاوٰی کبرٰی میں بھی ہے کہ مشترک اجیر ضامن نہ ہوگا مگر جبکہ وہ خود سامان کو ہلاک کرے۔(ت)

اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہوجائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال وفتاوٰی سخت مختلف ہے، مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقاً تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام ۱قاضی شریح و ۲امام عطا و ۳امام طاؤس و ۴امام مجاہد و ۵امام ابراہیم نخعی و ۶امام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم وغیرہم اکابر تابعین اور ۷امام زفر و ۸امام حسن بن زیاد وغیرہم ائمہ دین کا، اور ایک قول میں ۹امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے ۱۰امام احمد سے بلکہ کہا گیا ۱۱امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا، اور حضرت امیر المومنین ۱۲عمر فاروق اعظم اور ۱۳امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی ایک روایت یونہی وارد ہوئی بلکہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی بلکہ بعض علماء نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے، امام اجل شریح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سرکار مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے قاضی تھے ہزارہا صحابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرماتا کہ خود حضور پر نور حکم عدل خبیر محمد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث وارد، اور بعینہٖ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء سے مروی اور انھیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(ابوحنیفة) عن بشر الکرنی عن محمد بن علی عن ابیه عن علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال لاضمان علی قصار ولا صباغ [3]۔	ابوحنیفہ بشر الکوفی سے اور وہ اپنے والد سے انھوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: دھوبی اور رنگریز پر ضمان نہیں۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۱۱

[3] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۹

اور اسی پر جزم فرمایا: [14]ملتقی و[15]وقایہ و[16]نقایہ و[17]غرر و آاصلاح و[19]تنویر وغیرھا متون میں اور یہی مقتضی ہے اطلاق [20]قدوری و [21]ہدایہ و[22]کنز و[23]مجمع وغیرہا متون کا، غرض عامہ متون اسی پر ہیں، اور اسی پر فتوٰی دیا امام فقیہ [24]ابواللیث سمرقندی اور امام اجل [25]قاضیخاں اور [26]امام ظہیر الدین مرغینانی اور [27]امام افتخار الدین طاہر صاحب خلاصہ وغیر ہم اکابر معتمدین نے، بلکہ امام اجل ظہیر اول اس کے قائل نہ تھے بعدہ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح و مختار و معتمد و مفتٰی بہ ٹھہرایا، [28]مضمرات و[29]ذخیرہ و[30]ابانہ و[31]عون و[32]تاتارخانیہ وفتاوٰی کبرٰی و[33]فتاوٰی بزازیہ و[34]محیط وو قایہ وملتقٰی واصلاح و تتمہ و[35]تنویر و[36]منح و[37]درر وغیرہا جمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں، اور اس کی ترجیح مقتضٰی [38]ہدایہ کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایۃ ہے۔ عام معتبرات میں اسی پر فتوٰی دیا، اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا، ذرا چشم انصاف اس مذہب مذہب کی سطوت و شوکت ملاحظہ کرے۔

اماان شریحا یقول بہ(فمحمد)فی الاثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط [1]۔(**قلت**)وارسلہ الامام فی المسند عن النخعی،واما عطاء وطاؤس فعزاہ الیہما فی الخلاصۃ و الخیریۃ وغیرھما،والی مجاھد ایضافی الخلاصۃ والی ابراھیم فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار والی حماد فی غایۃ البیان عن مختصر الامام الکرخی،والی زفروالحسن فیھا والایضاح وفی الھندیۃ ومجمع الانھر واما انہ قول الشافعی وروایۃ عن احمد فیستفاد من شرح	لیکن بیشک قاضی شریح اس کے قائل ہیں، تو امام محمد نے آثار میں امام ابوحنیفہ انھوں نے حماد انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا کہ قاضی شریح نے کبھی اجیر کو ضامن نہ بنایا، **قلت**(میں کہتا ہوں)اور اس کو امام ابوحنیفہ نے مسند میں بطور ارسال ابراہیم نخعی روایت کیا امام طاؤس اور عطاء ان دونوں کی طرف خلاصہ اور خیریہ وغیرھما منسوب کیا اور مجاہد کی طرف بھی خلاصہ میں اور ابراہیم کی طرف درمختار پر حاشیہ طحطاوی میں اور حماد کی طرف غایۃ البیان میں مختصر الامام الکرخی سے منقول اور امام زفر وامام حسن کی طرف غایۃ البیان، ایضاح، ہندیہ اور مجمع الانہر میں منسوب ہے۔ لیکن امام شافعی کا قول ہے اور امام محمد سے ایک روایت ہے تو یہ نسفی کے متن

[1] کتاب الآثار لامام محمد رحمہ اللہ باب ضمان الاجیر المشترک حدیث ۷۸۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۷۳

العینی علی متن النسفی، وقد ذکر الاتقانی انه الاصح عندھم نقل ذٰلك عن وجیزھم، وحکایته محمد ذکر ھا الامام قاضیخاں فی فتاواہ، واما روایة عن عمرو علی رضی اللہ تعالٰی عنھما فالطوری فی شرح الکنز والسید احمد فی حاشیة الدر۔(**قلت**) ورأیت فی مسند الامام (ابو حنیفة) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنه انه کان لایضمن القصار والصباغ [1] (واخری) زادفیھا والاالحائك [2] واما رجوع علی ان ھذا فالطحطاوی عن الاتفانی عن شرح الکافی، (**قلت**) ای للامام شیخ الاسلام الاسبیجابی وقد رأیته فی غایة البیان نقلا عنه واشار الیه المولی بحر العلوم فی فواتح الرحموت واما حلوله محل الاجماع فالاتقانی ایضا حیث قال کان حکم شریح بحضرة الصحابة والتابعین من	پر عینی کی شرح سے مستفاد ہے اور اتقائی نے ذکر کیا کہ ان کے ہاں اصح ہے یہ بات انھوں نے ان کی وجیز سے نقل کی ہے، اور امام محمد سے اس نقل کو امام قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے لیکن حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کو توطوری نے کنز کی شرح اور سید احمد نے حاشیہ در مختار میں ان دونوں سے روایت کیا۔ **قلت** (**میں کہتا ہوں**) میں نے مسند امام ابو حنیفہ میں یونس بن محمد انھوں نے ابو جعفر محمد بن علی انھوں نے امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دھوبی اور رنگریز اور دوسری روایت میں حجام کا ذکر بھی ہے کہ آپ ان سے ضمان نہ لیا کرتے تھے، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس طرف رجوع کرنا تو اس کو طحطاوی نے اتقانی کے حوالہ سے شرح کافی سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) یعنی امام الشیخ الاسلام اسبیجابی کی شرح سے، اور بیشک میں نے اس کو غایۃ البیان میں ان سے منقول پایا اور بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس کی طرف صرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا مرتبہ اجماع میں ہونا تو اتقانی نے بھی کہا ہے جہاں انھوں نے بیان کیا کہ قاضی شریح کا فیصلہ صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں ان کی

[1] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیه بیروت ۲ /۵۰

[2] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیه بیروت ۲ /۵۰

غیر نکیر فحل محل الاجماع [1] اھ۔**قلت** فیہ ان لا تکیر علی القضاۃ فی الاجتھادیات فالسکوت فی امثال المقام لایدل علی الوفاق ونقل الاتقانی نفسہ فقال قال شرح شیخ الاسلام الاسبیجابی فی شرح الکافی قبیل باب الرجل یستصنع الشیئ کانت المسئلۃ مختلفا فیھا بین الصحابۃ والتابیعن فابوحنیفۃ رجح اقوال البعض علی البعض [2]اھ واما انصوص الملتقی والوقایۃ والنقایۃ والاصلاح والکنز الغرر والتنویر والمنح والتاتارخانیۃ و البزازیۃ وفتوی ابی اللیث وقاضیخان وابن عبدالرشید وصاحب الذخیرۃ والابانۃ والعون فقد سمعت کل ذٰلك واما مجمع البحار فعزالیہ فی ردالمحتار اثری الفتوی وعن الامام الظھیری فی الخلاصۃ والخیریۃ و العلمگیریۃ والعمدۃ والعمادیۃ والمنح وغیرھا، و رجوعہ الی ھذافیھا الا الخبریۃ وعن المضمرات و الذخیرۃ ایضاً فی شرح النقایۃ وعن التتمۃ والمحیط فی الایضاح شرح الاصلاح فی حاشیۃ الطحطاوی ورد المحتار،واما ان ترجیحہ مقتضی صنیع الھدایۃ فلتقدیمہ القول	طرف سے کسی انکار کے بغیر ہوا ہے تو یہ اجماع کے مرتبہ میں ہوا اھ، **میں کہتا ہوں** اس میں یہ اعتراض ہے کہ اجتہادات میں قاضیوں پر اعتراض نہیں ہوا کرتا لہٰذا ایسے مقام میں سکوت تائید پر دال نہیں ہوگا جبکہ خود اتقانی نے نقل کیا ہے اور کہا کہ شیخ الاسلام اسبیجابی نے شرح کافی میں پیشگی آرڈر پر شیئ بنوانے کے باب سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ اجیر کے ضمان کا مسئلہ صحابہ اور تابعین کے دور میں مختلف فیہ رہا ہے تو امام ابوحنیفہ نے ان کے اقوال میں بعض کو ترجیح دی ہے اھ۔لیکن ملتقی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر، تنویر، منح، تاتارخانیہ، اور بزازیہ کی نصوص اور ابواللیث قاضیخاں، ابن عبدالرشید، صاحب ذخیرہ، ابانۃ، اور عون کے فتاوٰی تو آپ سن چکے ہیں، لیکن مجمع البحار تو اس کی طرف ردالمحتار میں فتوی منسوب کیا ہے، اور امام ظہیری سے خلاصہ، خیریہ، عالمگیریہ، عمدہ، عمادیہ اور منح وغیرہ میں نقل موجود ہے، اور ان کا اس طرح رجوع کرنا خیریہ کے علاوہ تمام مذکورہ کتب میں موجود ہے اور مضمرات اور ذخیرہ سے بھی شرح نقایہ میں منقول ہے اور تتمہ اور محیط سے ایضاح شرح اصلاح اور حاشیہ طحطاوی اور ردالمحتار میں منقول ہے، اور لیکن اس کی ترجیح تو یہ ہدایہ کی عادت کہ بطور قول مقدم کرنا

[1] حاشیہ الطحطاوی بحوالہ اتقانی کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۵۴/۳

[2] غایۃ البیان

وتاخیرہ الدلیل واما انہا ھی ظاھر الروایۃ عن الامام فالشامی وغیرہ فی العقود الدریۃ وغیرھا وامام الجزم بہ فی المتون والافتاء بہ فی عامۃ المعتنبرات حتی کان ھو المذہب فقد سمعت نص المولی ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ التمرتاشی وتبعہ اُفندی شیخی زادہ و المدقق الحصکفی، واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس کی دلیل کو مؤخر کرنے کا مقتضی ہے، لیکن یہ کہ امام سے یہ ظاہر روایت ہے تو یہ شامی وغیرہ کی عقود الدریۃ وغیرہ میں ہے، لیکن اس پر متون اور فتوٰی کا جزم تو یہ عام کتب میں موجود ہے حتی کہ اس کو مذہب کہا ہے، آپ اس پر ابو عبداللہ تمرتاشی کی نص سن چکے ہیں اور شیخی زادہ اور مدقق حصکفی نے ان کی اتباع کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ مذہب امام غایت درجہ قوت وجلالت وثبات ومتانت پر واقع ہے، **بحیث لاتزعزع جوانبہ صیحۃ صائح ولا تزلزل ارکانہ صولۃ صائل وانا اقول: وللہ التوفیق** (ایسے کہ اس کے اطراف کو کسی کی چیخ نے متاثر نہ کیا اور نہ ہی اس کے ستونوں کو کسی طاقتور کی طاقت نے جنبش دی، اور میں کہتا ہوں حالانکہ توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ت)

ممارس فن جب بہ نگان امعان ہمارے اس تلخیص عبارت و تحسین اشارت پر نظر کریں تو **انشاء اللہ تعالٰی** اس پر مہر نیمروز ماہ نیم ماہ کی روشن و بین ہوگا کہ یہاں مذہب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ بوجوہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف ومنافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ بھی مذیل بالافتاء والتصحیح ہوں کہ مطلقًا اختلاف فتوٰی مستلزم تعادل واستواء نہیں۔

اوّلًا: عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروع اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں **وھذا یعرفہ کل من لہ معرفۃ فی الفقہ** (اس کو فقہ کی معرفت والا ہر ایک جانتا ہے۔ت) علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

اذا اختلف المتصحیح والفتوی فالعمل بما وافق اطلاق المتون اولی[1]۔	جب تصحیح اور فتوٰی میں اختلاف پایا جائے تو پھر متون کی موافقت میں عمل اولٰی ہے۔ (ت)

علامہ بیری شرح اشباہ میں غیر مذہب امام پر بعض جگہ فتوٰی دیا جانا ذکر کرکے کہتے ہیں:

ینبغی ان یکون ھذا عند عدم ذکر اہل المتون للتصحیح والافالحکم بما فی المتون	یہ اس وقت مناسب ہے جب متون میں تصحیح کا ذکر نہ ہو ورنہ حکم وہی ہوگا جو متون نے بیان کیا

[1] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب فی قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۶

کمالایخفی لانہاصارت متواترہ[1]۔	جیسا کہ مخفی نہیں کیونکہ ایسے میں وہ حکم متواتر ہو جاتا ہے۔(ت)

محقق شامی آفندی حاشیہ در میں بحث تخییر مفتی وقت اختلاف میں لکھتے ہیں:

اقول: وینبغی تقیید التخییر ایضابما اذا لم یکن احدالقولین فی المتون لما قدمناہ انفا عن البیری ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انہ اذا اختلف التصحیح والفتوٰی فالعمل بماوافق المتون اولی[2]۔	میں کہتا ہوں اور مفتی کے اختیار پر یہ پابندی بھی مناسب ہے کہ جب متون می کوئی قول نہ ہو تو پھر اسے اختیار ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیری سے نقل کیا ہے اور بحر کے قضاء الفوائت سے نقل کی وجہ سے کہ جب تصحیح اور فتاوی میں اختلاف پایا جائے تو متون کے موافق عمل بہتر ہے۔(ت)

ثانیًا: یہ قول" قول امام ہے اور ہم قول امام سے عدول نہیں کرتے جب تک کوئی ضرورت یا ضعف حجت نہ ہو اور یہاں ضعف کیسا، جو قوت وشہرت ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام نہ ترک کیا جائے اگرچہ مشائخ دوسرے قول پر فتوٰی دیں چہ جائے آنکہ جمہور اکابر کا فتوٰی اسی طرف ہو۔ پھر اسے مہجور کیا جائے، بحرالرائق میں ہے:

بھٰذا ظھر انہ لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنہ الی قولھما اوقول احد ھما اوغیرھما الالضرورۃ من ضعف دلیل اوتعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما[3]۔	اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا اور عمل کیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ یا ان میں سے ایک یا کسی غیر کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پیش کردہ دلیل کمزور ہو یا تعامل اس کے خلاف ہو مثلاً مزارعت کا تعامل ورنہ مطلقًا فتوٰی امام صاحب کے قول پر ہوگا اگرچہ مشائخ تصریح بھی کردیں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہیں۔(ت)

اسی طرح علامہ فہامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر فرمایا:

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح البیری مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴

واولہ المقرر عندنا انہ لایفتی الخ واٰخرہ لانہ صاحب المذھب والامام المقدم [1]۔	پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ امر ہے کہ فتوٰی اور عمل امام صاحب کے قول پر ہی ہوگا،اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہی صاحب مذہب اور اول امام بھی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا لایتخیر(ای المفتی فی الافتاء بماشاء عند اختلاف الفتیا)لوکان احدھما قول الامام والاخر قول غیرہ لانہ لماتعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام [2] الخ۔	یونہی مختار نہ ہوگا(یعنی فتاوٰی میں اختلاف کے موقعہ پر مفتی کو اپنی مرضی کا فتوٰی دینے کا اختیار نہیں)جبکہ ایک امام صاحب کا قول ہو اور مقابلہ میں کسی میں دونوں قول ہو،کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں قول ساقط ہوجاتے ہیں تو ہم اصل کی طرف راجع ہوں گے اور وہ امام کے قول کا مقدم ہونا ہے الخ۔(ت)

ثالثاً: جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے یہاں تک کہ قریب اجماع کہا گیا:

ولاشك ان قول الجمھور الذین منھم امامناخیرلنا من بعض لیس ھومنھم۔	اس میں شک نہیں جمہور جن میں ہمارے امام بھی ہوں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جمہور میں شامل نہ ہوں۔(ت)

رابعًا: خود حضور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث مروی ہے،بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث مرفوع کا نام بھی سننے میں نہ آیا۔

خامسًا: قول امام پر فتوٰی دینے والے اجلہ ائمہ ماکان ازمہ ترجیح وافتاء معروفین بالاتفاق مشارالیہم بالبنان ہیں جیسے امام ابواللیث سمرقندی وامام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیر الدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری وغیرہم من الجلۃ الاکابر رحمۃاللہ تعالٰی علیہم اجمعین،بخلاف مذہب صاحبین کہ اس پر فتوٰی غالبا بالفاظ نقارت وابہام منقول ہوا۔من الناس من افتی بقولھما [3] (بعض لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا ہے۔ت)دوسری جگہ ہے:قول بعضھم بہ یفتی [4] (بعض نے یہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

فتوٰی دیا ہے۔ت) شرح کنز میں ہے: **بہ یفتی بعضھم**[1] (اسی پر بعض نے فتوٰی دیا ہے۔ت) خلاصہ وبزازیہ میں ہے: **بعض العلماء اخذوا بقولھما**[2] (بعض علماء نے صاحبین کا قول لیا ہے۔ت) شاید یہی وجوہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ تو بکثرت ہے کہ صرف قول امام پر فتوٰی نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معرٰی رکھا اور اس کا عکس ہرگز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علماء قول صاحبین پر مطمئن نہیں رہے تبیین کا حکم **بقولھما یفتی**[3] (صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا۔ت) سوان اکابر اساطین مذہب اور فاضل زیلعی میں جو فرق ہے کسے معلوم نہیں۔

سادسًا: جمہور کا فتوٰی اسی طرف ہے،

لما مران قد جعل الفتوی علیہ فی عامۃ المعتبرات۔	جیسا کہ گزرا کہ عام معتبر کتب میں اس پر فتوٰی جاری ہوا۔ (ت)

اور قول جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور۔

الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین مما اعتمد علیہ الکبار المعروفون منھم کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث والطحاوی وغیر ھم ممن یعتمد علیہ[4]۔	علامہ شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا کہ اگر فقہاء کا اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کو لیا جائے گا پھر اکثریت ان لوگوں کی جن پر مشہور اکابر نے اعتماد کیا ہو ان میں جیسا کہ ابو حفص، ابو جعفر، ابواللیث اور طحاوی وغیرہم معتمد علیہ لوگ ہیں۔ (ت)

سابعًا: اس قول پر فتوٰی دینے والے ایک امام علامہ فخر الملۃ والدین حسن بن منصور اوزجندی ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور یہ امام فارس میدان ترجیح و تصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتوٰی سے عدول نہ کیا جائے، علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں:

علیك بما فی الخانیۃ فان قاضیخان من اھل التصحیح والترجیح[5]۔	خانیہ کا بیان کردہ تجھ پر لازم ہے کیونکہ قاضیخاں اہل تصحیح وترجیح میں سے ہیں (ت)

[1] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵

[4] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

[5] اللآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریۃ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۶

علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں:

مایصححه قاضیخاں من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیر لانه کان فقیه النفس[1]۔	قاضیخاں کا تصحیح کردہ قول دوسرے کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

الذی یظهر اعتماد فی الخانیة لقولهم ان قاضیخان من اجل من یعتمد علی تصحیحاته[2]۔	قاضیخاں کے بیان پر اعتماد کی وجہ فقہاء کا یہ فرمان ہے کہ قاضیخاں جلیل الشان وہ شخص ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(ت)

فاضل محمد امین ابن عابدین عقود الدریہ میں فرماتے ہیں:

مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیره[3]۔	قاضی خاں کی تصحیح شدہ غیر کی تصحیح شدہ پر مقدم ہے۔(ت)

اب تو بحمداللہ عرش تحقیق مستقر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں قول امام بلا شبہ امام الاقوال واقوی الاقوال ہے جس سے بلا ضرورت ہر گز تجاوز نہ چاہئے، یہ تو اصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد وصالح ومتدین ہے تو ضمان نہیں، اور خائن دغاباز ہے تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں، صاحب محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا:

کمافی الخیریة[4] عن جامع الفصولین۔	جیسا کہ خیریہ میں جامع الفصولین سے منقول ہے۔(ت)

بہت بعد متاخرین نے اس پر فتوی دیا، کما فی الحامدیة (جیسا کہ حامدیہ میں ہے۔ت) بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں فقیہین جلیلین ابو جعفر وابو اللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول

---

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۵

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵

[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۰۳

[4] فتاوی خیریہ کتاب الاجارہ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

سب سے اولیٰ اور اسلم ہے [1] اور یہی فتوٰی ہے امام جلال الدین زاہدون کا، **کما فی المنح الغفار والطحطاویۃ** [2] (جیسا کہ منح الغفار اور طحطاوی میں ہے۔ت) علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار، علامہ سید اسعد مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحب مجمع الانہر اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں: **مااحسن التفصیل الاخیر** [3] (آخری تفصیل کیا ہی اچھی ہے۔ت) فاضل شامی فرماتے ہیں:

قد اختلف الافتاء وقد سمعت مافی الخیریۃ [4]۔	فتوے مختلف ہیں جبکہ آپ نے خیریہ کا بیان سن لیا ہے۔(ت)

اور فی الواقع یہ اس اعلیٰ درجہ نفاست ومتانت واحتیاط رزانت ومراعات جانبین وحفظ مذہب ولحاظ زمانہ پر وقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی نخواہی قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشتت اقوال و فتاوٰی کے پریشان کئے ہوئے ذہن سے سنتے سکون و اطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی **مانحن فیہ** (زیر بحث مسئلہ) میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر دیانتدار ہے سالہاسال سے کام کرتا رہا کبھی اس سے کوئی خیانت ماحفظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقاً اس کے پاس سے یہ مال گم ہوگیا، یوں تو آدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظ تام واحتیاط کامل ضائع وہلاک ہوجاتا ہے، پھر یہ نہ کہاجائے گا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر فقہی کی مجال ہے صورت مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے:

ولئن تتنزلنا فلاشك فی شدۃ قوتہ وانہ من احسن ما افتی بہ فلایمکن حجر المفتی عن الافتاء بہ ابدا فیاخیبۃ عـــہ من حکم علیہ بالغلط	اگر بطور تنزل مان بھی لیں پھر بھی اس کی قوت میں شک نہیں اور وہ فتوٰی کے لئے نہایت احسن ہے تو کسی وقت بھی مفتی اس پر فتوٰی سے باز نہ رہے، خسارہ ہے اس شخص کو جس نے اس پر غلط ہونے کا

عـــہ: مولوی امیر احمد سہسوانی۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۴۱۔۱۱۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱، الفتاوٰی الاسعدیۃ کتاب الاجارۃ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۲/ ۲۷۶

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱

بغیاً وحسدا وکیف یسوغ ذلك مع اختلاف الفتیا هنالك ولکن الحسد حسك من تعلق به هلك وفیما ذکرنا عبرۃ لمن اعتبر وتذکرۃ لمن اراد ان یتذکر وھو جملۃ یسیرۃ من مباحث کثیرۃ فلئن قنع فقیہ مقنع والافعندنا بحمداللہ افواج من الکلام فی میدان ھذا المقام فیھا العدود والعدۃ والباس والشدۃ فلئن لم ینتہ فسیری ان شاء اللہ تعالٰی شوارق تحقیقات زھرت فبھرت عینو المنافقین و بوارق تدقیقات سطحت فقطعت قلوب العارضین و قولہ وانا متبری من الحول والقوۃ اذلاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولٰنا محمد واٰلہ وصحابہ اجمعین اٰمین!

حکم لگایا ہے حسد اور بغاوت کرتے ہوئے فتاوٰی کے اختلاف کے باوجود اس کی کیا گنجائش ہے، لیکن حسد ایسی مرض ہے جس کو لاحق ہوجائے ہلاک کردیتی ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کردیا ہے اس میں سوچ والے کے لئے عبرت ہے اور نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے اس میں تذکرہ ہے اور یہ کثیر مباحث کا آسان خلاصہ ہے اگر فہم والا اس پر قناعت کرلے تو یہ کافی ہوگا۔ ورنہ بحمد اللہ تعالٰی ہمارے پاس اس مقام میں کلام کا ذخیرہ ہے اس میں تعداد، تیاری، سختی اور شدت سب کچھ ہے اگر باز نہ آئے تو ان شاء اللہ وہ ایسی روشن تحقیقات کو دیکھے گا جو رونق افروز ہوکر منافقین کی آنکھوں کو پریشان کردیں گی اور ایسی چمک دار تدقیقات کو بھی جو پھیل کر معاوضہ کرنے والوں کے دلوں کو کاٹ دیں گی اور اس کی بات کو ختم کردیں گی اور میں اس حول اور قوۃ سے برات رکھتا ہوں کیونکہ حول اور قوۃ اللہ تعالٰی عظیم وبلند کے سوا کسی سے نہیں ہے وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا وموٰلینا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین آمین! (ت)

مسئلہ ۱۴۶: جناب مولوی صاحب! قبلہ وکعبہ وہ جہان سلامت! بعد آداب وتسلیمات کے فدوی خدمت مبارک میں یوں عرض کرتا ہے کہ کمترین پہلے پیشہ معماری میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا پھر منشی ثناء اللہ صاحب نے ایک مدرسہ تکیہ میں واسطے تعلیم القرآن مجید کے تعمیر کرادیا اس میں انھوں نے مجھ کو واسطے تعلیم اطفال کے مقرر کیا اس طرح کہ تم للہ لڑکوں کو قرآن پڑھاؤ اور ہم تمھارے اہل عیال کے خورد ونوش کے واسطے مبلغ چار روپیہ ماہوار للہ دیا کریں گے، میں اس امر کو قبول ومنظور کرکے پڑھاتا رہا، اسی تنخواہ پر قانع رہا کسی لڑکے سے کچھ

طلب نہ کیا، دو سال تو منشی صاحب تنخواہ برابر دیتے رہے بعد کو انھوں نے موقوف کردیا، چونکہ اور کوئی میری معاش نہ تھی مجبوراً مکتب کو بدستور قائم رکھا، اور درس دیتا رہا، لیکن کسی شاگرد سے کچھ ماہوار متعین نہ کیا کہ مواخذہ آخرت نہ ہو، ہاں جو کسی نے دے دیا سو لے لیا اور جس نے نہ دیا اس سے طلب نہ کیا، اب لڑکے بہت قلیل رہ گئے ہیں ان میں سے بھی بعض دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے جس میں کوئی (۱۲/) ماہوار کا حساب ہوجاتا ہے نوبت فاقہ کی بھی پہنچ جاتی ہے، اس پر قناعت کرکے شکر الٰہی بجالاتا ہوں، اب مجھ پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ جو کچھ لڑکوں سے مجھ کو ملتا ہے ہر طرح حرام ہے خواہ وہ اجرت سمجھ کردیں یا بطور عنداللہ۔

پس اس مسئلہ کو آپ سب صاحب سے دریافت کرتا ہوں آیا یہ مال حلال ہے یا حرام؟ براہ خدا اس کا جواب مزین بمہر کرکے عنایت ہو کہ تردد رفع ہو اور وہ معترض حدیث کا قائل ہے فقہ کا نہیں۔

الجواب:

سائل پر شرعاً کوئی الزام نہیں اور جو کچھ اسے ماہوار مل جاتا ہے حلال طیب ہے، اور کیفیت مذکورہ سوال سے اس کے نہایت صبر استقلال وطلب وجہ حلال وخوف مولٰی ذوالجلال پر دال ہے، **جزاہ اللہ تعالٰی خیرا** بلکہ اگر وہ سب پڑھنے والوں سے اپنا ماہوار مقرر کرلے جب بھی جائز ہے اور مذہب مفتٰی بہ پر اصلا مضائقہ نہیں۔

فی حاشیۃ البحر الرائق للعلامہ خیرالدین الرملی فی کتاب الوقف المفتی بہ جوازالاخذ استحساناً علی تعلیم القراٰن[1] الخ ومثلہ فی کثیر من الکتب۔	بحرالرائق پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں کتاب الوقف کی بحث میں ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا مفتی بہ قول پر جائز ہے الخ ایسی عبارت کثیر کتب میں موجود ہے۔(ت)

معترض کا اعتراض محض بیجا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ للہ سمجھ کر دیتے ہیں جب بھی حرام ہے۔ شریعت مطہرہ پر کھلا ہوا افتراء اگر پڑھنے والوں نے اتنے تنگدست استاذ کی لوجہ اللہ خدمت کی کیا گناہ ہوا، اور استاد کو اس کا لینا کیونکر حرام ٹھہرا، یہ محض جہالت و تعصب ہے، اللہ جل وعلا فرماتا ہے:

"لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا	اپنی زبانوں پر جاری جھوٹ والا قول نہ کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالٰی پر

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۲۲۸

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ "[1]	جھوٹ افتراء بناؤ، بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء بناتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے (ت)

اور اس سے بڑھ کر اس کا جہل مرکب یہ ہے کہ مسائل شرح سے انکار رکھتا ہے، سبحان اللہ جہالت کی یہ حالت اور فقہاء سے نفرت، بیشک ایسے ہی لوگ حدیث سے احکام سمجھنے کے قابل ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون o خیر اگر وہ حدیث ہی مانگیں تو خاص بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احق ما اخذ تم علیه اجرا کتاب الله[2]۔	یعنی قرآن مجید سب چیزوں سے زیادہ اس لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

امام علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تیسیر شرح جامع صغیر حدیثی میں اس حدیث کی شرح لکھتے ہیں:

فاخذ الاجرة علی تعلیمه جائز[3] الخ۔	یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے۔ الخ (ت)

معترض پر فرض ہے کہ ان جہالتوں سے باز آئے اور مسائل شرع میں بے علم وفہم زبان کھولنے سے توبہ کرے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی جل جلالہ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷تا۱۴۹: مرسلہ حاجی الٰہ یار خاں صاحب ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناز میندار اپنے اپنے گاؤں کے تالابوں یا جھیلوں یا دریا سے جو اپنے گاؤں کی حد میں ہوتا ہے مچھلیاں پکڑواتے ہیں اور نصف حق زمین داری سے آپ لیتے ہیں اور نصف پکڑنے والے کو دیتے ہیں، اور زمیندار تالاب یا جھیلوں یا دریا کو اپنا مملوکہ جانتے ہیں اور تالاب وغیرہ سے بغیر جال کے مچھلیاں پکڑنے پر قادر نہیں ہیں، او رکبھی ایسا ہوتا ہے کہ مچھلیاں ان تالابوں یا جھیلوں کی فروخت کرڈالتے ہیں یعنی کھار وغیرہ، وتالاب مول لے لیتے ہیں جس قدر مچھلیاں اس میں ہوتی ہیں وہ جال وغیرہ سے شکار کرکے لے جاتے ہیں، جابجا گاؤں میں اس کا رواج ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشروط فی الرقیته بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی تحت حدیث ان حق ما اخذ علیه الخ مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۰۹

اور کسی اسامی کو اس میں کچھ عذر بھی نہیں ہوتا، (۳) اور گھاس بھی گاؤں کی زمیندار فروخت کرتا ہے، اس کو بھی اپنا مملوکہ سمجھ رہا ہے، اور رواج بھی ہے، اس میں بھی کسی دوسرے گاؤں وغیرہ کی رعایا کو کچھ عذر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خود خرید لیتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ یہ سوال تین مسئلوں پر شامل ہے:

مسئلہ اولیٰ: زمینداروں کا اپنے دیہات کے تالابوں سے مچھلیاں نصف پر صید کرانا۔

اقول: وباللہ التوفیق اس کے جواب میں اول تنقیح اس امر کی ضرور ہے کہ آیا وہ مچھلیاں زمینداروں کی مملوک ہیں یا نہیں، اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر زمینداروں نے وہ تالاب اس غرض کے لئے مہیا کئے ہیں کہ برسات کے پانی جو ندیوں سے مچھلیاں بہا کر لائیں ان میں فراہم ہو کر ہمارے ملک میں آئیں تو بلاشبہ جو مچھلیاں ان میں جمع ہوں گی ان زمینداروں کی ملک خاص ہوں گی، اور اگر تالاب اس لئے مہیا نہ کئے مگر جب پانی بہا کر لایا انھوں نے ان کی روک کرلی، کوئی مینڈھا وغیرہ ایسا باندھ دیا کہ اب مچھلیاں بہاؤ میں نہ نکل جائیں تو بھی وہ مچھلیوں کے مالک ہوگئے، ان دونوں صورتوں میں کسی کو بلااذن زمینداران ان مچھلیوں کا پکڑنا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی صید کرے تو زمیندار کہ شرعًا اس کا مالک ہے ایک ایک مچھلی اس سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، نہ تالاب انھوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے نہ بعد مچھلیاں آنے کے ان کی روک کی، تو البتہ وہ مچھلیاں اپنی اباحت اصلیہ پر باقی ہیں کہ انھیں جو پکڑے گا مالک ہوجائے گا، اور زمیندار کو اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں، ردالمحتار و فتح القدیر وغیرہما میں ہے:

اذا دخل السمك فی خطیرۃ فاما ان یعدھا لذلك اولا ففی الاول یملکه ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعه لانه مملوك مقدور التسلیم والالم یجز لعدم القدرۃ علی التسلیم، و	جب مچھلی تالاب میں آجائے تو اگر جال اسی غرض سے لگایا گیا تھا تو مچھلی کا مالک ہوجائے گا، اس موقعہ پر دوسرے کو وہ مچھلی پکڑنے کا حق نہیں پھر اس حال میں وہ تالاب میں آئی مچھلی کو حیلہ سازی کے بغیر پکڑ سکتا ہے، تو اس حالت میں اس مچھلی کو فروخت کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک ہوچکی ہے جس پر قبضہ دینا ممکن نہیں ہے اور اگر حیلہ

فی الثانی لایملکه فلایجوز بیعه لعدم الملك الاان یسد الخطیرة اذا دخل، فح یملکه ثم ان امکن اخذه بلاحیلة جاز بیعه والافلا[1]۔	کے بغیر پکڑی نہ جاسکے تو اس کی بیع ناجائز ہے کیونکہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہے اور دوسری یعنی تالاب اس مقصد کے لئے نہ لگایا گیا ہو، اس صورت میں مچھلی کا مالک نہ بنے گا لہٰذا فروخت بھی نہ کرسکے گا ہاں اگر اس صورت میں مچھلی داخل ہوجانے پر تالاب کو بند کرلے تو اب مالک ہوجائے گا اور حیلہ کے بغیر پکڑنے پر قادر ہو تو جائز ورنہ نہیں (ت)

پس دو صورتوں پیشیں میں کہ زمیندار مالک ماہی ہیں اگر انھوں نے نصف خود لیں ہر گز ظلم نہ کیا کہ وہ کل انھیں کی ملک تھیں بلکہ اگر زمیندار بعد اخذ وشکار ایک نصف مچھلیوں کا جدا کرکے برضائے خود اپنی طرف سے ہبہ صحیحہ تامہ نہ کردیں تو ان کے پکڑنے والوں پر لازم کہ یہ نصف بھی زمینداروں ہی کو واپس دیں اگرچہ ان میں باہم اس شکار کی اُجرت میں نصف مچھلیوں کا قرار داد ہولیا ہو کہ ایسا اجارہ ہی شرعاً فاسد ہے، غایت یہ کہ اس عقد اجارہ کی صورت میں اپنی محنت کی اجرت مثل لے لیں جو ان نصف مچھلیوں کی قیمت سے زائد نہ ہوں، مثلاً جتنی دیر انھوں نے دام کشی کی اس کی اجرت مثل ۴/ ہوتے ہیں اور مچھلیاں ۸/ یا اس سے زائد قیمت کی پکڑی گئیں جب تو یہ پورے ۴/ کے مستحق ہیں اور کم کی شکار ہوئیں تو آدھی مچھلیوں کے جو دام ہوں اس سے زیادہ نہ پائیں گے، فرض کیجئے جال میں ۶/ کی مچھلیاں آئیں تو انھیں ۳/ ملیں گے اور ۲/ کی تو ایک ہی آنہ، اور سو روپے کی تو وہی ۴/، درمختار میں ہے:

لودفع غزلا لاٰخر لینسجه له بنصفه ای بنصف الغزل او استاجر بغلالیحمل طعامه ببعضه اوثورا لیطحن بره ببعض دقیقه، فسدت فی الکل لانه استاجره بجزء من عمله[2]۔	اگر کسی دوسرے کو سوت دیا کہ نصف پر بُن دے، یا خچر والے کو کہا غلہ نصف کے بدلے اٹھالے جا، یا بیل والے کو کہا کہ گندم کو کچھ آٹے کے بدلے پیس دے تو کل میں اجرت فاسد ہوگی کیونکہ اجیر کے بعض عمل کے بدلے اجارہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۶، فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹

[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

قوله فسدت فی الکل ویجب اجر المثل لایجاوز به المسمی زیلعی قوله بجزء من عمله،ای ببعض ما یخرج من عمله،والقدرة علی التسلیم شرط،وھو لا یقدر بنفسه زیلعی۔[1]	ماتن کا قول "کل میں فاسد ہوگا" اور مثلی اجرت واجب ہوگی جو مقررہ سے زائد نہ ہو زیلعی،اور اس کا قول "اس کے عمل کے بعض پر" یعنی اس کے عمل سے حاصل شدہ کے بعض کے بدلے اور قبضہ دینے کی قدرت شرط ہے جبکہ وہ خود بنفسہٖ اس پر قادر نہیں ہے۔زیلعی۔(ت)

اور صورت سوم میں جہاں زمیندار مالک ماہی نہیں ہوتے اگر زمینداروں نے ان شکار کرنے والوں کو اجارہ پر لیا اور وقت متعین کر دیا،مثلاً آج دوپہر یا شام تک جال ڈالو،تو اس صورت میں جتنی مچھلیاں جال میں آتی جائیں گی سب ملک زمیندار ہوتی جائیں گی جن میں شکار کنندگان کا کوئی حق نہیں،بلکہ وہی اپنے عمل کی اُجرت پائینگے تو اب بھی نصف مچھلیاں لینا ہرگز ظلم نہیں،بلکہ پکڑنے والے جو نصف لیں گے انھیں ناجائز ہے،ہاں اگر وقت معین نہ کیا تو بیشک مذہب راجح پر وہ مچھلیاں ملک شکار کنندگان ہوں گی،اور وہ کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے لکونھم عاملین لانفسھم (اس لئے کہ وہ اپنے لئے خود عامل بن گئے۔ت) صرف اس چوتھی صورت میں یہ حکم ہے کہ زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہے۔تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

استاجرہ لیصید له فان وقت لذلك وقتاً جاز والا لا، مجتبی،وبه یفتی صیرفیة[2] اھ ملخصاً۔	اگر کسی شخص کو شکار کرنے کے لیے اجرت پر رکھا اگر اس کے لیے وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں،مجتبی،اور اسی پر فتوی ہے،صیرفیہ اھ ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله به یفتی صیرفیة قال فیھا ان ذکر الیوم فالعلف للاٰمر،والافللمامور،و ھذہ روایة الحاوی وبه یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبی ومن ثم عولنا علیه فی المختصر[3] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم	اس کا قول،اسی پر فتوی صیرفیہ،اس کتاب میں ہے،اگر آج دن کا ذکر کیا ہو،تو چارہ آمر پر ہوگی ورنہ اجیر پر ہوگی یہ حاوی کی روایت ہے اور اسی پر فتوی ہے،اور منح میں کہا مجتبٰی سے ہم نے جو پہلے نقل کیا ہے یہ اس کے موافق ہے اسی وجہ سے ہم نے مختصر میں اس پر اعتماد کیا ہے اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۶

[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۰

[3] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۹

مسئلہ ثانیہ: تالاب کی مچھلیاں بیچ ڈالنا۔

اقول: یہاں بھی وہی تین صورتیں ملحوظ ہوں گی: صورت سوم میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار نہیں، یہ بیع بالاجماع باطل ہوگی **لانہ بیع مالیس فی ملکہ** (کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو ملک میں نہیں ہے۔ت) اور مچھلیاں کہ خریدنے والوں نے پکڑیں ان کی ملک خاص ہوں گی جن میں زمینداروں کو مزاحمت نہیں پہنچتی **لانھم سبقوا الی مباح** (کیونکہ مباح چیز میں انھوں نے سبقت کرلی ہے۔ت) اور جو قیمت ان سے لی واپس کریں **لانعدام العقد شرعًا** (شرعی عقد نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) اور اگلی دو صورتوں میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار ہیں، اگر بلاحیلہ تالاب سے پکڑی جاسکتی ہیں تو بیع بالاجماع صحیح **لانہ بیع مملوك مقدور التسلیم** (کیونکہ یہ مقدور التسلیم مملوکہ چیز کی بیع ہے۔ت) اس صورت میں قیمت زمینداروں اور مچھلیاں خریداروں کو بالاجماع حلال و طیب ہوگی **کما لایخفی، وقدمنا جوازہ عن الفتح**[1] **وقال فی الذخیرۃ یجوز البیع عندھم جمیعا**[2] (جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور ہم اس کا جواز فتح کے حوالے سے پہلے ذکر چکے ہیں اور ذخیرہ میں کہا کہ سب کے نزدیک بیع جائز ہے۔ت) اور اگر بغیر جال وغیرہ طرق شکار کے ہاتھ نہیں آسکتیں اور اکثر یہی ہوتا ہے، تو بیع ناجائز ہونے پر اتفاق، اور اس کے بطلان و فساد میں اختلاف، امام شیخ الاسلام و مشائخ بلخ اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے ایک جماعت کے مذہب پر ایسی بیع باطل ہے۔

لان محل البیع مال مقدور التسلیم فاذا انتفی انتفی،	کیونکہ بیع کا محل وہ چیز ہے جو مقدور التسلیم مال ہو تو جب یہ نہ ہو تو بیع نہ ہوگی۔(ت)

اسی پر امام بلخی [عــہ] یا ثلجی فتوٰی دیتے اور اسی کو امام برہان مرغینانی صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار فرمایا

عــہ: علی اختلاف العزوففی الدر[3] بالموحدۃ والخاء وفی الفتح بالمثلثۃ والجیم کما فی ش[4] عن ط ۱۲ منہ	نسبت کا اختلاف درمختار میں ب اور خ کے ساتھ "بلخی" اور فتح میں ث اور ج کے ساتھ "ثلجی" ہے جیسا کہ شامی نے طحطاوی سے نقل کیا ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۱۴

[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵

[4] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۱۳

اور یہی من حیث الروایۃ اظہر ہے،

یظھر ذٰلك بمراجعۃ الھندیۃ والدرالمختار[1] ورد المحتار[2]۔	یہ بات ہندیہ، درمختار، ردالمحتار وغیرہ کی طرف مراجعت کرنے پر ظاہر ہوگی۔ (ت)

غیاثیہ میں فرمایا:

قالوا المختار ھذا نقل عنھا فی العالمگیریۃ[3]۔	فقہاء نے فرمایا مختار یہی ہے کہ عالمگیری میں یہ اس سے منقول ہے۔ (ت)

اس مذہب پر مچھلیاں کہ مشتریوں نے پکڑیں بدستور ملک زمیندار ان پر ہیں اور قیمت کہ زمینداروں نے لی بدستور ملک مشتریان، ان پر فرض کہ قیمت پھیریں، ان پر لازم کہ پکڑی ہوئی مچھلیاں زمینداروں کو دیں اگر انھوں نے مچھلیاں صرف کرلیں تو بازار کے بھاؤ سے جو قیمت مچھلیوں کی ہو زمینداروں کے لئے ان کے ذمے واجب الادا ہوئی، درمختار میں ہے:

البیع الباطل حکمہ عدم ملك المشتری ایاہ اذا قبضہ فلا ضمان لو ھلك المبیع عندہ لانہ امانۃ الخ[4]۔	باطل بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری اس کا مالک نہ بنے گا، اس کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس یہ چیز امانت تھی الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لانہ امانۃ وذٰلك لان العقد اذا بطل بقی مجرد القبض باذن المالک، وھو لایوجب الضمان الا بالتعدی، درر[5]۔	ماتن کا قول "کیونکہ امانت ہے" یہ اس لئے کہ جب عقد باطل ہوگیا تو اب نرا قبضہ رہ گیا جو مالک کی اجازت سے حاصل ہوا تھا لہٰذا تعدی کے بغیر اس پر ضمان واجب ہوگا۔ درر (ت)

---

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

[2] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳

[3] فتاوٰی غیاثیہ کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۴۳

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[5] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

اسی میں ہے: یکون مضمونا بالمثل او بالقیمۃ[1] (تعدی کی صورت میں ضمان بالمثل یا بالقیمۃ ہوگا۔ت) پس اگر یہ قیمت اور وہ زر ثمن کہ زمینداروں نے ان سے لیا تھا برابر ہیں فبہا ورنہ جس کی طرف زیادتی ہو دوسرے کو ادا کرے، مثلاً مشتریوں نے پانچ روپے دئے تھے اور مچھلیاں کہ صرف کرلیں بازار کے بھاؤ سے دس روپے کی تھیں، تو پانچ روپے زمینداروں کو اور دیں، اور ایک روپیہ کی تھیں تو چار روپے زمینداروں سے پھیرلیں، اور اگر مشتریوں نے بیچ ڈالیں تو جن جن کے ہاتھ بیچیں وہ سب بیعیں اجازت زمینداروں پر موقوف رہیں گی، جب تک مچھلیاں اور وہ بائع ومشتری وزمیندار باقی ہیں زمینداروں کو اختیار ہے چاہے بیع جائز کردیں اور قیمت خود لے لیں یا فسخ کردیں اور مچھلیاں واپس لیں،

کما ھو حکم بیع الفضولی، ومعلوم ان الاجازۃ انما تلحق الموجود دون المعدوم، فیشترط لھا قیام العاقدین والمعقود علیہ، وکذا المجیز، حتی لم یکن لوارثہ ان یجیز کما فی الدرالمختار وغیرہ۔	جیسا کہ بیع الفضولی کا حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ اجازت موجود چیز کو لاحق ہوسکتی ہے معدوم چیز کو نہیں، تو اس لئے اس وقت عاقدین اور معقود علیہ چیز کا موجود ہونا شرط ہے اور یوں اجازت دینے والے کا موجود ہونا بھی ضروری ہے اس لئے اس کے وارث کو اجازت دینے کا حق نہ رہے گا جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر ہنوز زمینداروں نے اجازت نہ دی تھی کہ مچھلیاں ان مشتریوں سے خریدنے والوں کے پاس صرف ہوگئیں تو زمیندار مختار ہیں، بازار نرخ سے ان مچھلیوں کی قیمت اپنے مشتریوں، خواہ ان کے خریداروں جس سے چاہیں وصول کرلیں، اگر اپنے مشتریوں سے لینا چاہیں تو وہی حکم ہوگا کہ ثمن ان سے لے چکے تھے اس کا حساب کرلیں اور دوسروں سے لیں تو وہ اپنا دیا ہوا ثمن مشتریوں یعنی اپنے بائعوں سے واپس لیں اور مشتری اپنا دیا ہوا ثمن زمینداروں سے غرض ان احکام کے بیان سے یہ ہے کہ اس قول پر کیا کچھ انقلاب ہوتے ہیں اور کیسی کیسی دقتیں لازم آتی ہیں، جن کا اثر شہر کی عام مخلوق پر پہنچے گا، ردالمحتار میں ہے:

للمالك تضمین ایھما شاء، ثم ان ضمن المشتری بطل البیع	مالک کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہے ضامن بنائے پھر اگر مشتری کو ضامن بنایا تو بیع

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

وللمشتری ان یرجع علی البائع بثمنه، لابما ضمنا اھ ملخصاً۔[1]	باطل ہوجائے گی، اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ بائع سے ثمن واپس لے لے، دیا ہوا ضمان نہ لے اھ ملخصا (ت)

یہ سب احکام اس مذہب پر تھے کہ بیع مذکور بوجہ عدم قدرت علی التسلیم باطل ٹھہرے اور حضرت امام مذہب سیدنا امام اعظم ومحرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت پر ایسی بیع صرف فاسد ہوتی ہے نہ باطل۔

لقیام الملك والمالیة فکان عقدا صادرا عن اھله فی محله فلا وجه لبطلانه ویاتیك کلام الفتح لبیانه۔	ملک اور مالیت موجود ہونے کی وجہ سے تو یہ ایسا عقد ہے جو اہل سے اپنے محل میں صادر ہوا لہٰذا اس کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس کے بیان میں فتح کا کلام آئے گا۔ (ت)

اسی کو امام اجل قاضی اسیجابی اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے دوسری جماعت نے اختیار کیا، کمافی الھندیۃ (جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ت) اور اسی کو امام ابوالحسن کرخی نے اخذ فرمایا: کمافی الدر (جیسا کہ در میں ہے۔ت) اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ترجیح دی اور اس کی تحقیق میں بحث نفیس افادہ کی، اور اسی کو متن تنویر میں مقدم ومرجح رکھا، در مختار میں ہے:

القول بفسادہ رجحه الکمال[2]۔	اس کے فساد کے قول کو کمال نے ترجیح دی ہے۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

حیث قال والوجه عندی ان عدم القدرۃ علی التسلیم لامبطل واطال فی تحقیقه[3]۔	جہاں انھوں نے فرمایا میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ دینے کی قدرت نہ ہونا مفید ہے مبطل نہیں ہے، اور انھوں نے اس کی تحقیق میں طویل کلام فرمایا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۱۳

اور ظاہراً یہی من حیث الدلیل ازہر ہے۔ فتح میں فرمایا:

وقول من قال المحلیة کونه مالامملوکا مقدور التسلیم ان عنی محلیة البیع الصحیح فنعم والا فلا، بل محل البیع المال المملوك للبائع او لغیرہ، فان کان له فنافذ، اولغیرہ فموقوف، والنافذ اما صحیح ان کان مبیعه مقدورالتسلیم لیس فیه شرط فاسد، والافاسد[1] اھ۔	جس نے یہ کہا کہ محل بیع چیز کا مملوک ہو کر مقدور التسلیم ہونا ہے اگر اس سے مراد صحیح بیع کا محل ہے تو درست ہے ورنہ اس کو مطلق بیع کا محل قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ مطلق بیع کا محل صرف مال کا بائع کی ملک ہونا یا غیر کی ملک ہونا ہے تو اگر بائع کی ملک ہو تو بیع نافذ ہوگی اگر غیر کی ملک ہو تو نافذ نہ ہوگی بلکہ موقوف رہے گی اور بیع نافذ کبھی صحیح ہوتی ہے جب مبیع مقدور التسلیم ہو اور اس میں کوئی فاسد شرط نہ ہو ورنہ فاسد ہوتی ہے۔ اھ (ت)

اس مذہب پر اگرچہ یہ عقد ناجائز وممنوع، اور عاقدین پر واجب کہ اسے فسخ کرلیں، زمیندار مشتریوں کو ثمن پھیر دیں، مشتری تالابوں سے کنارہ کریں،

لان الفساد لحق لشوع فیجب اعدامه برفع العقد۔	کیونکہ یہ فساد شرعی حق کی بنا پر ہے تو عقد کو ختم کرکے اس فساد کو ختم کرنا ضروری ہے (ت)

مگر اگر انھوں نے فسخ نہ کیا یہاں تک کہ مچھلیاں تالاب سے شکار ہوئیں، اور قبضے میں آگئیں تو اب وہ بیع کہ فاسد تھی صحیح ہوگئی کہ سبب فساد کہ تعذر تسلیم وتسلم تھا، نہ رہا، کہ ان سے جو مقصود تھا یعنی مشتری کا قبضہ، وہ حاصل ہوگیا، فتح القدیر میں ہے:

انك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا، لان البیع قائم مع الفساد وارتفاع المبطل لا[2] الخ	تجھے معلوم ہے کہ فاسد میں مفسد کا ختم ہوجانا بیع کو صحیح بنا دیتا ہے کیونکہ فاسد صورت میں بیع باقی مع الفساد رہتی ہے اور باطل صورت میں مبطل کے ختم ہوجانے پر بیع صحیح نہیں ہوسکتی الخ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰

اسی میں ہے:

المقصود عن القدرۃ علی التسلیم ثبوت التسلم فاذا کان ثابتا حصل المقصود [1]۔	قدرۃ علی التسلیم سے مقصود قبضہ دینے کا ثبوت ہے تو جب یہ حاصل ہے تو مقصود حاصل ہے۔(ت)

بالجملہ یہ دو قول ہیں۔دونوں قوت پر،دونوں جانب ائمہ فتوی،دونوں طرف ترجیح وافتا،ایک اگر من حیث الروایۃ اقوٰی، دوسرا من حیث الدرایۃ اجلی، مگر قول اول یعنی بطلان پر وہ روپیہ کہ بنام ثمن زمینداروں نے لیاان کے لئے حرام، مچھلیاں کہ مشتریوں نے لیں ان کے لیے حرام، کھائیں تو حرام، کھلائیں تو حرام، بیچیں تو حرام،بیچ کر جو ثمن حاصل کریں تو حرام،ان سے جولوگ مول لیں واقع میں ان کے لئے خریداری حرام، کھانا حرام، کھلانا حرام،زمیندار غاصب،تالاب لینے والے غاصب، شہر بھر کی مچھلیاں مول لینے والے غاصب،یہ عالمگیر دقتیں ہیں،بخلاف قول ثانی یعنی فساد ابتدائی وصحت انتہائی کہ اس میں یہ ساری خرابیاں مرتفع ہیں،تو مسلمانوں پر آسانی کے لئے اگر اسی قول پر فتوی دیں بیشک انسب والیق ہے، حضور پر نور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یسروا ولاتعسروا وبشروا ولاتنفروا [2]۔ اخرج احمد والشیخان والنسائی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	آسانی کرو اور دشواری میں نہ ڈالو،اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ،(اس کو احمد،بخاری ومسلم اور نسائی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اس تقدیر پر خلاصہ حکم یہ ٹھہرا کہ اگر مچھلیاں ملک زمینداران نہ تھیں،تو بیع باطل اور مچھلیاں شکار کرنے والوں کی ملک ہوئیں، اور ان سے خریدنا بلاتکلف روا،زمینداروں پر فرض ہے کہ جو روپیہ بنام قیمت ان سے لیا انھیں واپس دیں اور اگر مملوک زمینداران تھیں اور بے شکار کے قبضہ میں آسکتیں تو بیع صحیح اور ثمن وسمک ہر بائع و مشتری و مشتری مشتری کے واسطے حلال و طیب،اور بے شکار ہاتھ نہ آئیں تو زمیندار و مشتری اس بیع سے گنہ گار ہوئے مگر جب مچھلیاں عـــه شکار کرلی گئیں تو مچھلیوں

عـــه:اصل میں یہاں "ترک" کی علامت بنی ہوئی ہے اس لئے اندازے سے عبارت بنادی گئی ۱۲۔

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۹

[2] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

اور قیمتوں کا وہی حکم ہوگیا جو بیع صحیح میں تھا کہ سب کے لئے حلال، غرض اس مذہب پر مشتریوں اور ان سے خریدنے والوں کے لئے مچھلیاں بہر صورت حقیقۃً وحکمًا حلال ہی رہتی ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ثالثہ: بنجروں کی گھاس بیچ ڈالنا

اقول: اگر زمینداروں نے وہ زمین اس غرض کے لئے مہیا کی ہے کہ اس میں جو گھاس پیدا ہو ہم بیع کیا کریں، اور انھوں نے گھاس کی افراط وعمدگی کے لئے اس زمین کو پانی دلوادیا جو گھاس جمنے کا باعث ہوا، یا خودرو گھاس آپ ہی جم آئی، اور انھوں نے اس کی رکھوالی کرائی، اس کے گرد کھائی کھدوادی، یا باڑھ رکھوادی کہ روک ہوجائے، ہر جانور وغیرہ کے تصرف سے بچے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گھاس زمینداروں کی ملک ہوگئی، اور اس کی بیع صحیح وجائز، یہی قول راجح ومختار ہے، اور اسی کی طرف اکثر ائمہ کبار اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا تو بیشک وہ گھاس ہر شخص کے لئے مباح ہے اور جو کاٹ لے گا اسی کی ملک ہوجائے گی، زمیندار اگر یونہی زمین میں قائم بیچ ڈالیں گے بیع باطل ہوگی، اور قیمت واپس دیں گے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز بیع الکلاء واجارتہ وان کان فی ارض مملوکۃ ھذا اذا نبتت بنفسہ فاما اذا کان سقی الارض واعدھا للانبات فنبت ففی الذخیرۃ والمحیط والنوازل یجوز بیعہ لانہ ملکہ وھو مختار الصدر الشھید ومنہ مالو خندق حول ارضہ وھیأھا للانبات حتی نبت القصب صار ملکا لہ وعلیہ الاکثر، ھکذا فی البحر الرائق ولو احتشہ انسان بلااذنہ کان لہ الاسترداد، ھو المختار کذا فی جواہر الاخلاطی[1] واللہ سبحانہ و	کھڑی گھاس فروخت کرنا اور اس کو اجرت پر دینا صحیح نہیں ہے اگرچہ ذاتی زمین میں ہو، یہ جب ہے کہ گھاس خود اُگی ہو لیکن اگر زمین والے نے زمین کو سیراب کرکے گھاس کے لئے تیار کیا تو یہ گھاس فروخت کرنی جائز ہے کیونکہ اس عمل سے وہ گھاس کا مالک ہوگیا، یہ ذخیرہ، محیط اور نوازل میں ہے، اور یہی صدر شہید کا مختار ہے، اور اسی صورت میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی زمین کے ارد گرد کھائی کھودی اور پیداوار کے لئے تیار کیا حتی کہ وہاں ناڑ اگا تو وہ اس کی ملک ہوگا اھ، اور اسی پر اکثریت ہے، بحر الرائق میں بھی یوں ہے۔ اور اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر کاٹا تو اس کو واپس لینے کا حق ہوگا یہی مختار ہے جواہر الاخلاطی میں یوں ہے۔ واللہ سبحانہ و

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۹

تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۵۰: از سنبھل ضلع مراد آباد مرسلہ محمد ذکاوت حسین ۶صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی حنفی نے طریقہ وعظ بغرض افشائے رسالت خاتم النبیین واعلان طریقہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم اختیار کیا ہے، اور اس کے وعظ کے اثر سے شرک وبدعات وغیرہ کافور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ہزارہا اہل اسلام جو ضروری شعائر اسلام اور ارکان صوم وصلٰوۃ سے بھی واقفیت نہ رکھتے تھے وہ خود معلم نماز وامام مساجد ہوگئے، اور یہ شخص جابجا مواضع ومواسم میں بے تکلف علی رؤس الاشہاد بمقابلہ اعدائے دین جہاد لسانی کرتا ہے، اگر ایسے شخص کو اہل اسلام عالم باعمل اور منجملہ ورثہ انبیاء تصور کرکے بلحاظ اس کی حالت بیکاری اور فکر معاش کے غمخواری کے کچھ نقد وغیرہ بلا اس کی طمع اور درخواست کے تعظیما نذر کریں، تو یہ پیشکش اور نذر اس کے حق میں حلال وطیب ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام ایسے شخص کو معتقد علیہ تصور کریں یا نہیں؟ اور اس نذر اور تحفہ کے بدلے اجر عظیم پائیں گے یا نہیں؟ استفتاء ہذا کو اپنے دستخط مبارک اور بمواہیر تلامذہ راشدہ سے مزین فرما کر ہدایت کیجئے۔

الجواب:

اگر فی الواقع وہ شخص علمائے اہلسنت وجماعت ایدہم اللہ تعالیٰ سے ہے اور جو باتیں حقیقۃً شرک ہیں انھیں کے معتقد کو مشرک کہتا ہے اور احکام مشرکین میں داخل کرتا ہے، اور جو نوپیدا باتیں مخالف شریعت ومزاحم سنت ایجاد کی گئیں انھیں کو بدعت شرعیہ ومذمومہ وشنیعہ جانتا اور ان سے نہی وتحذیر کرتا ہے، اور شعائر اسلام صلٰوۃ وصیام وغیرہا کے احکام صحیح صحیح سکھاتا اور برعایت شرائط وقواعد احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاتا ہے، اور وعظ میں روایات باطلہ وجزافات مخترعہ وبیانات مشیرہ اوہام، ومفسدہ خیالات عوام سے احتراز رکھتا، اور علم کافی وفہم صافی کے ساتھ ہدایت وارشاد میں ٹھیک معیار شرع پر چلتا ہے، تو اسے نہ صرف عالم بلکہ اس زمانہ میں ارکین دین وسنت وخلفائے رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ واولیائے جناب احدیت آلاء جلت سے سمجھنا چاہئے اور اس کی جو خدمت ہوسکے صلاح وفلاح دارین ورضائے رب المشرقین وخوشنودی سید الکونین ہے جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

قال تعالیٰ " كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کے لئے تمھیں بہترین امت ہونے کی حیثیت سے ظاہر کیا تم بھلائی

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"[1] الآیۃ	کاحکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو الآیۃ (ت)

اور جبکہ حسب اظہار سوال اس کی نیت خالص لوجہ اللہ ہے اور ہر گز نہ کسی سے سوال کرتا نہ طمع رکھتا ہے، بلکہ مسلمان بطور خود عُلماء کی اعانت اور اپنی سعادت کی نیت سے خدمت کرتے ہیں تو (بشر طیکہ یہ مال جو اسے دیا جائے بعینہٖ وجہ حرام سے نہ ہو) بلا شبہ اس کا لینا جائز اور وہ اس کے لئے حلال وطیب ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جاءك من ھذا المال شیئ وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہ فتموله فان شئت کُلہ وان شئت تصدق به وما لا فلاتتبعه نفسک[2]، رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جب تیرے پاس یہ مال آئے جبکہ تو اس کے انتظار میں نہ ہو اور نہ تو اس کے لئے سائل بنا تو اسے لے کر مال بنا اگر چاہے تو کھالے اور اگر چاہے صدقہ کردے۔اور مال نہ ملے تو اس کا پیچھا نہ کر۔اس کو بخاری ومسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

ہاں وعظ کو کہ عمدہ طاعات وقربات سے ہے ذریعہ حطام دنیا بنانے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں،اور علماء نے بھی اس سے ممانعتیں فرمائیں،خلاصہ پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

الواعظ اذا سأل الناس شیئا فی المجلس لنفسه لا یحل له ذٰلك لانه اکتساب الدنیا بالعلم[3]۔	واعظ نے اگر مجلس میں لوگوں سے اپنے لئے کچھ سوال کیا تو یہ عمل حلال نہیں،کیونکہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کا حصول ہے۔(ت)

یہ امر ان لوگوں پر وارد جنھوں نے وعظ کو پیشہ اور نجارہ دنیا حاصل کرنے کا تیشہ بنا رکھا ہے اور شک نہیں کہ عبادات وحسنات پر اُجرت لینا حرام اور اس کی تحریم علی الاطلاق پر احادیث ومذہب منصوص ائمہ کرام مگر جس کی نیت لوجہ اللہ ہو اس پر اوروں کے فعل سے اعتراض نہیں،

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعاملین علیھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۲،صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب جواز الاخذ بغیر سوال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1]۔ "وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ" [2]۔ وایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [3]۔	اعمال کا مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی، اور اللہ تعالٰی مصلح اور مفسد کو جانتا ہے۔ اور تو بدگمانی سے پرہیز کر کیونکہ بدگمانی بُری بات ہے، الحدیث (ت)

بلکہ بعض علماء نے وعظ کو بھی ان امور مستثناۃ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذ اجرت مشائخ متاخرین نے بحکم ضرورت جائز رکھا۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الھدایۃ وبعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القراٰن الیوم لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القراٰن وعلیہ الفتوی اھ وقد اقتصر علی الاستثناء تعلیم القراٰن ایضا فی متن الکنز، ومتن مواھب الرحمٰن وکثیر من الکتب، وزاد فی مختصر الوقایۃ، و متن الاصلاح، تعلیم الفقۃ، وزاد فی متن المجمع الامامۃ، ومثلہ فی متن الملتقی ودررالبحار، و زاد بعضھم الاذان والاقامۃ والوعظ وذکر المصنف معظمھا ولکن الذی فی اکثر الکتب الاقتصار علی مافی الھدایۃ، فھذا مجموع ماافتی بہ المتاخرون	ہدایہ میں فرمایا ہمارے بعض مشائخ نے آج کل دینی امور میں سستی کی وجہ سے قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو بہتر قرار دیا ہے تو اس سے پرہیز کرنے پر قرآن پاک کا حفظ خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے اھ، اور قرآن کی تعلیم پر اجرت کو عدم جواز سے مستثنٰی قرار دیا ہے کنز، مواہب الرحمان، اور بہت سی کتب میں بھی اسی طرح ہے اور مختصر وقایہ اور الاصلاح کے متن نے تعلیم القرآن کے ساتھ تعلیم فقہ کو زائد کردیا ہے۔ اور مجمع کے متن میں امامت کو زائد ذکر کیا اور اسی طرح ملتقی ودررالبحار میں ہے، اور بعض نے اذان واقامت اور وعظ کو بھی شامل کیا ہے، اور مصنف نے مذکور معظم امور کو ذکر کیا لیکن اکثر کتب نے ہدایہ میں مذکور پر اکتفاء کیا ہے اور ہمارے مشائخ متاخرین کے فتووں کا یہ مجموعہ ہے

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

من مشائخنا وھم البلخیون علی خلاف فی بعضہ مخالفین ماذھب الیہ الامام وصاحباہ، وقد اتفقت کلمتھم جمیعا فی الشروح والفتاوٰی علی التعلیل بالضرورۃ وھی خشیۃ ضیاع القراٰن کما فی الھدایۃ [1] الٰی اٰخر ما افاد و اجاد رحمہ الجواد۔	اور بلخی حضرات ہیں جبکہ ان میں سے بعض نے بعض میں اختلاف بھی کیا ہے، ان متاخرین نے خلاف کیا مسلک امام اور صاحبین کے، اور شروح و فتاوٰی سب نے جواز کی علت ضرورت کو قرار دیا ہے اور وہ قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں تا آخر اس کا بہترین افادہ فرمایا۔ اللہ تعالٰی ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔ (ت)

فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

صاحب العلم اذا خرج الی القری لیذکر ھم فیجمعوا لہ شیئا حکی عن ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال کنت افتی انہ لایخرج الی القری ثم رجعت عن ذٰلک [2]۔	عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کے لئے جائے اور وہ اس کے لئے کچھ نذرانہ جمع کریں تو اسے چاہئے کہ وہ دیہات میں نہ جائے، یہ بات ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے انھوں نے فرمایا میں یہ فتوٰی دیا کرتا تھا پھر میں نے اس سے رجوع کرلیا۔ (ت)

اسی طرح خلاصہ میں نقل کیا:

(وزاداخذ الاجرۃ علی تعلیم القراٰن ودخول العالم علی السلطان) وقال فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القراٰن (والعلم والحقوق) ولحاجۃ الخلق، و لجھل اہل الرستاق [3] اھ مانقلہ عن الفقیہ النبیہ رحمہ اللہ تعالٰی۔	اور تعلیم قرآن پر اُجرت اور عالم کا سلطان کے پاس جانا زائد بیان کیا اور فرمایا میں نے اس سے رجوع کرلیا قرآن، علم، حقوق کے ضیاع سے بچاؤ کے لئے اور عوام الناس کی حاجت اور دیہاتیوں کی جہالت کی وجہ سے، انھوں نے جو بیدار مغز فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا وہ ختم ہوا۔ (ت)

پس اگر صورت مظہرہ فی السوال واقعی ہے اور حالت زید وہ ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی تو بیشک

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۴، ۳۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۹۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۳۰۔۳۳۱

ایسے بندہ خدا کو بد و حرام خور کہنا سخت گناہ و ناسزا، اور قائل شرعا مستوجب تعزیر وسزا، ہندیہ میں ذکر ہے:

ان ذکر اہل العلم بالتحقیر وجب علیہ التعزیر [1]۔	جو اہل علم کا ذکر تحقیر سے کرے وہ واجب التعزیر ہے۔ (ت)

بخلاف ان مبتدعان سنی نما کے جو اس زمن فساد و فتن میں اضلال واغوائے جہال کو ادعائے تسنن کرتے اور اپنی ضلالت مخترعہ وجہالت مبتدعہ کو کہ قریب زمانے میں ان کے تازہ پیشواؤں نے تراشیں، بنام سنت جلوہ دیتے، اور ان کی مخالفت کو بدعت ضالہ و مخل اصل ایمان بتاتے، اور صدہا امور جائزہ بلکہ مستحبہ کو بزور زبان و زور وبہتان شرک وبدعت ویقینی العقوبۃ ونا قابل مغفرت ٹھہراتے، اور شرقًا و غربًا، عجمًا وعربا بلکہ سلفًا و خلفا عامہ المسلمین واہل دیانت ودین کو مشرک بدعتی بتاتے ہیں ایسے لوگوں کے بدوبدتراز بد ہونے میں کوئی شبہ نہیں، نہ وہ ہر گز تعظیم علم وعلماء کے مستوجب، بلکہ شرعًا ان کی تحقیر واجب۔ حدیث میں ہے:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان ھدم الاسلام [2]۔	جس نے اہل بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو کمزور کرنے میں مدد دی۔ (ت)

پھر ایسے لوگوں کی تذکیر ضلالت تحمیر ہر گز اس فتوٰی بعض متاخرین میں داخل نہیں ہو سکتی کہ انھوں نے ضرورت دینی کے لئے جواز رکھا نہ کہ معاذاللہ ضرر دینی کے لئے، ان کا وعظ معصیت ہے اور معاصی پر اجارہ مطلّقا اجماعا بلااستثناء حرام، تو یہ لوگ اگر اپنے وعظ پر اجرت لیں خواہ بتصریح شرط یا بصورت حال معہود ومعروف **فان المعھود عرفا کالمشروط لفظا** (عرف میں معلوم چیز لفظی مشروط کی طرح ہے۔ت) تو بلاشبہ وہ ان کے لئے حرام اور یہ حرام خور ہوں گے، جہاں یہ صورت ہو وہاں بد و حرام خور کہنے والے پر اصلاالزام نہیں، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس امر کا لحاظ ضرور چاہئے۔ **نسأل اللہ الھدایة الی سبیل الاقوم** (ہم اللہ تعالٰی سے مضبوط راستے کے طلبگار ہیں۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: مسئولہ مولوی محمد حسین صاحب عظیم آبادی مدرس مدرسہ جعفر خانی ۱۰ شوال ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدرسہ اسلامیہ کانوکر تھااور موافق دستورالعمل

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۹۔۱۶۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۶۷۷۲ مکتبہ المعارف الریاض ۷ /۳۹۶

مدارس عربیہ کے بعد فراغ امتحان ایام تعطیل میں اپنے مکان کو چلا گیا، اور قبل اسے کے ایام تعطیل ختم ہوں حاضر خدمت ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ ہو کر ان سے درخواست کی کہ یا تو مجھے اجازت ہو کہ سابق دستور کا کام کروں یا مجھ کو جواب دیا جائے کہ اپنا اور کچھ بندوبست کروں لیکن کچھ جواب نہ ملا، اور نہ اثنائے تعطیل میں کوئی اطلاع نامہ قطع تعلق کا زید کو ملا، اس صورت میں زید مستحق پانے تنخواہ ایام تعطیل کا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

تعطیلات معہودہ میں مثل تعطیل ماہ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی، فان **المعهود عرفاً کالمشروط مطلقا** (عرف میں معلوم متعین چیز مطلّقا مشروط کی طرح ہے۔ت) اشباہ میں ہے:

البطالة فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشورة و شهر رمضان فی درس الفقه علی وجهین ان مشروطة لم یسقط من العلم شیئ والافینبغی ان یلحق ببطالة القاضی ففی المحیط انه یاخذ فی یوم البطالة و قیل لا، وفی المنیة یستحق فی الاصح، واختاره فی منظومة ابن وہبان، وقال انه الاظهر [1] اھ ملخصا، **اقول:** هذه الترجیحات حیث لم یشترط فکیف اذا شرط هذا لیس محل نزاع وقد علمت ان المعروف کالمشروط۔	عید کے دنوں، عاشورہ اور ماہ رمضان جیسی مدارس میں فقہی تعلیم کی تعطیلات دو طرح سے ہے اگر معاہدہ میں مشروط ہیں تو مشاہرہ بالکل ساقط نہ ہوگا ورنہ قاضی کی تعطیلات کے موافق ہونا مناسب ہے، تو محیط میں ہے کہ مدرس ایام تعطیلات کا مشاہرہ حاصل کرے گا اور بعض نے کہا حاصل نہ کرے گا، اور منیہ میں ہے اصح یہ ہے کہ وہ مستحق ہوگا اور ابن وہبان کے منظوم میں اسی کو مختار فرمایا، اور انھوں نے فرمایا یہی اظہر ہے اھ ملخصا، **میں کہتاہوں** یہ ترجیحات مشروط نہ ہونے کی صورت میں ہیں مشروط ہوں تو کیسے مستحق نہ ہوگا حالانکہ محل نزاع یہی صورت ہے اور تو معلوم کرچکا کہ معروف چیز مشروط کی طرح ہوتی ہے۔ (ت)

اور کسی شخص کو اصلا اختیار نہیں کہ بے اطلاع اجیر جب چاہے بطور خود عقد اجارہ فسخ کردے،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۹

مگر جب کوئی عذر بین واضح ظاہر ہو جس میں اصلا محل اشتباہ نہ ہو جب تک ایسا نہ ہو اجیر بیشک مستحق تنخواہ ہوگا۔

فی الدرالمختار الاجارۃ تفسخ بالقضاء والرضاء الخ[1]، وفی ردالمحتار الاصح ان العذران کان ظاہر اینفرد وان مشتبھا لاینفرد[2]۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اجارہ رضامندی یا قضاء کے ذریعہ فسخ ہوسکتا ہے الخ، اور ردالمحتار میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ناغہ کا عذر ظاہر ہو تو مدرس کے اختیار میں ہے اور اگر عذر مشتبہ ہو تو پھر وہ مختار نہیں ہے۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو "طفوہائے" آہنی نیشکر کے تجارۃً کرایہ پر چلاتا ہے اور اہل دیہات سے معاملات اجارہ کے کرتا ہے اور باشندگان دیہات کو جو دس دس، بیس بیس کوس کے باشندے ہیں، کولھو کرایہ پر دیتا ہے۔ اور تقرری کرایہ میعاد ادائیگی کرایہ اور زمانہ واپسی" کولھو" جملہ امورات وقت عقد طے ہوجاتے ہیں مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے وعدہ پر روپیہ ادا کریں، بمجبوری ان سے روپیہ وصول کرنے کے واسطے نوکر رکھ کر ان کے مکانوں کو بھیجا جاتا ہے اور وہ سپاہی تقاضا گیر چند چند بار ان کے مکان پر جاکر تقاضا کرتا ہے، بلکہ اپنی تنخواہ اور خوراک وغیرہ کا بار ان پر ظاہر کرتا ہے اور قسم قسم کے خوف نالش اور خرچہ پڑنے کا دلاتا ہے۔ تب وہ لوگ روپیہ لاتے ہیں، اس پر بعض مطلق خیال میں نہیں لاتے، اور نالشوں وغیرہ کی نوبت آتی ہے۔

پس ایسی حالت میں کہ یہ سپاہی جو محض ان سے تقاضا کرنے کے واسطے رکھا گیا ہے جس کے مکانوں پر جاکر بضرورت تقاضا ٹھہرے، اور ان سے اپنی خوراک لے، یا اس کے سوا جس کے یہاں ٹھہرا ہے، دوسروں سے اسی گاؤں میں، اس کے قریب دوسرے گاؤں والوں سے اپنی خوراک لے، یا زید ان کرایہ داران سے اصل کرایہ میں تنخواہ تقاضا گیر کے بقدر ایام آمد وشد کے، یا اس تقاضا گیر کی خوراک شامل کرکے وصول کرے، یا وقت کرایہ کے ان سے زید شرط کرے کہ روپیہ ہمارا کرایہ کا

[1] درمختار کتاب الاجارہ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸

اگر تم وعدہ معینہ مقررہ پر نہ ادا کروگے،اور ہم کو تمھارے پاس تقاضا گیر بھیجنا پڑے گا،تو تم کو اجرت سے اس تقاضا گیر کی مثلا ۴/اور خوراک اس کی مثلا۲/یوم کے حساب سے دینا پڑے گی،اور ہم تم سے وصول کرلیں گے پس اول صورت میں خوراک اور اجرت تقاضا گیر کی بلاشرط کرایہ داران سے وصول کرنا۔اور دوسری صورت میں شرط مذکور کرنا اور حسب شرائط مذکور اجرت مقررہ اور خوراک سپاہی تقاضا گیر کی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

یہ نوکر اسی شخص کا نوکر اور اسی کے کام پر مقرر،اس نے خود ہی اسے اپنے کام کے لئے رکھا،تو تنخواہ یا خوراک جو کچھ ٹھہری ہو اسی پر ہے۔قرضداروں سے کچھ تعلق نہیں،نہ ان سے خواہ دوسرے اہل دیہہ سے کوئی جبرًا لے سکے،ہاں وہ رضامندی اپنا مہمان سمجھ کر کھانا دے دیں تو یہ جدا بات ہے،اور یہ خیال کہ آخر ان کی نادہندگی کے باعث نوکر رکھنا پڑا محض بے سود، **فان الحکم انما یضاف الی المباشر دون المسبب** (حکم مرتکب پر عائد ہوتا ہے سبب مہیا کرنے والے پر نہیں ہوتا۔ت) ولہٰذا مدعی کو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں،اگرچہ بوجہ نادہندگی مدعا علیہ ضرورت نالش ہوئی ہو،اور اگر خود عقد اجارہ میں شرط مذکور فی السوال لگائی جب تو وہ عقد ہی فاسد ہوجائے گا اور اس کا فسخ کرنا واجب ہوگا **کما ھو حکم کل عقد فاسد رفعا للاثم حقا للشرع** (جیسا کہ ہر فاسد عقد کا حکم ہے کہ گناہ کو ختم کرنا شرعی حق کے طور پر لازم ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع یفسدھا کشرط طعام عبد و مرمۃ دار [1] اھ ملخصا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	عقد کے مخالف شرائط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اور جو شرط بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے مثلا غلام کی خوراک اور مکان کی مرمت کی شرط،اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۳: از میرٹھ بالائے کوٹ مکان قاضی صاحب مرسلہ مولوی ابو محمد صادق علی صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین،درباہ جواز وعدم جواز حصول منفعت بذریعہ کرایہ مکانات سکنٰی،ولگان اراضیات زرعی،ایسے لوگوں سے نصارٰی کے پادری ہنود کے

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

پنڈت یہود کے معلم، شیعوں کے مجتہد، غیر مقلدوں کے واعظ، کسبیاں، ڈھاری، بھانڈ، شراب کھینچے بیچنے والے، اور دیگر منشی اشیاء کے تاجر، فساق، فجار، مشرک و کفار، خصوصا وہ جو اپنے مذہب وغیرہ کی اشاعت پر مامور ہوں، اور عموما وہ کہ مامور باشاعت ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں دو مقام ہیں، **اول** یہ کہ ان لوگوں کو سکونت کے لئے مکان، زراعت کے لئے زمین کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **دوم** بر تقدیر جواز ان کے مال سے اجرت لینا کیسا۔

اول کا جواب جواز ہے کہ اس نے تو سکونت و زراعت پر اجارہ دیا ہے نہ کسی معصیت پر اور رہنا، بونا فی نفسہٖ معصیت نہیں۔ اگرچہ وہ جہاں رہیں معصیت کریں گے، جو رزق حاصل کریں معصیت میں اٹھائیں گے، یہ ان کا فعل ہے جس کا اس شخص پر الزام نہیں۔

"لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ"[1] **قلت** وبہ ظھر ان المسئلۃ ینبغی ان تکون علی الوفاق بین الامام و صاحبیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وھو المستفاد من کلمات العلماء۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی **میں کہتا ہوں** اس سے ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کے موافق ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور علماء کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔ (ت)

ہندیہ میں بعد مسئلہ "**اذا استاجر الذمی من المسلم بیتا یبیع فیہ الخمر جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی خلافا لھما کذا فی المضمرات**[2]" (جب ذمی کسی مسلمان سے مکان کرایہ پر حاصل کرکے شراب فروشی کرے تو جائز ہوگا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بخلاف صاحبین کے، مضمرات میں یوں ہے۔ ت) نقل کیا:

و اذا استاجر الذمی من المسلم دارا لیسکنھا فلا باس بذٰلک وان شرب فیھا الخمر وعبد فیھا الصلیب او ادخل فیھا الخنازیر و لم یلحق المسلم	جب ذمی نے مسلمان سے رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لیا تو کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ مکان میں شراب نوشی کرے یا صلیب کی پوجا کرے یا اس میں خنزیر لائے، اس کا بوجھ مسلمان پر

[1] القرآن الکریم ۳۹ /۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۴۹

فی ذٰلك باس لان المسلم لایواجرھا لذٰلك انما اٰجرھا للسکنٰی کذا فی المحیط [1]۔	نہ ہوگا کیونکہ اس نے اس ارادہ سے کرایہ پر نہیں دیا اس نے تو رہائش کے لئے دیا ہے۔ محیط میں یوں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے زیر قول در مختار:

جاز اجارۃ بیت سواد الکوفۃ لیتخذ بیت نار او کنیسۃ او بیعۃ او یباع فیہ الخمر وقالا لاینبغی ذٰلک۔ زیلعی [2] اھ ملخصا۔	کوفہ کی آبادی میں ذمی کو مکان کرایہ پر دینا تاکہ وہ آتشکدہ یا گرجا، عبادت خانہ بنائے یا شراب فروخت کرے تو جائز ہے، صاحبین نے فرمایا، یہ مناسب نہیں ہے زیلعی اھ ملخصا۔ (ت)

انھیں علامہ زیلعی وعلامہ بدرالدین عینی وعلامہ حسام سغناقی وعلامہ جلال کرلامی صاحبان بنایہ ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ سے نقل کیا:

والدلیل علیہ انہ لو اٰجرہ للسکنٰی جاز وھو لابد لہ من عبادتہ فیہ [3] اھ۔	اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر رہائش کے لئے کرایہ پر دے تو جائز ہے حالانکہ وہ اس میں ضرور عبادت کرے گا۔ اھ (ت)

یہ جواب فقہ ہے باقی دیانۃً اس میں شک نہیں کہ جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو "یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ" [4] (وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔ ت) حقیقۃً نہ سہی اس کی طرف منجر ہے۔ وانما الدین النصح لکل مسلم [5] دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کیجئے وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۷

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۱

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[5] صحیح البخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵۔۵۴

دوم کاجواب یہ کہ جس مال کا بعینہٖ حرام ہونا معلوم ہو اس سے اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً اجارہ دینے والے کو خبر ہے کہ یہ روپیہ زید نے غصب یا سرقہ، یا رشوت یا ہندہ نے زنا یا غنا کی اُجرت یا کسی مسلمان نے خمر وخنزیر کی قیمت میں حاصل کئے ہیں، توان کا لینا اسے روانہیں نہ اپنے آتے میں نہ ویسے،

فی الهندیة عن المحیط عن محمد فی کسب المغنیة ان قضی به دین لم یکن لصاحب الدین ان یأخذه [1]۔	ہندیہ میں محیط اس میں امام محمد سے منقول ہے کہ مغنیہ عورت کی کمائی سے قرض کی ادائیگی کرنا چاہے تو قرضخواہ کو وہ لینا ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهایة قال بعض مشائخنا کسب المغنیة کالمغصوب لم یحل اخذه [2]۔	نہایہ میں فرمایا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ مغنیہ کی کمائی مغصوب چیز کی طرح ہے اس کا لینا جائز نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

جاز رزق القاضی من بیت المال لو بیت المال حلالا جمع بحق والا لم یحل [3]۔	بیت المال سے قاضی کو وظیفہ جائز ہے بشرطیکہ بیت المال میں حلال مال کو حق کے طور پر جمع کیا گیا ہو ورنہ وہاں سے وظیفہ لینا جائز نہیں۔(ت)

تنویرالابصار میں ہے:

جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر بخلاف المسلم [4]۔	کافر سے قرض کی وصولی میں شراب فروشی سے حاصل شدہ رقم کو لینا جائز ہے، برخلاف مسلمان کے(ت)

ورنہ فتوٰی مطلقاً جواز پر ہے، یعنی اگرچہ اس کے پاس اموال حرام ہونا یقینی ہو، مگر یہ روپیہ کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۷

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۵

اس کرایہ میں دیتا ہے بعینہٖ اس کا حرام ہونا معلوم نہیں تو لینا جائز، اگرچہ اس کا اکثر مال حرام ہی ہو۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ عن الامام الفقیہ ابی اللیث قال بعضھم یجوز مالم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد وبہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی واصحابہ[1]۔	ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالے سے امام ابولیث سے منقول ہے کہ بعض نے فرمایا جب تک حرام سے ادائیگی کا علم نہیں ہے، اس وقت تک لے سکتا ہے امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہمارا یہی مختار ہے کہ جب تک بعینہٖ حرام ہونے کا علم نہیں ہے، یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے، (ت)

خانیہ میں ہے:

ان لم یعلم الاٰخذ انہ من مال اومن مال غیرہ فھو حلال حتی یتبین انہ حرام[2]۔	اگر لینے والے کو معلوم نہیں کہ اس کا مال ہے یا غیر کا تو اس کو حلال ہے تاوقتیکہ حرام ہونا واضح نہ ہوجائے۔ (ت)

مگر اس صورت میں یعنی بحالت غلبہ حرام تقوٰی احتراز ہے۔ فان للاکثر حکم الکل بل منھم من نص عند ذٰلك علی عدم الجواز فالاسلم الاحتراز۔ کیونکہ اکثر پر کل کا حکم ہوتا ہے بلکہ بعض نے نص فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں ناجائز ہے تو پرہیز میں سلامتی ہے۔ (ت) خصوصا مقتدٰی کے لئے حدیث:

ایاك ومایسوء الاذن عـــہ[3]۔ والحفظ دین العوام عن اقتحام الحرام۔	تو بدگمانی سے بچ، اور عوام کے دین کی حفاظت کے لئے حرام سے دور رہ۔ (ت)

باقی اس مسئلہ کے متعلق جلیل وتنقیح جمیل فتاوٰی فقیر سے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے فلینظر ثمہ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا لعل الصواب "الظن"۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۷۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۶

مسئلہ ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے "دعوی وراثت" میں قابضان متروکہ سے واصلات اپنے حصہ کی مانگی، اس میں عذر تمادی کا از جانب مدعا علیہم پیش ہوا، فقط تین برس کے دینا چاہتا ہے، بموجب قانون کے چونکہ شرع میں تمادی نہیں ہے، لہٰذا اس نے اپنے حصہ جائز سے محروم ہونے کے سبب یہ کہا کہ مجھ کو سود دو، اور یہ سمجھا کہ سود کے حیلہ سے بھی میری اصل رقم کا کوئی جز ہی مل جائے، اس صورت میں یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس شریک نے جس نے واصلات نہ پائی، شریک قابض کو اپنے حصہ کی تحصیل کا وکیل و مجاز کیا تھا، تو جو توفیر حاصل ہوا کی اس سب میں اس کا بھی حصہ تھا، اور تمادی کوئی شیئ نہیں، اگر ایسے نہیں لے سکتا جس نام سے ملے وصول کر سکتا ہے، اور اگر اس نے وکیل نہ کیا تھا بلکہ وہ بطور خود غصبًا اس کے حصہ پر قابض رہا اور زمین اٹھاتا محصول لیتا رہا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ اس کے حصہ کا روپیہ اسے دے یا تصدق کردے اور افضل وہی ہے کہ اسے دے مگر اس کو دعوی نہیں پہنچتا نہ یہ اس کا مالک ہوا، بلکہ وہی غاصب بملک خبیث مالک ہے تو اسے اس سے بحیلہ ناجائزہ لینے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۵: ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب آسامیاں دیہہ سے لگتہ اراضی مفوضہ آسامیاں مقرر ہے، تو سوالگتہ مقررہ کے اوگاہی بھوسہ و مورکین ورس وغیرہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے کہ اجرت مقررہ سے زیادہ لینے کا کیا استحقاق ہے ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے دیتے تو جائز تھا اگر خوشی معلوم بلکہ صریح جبر ہوتا ہے اور اگر اس کی طرف سے جبر نہ بھی ہوا مگر انھوں نے اسے زمینداری یا ٹھیکداری کے دباؤ سے دیا، تو بھی ناجائز و مثل رشوت ہے۔

فی ردالمحتار (بعد نقل عبارۃ الفتح تعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ[1] ذکر مانصہ	ردالمحتار میں فتح کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علت کو بیان کرنا ایسے ہدیہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو۔ انکی ذکر کردہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۱۰

قلت ومثلهم مشائخ القرى والحرف وغيرهم ممن له قهر وتسلط على من دونهم فانه يهدٰى اليهم خوفا من شرهم اوليروج عندهم [1] الخ والله تعالٰى اعلم۔	عبارت یوں ہے میں کہتا ہوں ان کی مثل دیہاتوں اور اہل حرفت وغیر ہم کے چودھریوں کی ہے جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان چودھریوں کے شر کے خوف یا رواج کی وجہ سے ان کو ہدیے ملتے ہیں الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک عورت مطلقہ غیر ہے جس کی ابھی عدت نہ گزری، وہ بعد عدت اس سے نکاح چاہتا ہے مگر خوف ہے کہ شاید قبل عدت معصیت واقع ہو، زید عمرو سے مکان کرایہ پر مانگتا ہے، اس صورت میں عمرو کو جائز ہے یا نہیں کہ زید کو اپنا مکان کرایہ پر دے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے اگرچہ معصیت کا خوف نہیں بلکہ صراحۃً معصیت کرتا ہے، یہ اپنی جائز نیت سے کرایہ پر دے، اس کی معصیت کا وبال اس پر ہے عمرو پر کوئی مواخذہ نہیں،

لتخلل فعل فاعل مختار، قال الله تعالٰى "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ" [2]۔ والله تعالٰى اعلم۔	فاعل مختار کا فعل درمیان میں آنے کی وجہ سے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۷: مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" [3]۔ الآیۃ	اگر تم کسی امر میں تنازع کرو تو اس کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی طرف پھیرو اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ الآیۃ (ت)

[1] جد الممتار

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت السہلہ الغراء ومفتیان ملت السمحۃ البیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ (مہ عہ/) ایک اور (صہ/) دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی وشمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلّم پر شرعاعقلا عرفاہے یانہیں؟ اور استاذین وشیوخ آباء معنوی ہیں، اس کا کہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت السہلہ الغراء ومفتیان ملت السمحۃ البیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ (مہ عہ/) ایک اور (صہ/) دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی وشمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلّم پر شرعاعقلا عرفاہے یانہیں؟ اور استاذین وشیوخ آباء معنوی ہیں، اس کا کہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قال اللہ تعالٰی عزوجل "یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّؕ"۔[1]	اے نبی! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں نئے چاندوں کا حال، تو فرمادو وقت ٹھہرائے ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے واسطے۔

آیہ کریمہ شاہد ہے کہ اہل اسلام کے نہ صرف عبادات بلکہ معاملات میں بھی یہی قمری مہینے معتبر ہیں۔ مدارک شریف میں ہے:

مواقیت الناس والحج ای معالم یوقت بها الناس مزارعهم ومتاجرهم ومحال دیونهم وصومهم وفطرهم وعدۃ نسأهم وایام حیضهن ومدۃ حملهن وغیر ذٰلك ومعالم للحج یعرف بها وقته[2]۔	مواقیت للناس والحج یعنی علامات جن سے لوگ اپنی مزارعت، اجارہ، قرض اور دیون کی ادائیگی، روزہ، افطار، عورتوں کی عدت، حیض کے ایام اور حمل کی مدت وغیرہ کا وقت معلوم کریں گے اور حج کی علامت جن سے لوگ اس کا وقت پہچان سکیں گے۔ (ت)

عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیہ خفاجی علی البیضاوی میں ہے:

اجیبوا ببیان الغرض من هذا الاختلاف من بیان مواقیت العبادات والمعاملات[3]۔	صحابہ کو چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کی غرض سے جواب بیان فرمایا کہ عبادات اور معاملات مقرر اوقات کا بیان ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۹

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیت قل هی مواقیت للناس الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۹۷

[3] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشهاب علی تفسیر البیضاوی آیت قل هی مواقیت للناس الخ دار صادر بیروت ۲/ ۲۸۴

وقال تبارك وتعالٰی " اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک گنتی مہینوں کے اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین اس میں سے چار ماہ حرام ہیں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب)۔

یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ مہینے قمری ہلال عربی معتبر ہیں کہ چار ماہ حرام انھیں مہینوں میں ہیں۔ تو اہل اسلام کو انھیں کا اعتبار چاہئے، شرع مطہرہ کے سب احکام عبادات و معاملات انھیں پر مبنی ہیں، معالم میں ہے:

المراد منه الشهور الهلالية وهی الشهور التی یعتد بها المسلمون فی صیامهم وحجهم واعیادهم وسائر امورهم [2]۔	اس سے مراد قمری مہینے ہیں اور ان مہینوں کے ذریعہ مسلمان اپنے روزوں، حج، عیدوں اور تمام امور کا حساب لگاتے ہیں۔ (ت)

نسفی میں ہے:

المراد بیان ان احکام الشرع تبتنی علی الشهور القمریة المحسوبة بالاهلة دون الشمسیة [3]۔	مراد یہ ہے کہ شرعی احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جو چاند کے حساب سے ہوتے ہیں شمسی مہینوں پر نہیں۔ (ت)

ولہٰذا بحمداللہ اب تک عامہ مسلمین اپنے عامہ امور میں انھیں شہود کو جانتے۔ انھیں پر مدار کار رکھتے ہیں کہ ان کے رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انھیں پر صادق مہینہ منسوب بماہ ہے، شہر شمسی مہینہ نہیں، مہرینہ ہے، بلکہ تفسیر میں زیر کریمہ انما النسیء ہے:

اللّٰه تعالٰی امرهم من وقت ابراهیم و اسمٰعیل علیهما الصلٰوة والسلام ببناء الامر علی رعایة السنة القمریة.	اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قمری سال پر اپنے امور کی بناء کا حکم دیا تو انھوں نے قمری سال کی رعایت

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۸۹

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ دار الکتب العربی بیروت ۲/ ۱۲۵

فھم ترکوا امراللہ تعالٰی فی رعایۃ السنۃ القمریۃ واعتبروا السنۃ الشمسیۃ رعایۃ لمصالح الدنیا[1]۔	کے حکم باری تعالٰی کو ترک کرکے اپنے مصالح کی بناء شمسی سال پر کرلی (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

| قال اہل العلم الواجب علی المسلمین بحکم ھذہ الایۃ ان یعتبروا فی بیوعھم ومد دیونھم واحوال زکاتھم وسائر احکامھم السنۃ العربیۃ بالاھلۃ ولا یجوز لھم اعتبار السنۃ العجمیۃ والرومیۃ[2] اھ۔ **اقول:** فمن خلاف عندنا فی تأجیل العتین ھل ھو بالسنۃ القمریۃ ھو المذھب، خزانۃ وغیرھا وھو الصحیح[3]، ہدایۃ وغیرہا وعلیہ اکثر اصحابنا[4] ایضاح الکرمانی اوبالسنۃ الشمسیۃ وھی روایۃ الحسن عن امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، وروایۃ ابن سماعۃ عن الامام محمد، واختارہ شمس الائمۃ السرخسی و الامام فقیہ النفس قاضیخاں والامام ظھیر الدین المرغینانی[5]، فتح، وقیل وبہ | اہل علم نے فرمایا اس آیہ کریمہ کے حکم پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کاروبار اور لین دین، زکوۃ اور تمام احکام میں عربی قمری سال کا اعتبار کریں اور ان کو عجمی اور رومی شمسی سال کا اعتبار جائز نہیں ہے اھ، میں کہتا ہوں ہمارے ہاں نامرد شخص مہلت دینے کے مسئلہ میں اختلاف ہے، خزانۃ وغیرہ میں ہے کہ قمری سال ہی مذہب ہے، ہدایہ وغیرہ میں فرمایا یہی صحیح ہے، اور نیز فرمایا ہمارے اکثر اصحاب اس پر ہیں، کرمانی کی ایضاح میں، یا شمسی سال فرمایا یہ امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے اور امام محمد علیہ الرحمۃ سے بھی ابن سماعۃ کی یہ روایت ہے، اور شمس الائمہ امام سرخسی، امام فقیہ النفس قاضیخاں اور امام ظہیر الدین مرغینانی نے اسے اختیار کیا ہے۔ فتح، اور اسی پر فتوی |

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ انما النسئی زیادۃ الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۶
[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۳
[3] جامع الرموز بحوالہ الھدایۃ کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴
[4] جامع الرموز بحوالہ الھدایۃ بحوالہ کرمانی کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴
[5] جامع الرموز بحوالہ الھدایۃ بحوالہ کرمانی کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴، فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲

يفتي،درمختار[1] وعليه اكثر المشائخ،محيط،وعليه الفتوى،خلاصة اه من ردالمحتار وجامع الرموز[2] نعم عدم الجواز فى العبادات والعدد الشرعى مقطوع به مجمع عليه،والله تعالٰى اعلم۔	ہے۔درمختار،اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں،محیط،اسی پر فتوٰی ہے،خلاصہ،یہ ردالمحتار اور جامع الرموز سے منقول ہے،ہاں عبادات اور شرعی اعداد قمری سال ہی متفق علیہ ہے،واللہ تعالٰی علم۔(ت)

بالجملہ اجارات وغیرہا معاملات میں مدار تعارف پر ہے،اور مسلمین میں متعارف یہی مہینے تو عندالاطلاق انھیں کی طرف انصراف،ردالمحتار وفتح القدیر میں ہے:

اهل الشرع انما يتعارفون الاشهر السنين بالاهلة فاذا اطلقواالسنة انصرف الى ذٰلك مالم يصرحوا بخلافه[3]۔	اہل شرع نے قمری مہینے اور سال اپنا عرف قرار دیا ہے۔تو جب وہ مطلق سال ذکر کرتے ہیں غیر کی تصریح نہ کریں تو قمری مراد ہوتا ہے(ت)

اگر بعض مسلمانان باتباع نصارٰی شہور شمسیہ پر حساب رکھنے لگیں تو اس کااعتبار نہیں کہ معتبر عرف عام وشائع ہے،نہ قرار داد خاص بعض ناس،اشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادة اذا اطردت اوغلبت،ولذا قالوا فى البيع لو باع بدراهم ودنانير وكانا فى بلد اختلف فيه النقود مع الاختلاف فى المالية والرواج انصرف البيع الى الاغلب قال فى الهداية	عادت جب عام اور غالب ہو جائے تو وہی معتبر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ بیع کے باب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مطلق دراہم یا دنانیر کو بیع میں ذکر کیا تو شہر میں مالیت اور رواج کے لحاظ سے نقود کا اختلاف ہو تو وہاں غالب نقد پر بیع مانی جائے گی،ہدایہ میں فرمایا کیونکہ وہ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵، جامع الرموز کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[3] فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲، ردالمحتار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵

لانه هو المتعارف، فینصرف المطلق الیه [1]۔	متعارف ہے تو مطلق اس کی طرف ہی راجع ہوگا۔(ت)

اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہاں کے مسلمان میں شہود شمسیہ بھی بکثرت رواج پاگئے تاہم اس میں کلام نہیں کہ مدرسان علوم عربیہ دینیہ کا تقرر عام طور پر انھیں شہور الٰہیہ ہلالیہ پر متعارف ہے کہ وہ خاص دینی کام ہے، اور عام مسلمین پر **بحمداللہ** ہنوز اتباع نصارٰی ایسا غالب نہ ہوا کہ اپنے دینی امور میں بھی ان کی تقلید کریں، تو اس تقرر میں قطعاً شہور ربانیہ ہی معتبر ہوں گے نہ کہ شہور نصرانیہ، **کما لایخفی علی اولی النھی** (جیسا کہ عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے۔ت) تعلیم علوم دینیہ پر اُجرت لینی صدہا سال سے بمذہب مفتٰی بہ علماء نے نظر بفساد زمانہ حلال فرمائی یہ تحلیل اس لئے تھی کہ اہل علم ناشران علم دین کی خدمت ہوتی رہے، وہ تلاش معاش میں پریشان ہو کر اس وراثت انبیاء کی اشاعت سے مجبور نہ رہیں، نہ اس لئے کہ معاذاللہ استاذ علم دین کی تعظیم وتوقیر نہ کی جائے۔ اساتذہ و شیوخ علم شرعیہ بلاشبہ آبائے معنوی وآبائے روح ہیں جن کی حرمت وعظمت آبائے جسم سے زائد ہے کہ وہ پدر آب وگل ہے اور یہ پدر جان ودل، علامہ مناوی تیسیر جامع صغیر میں فرماتے ہیں:ع

من علم الناس ذاك خیر اب　　ذا ابو الروح لا ابو النطف [2]

یعنی استاد کا مرتبہ باپ سے زیادہ ہے کہ وہ روح کا باپ ہے، نہ نطفہ کا،

علامہ حسن شرنبلالی "غنیہ ذوی الارحام" حاشیہ "درر وغرر" میں فرماتے ہیں:

الوالد هو والد التربیة فرتبته فائقة رتبة والد التبنیة [3]۔	یعنی اعلٰی درجہ کا باپ استاد مربی ہے۔ اس کا مرتبہ پدر نسب کے مرتبہ سے زائد ہے۔

عین العلم شریف میں ہے:

یبر الوالدین فالعقوق من الکبائر، ویقدم حق المعلم علی	ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرے کہ انھیں ناراض کرنا گناہ کبیرہ ہے اور استاد کے حق کو

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث انما انا لکم بمنزلۃ الوالد الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۶۱

[3] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام

حقھما فھو سبب حیاۃ الروح [1]۔	ماں باپ کے حق پر مقدم رکھے کہ وہ زندگی روح کا سبب ہے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں:

ما کتبت عن احد حدیثا الاو کنت لہ عبدا ما حیی [2]۔	میں نے جس کسی سے ایک حدیث بھی لکھی میں عمر بھر اس کا غلام ہوں۔

فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

حق العالم علی الجاہل وحق الاستاذ علی التلمیذ و احد علی السواء وھو ان لایفتتح بالکلام قبلہ ولا یجلس مکانہ وان غاب ولا یرد علی کلامہ ولایتقدم علیہ فی مشیہ [3]۔	عالم کا جاہل پر اور استاد کا شاگرد پر برابر یکساں حق ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے، وہ موجود نہ ہو جب بھی اس کی جگہ پر نہ بیٹھے اس کی کوئی بات نہ الٹے، نہ اس سے آگے چلے وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸: ۲۶ رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے کارندہ نے عمرو سے وعدہ کیا کہ جائداد آپ کی زید سے بکوادوں گا مگر مجھے محنتانہ دیجئے گا، اس نے اقرر کیا، اور زید کو بھی اس کا حال معلوم ہے، کارندہ مذکور نے اس کی بیع میں بہت کوشش کی، چنانچہ بیع تام ہوگئی، اور مشتری کو دھوکا بھی کچھ نہ دیا، یہ اُجرت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب:

اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت و کوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی بائع کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے خرید لینی چاہئے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی

[1] عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبع امرت پریس لاہور ص ۳۵۔۳۴۳

[2] المقاصد الحسنۃ تحت حدیث ۱۱۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی البزازیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۷۳

جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اُجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے محنت کرنے کی ہوتی ہے نہ بیٹھے بیٹھے، دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے مشورہ دینے کی، ردالمحتار میں بزازیہ وولوالجیہ سے ہے:

الدلالة والاشارة لیست بعمل یستحق به الاجر، وان قال لرجل بعینه ان دللتنی علی کذا فلك کذا، ان مشی له فدله فله اجر المثل للمشی لاجله، لان ذٰلك عمل یستحق بعقد الاجارة[1] الخ۔	محض بتانا اور اشارہ کرنا ایسا عمل نہیں ہے جس پر وہ اجرت کا مستحق ہو، اگر کسی نے ایک خاص شخص کو کہا اگر تو مجھے فلاں چیز پر رہنمائی کرے تو اتنا اجر دوں گا، اگر وہ شخص چل کر رہنمائی کرے تو اس کو مثلی اجرت دینا ہوگی کیونکہ وہ اس خاطر چل کرلے گا کیونکہ چلنا ایسا عمل ہے جس پر عقد اجارہ میں اُجرت کا مستحق ہوتا ہے۔ الخ (ت)

غمز العیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے:

اما لو دله بالکلام فلا شیئ له[2]۔	اگر صرف زبانی رہنمائی دے تو اس کے لئے کچھ نہیں (ت)

اور اگر بائع کی طرف سے محنت و کوشش ودوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہوگا، یعنی ایسے کام اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائے گا اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ کا ہو، اور اگر قرارداد اجر مثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوط زیادت پر خود راضی ہوچکا، خانیہ میں ہے:

ان کان الدلال الاول عرض تعنّٰی وذهب فی ذٰلك روزگاره کان له اجر مثله بقدر عنائه وعمله[3]۔	اگر روزگار کے سلسلہ میں دلال نے محنت کی اور آیا گیا تو اس کی محنت اور عمل کے مطابق مثلی اجرت ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

بعه لی بکذا ولك کذا فباع فله اجر المثل[4]۔	اگر دوسرے کو کہا تو میرے لئے اتنے میں اس کو فروخت کر تو اس نے وہ چیز فروخت کردی تو دلال مثلی اُجرت کا مستحق ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۶۰

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۳۴

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۶۱

حموی میں ہے:

اي ولايتجاوزبه ماسمى وكذالو قال اشترلي كما في البزازية،وعلى قياس هذا السماسرة والدلالين الواجب اجر المثل كمافي الولوالجية [1]۔	یعنی مقررہ اجرت سے زائد نہ ہوگی،اور یوں ہی اگر کہا تو مجھے خرید دے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے اور اس پر قیاس ہوگا دلال حضرات کا معاملہ کہ ان کو مثلی اجرت دی جائے گی جیسا کہ ولولوالجیہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے:

في الدلال والسمسار يجب اجر المثل و ماتواضعوا عليه ان في كل عشرة دنانير كذافذلك حرام عليهم [2]۔	آڑھتی اور دلال حضرات کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور وہ جو دس دنانیر میں اتنا طے کرتے ہیں تو یہ حرام ہے۔(ت)

پھر ازانجاکہ یہ شخص مشتری کا نوکر واجیر خاص تھا جتنی مدت اس نے بائع کے کام میں صرف کی اتنی تنخواہ ساقط ہوگئی،مثلاً دس ۱۰ روپے ماہوار کا نوکر تھا تین دن بائع کی طرف سے اس سعی میں گزر گئے تو ایک روپیہ تنخواہ کا مستحق نہ رہا،اور اگر بائع سے یہ عقد اجارہ بے اذن واجازت مشتری ہوا،تو گناہ علاوہ کہ اجیر خاص کو بے اجازت آقا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں،درمختار میں ہے:

ليس للخاص ان يعمل لغيره ولو عمل نقص من اجرته بقدر ماعمل۔فتاوٰی النوازل۔ [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اجیر خاص کو جائز نہیں کہ دوسروں کا کام کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اتنا اس کی اجرت سے کاٹا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۹: از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں رامپوری ۲۲صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور کو برائے مزدوری سو کوس یا پچاس کے فاصلہ پر لے جائے،بعدازاں اس سے چار پانچ ماہ تک کام کرالے،اور بروقت حساب کے اس کو تیس ۳۰ روپے کے کام کے بیس روپے اور اس پر سختی کرے اور اسے پریشان کرے،

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۱

جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:

حرام حرام، حرام، کبیرہ کبیرہ، کبیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

ثلثۃ انا خصمھم یوم القیمۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا واکل ثمنہ، ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یوفہ اجرہ۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والبخاری وابن ماجۃ وابو یعلی وغیرہم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اللہ تعالٰی فذکرہ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	قیامت کے دن تین شخصوں کا میں مدعی ہوں گا اور جس کا میں مدعی ہوں میں ہی اسی پر غالب آؤں گا، ایک وہ جس نے میرا عہد دیا پر عہد شکنی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی تیسرا وہ جس نے کسی شخص کو مزدوری میں لے کر اپنا کام تو اس سے پورا کرالیا اور مزدوری اسے پوری نہ دی (اسے امام احمد، بخاری، ابن ماجہ، ابویعلی وغیرہم ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے تو حدیث ذکر کی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ت)

مسئلہ ۱۶۰: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو نے بتعین چند شرائط مفصلہ ذیل خالد سے ٹھیکہ اراضی کا بزمان واحد بغیر بیان کرنے شرکت نصف اور ربع کے لیا، شرط اول یہ کہ زر ٹھیکہ بموجب اقساط معینہ مندرجہ قبولیت وپٹہ ادا کرینگے، دوسری شرط یہ کی کہ ضمانت یا امانت

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۷ وکتاب الاجارات ۱/ ۳۰۲، مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۵۸، سنن ابن ماجہ ابواب الرھون باب اجر الاجراء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

حسب الطلب خالد کے دیں گے، اور در صورت نہ دینے ضمانت اور نہ ادا کرنے کسی ایک قسط کے خالد کو اختیار فسخ اجارہ حاصل ہے، پس ہر دو مستاجران نے دونوں شرطوں کو وفا نہیں کیا، اور نوبت دعوی فسخ روبرو قاضی پہنچی، تو ایک شریک کو دعوی خالد سے اقبال ہے، اور دوسرے کو دعوی فسخ خالد سے انکار ہے، آیا ایسی صورت میں خالد کو اختیار فسخ اجارہ ہر دو مستاجران سے حاصل ہے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

بحضور لامع النور، زبدۃ العلماء والفقہاء جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام فضلہم جناب عالی!

صورت مسئولہ میں یہاں پر مفتیان نے بموجب اقوال تحت فیصلہ فرمایا، حضور نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، لہٰذا استفتا منسلکہ عرضداشت ہذا ابلاغ کرکے امیدوار کہ جواب جلد مرحمت فرمایا جائے۔

قال شمس الائمۃ السرخسی قال بعض اصحابنا اضافۃ الفسخ الی مجیئ الشھر وغیر ذٰلك من الاوقات صحیح وتعلیق الفسخ بمجیئ الشھر وغیرہ ذٰلك لایصح والفتوٰی علی قولہ کذا فی فتاوٰی قاضیخاں،[1] ثانی، والشیوع الطارئ لایفسدہا اجماعا کما لو اٰجر ثم تفاسخا فی بعض اومات احدھما او استحق بعضھا تبقی فی الباقی[2] ۱۲ عالمگیری۔ مؤید آں وفی الغاثیۃ رجلان اٰجرادارھما من رجل جاز وان فسخ احدھما برضا المستاجر اومات لاتبطل فی النصف الاٰخر[3] ۱۲ بحر الرائق۔	شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے فسخ کی اضافت مہینہ کی آمد کی طرف کرنا اور ایسے ہی دیگر اوقات کی طرف کرنا صحیح ہے، اور فسخ مہینہ وغیرہ اوقات کے ساتھ معلق کرنا، صحیح نہیں، اور فتوٰی اس بعض کے قول پر ہے فتاوٰی قاضیخاں میں یوں ہے، دوسرا یہ کہ بعد میں طاری ہونے والا شیوع بالاجماع اجارہ کو فسخ نہ کرے گا۔ مثلاً اگر مکان اجارہ پر دیا پھر فریقین نے کچھ حصہ میں اجارہ فسخ کردیا، یا کوئی ایک فریق فوت ہوگیا یا مکان کا کچھ حصہ کسی غیر کا حق ظاہر ہوا، تو باقیماندہ حصہ میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ عالمگیری، اس کی تائید ہے کہ غیاثیہ میں ہے دو۲ حضرات نے اپنے مشترکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۸

[3] بحر الرائق کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۱

	مکان کو اجارہ پر ایک شخص کو دیا تا جائز ہے اور اگر ایک نے مستاجر کی رضامندی سے اپنے نصف حصہ کا اجارہ فسخ کردیا، یا ایک فوت ہوگیا تو باقی نصف میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ بحرالرائق (ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ضرور اختیار ہے فسخ حاصل ہے، بلکہ ہر فریق پر اجارہ مذکورہ کا فسخ واجب ہے، اگر وہ نہ کریں حاکم جبرًا فسخ کردے، اگر نہ کرے گا گنہگار ہوگا، وجہ یہ کہ اجارہ مذکورہ شرعًا بوجوہ فاسدہ ہے۔

اولاً: اس میں ضمانت مجہولہ شرط کی گئی نہ ضامن حاضر تھا، نہ مجلس عقد میں قبل تفرق عاقدین حاضرین ہوا، ایسی شرط ضمانت بیع واجارہ میں ناجائز و مفسد ہے۔

ثانیًا: مجلس عقد میں کسی ضامن کی طرف سے قبول ضمانت واقع نہ ہوا، ایسی ضمانت نامقبولہ، اگرچہ غیر مجہولہ ہو مفسد عقد ہے۔

ثالثًا: اگر امانت سے مراد رہن ہے تو اس کا بھی کوئی تعین پیش از تفرق عاقدین نہ ہوا، ایسے رہن کی شرط بھی مفسد ہے، درمختار میں ہے:

يصح البيع بشرط يقتضيه العقد او يلائمة كشرط رہن معلوم و كفيل حاضر .ابن ملك[1] اھ ملتقطا	جو عقد کا مقتضی ہو یا عقد کے مناسب ہو ایسی شرط کے ساتھ بیع صحیح ہے مثلاً بیع میں معلوم رہن یا حاضر کفیل کی شرط لگانا، ابن ملک اھ ملتقطا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وان كان ملائما للبيع لايفسده كالبيع بشرط كفيل بالثمن اذاكان حاضرا وقبلها اوغائبا فحضر وقبل قبل التفريق وكشرط رہن معلوم بالاشارة او التسمية فان حاصلهما	اگر شرط بیع کے مناسب ہو تو اس سے بیع فاسد نہ ہوگی مثلاً بیع میں ثمن کے کفیل کی شرط جب کفیل موجود حاضر ہو اور قبول کرلے یا غائب تھا تو موقع پر حاضر ہوگیا اور فریقین کے متفرق ہونے سے قبل کفیل نے قبول کرلیا ہو، اور مثلاً بیع میں اشارہ یا نام ذکر کے متعین

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷ و ۲۸

التوثق للثمن،قیدنا بحضرۃ الکفیل لانہ لوکان غائبا فحضر وقبل بعد التفرق اوکان حاضرا فلم یقبل لم یجز ،وقیدنا بکون الرھن مسمی لانہ لولم یکن مسمی ولا مشارا الیہ لم یجز الااذا تراضیا علی تعیینہ فی المجلس ودفعہ الیہ قبل ان یتفرقا او یعجل الثمن ویبطلان الرھن[1] اھ	رہن کی شرط لگانا، کیونکہ ان مذکورہ دونوں شرطوں کا مقصد ثمن کا وثوق حاصل کرنا ہوتا ہے ہم نے کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ اگر وہ غائب ہو تو حاضر ہو کر قبول بھی کرلے لیکن فریقین کے تفرق کے بعد کرے یا حاضر ہو کر قبول ہی نہ کرے تو بیع جائز نہ ہوگی اور ہم نے رہن کے معین معلوم ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ وہ معین و معلوم نہ ہو اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہو تو بیع جائز نہ ہوگی الایہ کہ دونوں فریق اسی مجلس میں اس کے تعین پر راضی ہوجائیں اور تفرق سے قبل مرہون چیز دے دی جائے یا رہن کو باطل کردیں اور ثمن نقد ادا ہوجائے۔اھ (ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشرط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ماافسد البیع مما مر یفسدھا[2]۔	اجارہ میں ایسی شرائط سے فاسد ہوجاتا ہے جو عقد کے مخالف ہوں تو جو شرائط مذکورہ بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہے۔(ت)

رابعًا: ان شرائط کے انتفاپر خالد کو اختیار فسخ ملنے کی شرط معنی خیار شرط ہے، ردالمحتار میں حواشی الدرر للعلامہ خادمی افندی سے ہے:

قد قال صدرالشریعۃ انہ(ای خیار النقد)فرع مسئلۃ خیار الشرط لانہ انما شری لیدفع بالفسخ الضرر عن نفسہ سواء کان تاخیراداء الثمن اوغیرہ[3]۔	صدرالشریعۃ نے فرمایا کہ خیار نقد خیار شرط والے مسئلہ کی فرع ہے کیونکہ اس کو مشروع قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فسخ کرکے اپنے پر عائد ہونے والے ضرر کو ختم کرسکے یہ ضرر ثمن کی تاخیر ہو یا کوئی اور (ت)

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۵
[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۷۷
[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹

اسی میں ہے:

الواقع فی الزیلعی کونہا من صورہ[1]۔	زیلعی میں شرط اجارہ کا شرط خیار کی طرح ہونا مذکور ہے۔(ت)

اور یہاں سے مشروط معلق بالحظر کیا، اور خیار شرط صالح تعلیق بالشرط نہیں، بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے: **لایصح تعلیق خیار الشرط بالشرط**[2] (خیار شرط کی تعلیق کسی شرط سے جائز نہیں۔ت) اور اشتراط شرط فاسد ان عقود کا مفسد۔

ولیس من باب خیار النقد المشروع ولولم یکن هناك تعلیق بعدم الاتیان بضمانة وامانة اصلا، و اقتصرا علی التعلیق بعدم نقدالاجرة علی النجوم المقدرة وذٰلك لان خیار النقد فی هذه الصورة انما یکون لمن بیده النقدوترکه اذ هو المتمکن من امضائه وعدمه،وههنا علی خلاف ذٰلك شرط الخیار لمواجر.فی البحرالرائق لوباع علی انه ان لم ینقد الثمن الی ثلثه ایام فلا بیع صح،والی اربع لایصح، و الاصل فیه ان هذا فی معنی اشتراط الخیار اذالحاجة مست الی الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة فی الفسخ فیکون	اور خیار نقد جو مشروع ہے شرط فاسد اس کی طرح نہیں ہے خیا نقد جائز ہے اگر چہ وہاں ضمانت و امانت پیش نہ کرنے کی تعلیق نہ بھی ہو، بحر اور در مختار دونوں نے خیار نقد کی صورت میں مقررہ قسطوں پر نقد اُجرت نہ دینے سے معلق کرنے پر اکتفاء کیا اس لئیے کہ خیار نقد اس صورت میں ایسے شخص کو ہوتا ہے جس کو نقد دینے نہ دینے کا اختیار ہو کیونکہ وہی اجارہ کو قائم رکھنے نہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ خیار کی شرط اجرت پر دینے کے لئے ہے۔ بحر الرائق میں ہے اگر کسی نے چیز کو اس شرط پر فروخت کیا کہ اگر مشتری تین دن تک ثمن نقد نہ دے تو بیع ختم ہوگی، یہ شرط صحیح ہے، اور اگر چار دن تک، کہا تو صحیح نہیں ہے، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ خیار شرط کے معنی میں ہے کیونکہ نقد نہ ملنے پر فسخ کی حاجت ہے تاکہ فسخ کا معاملہ موخر ہونے سے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵

ملحقا به كذا فى الهداية واشار المصنف الى جواز هذاالشرط للبائع،وفى الذخيرة اذا باع عبدا ونقد الثمن على ان البائع ا ن ردالثمن الى ثلثة فلا بيع بينهما كان جائزا،وهو بمعنى شرط الخيار للبائع اه ففى مسألة الكتاب المنتفع بهذا الشرط هو البائع مع انهم جعلوا الخيار للمشترى باعتبار انه المتمكن من امضاء البيع بالنقد ومن فسخه بعدمه وفى عكسه المنتفع بهذا الشرط هوا لمشترى مع انهم جعلوا الخيار للبائع باعتباران البائع متمكن من الفسخ ان ردالثمن فى المدة ومن الامضاء ان لم يرده اهملتقطا،ونحوه فى ردالمحتار عن النهر۔[1]	محفوظ رہے،لہٰذا یہ خیار شرط سے ملحق ہے،ایسے ہی ہدایہ میں ہے،اور مصنف نے بائع کے لئے اس شرط کے جواز کا اشارہ کیا ہے،اور ذخیرہ میں ہے کہ جب عبد کو فروخت کیا اور مشتری نے ثمن نقد دے کر شرط لگائی کہ اگر بائع نے تین دن تک ثمن واپس کردئے تو بیع ختم ہوگی،تو یہ شرط جائز ہے اور یہ بائع کی شرط خیار معنا قرار پائے گی اھ توکتاب کے مسئلہ میں اس شرط کا فائدہ بائع کو ہے حالانکہ خیار پر شرط انھوں نے مشتری کے لئے قرار دی ہے،یہ اس اعتبار سے کہ مشتری ہی نقد دینے نہ دینے کی بناء پر بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے پر قادر ہے،اور اس کے عکس والی صورت میں شرف کا فائدہ مشتری کو ہے اس کے باوجود انھوں نے خیار شرط بائع کے لئے قرار دیا ہے یہ اس اعتبار سے کہ یہاں بائع تین دنوں میں ثمن واپس کرنے نہ کرنے کی بناء پر بیع کو فسخ یا قائم رکھنے پر قادر ہے اھ ملتقطا،اور یوں ہی ردالمحتار میں ہے نہر سے منقول ہے۔(ت)

ان کے سوا اور بعض وجوہ سے اس عقد کا فساد ظاہر ہے کمالایخفی علی المتأمل الناظر وفیماذکرنا کفایۃ للمتبصر۔

ان تقریرات سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ صورت تعلیق الفسخ بالشرط کی نہیں بلکہ خیار الفسخ بالشرط ہے،اور اول ہی فرض کیجئے تو جب بھی اس کا حکم یہ ہرگز نہ ہوگا کہ فسخ بوجہ تعلیق باطل اور اجارہ صحیح اب کہ ایک مستاجر فسخ پر راضی ہوا اسی کے حق میں فسخ ہوگیا دوسرے کے حق میں باقی ہے کہ شیوع طاری مفسد نہیں یہ تو اس وقت ہوتا کہ یہ فسخ فاسد معلق بالشرط عقد سے جداگانہ واقع ہوتا،

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۶،۷

جب نفس عقد اسی شرط فسخ فاسد سے مشروط تو قطعاً اصل اجارہ فاسد

فانها کالبیع لاتحتمل الاشتراط بالشروط الفاسدة وقد قال فی الهدایة فی مسئلة خیار العقد فی هذا لمسئلة قیاس اُخرمال الیه زفر، وہو انه بیع شرط فیه اقالة فاسدة لتعلقها بالشروط، والا شتراط الصحیح منها فیه مفسد العقد فاشتراط الفاسد اولی، ووجه الاستحسان مابینا [1] اھ وھو ماقدمنا عن البحر انه فی معنی خیار الشرط فیصح الی ثلثة ایام لا ازید ولامجهولا ولامطلقا کما هنا، قال فی البحر لایصح اشتراطه الاکثر من ثلثة ایام عنه ابی حنیفة (الی ان قال واطلاق المدة عنده کاشتراط لاکثر فی عدم الجواز وافساد البیع ولو قال المؤلف ولو اکثر اومؤبدا اوموقتا بوقت مجهول لکان اولی لان البیع فاسد فی هذه کلها کما فی التتارخانیة [2] اھ، قتل والمعنی اذا کان مشروطا	تو اجارہ بیع کی طرح فاسد شرائط سے مشروط نہیں ہو سکتا۔ اور ہدایہ میں خیار نقد کے مسئلہ میں فرمایا اس مسئلہ میں ایک اور قیاس بھی ہے کہ جس کی طرف امام زفر کا میلان ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں فاسد اقالہ کی شرط ہے کیونکہ اس کو شرائط سے معلق کیا گیا ہے جبکہ اس میں صحیح اقالہ کی شرط مفسد عقد ہے تو فاسد کی شرط بطریق اولٰی مفسد ہوگی اور استحسان کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے اور اس کو ہم بحر سے نقل کر چکے ہیں کہ خیار شرط کے معنی میں ہے لہٰذا تین دن کی شرط صحیح اس سے زائد کی صحیح نہیں اور نہ ہی مجہول شرط اور عام شرط صحیح ہوگی جیسا کہ یہاں ہے، بحر میں کہا ہے کہ تین دن سے زائد کی شرط امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور آگے یہاں تک کہا کہ مطلق مدت کی شرط بھی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک تین دن سے زائد کی طرح جائز نہیں اور بیع فاسد ہوگی اور اگر مؤلف یوں بیان کرتے، اگر مدت تین دن سے زائد یا ہمیشہ یا کسی مجہول وقت کی ہو تو ناجائز ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں بیع فاسد ہوتی ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے اھ میں کہتا ہوں مراد

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۳۵

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۵۔۴

فی صلب العقد کما ہنا لابدہ ولا جاز الاطلاق وتقید بالمجلس کما فی البحر، وجازت الزیادۃ علی الثلثۃ فی الاجارۃ کما فی بیوع البحر عن الذخیرۃ ولسنا ہہنا بصدد تنقیح تلک المسائل۔	یہ ہے جب صب عقد میں یہ شرائط ہوں جیسا کہ یہاں ہے عقد کے بعد والی شرائط مطلق ہو یا مقید ہوں جائز ہوں گی اور اطلاق وتقیید مجلس میں ہوسکے گا، جیسا کہ بحر میں ہے۔اور اجارہ میں تین دن سے زائد کی شرط صحیح ہے جیسا کہ بحر کے باب البیوع میں ذخیرہ سے منقول ہے،اور ہم یہاں پر ان مسائل کی تنقیح کے درپے نہیں ہیں۔(ت)

بہر حال اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی کلام نہیں،اور عقد فاسد کا یہی حکم ہے، کہ ہر فریق باختیار خود اسے فسخ کرسکتا ہے بلکہ ان پر اس کا فسخ واجب وہ نہ مانیں تو حاکم پر لازم کما نصوا علیہ فی البیع وغیرہ (جیسا کہ انھوں نے بیع وغیرہ میں اس پر نص فرمائی ہے۔ت) ہندیہ میں ہے:

ارادالاجران ینقض عقدہ بحکم الفساد فلہ ذٰلک کذا فی التتارخانیۃ[1]۔	اگر آجر فساد کے حکم پر عقد اجارہ کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے تاتارخانیہ میں ایسے ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسخت الاجارۃ دفعا للفساد[2]۔	فساد کو ختم کرنے کے لئے اجارہ فسخ کردیا جائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ابطلہا القاضی لان العقد الفاسد یجب نقضہ و ابطالہ، ذخیرۃ[3]، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	یعنی قاضی اسے باطل کردے کیونکہ فاسد عقد کو ختم کرنا ضروری ہے، ذخیرہ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۶۰
[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹
[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۸

مسئلہ ۱۶۱: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یانونی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

بحضور لامع النور جناب مستطاب معلّٰی القاب دام فیضہ، سابق حضور نے بدرخواست فدوی فتوٰی ارسال فرمایا تھا اس کو داخل عدالت کردیا، بجواب اس کے حاکم مرافعہ عدالت دیوانی کے حاکم سے صحت فتوٰی مرسلہ حضور کی طلب کی ہے، عالیجاہا! یہ امر ضرور ثابت ہے کہ حاکم مجوز اپنی تجویز کو خراب نہیں کرسکتا ہے، اور فتوٰی جو حضور نے کرم فرماکر رسال فرمایا تھا اس میں جس قدر روایات مندرج ہیں بیع سے تعلق رکھتے ہیں، اجارہ کے معاملہ میں کوئی روایت نہیں تھی جس کی صحت حاکم مرافعہ نے کرائی ہے، اس واسطے حضور کو دوبارہ تکلیف دیتا ہوں، اور نقل روبکار کی من وعن بھیجتا ہوں۔

الجواب:

فتوٰی سابقہ میں مفصلاً ثابت کردیا گیا کہ یہ اجارہ فاسد اور اس کا فسخ واجب ہے، وہ روایات سب متعلق اجارہ تھیں، انھیں متعلق بیع کہنا ہی متعلق اجارہ ماننا ہے کہ یہاں اجارہ و بیع کا ایک ہی حکم ہے بلکہ اجارہ معنی بیع کی ایک قسم ہے۔ ارشادات علماء بر سبیل اختصار سنئے: ۱مغنی المستفتی پھر ۲عقود الدریہ میں ہے:

البیع والاجارۃ اخوان لان الاجارۃ بیع المنافع[1]۔	بیع واجارہ بھائی بھائی ہیں اس لئے کہ اجارہ منافع کی بیع ہے۔

۳ردالمحتار میں ہے:

الاجارۃ نوع من البیع اذھی بیع المنافع[2]۔	اجارہ بیع کی ایک قسم ہے کہ وہ بیع منافع ہے۔

۴مختصر امام ابوالحسن قدوری ۵ہدایہ میں ہے:

(الاجارہ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع) لانھا بمنزلتہ[3]۔	اجارہ کو شرطیں فاسد کرتی ہیں جس طرح بیع کو کہ اجارہ بمنزلہ بیع ہے۔

۶کافی امام نسفی و ۷کفایہ شرح ہدایہ و ۸برجندی شرح نقایہ و ۹طحطاوی علی الدرالمختار

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹

[3] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۹۹

میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فتفسد بالشرط [1]۔	اجارہ بیع کی طرح ہے تو شرط لگانے سے فاسد ہوجائے گا۔

[۱]کنز اور اس کی شرح "تبیین الحقائق پھر [۲]تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے:

(یفسد الاجارۃ الشرط)لانہا بمنزلۃ البیع [2]۔	اجارے کو شرط فاسد کردیتی ہے کہ وہ بمنزلہ بیع ہے۔

[۳]فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ کالبیع یفسدھا الشرط الفاسد فیجب علیھم فسخھا [3]۔	اجارہ مثل بیع ہے شرط فاسد اسے فاسد کردیتی ہے توان پر اس کا فسخ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

[۴]اختیار شرح مختار پھر [۵]خزانۃ المفتین میں ہے:

الاجارہ تفسد بالشرط کما یفسد البیع وکل جھالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ [4]۔	اجارہ شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جیسے بیع فاسد کرتی ہے اور جو جہالت بیع کو فاسد کرے گی اجارہ کو بھی فاسد کردے گی۔(ت)

[۶]فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط الفاسدۃ فکل جھالۃ تؤثر فی البیع توثر فی الاجارۃ [5]۔	اجارے کو فاسد شرطین فاسد کردیتی ہیں پس جو جہالت بیع میں خلل ڈالے گی اجارے میں بھی خلل انداز ہوگی۔

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۴، شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۷۷، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دارالعرفۃ بیروت ۴/ ۲۴

[2] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۲

[4] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ قلمی نسخہ ص ۱۶۵

[5] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

[۱۷]وقایہ امام برہان الشریعۃ و [۱۸]شرح امام صدر الشریعۃ و [۱۹]اصلاح متن و [۲۰]ایضاح شرح علامہ ابن کمال باشامیں بے تفاوت حرفے ہے:

(الشرط یفسدھا) المراد شرط یفسد البیع [1]۔	شرط اجارے کو فساسد کردیتی ہے مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

[۲۱]غرر الاحکام و [۲۲]درالحکام مولی خسرہ میں ہے:

تفسد بالشرط المفسد بالبیع [2]۔	اجارہ انھیں شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

[۲۳]نقایہ امام صدر الشریعۃ میں ہے: یفسدھا شروط تفسد البیع [3] (جارے کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں کہ بیع میں فساد لاتی ہیں۔ [۲۴]بحر الرائق پھر [۲۵]فتح اللہ المعین للسید الازہری میں ہے:

کل ماافسد البیع یفسدھا [4]۔	جو کچھ بیع فاسد کرے اجارہ کو بھی فاسد کرتا ہے۔

[۲۶]تنویر الابصار و [۲۷]درمختار میں ہے:

(کل ماافسد البیع) مما مر (یفسدھا) [5]۔	جتنی چیزوں کا ذکر بیع میں گزرا کہ اسے فاسد کرتی ہیں سب اجارے کو بھی فاسد کرتی ہیں۔

[۲۸]غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فکل ماافسد البیع افسدھا [6]۔	اجارہ مانند بیع ہے تو جو کچھ بیع کو فاسد کرے گا اس میں بھی فساد لائے گا۔

یہ سردست بعد منازل قمر اٹھائیس [۲۸]کتب معتمدہ کی روشن عبارات ہیں، ان عبارات جلیلہ سے واضح ہوا کہ شروط مفسدہ اجارہ کے باب میں روایات متعلقہ بیع کو ذکر کرنا عین حق وصواب ہے، یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ فقہائے کرام ہی یہاں ان کے بیان کو اسی بیان کتاب البیوع پر محول فرماتے ہیں وہاں سے ان کے

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۷

[2] الدالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[3] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۱

[4] فتح المعین علی شرح الکنز کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۴۳

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[6] غایۃ البیان

احکام دیکھنے کی ہمیں راہ بتاتے ہیں، اسی لئے فتوائے سابقہ میں عبارت مذکورہ در مختار نقل کردی تھی کہ جن چیزوں کا مفسد بیع ہونا کتاب البیوع میں مذکور ہوا وہ سب مفسد اجارہ بھی ہیں، اسے پیش نظر رکھ کر یہ دیکھئے کہ اس عقد اجارہ میں ضمانت مجہول مشروط ہوئی امانت نامعینہ کی شرط کی گئی مجلس عقد میں پیش از تفرق عاقدین نہ کسی کفیل کی طرف سے قبول واقع ہوا، نہ رہن کی تعین یا بہ بطال رہن اجرت کی تعجیل کی گئی، اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ ایسی شرطیں مفسد بیع ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہی عبارات کثیرہ کذکورہ یک زبان شہادت عادلہ دیں گی کہ یہ شرطیں فساد اجارہ کا ذمہ لیں گی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور یہ امور مفسد بیع ہیں، تو حسب تصریحات ائمہ قطعاً مفسد اجارہ بھی ہیں، شرح مجمع ابن فرشتہ وشرح التنویر علائی وبحر الرائق کی عبارات فتوائے سابقہ میں گزریں۔ اور ردالمحتار وحاشیہ علامہ سید احمد مصری علی الدر المختار میں زیر قول شارح "**یصح البیع بشرط رھن معلوم و کفیل حاضر**" (معلوم رہن کی شرط پر اور کفیل حاضر ہونے کی شرط پر بیع جائز ہے۔ت) فرمایا:

فلو لم یکن مسمی ولامشار الیه لم یجز الااذا تراضیا علی تعیینه فی المجلس و دفع الیه قبل ان یتفرقا اوان یعجل الثمن ویبطلان الرھن وقید بحضرۃ الکفیل لانه لوکان غائبا اوحاضرا لم یقبل لم یجز اھ بلفظ ط[1] ملخصًا۔	اگر نہ رہن معلوم اور اس کی طرف اشارہ بھی نہ ہو تو جائز نہیں۔ ہاں اگر دونوں فریق مجلس میں ہی رہن کے تعین ہو جائیں اور وہ سپرد بھی کردیا گیا ہو تو جائز ہو جائے گا، یا پھر رہن کو باطل کرکے ثمن موقعہ پر ادا کردے اور کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی اس لئے کہ اگر وہ غائب ہو یا حاضر ہو کفالت کو قبول نہ کرے تو جائز نہ ہوگا۔ اھ طحطاوی کے الفاظ ملخصًا۔ (ت)

پھر اس اجارہ کے فساد میں کیا شبہہ وکلام ہوسکتا ہے معہذا جو کچھ اس عقد مبحوث عنہ میں شرط کیا گیا خود اسے فسخ اور فسخ بھی کیسا بوجوہ تعلیق بالشرط فاسد مان کر نفس اجارہ کو صحیح ٹھہرانے کی طرف اصلا کوئی سبیل نہیں، اجارہ قطعاً شروط فاسدہ سے فاسد ہوجاتا ہے جس پر ابھی نصوص واضحہ سن چکے، خاص شرط فسخ کا جزئیہ لیجئے، وجیز امام کردری تفریعات نوع اول فصل ثانی کتاب الاجارات میں محیط سے ہے:

اُجرتك داری ھذہ وارضی ھذہ	میں نے تجھے یہ مکان یا یہ زمین اجرت پر اس لئے دی

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفة بیروت ۳ /۷۷، ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲۲

علی انك تفسخ العقد متی اردت فالاجارۃ فاسدۃ [1]۔	کہ توجب چاہے فسخ کردے تواجارہ فاسد ہوگا۔(ت)

بالجملہ اس اجارے کا فاسد ہونا ایسا جلی وواضح ہے جس میں کسی خادم فقہ کو توقف نہیں ہوسکتا تو خالد کو ضرور اختیار فسخ حاصل ہے، رضامندی فریقین کی حاجت عقد صحیح لازم میں ہوتی ہے عقود فاسدہ میں کیا ضرورت، خالد کو اختیار ہونا کیسا اس پر اور نیز ہر مستاجر پر فسخ کرنا واجب ہے وہ نہ کریں حاکم پر لازم وہ بھی باز رہے تو سب گنہگار وآثم، تنقیح الفتاوی حامدیہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ثلاث جنینۃ معلومۃ وثلثھا الاخر ملك عمرو فاجر زید ثلثیۃ من بکر فھل یملك المستاجر الدعوی بفسادھا الجواب نعم الاجارۃ والبیع اخوان لان الاجارۃ تملیك المنافع و البیع تملیك الایمان وقد قال فی الدرالمختار فی باب البیعم الفاسد یجب علی کل واحد منھا ای من البائع والمشتری فسخه اعداما للفساد لانه معصیۃ فیجب رفعھا،بحر۔واذاصراحدھما علی امساکه و علم به القاضی فله فسخه جبرا علیھما حقا للشرع بزازیۃ [2] اھ باختصار۔	ان سے سوال ہوا کہ ایک باغ کا دو تہائی حصہ زید کا ہو اور ایک تہائی حصہ کا مالک عمرو ہو توزید نے اپنا دو تہائی بکر کو اجارہ پر دے دیا تو کیا مستاجر کو حق ہے کہ اجارہ کے فساد کا دعوی کرے،الجواب ہاں، کیونکہ بیع اور اجارہ ہم مثل ہیں کیونکہ اجارہ میں منافع کا مالک اور بیع میں عین شیئ کا مالک بنانا ہوتا ہے اور درمختار میں بیع فاسد کے باب میں فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں پر فسخ کرنا واجب ہے تاکہ فساد ختم ہوسکے، کیونکہ وہ گناہ ہے جس کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔بحر۔اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کو قائم رکھنے پر مصر ہو اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبرا فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہو،بزازیہ اھ اختصار(ت)

خاص اس وجوب فسخ اجارہپر بوجہ فساد کے جزئیہ میں عبارات کثیرہ علماء فقیر کے پیش نظر موجود ہیں جن سے بعض فتوائے سابقہ میں منقول ہوئیں،اور عبارت خیریہ ابھی گزری مگر یہاں بالقصد

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۳۱۔۱۳

یہ عبارت لکھی جس میں علامہ حامد آفندی مفتی دمشق الشام نے حکم اجارے پر فرمایا اور روایت متعلق بیع ذکر کی، اور علامہ منقح آفندی زین العابدین نے مقرر رکھی تاکہ روشن ہو کہ ایسی جگہ علمائے کرام کا داب کیا رہا ہے۔ **وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۶۲: از بانکی پور ضلع پٹنہ محلّہ باغ گل بیگم مرسلہ مولوی حکیم محمد یوسف حسن صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید مثلاً حرفہ طبابت می کند باشخصے مثلاً بکر چنیں قرار یافت کہ زید مداوات بکرے کند "حالا بلا اجرت" اگر بکر صحت یافت درمدت معینہ و مرض زائل شد صدروپیہ از و زید خواہد گرفت اجرۃ یا انعاماً و گرنا ہیچ اجرت بروے عائد نخواہد شد، ایا ایں معاملہ صحیح ست یانہ، بعضے ایں جامی گویند کہ ایں معاملہ اصلاً صحیح نیست وبعضے می گویند کہ ایں از قبیل قمار بازی ست، چہ صحت شخصے غیر اختیاری ست، از روئے شرع شریف ہرچہ حکم باشد فرمودہ شدہ تفصیلاً۔ **بینوا توجروا**	علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید طبیب ہے جس نے بکر سے طے کیا کہ فی الحال تیرا علاج مفت کرتا ہوں اگر تو مقررہ مدت میں صحت یاب ہوجائے اور مرض ختم ہوجائے تو تجھ سے سو روپیہ بطور اجرت لوں یا بطور انعام حاصل کروں گا ورنہ کوئی اجرت تیرے ذمہ نہ ہوگی، کیا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہرگز درست نہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جوا اور قمار ہے کیونکہ صحت شریعت کے مطابق جو حکم ہو ارشاد فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قول قائل "حالات اُجرت" سہ معنی را محتمل ست، **یکے**[۱] نفی اجارہ یعنی حالا ہیچ عقد اجارہ نیست زید ہمچناں بطور خود دار بے اجارہ کند، **دوم**[۲] نفی اجرت یعنی حالا عقد اجارہ بلا اجرت ست، **سوم**[۳] نفی حلول اجرت مقررہ فی الحال دادنی نیست، ہمچناں در قول او "اجرۃ یا انعاما" یحتمل کہ تردید از جانب سائل باشد،	یہ کہنا کہ فی الحال کوئی اجرت نہ ہوگی اس میں تین احتمال ہیں **ایک**[۱] یہ کہ فی الحال اجارہ کی نفی ہے اس وقت عقد اجارہ نہیں ہے اور زید اپنے طور پر خود علاج کرے گا، **دوم**[۲] یہ کہ فی الحال عقد اجارہ ہے مگر اجرت فی الحال نہیں ہے، **سوم**[۳] یہ کہ عقد اجارہ اجرت مقررہ ہے مگر اجرت فی الحال دینی لازم نہیں ہے یونہی یہ کہنا کہ بطور اجرت یا انعام اس میں بھی ایک

یعنی معامل کنندگان اجرۃ گفتند یا انعاما، یا ہم در کلام ایشاں باشد کہ گفتند اجرۃ یا انعاما خواہد گرفت، ایں نیز سہ صورت شد وکذلک قولش "وگرنہ ہیچ اجرت بردے عائد نخواہد شد" می شاید کہ بربنائے نفی اجارہ باشد یعنی اجارہ خود نبود کہ اجرت لازم آمدے، ومی تواند بربنائے انتفائے شرط مقرر فی الاجارہ بود، بالجملہ ایں سخن پہلو ہائے بسیار دارد برتقدیریکہ زید وبکر اقتصار بر لفظ اجرۃ کردہ باشند اجارہ خود معین ست والنفی ان کان کان نفی المطلقۃ لاالنفی المطلق لتحقق المشروط عیانا، ورنہ اثبات ونفیش ہر دو بدستور محتمل، زیرا کہ انعام اگر چند عــــہ صلہ یا تبرع گویند در ہمچو مقام بربدل ومعاوضہ ہم اطلاقش کنند، ولفظ انعام تنہا یا مردود اگر رود بعد اجارہ دارد قید حلا در سابق شرط "ورنہ" درلاحق رو بتحقیق اوست، وسخن ضابطہ دریں مقام آنست کہ اگر زید وبکر ازیں کلام عقد اجارہ خواستہ اند و دادن اجرت مشروط بشرط مذکورہ داشتہ، وازہمیں قبیل ست تقرر معاوضہ وبدل بر عمل، اگرچہ اجرتش	احتمال یہ ہے کہ سال بھیجنے والے کا خیال ہے دونوں حضرات نے اجرت کی بات کی ہے یا انعام کہا ہے جو اسے متعین طور پر معلوم نہیں ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے اپنی گفتگو میں کہا ہے اجرت کے طور پر یا انعام کے طور پر لے گا، پھر زید طبیب کا یہ کہنا کہ "لے گا" اس میں تین صورتیں ہیں اور یوں ہی زید کا کہنا کہ ورنہ کوئی اجرت بکر کے ذمہ نہ ہوگی کہ اجارہ کے طور پر نہ ہوگی یعنی اجارہ ہی نہیں تو اجرت کیا ہوگی اور ہوسکتا ہے اجارہ میں مقررہ اجرت کی شرط کی نفی کی ہو، غرضیکہ یہ بات بہت سے پہلو رکھتی ہے اس تقدیر پر کہ زید اور بکر نے صرف اجارہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہو تو اجارہ کی صورت ہوگئی ہے اور (ورنہ کچھ اجرت نہ ہوگی) یہ نفی مطلق اجرت کی ہوگی مکمل نفی نہ ہوگی، کیونکہ مشروط (مرض) واضح طور پر متحقق ہے، ورنہ مکمل نفی میں اثبات و نفی دونوں احتمال بدستور باقی ہوں گے کیونکہ انعام اگرچہ صلہ اور تبرع ہوتا ہے مگر ایسے مقام میں بدل اور معاوضہ بھی مراد ہوتا ہے اور انعام کا لفظ صورتا اگر عدم اجارہ ہے تو پہلے "فی الحال" کی قید اور بعد میں "ورنہ" کی شرط اجارہ کے تحقق کی صورت ہے، اور ضابطہ کی بات یہاں یہ ہے کہ اگر زید وبکر نے یہ

عــــہ: اظنہ "اگرچہ" ۱۲۔

نگویند وبنام انعام تعبیر کنند فان المعنی ھوالمعتبر فی ہذہ العقود کما نص علیہ فی الہدایۃ وغیرہا۔آنگاہ درفساد وحرمت ایں عقد سخنے نیست،زیراکہ ایں تعلیق بالخطر ست،وعقد اجارہ ہمچوں تعلیقات رابرنتابد،ونیز صحت خاصہ وایں قدرمدت مقدورر طبیب نیست،دریں صورت طبیب مستحق اجرت مثل خواہد بود، امابیش از قدر مقدور اعنی صدروپیہ نیابد اگر درہمچوں مدت ہمچو مرض راایں چنیں مداوا پیش مردوم بصد روپیہ یابیش ازاں مے ارزد،صد روپیہ دہندش وبس واگر مثلا یک روپیہ اجر مثل ست ہمیں یک دہند،ود گرہیچ نہ،واگر مقصود سخن منفی اجارہ حقیقۃ ووعدہ مجردہ انعام محض.بروجہ تبرع باشد مثلا زید گفت حالاہمچناں مفت ورائگاں کارمے کنم ہیچ اجارہ درمیان نیست اگر بمدت معلومہ صحت دست نداد چیزے نہ دہند کہ کارباجرت خود نبودہ است،ورنہ بطور تبرع صدروپیہ انعام بخشند،بکر گفت ہمچناں کنم ایں رواوبے غائلہ است،زیراکہ وعدے بیش نیست

کلام عقد اجارہ کے طورپر کیا ہے اور اجرت کیا ادائیگی کو شرط مذکور سے مشروط کیا،اسی قبیل سے معاوضہ اور بدل کا تقرر عمل پر کرنا ہے اگرچہ اجرت نہ کہیں اور اس کانام انعام رکھیں،توایسی صورت میں اس عقد کے فساداور حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے،کیونکہ ان عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ وغیرہا نص موجود ہے اور فساد کی وجہ اس میں یہ ہے کہ اجرت کو ہونے نہ ہونے والی چیز سے معلق کیا گیا ہے جبکہ عقد اجارہ ایسی تعلیق کو قبول نہیں کرتا، نیز مکمل صحت او رمدت کی مقدار طبیب کا مقدور نہیں ہے لہٰذا ایسی صورت میں طبیب مثلی اجرت کا مستحق ہوگا تاہم وہ مثلی اجرت مقررہ سوروپیہ سے زائد نہ ہوگی یعنی اگر ایسی مرض کا اتنی مدت میں ایسا علاج لوگوں کے ہاں سوروپے یا اس سے زائد ہوتا ہو تو سوروپیہ ہی دیا جائے گا اور ایک روپیہ میں ہوتا ہے ہو تو صرف ایک ہی روپیہ مثلی اجرت دی جائے گی اور اگر زید وبکر کا کلام حقیقی اجارہ کی نفی پر مبنی ہے اور انعام کا صرف وعدہ بطور تبرع ہے مثلاً زید نے کہا فی الحال مفت علاج کرتا ہوں او کوئی اجارہ نہیں ہے اور مدت معینہ میں صحت یاتی نہ ہو تو کچھ نہ دینا کیونکہ یہ کام اجرت پر نہیں ہے ورنہ صحت یابی کی صورت میں تبرع کے طورپر سوروپیہ انعام بخشیش کردینا،بکر نے جواب میں تسلیم کرلیا کہ ایسا کروں گا تو یہ بالکل جائز ہے کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جس میں کوئی

والوعدہ لاحجر فیه وماکان یخشی من جھة تعیین
شیئ بازاء العمل علی تقدیر الصحة فقد زال
بتصریح نفی الاجارۃ کون ذٰلك تبرع بلا عقد فان
الصریح یفوق الدلالة کما لایخفی، فی الھندیة سئل
شمس الائمة الاوزجندی عمن دفع الی طبیب جاریة
مریضة وقا له عالجھا بمالک، فمایزداد من قیمتھا
بسبب الصحة فالزیادۃ لك ففعل الطبیب و برئت
الجاریة فلطبیب علی المالك اجر مثل المعالجة،
وثمن الادویة والنفقة ولیس له سوی ذٰلك شیئ کذا
فی المحیط، وفیھا عن البزازٰیة دفع جاریة مریضة الی
طبیب وقال عالجھا فان برئت فمازاد من قیمتھا
بالصحة بیننا فعالجھا حتی صحت له اجر المثل [1]
الخ، و فیھا عن المحیط الاصل ان العقد اذا فسد مع
کون المسمی کل معلوما لمعنی اٰخر یجب اجر المثلی و
لایزاد علی المسمی، حتی ان المسمی اذا کان خمسة
اجر المثل عشرۃ یجب خمسة لاغیر۔ وینقص عن

حرج نہیں ہے اور یہ احتمال کہ عمل کے مقابلہ میں اجرت کا
تعین ہے تو ی احتمال اجارہ کی صراحۃ نفی سے ختم ہوجاتا ہے
کیونکہ صریح بات محض دلالت پر فائق ہوتی ہے جیسا کہ مخفی
نہیں ہے۔ ہندیہ میں ہے کہ شمس الائمہ اورزجندی سے
سوال ہوا کہ ایک شخص نے طبیب کو کہا میری مریضہ لونڈی
کا اپنے خرچ سے علاج کرو اور صحت ہوجانے پر اس کی جتنی
زائد قیمت ہوگی وہ تیری ہوگی تو طبیب کے علاج سے وہ
تندرست ہوگئی تو مالک پر طبیب کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور
ساتھ ہی دوائیوں کی قیمت اور لونڈی کی خوراک کا خرچہ بھی
طبیب کو دے گا، طبیب کو اس سے زائد کچھ استحقاق نہ ہوگا،
محیط میں یوں ہے، ہندیہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ
مریض لونڈی طبیب کے سپرد کرکے کہا کہ اس کا علاج کرواو
راس کی صحت پر جتنی قیمت زائد حاصل ہوگی وہ میرے اور
تیرے درمیان تقسیم ہوگی۔ تو اگر مریضہ تندرست ہوگئی تو
معالج کو صرف مثلی قیمت دی جائیگی الخ، اور ہندیہ میں محیط
سے منقول ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر عقد کسی خارجی وجہ سے
فاسد ہوجائے تو مثلی اجرت لازم ہوتی ہے، اور مقررہ اجرت
سے زائد نہ ہونی چاہئے حتی کہ اگر مقررہ اجرت پانچ درہم ہے
اور مثلی اجرت دس درہم ہے تو پانچ ہی دئے جائیں گے، زائد
نہیں، مثلی اجرت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۵۲۸

المسمی حتی انه اذا کان اجر المثل خمسة والمسمی عشرة یجب خمسه [1] اھ مختصرا وفیھا عن الخانیة ذکر محمد رحمه الله تعالٰی الحیلة فی استیجار السمسار وقال یامرہ ان یشتری له شیئا معلوما اویبیع ولا یذکر له اجرا ثم یواسیه بشیئ اماھبة اوجزاء للعمل فیجوز ذٰلك لمساس الحاجة [2] اھ **قلت** فاذا جاز لعدم ذکر الاجر فلان یجوز بذکر عدم الاجر اولی کمالایخفی واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	مقررہ سے کم ہونے کی صورت میں کم ہی دی جائیگی، مثلا مثلی اجرت پانچ روپے ہے اور مقررہ اجرت دس درہم ہو تو پانچ دئے جائیں گے اھ مختصرا۔ اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ آڑھتی کی اُجرت کا حیلہ یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی خرید وفروخت کا آرڈر دے کر اس کو اجرت نہ بتائے پھر عمل کے بعد اس کو کچھ امداد کے طور پر ہبہ یا جزاء کی صورت میں دے، تو یہ ضرورت پڑنے پر جائز ہے اھ، **میں کہتاہوں** جب اجرت کے ذکر نہ کرنے پر دینا جائز ہے تو اجرت کی نفی پر بطریق اولٰی کچھ نہیں دینا جائز ہوگا۔ جیساکہ مخفی نہیں ہے **واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۳: از شہر کہنہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزوں کی نوکری سلائی کے کام کی کرنا یا ان کا کپڑا مکان پر لا کر سینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

انگریز کی سلائی کی نوکری کرنے یا گھر پر لا کر اس کا کپڑا سینے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی محذور شرعی پر مشتمل نہ ہو، فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

اٰجر نفسه من نصرانی ان استاجرہ لعمل غیر الخدمة جاز [3] الخ، وتمامه فی غمز العیون، واللہ سبحانه و تعالٰی اعلم۔	مسلمان نے اپنے آپ کو عیسائی کا اجیر بنایا اگر اس کی ذاتی خدمت کے علاوہ کوئی کام اجرت پر کرے تو جائز ہے الخ، اور اس کی مکمل بحث

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۴۱

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۳۳

وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	غمز العیون میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۶۴: از شہر کہنہ غرہ محرم الحرام شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے ایک مکان معہ صحن واحاطہ کے ایک سال کے واسطے کرایہ پر لیااو راحاطہ کی دیواریں نصف بنی ہوئی تھیں۔_____________زید نے عمرو سے کہاکہ احاطہ دیواریں بنوادو، عمرو نے وعدہ کیاکہ میں دو تین روز میں دیواریں بنوادوں گا، تم لکڑی ڈالوں اور کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دو، زید نے کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دیاعہ ۱۲/ ماہواری حساب سے، زید نے اپنا ایک شریک کرکے اس میں لکڑی ڈالی، او زید نے عمرو سے کہاکہ اپنے وعدہ کے موافق دیواریں بنوادو، عمرو نے جواب دیاکہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دو مہینے کے بعد بنوادوں گا، تم ایک آدمی اپنے مال کی حفاظت کے واسطے نوکر رکھ لو، جب تک دیواریں نہ تیار ہوں، زید نے کہاکہ میں غریب آدمی ہوں اس قدر مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ میں نوکر بھی رکھوں، اور کرایہ مکان بھی دوں، اور جو شریک زید کا ہوا تھاوہ بھی دو چار روز کے بعد شرکت چھوڑ کر چلاگیا، بعد ایک ہفتہ کے زید نے مجبور ہو کر بوجہ اپنے نقصان کے لکڑی اس مکان سے اٹھالی اور کنجی عمرو کو دے دی، عمرو نے زید سے کہاکہ میں تم سے کرایہ ایک سال کالوں گا، زید نے کہاجب دیواریں بنوادوگے اس قت میں ٹالی لکڑی ڈالوں گا تب کرایہ تم کو دوں گا، پھر عمرو خاموش ہورہا، اور اب چار مہینے کے بعد عمرو نے دیواریں بنانے کا قصد کیا ہے اور زید سے کہا ہے کہ تم لکڑی ڈالو، زید نے کہاکہ اب میرے پاس روپیہ نہیں ہے بوجہ ناداری کے مجبور ہوں

پس اس صورت میں زید سے جبراً کرایہ سال بھر کا عمرو کو لینا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ مکرر یہ ہے کہ مقدار دیواروں کی ڈیڑھ گز رکی اونچائی اور ایک جانب مکان کا دروازہ اور بنیاد دیوار ہے اور اس جانب کچھ حفاظت نہیں ہے دیواروں کا بنوادینا عقد سے پہلے ہوا تھااور وقت فیصلہ کرایہ کے بھی عمرو نے اقرار کیا تھااور کہا تھاکہ میں تین تین گزر کی دیواریں اونچی کرادوں گا چاروں طرف اور بعد ایک ہفتہ کے چابی عمرو نے زید سے طلب کی، زید نے چابی دی، عمرو کی جانب سے خاموشی ہوئی فقط، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سوال مختلف وجوہ پر پیش کیاگیا۔ اگر صورت واقعہ یہی ہے تو اس شکل میں زید پر سال بھر کا کرایہ لازم نہیں دیواریں اس قدر چھوٹی ہونا جس میں مال کی حفاظت نہ ہو بلاشبہ عذر صحیح ہے

اور اس کا مضر و مخل منفعت مقصودہ ہونا ظاہر و صریح ہے، تو مذہب اصح و معتمد پر زید باختیار خود اس اجارے کو فسخ کر سکتا تھا اگرچہ عمرو نہ مانے، یہاں جبکہ خود عمرو نے کنجی مانگ لی اور زید نے دے دی، جب عمرو نے کہا میں کرایہ سال بھر کا لے لوں گا، اس نے وہ جواب دیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت اجارہ باقی نہیں رکھتا بعد دیواریں بنوا دینے کے اس کا دعدہ کرتا ہے، اور عمرو اس جواب پر خاموش ہو رہا، تو ہر طرح اجارہ فسخ ہو گیا، اور روز سپردگی کلید سے زید کے ذمہ کرایہ لازم نہ رہا۔

فی ردالمحتار عن حاشیة الاشباہ للسید ابی السعود عن العلامة البیری، الحاصل ان کل عذر لایمکن معه استیفاء المعقود علیه الا بضرر یلحقه فی نفسه او ماله یثبت له حق الفسخ [1]۔	ردالمحتار میں سید ابو سعود کے حاشیہ الاشباہ سے بحوالہ علامہ بیری منقول ہے، حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی وجہ سے معقود علیہ بغیر ضرر پورا نہ ہو سکتا ہو خواہ ضرر جان کا ہو یا مال کا ہو تو عذر والے کو اس عقد کے فسخ کا حق ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

عمارة الدار المستأجرة وتطیینها و اصلاح المیزاب و ما کان من البناء علی رب الدار و کذا کل مایخل فان ابی صاحبها ان یفعل کان للمستاجر ان یخرج منها، الا ان یکون استأجرها وهی کذٰلك وقدراٰها لرضاه بالعیب وفی الجوهرة وله ان یتفرد بالفسخ بلا قضا، **قلت** و فی حاشیة الاشباہ معزیا للنهایة۔ ان العذر ظاهرا یتفرد وان مشتبها لاوهو الاصح [2] ملخصاً۔ قلت وظاهر	کرایہ والے مکان کی تعمیر، لپائی اور پرنالہ اور جو بھی مرمت مکان کی عمارت کی اصلاح کے لئے ہو وہ مالک مکان کے ذمہ ہے، اگر وہ اس سے انکار کرے تو کرایہ دار کو حق ہے کہ وہ مکان چھوڑ دے، ہاں اگر کرایہ دار نے اس حالت میں دیکھ کر لیا تو اس کی یہ حق نہیں کیونکہ وہ عیب دیکھنے کے باجود لینے پر راضی ہوا تھا اور جوہرہ میں ہے کہ کرایہ دار قضاء کے بغیر خود عقد کو فسخ کر سکتا ہے، **میں کہتا ہوں**، اور الاشباہ کے حاشیہ میں نہایہ کی طرف منسوب ہے کہ اگر واضح عذر ہو تو اسے فسخ کا اختیار ہے اور اگر مشتبہ معاملہ ہو تو پھر اختیار نہیں،

[1] ردالمحتار کتاب الاجارات باب الاجارة الفاسدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰

[2] درمختار کتاب الاجارة باب فسخ الاجارة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۳

ان الثنیا المذکورۃ بقولہ"الا ان یکون استأجرھا الخ"لایتعلق بما ھنا فانہ و ان راٰہ لم یرض بہ کان شارطہ ان یبنی الجدران واللہ تعالٰی اعلم۔	اصح یہی ہے،اھ ملخصا۔میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے مگر دیکھ کر لیا ہو"الخ والا استثناء مذکور اس مسئلہ سے متعلق نہیں کیونکہ اگر دیکھ لیا ہو تو راضی نہ ہوا بلکہ اس نے اس وقت مالک سے مرمت کی شرط کرکے لیا ہو تو مالک کے انکار پر فسخ کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۵: ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈی کو جو کسبی ہے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہر گز نہ دیا جائے،اگر وہ زانیہ ہے اور اگر صرف ناچ گانے کا پیشہ رکھتی ہے تو حرج نہیں کہ فاسقہ ہے اور فاسق کو مکان اجارہ پر دینے میں کچھ حرج نہیں،بخلاف زنا پیشہ کہ وہ مکان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اس میں زنا ہو۔**والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۶: از بنگالہ ۲۶ رجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم دام طولکم فی العھدۃ الرائجۃ فی بلادنا التی یقال لھا سب رجستراری"کیف ھی فی نفسھا نظرا الی ماھولازم لھا الاٰن من حفظ صکوك الربا،وغیرھا من العقود الفاسدۃ المحرمۃ شرعا،و لایمکن لاحد ان یقوم بھاھھنا الاحتراز عن ذٰلك فھل ھی حرام ام لا۔بینوا توجروا	آپ کی درازی عمر ہو،آپ کا ارشاد کیا ہے۔مروجہ سب رجٹراری جس کے لوازمات میں سود کی رسیدات اور دیگر شرعی طور پر حرام اور فاسد عقود کے ریکارڈ کی حفاظت ہے،ان لوازمات کے پیش نظر اس عہدہ کا کیا حکم ہے جبکہ اس عہدہ پر فائز کوئی شخص مذکورہ مفاسد سے بچ نہیں سکتا_____بینوا توجروا

الجواب:

نعم ھی حرام شرعا والحال ماوصف فانھا احدی الشھادات علی تلك الصکوك،	ہاں یہ شرعا حرام ہے جبکہ صورت وہی ہے جو ذکر کی ہے کیونکہ یہ عہدہ ان سودی چیکوں ورسیدوں

بل اعظمها فی القانون الرائج حیث لایقبل کثیر من الصکوك الابها، فکان القائم بها معینا فی ثبوت الربا الحرام شرعا، وقد قال تعالٰی "وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1] ثم هو ینسخ الصك ویحفظ نسخته فی قمطره، فکان احد الکاتبین بل الکاتب الاعظم لما مر، وقد اخرج مسلم فی صحیحه عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما قال لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰکل الرباء ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال هم سواء[2]"۔ واخراج ابوداؤد والترمذی، و صححه ابن ماجة وابن حبان فی صحاحهم عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، قال لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰکل الرباء و مؤکله وشاهدٰه وکاتبه[3]، واخرج احمد وابویعلی وابنا خزیمة وحبان فی صحیحهما عنه

پر بڑی شہادت ہے بلکہ رائج قانون میں کوئی بھی رسید و چیک وغیرہ اس عہدہ کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کئے جاتے تو اس عہد پر قائم شخص سودی اور حرام معاملاہت پر معاون ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے، گناہ اور عداوت پر باہمی تعاون نہ کرو، پھر یہ عہدیدار ان چیکوں کو لکھتا ہے اور اپنے محافظ خاز میں اس کی تحریر کو محفوظ کرتا ہے تو بھی ایک کاتب بلکہ بڑا کاتب ہے جیسا کہ گزرا حالانکہ مسلم رحمہ اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے کھلانے اور اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا سب برابر مجرم ہیں، اور ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان نے انی اپنی صحاح میں اس کو صحیح کہا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے کھلانے، اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور احمد ابویعلی، اور ابن خزیمہ ابن حبان دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعة باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی اکل الرب، وامین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵، سنن ابی داؤد ۲/ ۱۱۷، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۶، موارد الظلمآن حدیث ۱۱۱۲ المطبعة السلفیہ ص ۲۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اٰکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ و شاہداہ اذا علموا بہ ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] ہذا مختصرا،واخراج الطبرانی فی الکبیر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن مرفوعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ الرباء واٰکلہ ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وھم یعلمون[2]" الحدیث، قدجمع ثلثۃ وجوہ للتحریم اعانۃ الاثم وکتابہ الربا والشہادۃ۔والعیاذ باللہ تعالٰی،واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: سود کھانے، کھلانے، اس کے کاتب اور گواہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ملعون ہیں۔یہ مختصر ہے،اور طبرانی نے اپنی کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن سند کے ساتھ مرفوع حدیث میں روایت کیا کہ اللہ تعالٰی نے سود کھانے کھلانے،لکھنے اور گواہی دینے والے پر جبکہ وہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں،لعنت فرمائی ہے، الحدیث،تو بیشک حرمت کے تین وجوہ گناہ میں،اعانت،سود کی کتابت،اور گواہی،کاسب رجسٹرار جامع ہوتا ہے،والعیاذ باللہ تعالٰی،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۷: از شہر کہنہ مسئولہ ظہور محمد خاں ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت آئین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں کے درمیان دوستی محض اللہ واسطے ہو، ایک شخص اپنے دوسرے دوست کی اولاد کو کلام مجید محض اللہ واسطے پڑھاتا ہے، تنخواہ نہیں لیتا،لڑکوں کا باپ محض اپنے اخلاص ومحبت سے اس دوست کو کوئی چیز بلا قیمت کے دے اور یہ اس کا خیال نہ ہو کہ پڑھانے کا بدلہ کرتا ہوں،تو ایسی حالت میں عوض پڑھانے کا تو نہیں ہو جائیگا؟

الجواب:

جبکہ اس کی نیت نہ اجرت لینے کی ہے نہ اس کی نیت اجرت دینے کی،تواجرت تو وہ ضرور نہیں،نہ اس سے بچنا لازم مگر ورع کا مقام برتنا چاہے تو ہی نظر کرے کہ بغیر اس علاقہ کے پہلے بھی وہ کبھی اس کو اس قسم کا ہدیہ دیتا تھا،جب تو وہ بلا دغدغہ ہدیہ خالصہ ہے۔ اس کا قبول کرنا

[1] مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۹،موارد الضمان حدیث ۱۱۵۴ص ۲۸۱ و مسند ابو یعلی ۵ / ۱۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۵۷ المکتب الفیصلیہ بیروت ۱۰ / ۱۱۳

سنت ہے، اور اگر پہلے کبھی ایسا معاملہ نہ تھا اس علاقہ کے بعد ہی اس نے ایسا کیا تو جو اپنے لئے ثواب خالص رکھنا چاہئے اسے اس سے بچنا اولٰی ہے، امام حمزہ زیات رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کہ قرائے سبعہ سے ہیں، پیاسے تھے راہ میں ایک محلّہ پر گزر ہوا، چاہا کہ کسی مکان سے پانی منگا کر پی لو، پھر یاد آیا کہ اس محلّہ کے بعض لڑکوں نے مجھ سے قرآن عظیم پڑھا ہے، خوف فرمایا کہ مبادا اس کا عوض نہ ہو جائے، پیاسے تشریف لے گئے، اور وہاں پانی طلب نہ فرمایا، مگر یہ مقام تقوٰی کے مقام سے بھی اعلٰی دقیق ورع کا ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: زید نے اپنی ایک قطعہ زمین چار سال میعاد معین کرکے عمرو کے پاس اس شرط پر اجارہ دیا کہ اس زمین کی پیداوار کے تم مالک ہو خواہ پیدا ہو یا نہ ہو صرف چار من دھان ہر سال مجھ کو دینا۔

الجواب:

یہ اجارہ فاسد اور عقد حرام وواجب الفسخ ہے کہ اس میں مالک زمین کے لئے ایک مقدار معین دھان کی شرط کی گئی اور وہ قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ چار ہی من دھان پیدا ہوں یا اتنے بھی نہ ہوں،

فی تنویر الابصار المزارعۃ تصح بشرط الشرکۃ فی الخارج فتبطل ان شرط لاحدھما قفزان مسماۃ [1] اھ ملتقطا	تنویر الابصار میں ہے زمین مزارعت پر دینا جائز ہے بشرطیکہ پیداوار میں دونوں کی شرکت ہو اور اگر ایک فریق کے لئے مقررہ مقدار مثلاً دو قفیز کی شرط کی ہو تو مزارعت باطل ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

بلکہ یوں کہنا لازم ہے کہ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع پیداوار پر یہ زمین تیرے اجارہ میں دی پھر اگر کچھ نہ عــہ پیدا ہو تو حسب قرار داد اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک زمین کے لئے ہوگا اور کچھ نہ پیدا ہو تو کچھ نہیں۔ یہ شرط لگانا کہ کچھ نہ پیدا ہو جب بھی مجھے اتنا ملے یہ بھی مفسد و حرام ہے۔

فی الدر المختار واذا صحت فالخارج	در مختار میں ہے مزارعت پر صحیح ہو تو پیداوار میں

عــــہ: ھذا ذلۃ الناسخ والصحیح "کچھ پیدا ہو" ۱۲۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۳

علی الشرط ولا شیئ للعامل ان لم یخرج شیئ فی الصحیحة [1] فی ردالمحتار قبیل ہذا قولہ العامل المراد منہ من لابذر منہ[2] اھ وفیہ ھٰھنا وانما لم یکن لہ شیئ لانہ یستحقہ شرکة،ولا شرکة فی غیر المخارج بخلاف ما اذا فسدت لان اجر المثل فی الذمة،لاتفوت الذمة بعدم الخارج ہدایة[3]۔	مشروط تناسب کے مطابق حصہ ہوگا،اور اگر صحیح مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو کاشتکار کو کچھ نہ ملے گا الخ،اور اس سے تھوڑا پہلے ردالمحتار میں ہے،ماتن کا قول "العامل" اس سے مراد وہ فریق ہے جس کا بیج نہ ہو اھ،اور اسی میں اس مقام پر ہے کہ اس کو اس لئے کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ پیداوار میں شرکت کا حقدار تھا اور جب پیداوار نہ ہوئی تو اس کی شرکت نہ ہوئی،اس کے برخلاف وہ صورت جس میں مزارعت فاسد ہو کیونکہ کاشتکار کے ذمہ پر زمین کی مثلی اجرت ہوگی وہاں اگر پیداوار نہ ہو تو بھی اجرت سے اس کے ذمہ میں ہوگی۔ہدایہ (ت)

یہ حکم کہ ہم نے بیان کیا اسی حالت میں ہوتا جب یہ اجارہ صحیح طور پر کیا جاتا،اب کہ فاسد ہوا،اس کا فسخ واجب ہے،اور پس از فسخ جو سال گزرے اس میں حکم یہ ہے کہ پیداوار ہو یا نہ ہو بہر حال مالک زمین کو اس کی زمین کا اجر مثل ملے گا،جو چار من دھان کی قیمت سے زیادہ نہ ہو،مثلاً اتنی زمین کی اجرت مثل ایک سال کی دس روپے ہوں،اور چار من دھان چار روپے کو آتے ہوں تو چار ہی روپے دیئے جائیں گے،زیادہ نہیں،اور زمین کی اجرت مثلاً دو روپے ہوں اور دھان چار روپے کے تو دو ہی ملیں گے،چار نہ ہوں گے،

فی الدرالمختار متی فسدت فالخارج لرب البذر و للاٰخر اجر مثل ارضہ ولایزاد علی شرط وان لم یخرج شیئ فی الفاسدة فان کان البذر من العامل فعلیہ اجر مثل	درمختار میں ہے کہ جب مزارعت فاسد ہو تو پیداوار کا مالک بیج والا ہوگا اور دوسرے فریق کو مثلی اُجرت ملے گی تاہم یہ اجرت عقد میں طے شدہ سے زائد نہ ہوگی اور اگر فاسد مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو اگر بیج عامل

[1] درمختار کتاب المزارعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۴

[2] ردالمحتار کتاب المزارعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۵

[3] ردالمحتار کتاب المزارعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۷

الارض [1] اھ مختصرا، وانما اقتصرنا علی ھذا لان الواقع فی بلادنا الھندیۃ ہوان البذر والبقر والعمل کلھا انما یکون من قبل المزارع ولیس من رب الارض الا الارض واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہے تو اس پر زمین کی مثلی اجرت ہوگی اھ مختصرا، ہم نے اتنی عبارت پر اکتفاء اس لئے کیا کیونکہ ہمارے علاقہ ہندوستان میں بیج، بیل اور عمل مزارع کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ زمین والے کی صرف زمین ہوتی ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹: زید کا ایک تالاب ہے، اس کو بعوض ہبہ بیس روپے ایک ماہ کی میعاد مقرر کرکے عمرو کے تصرف میں دیا، اور کہا کہ ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کرسکتے ہو اور نیز اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الاراء ہے عامہ کتب میں اس اجارے کو محض حرام وناجائز وباطل فرمایا اور یہی موافق اصول وقواعد ومذہب ہے۔

کیف وھی اجارۃ وردت علی استھلاك عین اعنی الماء والسمک، و الارض التی تحت الماء لاتصح للانتفاع بھا فی الحال وہو شرط جواز الاجارۃ، ولذا لم یجز جاز الاجازۃ، ولذا لم یجز اجارۃ الجحش للرکوب، فی وجیز الامام الکردری، الاجارۃ اذا وقعت علی العین لا یجوز فلا یصح استیجار الآجام والحیاض لصید السمك او	جائز کیسے ہو جبکہ یہ اجارہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہوا ہے یعنی پانی مچھلی کو حاصل کرنے پر، اور وہ زمین جو تالاب میں پانی کی تہہ ہے وہ پانی کی موجودگی میں ابھی قابل انتفاع نہیں ہے۔ حالانکہ اجارہ کے جواز کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ چیز فی الحال قابل انتفاع ہو اسی لئے گھوڑی کا بچہ سواری کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے۔ اور امام کردری کی وجیز میں ہے کہ اجارہ اگر کسی عین چیز کو ہلاک کرنے پر ہو تو صحیح نہ ہوگا، اس لئے جھاڑیوں اور حوض کو اجارہ پر دینا مچھلی پکڑنے یا کانے اکھاڑنے اور ایندھن کاٹنے یا حوض کا پانی اپنے پینے یا جانوروں کو پلانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے اور یوں چراگاہ کو اجارہ پر دینا

[1] درمختار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۴

رفع القصب، وقطع الحطب، اولیسقی ارضه، او غنمه، منها وکذا اجارة المرعی[1] اھ، وفی الدر المختار عن البحر الرائق لم تجز اجارة برکة لیصاد منها السمك[2] اھ وفی رد المحتار نقل فی البحر عن الایضاح عدم جواز ہا قال و مافی الایضاح عدم جوازہا قال و مافی الایضاح بالقواعد الفقهیة الیق لعدم الصحة[3]۔ (ملخصاً)	بھی جائز نہیں اھ اور در مختار میں بحر الرائق سے منقول ہے کہ جوہڑ کا اجارہ مچھلی پکڑنے کے لئے ناجائز ہے، اھ اور ردالمحتار میں بحر سے انھوں نے ایضاح میں اس کا عام جواز نقل کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ ایضاح کا بیان قواعد فقہیہ کے مطابق عدم جواز کے زیادہ مناسب ہے۔ (ملخصاً) (ت)

اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوٰی دیا،

فی الدر المختار وجاز اجارة القناة والنهر مع الماء به یفتی لعموم البلوی مضمرات انتهی[4]۔	در مختار میں مضمرات سے منقول ہے کہ نہر اور راجباہ کو پانی سمیت اجارہ پر دینا ہے، عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوٰی ہے اھ۔ (ت)

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مبارک کردے، یوں اسے کرایہ اور اسے پانی مچھلی، گھاس جائز طور پر مل جائیں گے،

فی البزازیة بعد ما قدمناه عنها والحیلة فی الکل ان یستاجر موضعاً معلوماً لعطن الماشیة ویبیع الماء و المرعی[5] الخ۔	بزازیہ میں ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا ان سب چیزوں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہاں جانور کے باڑہ کے لئے جگہ کو اجارہ پر دے اور حوض وغیرہ کا پانی اور چراگاہ کو جانوروں کے لئے مباح کردے۔ (ت)

یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر کرائے پر

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۷۔۴۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۷

[4] درمختار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۰

[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندی کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۸

دے کر تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہوجائے۔

فی البزازیۃ لم تصح الاجارہ الشرب لوقوع الاجارۃ علی استہلاك العین مقصودًا الا اذا آجر اوباع مع الارض فحینئذ یجوز بیعا،ولوباع ارضا مع شرب ارض اُخری،عن ابن اسلام انہ یجوز عـــہ ولو اُجر ارضا مع شرب ارض اخری لایجوز،لان الشرب فی البیع تبع من وجہ اصل من وجہ حیث انہ یقوم بنفسہ وتبع من حیث انہ لایقصد لعینہ فمن حیث انہ تبع لایباع من غیرارض ومن حیث انہ اصل یجوز مع ای ارض کان،والشرب فی الاجارۃ تبع من کل وجہ لان الانتفاع بالارض لایتہیا بدونہ،فلم تجزاجارۃ الشرب مع ارض اخری،کما لم یجز بیع اطراف العبدتبعارقبۃ اخری[1] اھ ــــ	بزازیہ میں ہے کہ پانی کی باری کا اجارہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں عین چیز کو مقصوداہلاک کرنے پر اجارہ ہے،ہاں اگر زمین کے ساتھ پانی کو فروخت کیا جائے یااجارہ پر لیا جائے تو اس صورت میں جائز ہے اور اگر زمین کے ساتھ دوسری زمین کے سیرابی پانی کو فروخت کرے تو ابن سلام سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے اور اگر زمین کو اجارہ پر دوسری زمین کے سیرابی پانی کے ساتھ دے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ سیرابی پانی زمین کی بیع میں من وجہ اصل ہے کیونکہ وہ بنفسہٖ قائم ہے اور من وجہ تابع ہے کیونکہ بنفسہٖ مقصود نہیں ہے۔تو تابع ہونے کی حیثیت زمین کی بیع کے بغیر اس کی بیع ناجائز ہے،اور اصل ہونے کی حیثیت سے اس کی بیع کسی بھی زمین کے ساتھ جائز ہے جبکہ سیرابی پانی اجارہ میں ہر لحاظ سے تابع ہے کیونکہ اجارہ میں زمین سے انتفاع پانی کے بغیر مہیا نہیں ہوتا تو پانی کو دوسری زمین کے اجارہ کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جیسا ایک غلام کے اعضاء کو دوسرے غلام کے تابع بنا کر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔اھ ــــ

عـــہ: فی الاصل"یجز"لعلہ من قلم الناسخ عبدالمنان۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الشرب الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۲۲۔۱۲۱

اقول: ووقع فی ردالمحتار هنا زلل قلم فانه قال فی شرح قول المضمرات المار مانصه قوله مع الماء ای تبعا قال فی کتاب الشرب من البزازیة لم تصح اجارة الشرب [1] الی اٰخره وذکر بعض ماذکرنا من عبارتها، فجعل موردالمضمرات والبزازیة معاواحد وعندی لیس کذٰلك فان اجازة البزازی فیما اذا اُجر ارضا للزراعة ولها شرب تسقی بها فاُجر شربها معها، و جواز هذا ماش علی الاصول غیر محتاج الی استناد لعموم البلوی فکم من شیئ یجوز ضمنا لاقصدا، اما جامع المضمرات فانما حکم بجواز اجازة النهر و لم یقل مع الارض بل مع الماء، وانما قاله لان النهر الیابس ارض قراح فلا یعتری شك فی جواز اجارته قال فی الوجیز کما نقل عنه فی ردالمحتار	اقول: (میں کہتاہوں) ردالمحتار میں اس مقام پر قلمی خطا واقع ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے مضمرات کی مذکورہ عبارت کی شرح میں عبارت لکھی مع الماء ای تبعا پانی سمیت یعنی بالتبع، اور انھوں نے کتاب الشرب میں لکھا بزازیہ سے منقول ہے کہ سیرابی پانی کی بیع جائز نہیں ہے الی آخرہ۔ اور ساتھ ہی ہماری نقل کردہ عبارت ذکر کی، اس طرح انھوں نے مضمرات اور بزازیہ دونوں کی ذکر کردہ مورد کو ایک ہی معنی دیا جبکہ میرے نزدیک ایسے نہیں ہے کیونکہ بزازیہ میں اجارہ کی صورت میں یہ ہے کہ زمین زراعت کے لئے اجارہ پر دی اور اس زمین کا سیرابی پانی ہو جس سے اس کو سیرابی کا اجارہ جائز ہے اور یہ جواز اصول پر مبنی ہے کسی عموم بلوی کی طرف منسوب کرنے کی اسے ضرورت نہیں ہے بہت سے امور ضمناً جائز اور مقصودا ناجائز ہوتے ہیں، لیکن مضمرات نے نہر کے اجارہ کے جواز کی بات کی ہے انھوں نے نہر کے ساتھ پانی کو ذکر کیا نہ کہ زمین کو، انھوں نے یہ بات اس بناء پر فرمائی ہے کہ خشک نہر خالص زمین ہے اس کے اجارہ کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وجیز میں فرمایا جیسا کہ رد المحتار میں ہے چند سطروں

[1] ردالمحتار کتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۹

بعد اسطر، استاجر نهرا یابسا، اوارضا، اوسطحا، مدة معلومة ولم یقبل شیئا صح، وله ان یجری فیه الماء اھ[1]. اما النهر مع الماء فهذا هو الذی تقتضی القواعد ببطلان اجارته لانها اجارة وقع علی استهلاك عین فاحتاج الی الاستناد لعموم البلوٰی کما جاز اجارة الظئر مع انها ایضا علی استهلاك عین، وان قیل ان المراد اجارة ارض النهر التی تحت الماء ویکون الماء تبعا لها وحمل علیه قول البزازی "الااذا اٰجر اوباع مع الارض فمع ظهور بطلانه بما ذکر نامن تمام کلام البزازی "فانه نص صریح فی ان المراد تبعیة الشرب للارض تسقی منه لاالارض تحته لایستقیم ایضا قطعا لما قدمنا الاشارة الیه ان الاجارة تعتمد صلاحیة الانتفاع بالنفع المقصود المعتاد فی الحال لا فی المال و لذا لم تجز اجارة	کے بعد فرمایا کہ کسی نے خشک نہریا زمین یا چھت معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لی اور کسی عمل وغیرہ کو ذکر نہ کا تو یہ اجارہ صحیح ہے اور وہ نہر میں پانی جاری کرلے تو جائز ہے اھ لیکن پانی سمیت نہر کا اجارہ یہ ایسی تو صورت ہے جس کو قواعد باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اس لئے اس اجارہ کے جواز کو عموم بلوی سے استناد کی ضرورت ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ جائز ہے حالانکہ یہ بھی عین چیز (دودھ) کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اگر ردالمحتار میں کی توجیہ میں یہ کہا جائے کہ ان کی مراد نہر کی وہ زمین جو پانی کے تحت ہے اس کے اجارہ میں پانی کا اجارہ بالتبع جائز ہے اور اسی معنی پر بزازیہ کے قول "الایہ کہ زمین سمیت پانی کا اجارہ ہو" کو محمول کرتے ہوئے انھوں نے یہ بات کی ہے تو اس توجیہ کا بطلان بزازیہ کی مکمل عبارت جس کو ہم نے ذکر کیا ہے سے ظاہر ہے کیونکہ وہ صریح نص ہے کہ یہاں مراد وہ سیرابی پانی ہے جس سے وہ بیع شدہ یا اجارہ پر دی ہوئی زمین سیراب ہوتی ہے نہ کہ پانی کے تحت ولی زمین مراد ہے نیز، ہمارے پہلے اشارہ ذکر کردہ ضابطہ کہ اجازورہ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ چیز مقصود نفع کی فی الحال صلاحیت رکھتی ہو نہ کہ بعد میں متوقع صلاحیت والی ہو کے

[1] ردالمحتار کتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۹

الجحش،ومعلوم ان ارض النهر مع الماء لاتصلح للانتفاع غیر الاتنفاع بالماء وهو استهلاك العین فاذا لم تستقم فی لاصل فکیف یجوز فی التبع وما تقدم من الحیلة فانما هو فیما اذا اُجر ارضا حول الماء فانها الصالحة للعطن فیحصل له الاجر بوجه جائز،وللمستاجر الماء والکلاء،فالحق ان الماشی علی الاصول فی اجارة البرکة والقناة والنهر من دون الارض،تسقی منه هو البطلان ونا ماذکر فی البزازیة وغیرها من صورالجواز فلامساس لهابه۔ولایمکن حمل مافی جامع المضمرات علی شیئ منها،ولقد احسن اذ علل الافتاء بعموم للبلوٰی لابحصول الجواز بالتبع،فاذن ان عمل بقول به یفتی فلا شك ان قضیة اطلاق الجوازوهو الایسر،والاحوط مامر، فعلیه فلیتقصر هذا ماعندی والعلم	پیش نظر یہ توجیہ قطعاً باطل ہے کیونکہ پانی والی نہر کی زیریں زمین فی الحال انتفاع کی صلاحیت نہیں رکھتی جس کو مستقل طور پر اجارہ پر دیا جائے،اسی قاعدہ کی بناء پر گھوڑی کا بچہ سواری کے لئے اجارہ پر دینا ناجائز ہے پھر خالص پانی کا اجارہ ہوگا تو اس سے عین کو ہلاک کرنے پر اجارہ لازم آئیگا،نیز جب اصل نہر کی زمین کا اجارہ درست نہیں ہے تو اس سے تابع پانی کا کیسے جائز ہوگا اور گزشتہ حیلہ جواز وہ صرف اس صورت میں ہے کہ پانی والے حوض کے ارد گرد والی زمین کو اجارہ پر حاصل کرے کیونکہ وہ فی الحال جانوروں کو باندھنے اور رکھنے کے لئے قابل انتفاع ہے جس سے جائز طریقے پر اجرت حاصل ہوگی۔اور مستاجر کو پانی اور گھاس بالتبع حاصل ہوگا،اصول کے مطابق حق یہ ہے کہ جوہڑ،راجباہ اور نہرہ کے پانی کا اجارہ اس سے سیراب ہونے والی زمین کے اجارہ کے بغیر باطل ہے،اور بزازیہ وغیرہ میں مذکور وجہ جواز سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی مضمرات کے بیان کو کسی طرح اس پر محمول کیا جاسکتا ہے تو بہت اچھا کیا کہ فتوٰی جواز کی وجہ عموم بلوی کو بنایا ہے بالتبع حصول کے جواز کو نہ بنایا،تو اب اس کے قول به یفتی (اسی پر فتوٰی ہے) پر اگر عمل کیا جائے تو مطلق جواز کی راہ آسان ہے،اور زیادہ احتیاط جو پہلے گزری ہے،تو اسی کو اپنایا جائے،یہ مذکورہ بحث میری ہے جبکہ حق

بالحق عن عزیز الاکبر واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۰: از شہر میمن سنگھ ملک بنگالہ ڈاکخانہ پانکٹرا موضع کروا مرسلہ محمد زینت اللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ملک بنگالہ میں جب کسی نے برائے ثواب رسانی اپنے میت کے مُلاؤں یا طباؤں سے قرآن شریف پڑھوایا، یا بعد کو جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ خود نہیں مانگتے، بلکہ خود پڑھوانے والا ان کو دیتا ہے، یہ طریقہ ہمارے یہاں عام رواج ہے، تو یہ رواج ہے، تو یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طریقہ پر ہے؟ اور ایسے ہی بعد پڑھوانے مولود شریف کے جو کچھ دیا جاتا ہے بغیر طلب کرے مولود خواں کے یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، بحوالہ کتب جواب عنایت ہو بادلیل۔

الجواب:

اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین واذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کو جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقًا حرام ہے، اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرورت منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور،

كما حققه السيد المحقق محمد بن عابدين الشامي في رد المحتار على الدر المختار وله رحمه الله تعالٰى رسالة مستقلة في تحقق المسئلة سماها "شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل" قال واطلع عليها محشي هذا الكتاب (يعني الدر) فقيه عصره ووحيد دهره السيد احمد الطحطاوي مفتي مصر سابقا فكتب عليها واثنى الثناء الجميل فالله يجزيه الاجر الجزيل وكتب عليها غيره من	سید محقق محمد بن عابدین شامی نے در مختار کے حاشیہ ردالمحتار میں جیسا کہ اس کی تحقیق فرمائی، اس مسئلہ میں ان کا ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام "شفا العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل" رکھا ہے انھوں نے خود فرمایا کہ در مختار کے محشٰی اپنے زمانہ کے فقہیہ العصر، وحید دہر سید احمد طحطاوی سابق مفتی مصر نے اس رسالہ کا مطالعہ فرما کر اس پر تقریظ لکھی اور تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو اللہ تعالٰی اجر عظیم سے نوازے، اور دیگر

فقہاء العصر [1]۔قلت وقد تشرف الفقیر بمطالعتہا فوجدتہ بحمد اللہ تعالٰی کفی وشفی وصفا ووفی فرحمنا اللہ وایاہ والمسلمین بعبادہ الذین اصطفی۔اٰمین!	فقہاء عصر نے بھی تقریضات لکھی ہیں، میں کہتاہوں اس فقیر نے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا ہے تو میں نے بحمداللہ تعالٰی اس کو کافی، شافی اور بھرپور صاف پایا، تواللہ تعالٰی ہم پر اور ان پر، تمام مسلمانوں اور اپنے اہل دین بندوں پر رحم فرمائے، آمین! (ت)

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتاہے، عرفاً شرط معروف ومعہود سے بھی ہوجاتاہے، مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا۔انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہوگیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد، یہ دوسرا حرام۔

ای ان الاجارۃ باطلۃ وعلی فرض الانعقاد فاسدۃ فللتحریم وجہان متعاقبان، وذٰلک لما نصوا قاطبۃ ان المعہود عرفاً کالمشروط لفظاً [2]۔	یعنی اجارہ باطل ہے اور فرض انعقاد پر وہ فاسد ہے تو یہ اس کے حرام ہونے کی یکے بعد دیگرے دو وجہیں ہیں، اور یہ اس لئے کہ تمام فقہاء کی نص ہے کہ عرف میں مشہور ومسلم لفظوں میں مشروط کی طرح ہے۔(ت)

پس اگر قرار داد کچھ نہ ہو نہ ہواں لین دین معہود ہوتاہو تو بعد کو بطور صلہ وحسن سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا،

"هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" [3] "وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" [4]	احسان کی جزاء صرف احسان ہے اور اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کو پسند فرماتاہے۔(ت)

مگر جبکہ اس طریقہ کاوہاں عام رواج ہے تو صورت ثانیہ میں داخل ہو کر حرام محض ہے، اب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۴

حلال ہونے کے دو۲ طریقے ہیں:

اول: یہ کہ قبل قرأت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے پڑھوانے والے صاف انکار کردیں کہ تمھیں کچھ نہ دیا جائے گا، اس شرط کے بعد ہو پڑھیں اور پھر پڑھوانے والے بطور صلہ جو چاہیں دے دیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا۔

لانتفاء الاجارۃ بوجہیھا اما اللفظ فظاھر واما العرف فلانھم نصوا علی نفیھا والصریح یفوق الدلالۃ فلم یعارضہ العرف المعھود کما نص علیہ الامام فقیہ النفس قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی فی الخانیۃ وغیرہ[1] فی غیرھا من السادۃ الربانیۃ۔	دووجہ سے اجارہ نہ ہونے کی وجہ سے، ایک لفظ کے اعتبار سے توظاہر ہے، دوسرا عرف کی وجہ سے کیونکہ انھوں نے اس وجہ کی نفی پر نص کردی ہے اور صریح بات فائق ہوتی ہے، تو عرف معہود اس کے معارض نہ ہوسکے گا جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضیخاں نے اس پر اپنے فتاوٰی اور دیگر فقہاء نے دوسری کتب میں نص فرمائی ہے۔(ت)

دوم: پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت اجرت ان سے مطلق کار خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں، مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا، وہ کہیں ہم نے قبول کیا۔ اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے، وہ جو کام چاہیں لیں، اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں، اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں کو بخش دو یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو، یہ جائز ہوگا اور لینا دینا حلال۔

لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لاعلی الطاعات والعبادات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ کیونکہ یہ اجارہ ان کے ابدان سے انتفاع پر ہوا ہے نہ کہ ان کی عبادات اور طاعات پر ہوا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی وعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۱: از شیوپوری سرولی ضلع بریلی مرسلہ واحد نور صاحب ۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین اس مسئلہ میں زید نے ایک اراضی جو اس کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳۴

ملک ہے، عمرو کو واسطے کاشت مدت پندرہ سال کو دخلی رہن دی، اوراس کا لگان مبلغ ما(۱۵۰) میعاد معینہ کا پیشتر لے لینا، بعد مدت معینہ اراضی کا چھوڑ نا قرار پایا، میعا مقررہ تک عمرواس سے منفعت حاصل کرے، لیکن زید کو پندرہ سال کے لگان بزخ ایک روپیہ بیگھ خام دیا گیا، اوروہ اراضی عمرو کے قبضہ میں ایک دوروپیہ بیگھہ خام اٹھ سکتی ہے، رہن اس حالت میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

رہن واجارہ دو عقد منافی میں جمع نہیں ہوسکتے، جب اس نے ما۱۵۰ اجرت مانی، رہن نہ ہوئی بلکہ اجارہ پر دی گئی، عمرو کو اختیار ہے کہ خود کاشت کرے جو پیدا ہو اس کا ہے، خواہ دوسرے کو اجارہ پر اٹھادے، مگر اس تقدیر پر اسے زیادہ لینا صرف تین صورت میں جائز ہوسکتا ہے ورنہ حرام:

(۱) زمین میں نہر یا کنواں کھودے یا اور کوئی زیادت ایسی کرے جس سے اس کی حیثیت بڑھائے، اب چاہے پانچ روپیہ بیگھ پر اٹھادے،

(۲) جس شے کے عوض خود اجارہ پر لی ہے اس کے خلاف جنس کے اجارہ کو دے مثلاما عہ / دئے، اب اپنے مستاجر کو اشرفیوں یا نوٹوں پر دے۔

(۳) زمین کے ساتھ کوئی اور شیئ ملاکر مجموعاً زیادہ کرائے پر دے کہ اب یہ سمجھا جائے گا کہ زمین تو وہی روپیہ بیگھ کو دی گئی اور باقی زیادت جس قدر ہو دوسرے شے کے عوض رہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: ۱۲صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی طرف سے اس کے پیروکار نے ایک دکان زید کو کرائے پر دی مگر ابھی تک نہ کرایہ نامہ تحریر ہوا نہ کوئی اقرار کسی میعاد معین برس یا چھ مہینے کا ہوا، اورنہ مالک دکان کی جانب سے اظہار کسی مدت برس یا چھ مہینے کا ہوا تھا کہ زید کرایہ دار نے اپنے مصارف سے بقدر آرام مرمت دکان کی کرائی، ابھی بیٹھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید کو حاجت اس دکان کی نہ رہی اور عرصہ تخمیناً ایک ہفتہ میں زید نے پیروکار مالک دکان کے پاس تالی دکان کی واپس بھیج کر اطلاع دی کہ دکان دوسرے کو دے دو مجھ کو حاجت نہ رہی اور آج تک کے دنوں کا کرایہ مجھ سے لے لو اس کے جواب میں سال بھر کے کرایہ کی طلب زید سے کی گئی، بعد زیادہ گفتگو کے آخر تصفیہ حکم شرعی پر قائم ہوا ہے لہٰذا حکم فرمائے کہ اس حالت میں زید کے ذمہ ازروئے احکام شرعی

کس قدر کرایہ ادا کرنا واجب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ماہوار کرایہ قرار پایا تھا کہ ہر مہینے پر مثلاً دس روپے جب تو اجارہ ایک مہینہ کیلئے صحیح ونافذ تھا۔ اور باقی مہینوں کے لئے بوجہ عدم تعیین مدت ہنوز معدوم، تو جب تک یہ مہینہ ختم ہو کر دوسرے مہینے کی ایک رات ایک دن نہ ہو جائے دوسرے مہینے کا اجارہ ہی متحقق نہ ہوگا۔ سال بھر کے تو بارہ مہینے ہیں، درمختار میں ہے:

ان کان استاجرہ مشاہرۃ فانہا توجر لغیرہ اذا فرغ الشہر ان لم یقبلہا لانعقادہا عند راس کل شہر[1]۔	اگر ماہانہ کرایہ پر لیا تو اس ماہ کے بعد دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے جبکہ پہلے نے دوسرے ماہ کو قبول نہ کیا ہو کیونکہ ماہانہ کرایہ ہر ماہ کی ابتداء میں منعقد ہوتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

(اجر حانوتا کل شہر بکذا صح فی واحد فقط) وفسد فی الباقی لجہا لتہا، واذا تم الشہر فلکل فسخہا بشرط حضور الاخر لانتہاء العقد الصحیح (وفی شہر سکنہ فی اولہ) ھو اللیلۃ الاولی ویومہا عرفا، وبہ یفتی (صح العقد فیہ) ایضا[2]۔	دکان فی ماہ مقرر اجارہ پر دی تو پہلے ماہ میں صحیح ہے فقط اور باقی مہینوں کے لئے جہالت کی وجہ سے فاسد ہو گئی اور پہلا مہینہ گزر جائے تو فریقین میں سے ایک کو دوسرے کی موجودگی میں فسخ کا حق ہے کیونکہ صحیح ختم ہو گیا ہے اور ماہانہ کرایہ پر لے کر ایک رات اور ایک دن سکونت کر لی یہ پہلی رات اور دن ہے، اسی پر فتوٰی ہے، تو اس نئے ماہ میں بھی عقد صحیح ہو جائے گا۔ (ت)

اس صورت میں تو سال بھر کا کرایہ مانگنا ظاہر ہے کہ صریح ظلم وحرام ہے، اور اگر سالانہ کرایہ قرار پاتا ہو، اگرچہ ماہوار کی اجرت بھی بتادی گئی ہو، مثلاً کہا یہ دکان ہر سال ساٹھ روپے کرائے پر تجھے دی، ہر مہینے پر پانچ روپے، تو اس تقدیر پر اگرچہ پہلے سال کے لئے اجارہ صحیح ہو گیا۔

فی الدر المختار واذا اجرھا سنۃ	درمختار میں ہے اگر سالانہ کرایہ پر لیا تو صحیح

[1] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۱

[2] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

بکذا اصح وان لم یسم اجر کل شھر [1]۔	ہے اگرچہ ماہانہ اجرت نہ ذکر کی ہو۔(ت)

مگر جبکہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دار نے کنجی واپس بھیج دی، اور مابلکہ کے کارکن نے لے لی، اور اس کے فسخ اجارہ کو قبول کرلیا، تو جبکہ یہ کارکن مابلکہ کا مختار عام ہو یا اس عقد خاص کے فسخ وقبول کا مابلکہ نے اسے اختیار دیا ہو، یا اسے اختیار نہ تھا، مگر اس نے مابلکہ کو اطلاع دی اور وہ فسخ پر راضی ہوگئی، تو ان سب صوتوں میں صرف اسی ہفتہ کا کرایہ زید پر لازم آیا، زیادہ کی طلب محض بے معنٰی ہے، یونہی اگر نہ اسے قبول فسخ کا اختیار تھا، نہ مابلکہ نے فسخ مانا، مگر زید نے یہ فسخ کسی ایسے عذر واضح صریح بلااشتباہ کی بناپر کیا کہ اس کے ساتھ اجارہ باقی رکھے تو اسے اس کی جان یا مال میں صریح ضرر لاحق ہو، جس کے لحوق میں کوئی تردد وخفانہ ہو، تو اس صورت میں بھی صرف اسی ہفتہ کا کرایہ واجب رہا، اور عقد تنہا زید کے فسخ کردینے سے فسخ ہوگیا، **لحدیث لا ضرو لا ضرار فی الاسلام** [2] (اسلام میں کوئی دکھ نہیں اور نہ کسی کو دکھ پہنچانا ہے۔) ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان کل عذر لایمکن معه استیفاء المعقود علیه الابضرر یلحقه فی نفسه اوماله یثبت له حق الفسخ [3]۔	حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی بناء پر معقود علیہ کا پورا ہونا ایسا ضرر جو جان یا مال کو لاحق ہو تو اس کی بناپر اس کو فسخ کا حق ثابت ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

ان العذر ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لاینفرد وھو الاصح [4]۔	اگر ایسا عذر ظاہر ہے تو صاحب عذر فسخ میں خود مختار ہے اور اگر ظاہر نہ ہو تو وہ اکیلا مختار نہیں۔(ت)

اور اگر یہ بھی نہ تھا بلکہ بلاعذر اس نے اجارہ چھوڑا، یا عذر واضح وصریح نہ تھا، اور خود مابلکہ یا اس کے وکیل نے کہ قبول فسخ کا اختیار رکھتا ہو، اس فسخ کو قبول نہ کیا، نہ دکان اس کے قبضہ سے واپس لی، تو بیشک اس صورت میں دکان بدستور زید کے کرایہ میں ہے، پھر اگر صرف ماہوار کرایہ

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۹۱

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

[4] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۳

ٹھہرا تھا تو ہر ختم ماہ پر زید کو دکان چھوڑ دینے کا اختیار ہوگا، خواہ پہلے مہینے کے ختم پر چھوڑ دے خواہ کسی اور مہینے کے ختم پر، اور جس مہینے کے شروع میں ایک دن گزر جائے گا وہ مہینہ بھر پھر اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ اور زید کو تنہا اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر سالانہ کرایہ ٹھہرا تھا تو بعد ختم سال زید کو دکان چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ یوں سال دو سال یا ماہ دو ماہ جس قدر مدت تک دکان اس کے اجارہ میں رہے گی، اس قدر کرایہ اس پر لازم آئے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اراضی کاشت اپنی بعوض مبلغ ایک سو روپے کے رہن رکھی، اور مرتہن سے یہ شرط ٹھہری کہ اراضی تم اپنی کاشت میں رکھو، اور اس کی پیداوار سے لگان اراضی زمیندار کو ادا کرتے رہو، بقیہ منافع تم لے لیا کرو، اور اگر کم پیداوار ہو یا بالکل نہ ہو، تو مجھ سے کچھ تعلق نہیں، اس کا نفع نقصان سب تمھارے ذمہ ہے، تو اب مرتہن اس اراضی کو خود کاشت کرے یا کسی ذیلی کاشتکار سے کاشت کرائے، اور بعد ادائے لگان جو کچھ منافع ہو وہ منافع سود ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زید نے بہ اجازت زمیندار کہ مالک زمین ہے، یہ زمین رہن رکھی تو رہن صحیح ہو گیا، زمین زید کے اجارہ سے نکل گئی،

وکان من باب رهن المستعار للرهن حیث یجوز، قال فی الهندیة عن البدائع، یجوز رهن مال الغیر باذنه کما لو استعار من انسان لیرهنه بدین علی المستعیر [1]۔	تو یہ رہن کے لئے طلب کردہ کا رہن ہے، یہ جائز ہے، ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے فرمایا غیر کا مال اس کی اجازت سے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کوئی شخص اپنے قرض میں رہن رکھنے کے لیے کسی سے کوئی چیز عاریۃً لے۔ (ت)

اور اس کا یہ کہنا کہ زمین اپنی کاشت میں رکھو، زمیندار کو لگان دیتے رہو، اجارہ فضولی کا ہے، اگر زمین دار نے اسے جائز رکھا اجارہ نافذ ہو گیا، اور جب مرتہن نے اس پر کاشتکارانہ قبضہ کیا رہن باطل ہو گیا، زید کو کچھ تعلق نہ رہا مرتہن اصلی کاشتکار ہو گیا، جو منافع بچے وہ اس کے لئے حلال ہیں،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۲

خود کاشت کرے یا اسے لگان پر ذیلی کاشتکار کو دے سب جائز ہے۔

فی الھندیۃ عن شرح الطحاوی لو استاجرہ المرتھن صحت الاجارۃ و بطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ [1]۔	ہندیہ میں شرح طحاوی سے منقول ہے کہ اگر مرتہن رہن والی چیز کو اجارہ پر لے تو اجارہ صحیح ہوگا اور رہن باطل ہوجائے گا بشرطیکہ اجارہ کے لئے نیا قبضہ لے۔(ت)

اور اگر زمیندار نے اس اجارہ کو ناجائز کردیا، اجارہ رد ہوگیا، مرتہن کو نہ خود کاشت کرنا جائز ہے نہ ذیلی کو دینا، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا خبیث ہوگا، مرتہن پر واجب ہے اسے تصدق کردے، اور اگر سرے سے یہ رہن رکھنا ہی بے اجازت زمیندار ہے تو راہن مرتہن دونوں غاصب ہیں، مرتہن کو کاشت وغیرہ حلال نہیں، پھر اگر زمیندار کو لگان دی اور اس نے قبول کرلی، تو زید کے اجارہ سے نکل گئی، زمین مرتہن کے اجارہ میں آگئی، اب جو منافع بچے اسے حلال ہوں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالک مکان اور کرایہ دار سے ایک سال کے واسطے ایک مکان قرار پایا تھا بہ کرایہ دو روپے ماہوار کے کرایہ دار نے بالا جازت کرایہ نامہ دو سال کے واسطے پس غیبت مال مکان کے تحریر کراکر مالک مکان کے پاس بھیج دیا، اب چونکہ کرایہ دار نے بدعہدی کی اس واسطے کرایہ دار مذکور کو دینا مکان منظور نہیں ہے، اب اس حالت میں مالک مکان کے ذمہ کوئی مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

تحریر کاغذ سے پہلے کچھ گفتگو عاقدین میں ہوتی ہے وہ گفتگو کبھی خود عقد ہوتی ہے اور تحریر کاغذ محض اس کی تائید وتوثیق ہوتی ہے، اس صورت میں شرعاً اس گفتگو کا اعتبار ہے، کاغذ اگر اس کے خلاف ہو بیکار ہے۔

کما نص علیہ فی الفتاوٰی الخیریۃ ان العبرۃ بما تلفظ لا بما کتبت فی الصك [2]۔	جیسا کہ ہندیہ میں نص فرمائی ہے کہ زبانی بات کا اعتبار ہے اسٹام میں لکھی کا اعتبار نہیں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۰۔۱۳۹، فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

اور کبھی وہ گفتگو خود عقد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، تحریر ہی سے تکمیل عقد ہوتی ہے پس صورت مذکورہ میں اگر سال بھر کے لئے عقد اجارہ ان کی گفتگو میں تمام ہوچکا تھا، مثلاً زید نے عمرو سے کہا میں نے اپنا مکان ایک سال کے لئے اتنے کرایہ پر تجھے دیا، اس نے کہا میں نے قبول کیا، یا میں نے لے لیا، یا مجھے منظور ہے، جب تو عقد تمام ہوگیا، اور مکان ایک سال کے لئے دینا مالک پر ضرور ہوگا، فقط، اس بدعہدی کے سبب کہ اس نے ایک سال کے بجائے دو سال لکھوایا، ایک سال کے لئے دینے سے انکار نہیں کرسکتا کہ بدعہدی کی غایت فسق ہے، اور فسق مستاجر فسخ اجارہ کے لئے عذر نہیں۔

فی مطالب ردالمحتار فسق المستاجر لیس عذر فی الفسخ ونقل نصہ فیہ عن لسان الحکام [1]۔	ردالمحتار کے مطالب میں ہے کہ مستاجر کا فسق فسخ کے لئے عذر نہیں ہے اور انھوں نے اس پر لسان الحکام سے نص نقل فرمائی ہے۔(ت)

اور اگر گفتگو میں تمامی عقد نہیں ہوئی تھی، مثلاً عمرو نے کہا اپنا فلاں مکان اتنے کرایہ میں ایک سال کے لئے مجھے کرایہ پر دوگے، زید نے کہا ہاں، عمرو نے کہا تو کرایہ نامہ لکھوالو، زید نے کہا ہاں فان ہذا وعد لا عقد (کیونکہ یہ وعدہ ہے عقد نہیں ہے۔ت) اب اس نے دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا اور زید نے قبول نہیں کیا تو ایک دن کے لئے بھی مکان کرایہ دار کو دینا مالک پر لازم نہیں کہ پہلے عقد نہ ہوا تھا اور کرایہ نامہ بلا رضا مالک لکھا گیا اور اس نے قبول نہیں کیا، تو عقد اصلاً موجود نہ ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی موضع سندیپ مرسلہ محمد حسن

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ، اجرت گرفتن بر تعلیم قرآن وزیارت قبور ومیلاد شریف واذان وامامت بدعوی یا بغیر آں ازروئے شرع شریف جائز ست یانہ، بعضے برہر دو تقدیر حرام گویند، **بینوا توجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعلیم قرآن، زیارت قبور، میلاد شریف، اذان وامامت پر طلب کرکے یا بغیر طلب اجرت لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات دونوں صورتوں کو حرام کہتے ہیں، **بینوا توجروا** (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

الجواب:

قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم اذان اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متاخرین ائمہ نے موجودہ زمانہ میں شعائر دین وایمان کی حفاظت کے پیش نظر فتوٰی دیا ہے اور باقی طاعات مثلاً زیارت قبور اموات کے لئے ختم قرآن، قرأت، میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتحیات، پر اصل ضابطہ کی بناء پر منع باقی ہے، اور عرف میں مقررہ و مشہور لفظاً مشروط کی طرح ہے، لہٰذا ان باقی امور پر اجرت مقرر کی گئی یا عرفاً معلوم ہے کہ اجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے والے اجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوں گے، اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے اسکے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو، پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صراحت فائق ہوتی دلالت پر۔	فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم ودیگر علوم واذان وامامت جائز ست علی ماافتی بہ الائمۃ المتاخرون نظرا الی الزمان حفظا علی شعائر الدین والایمان۔ وبربقیہ طاعات مثل زیارت قبور، سیپارہ خوانی برائے اموات، وقرأت میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلی الہ افضل الصلوٰۃ والتحیات، براصل منع باقی است **والمعھود عرفا کالمشروط لفظا**[1]۔ پس اگر قرارداد اجرت کنند یابحسب عرف معلوم باشد کہ اینائے برائے گرفتن میخوانند، وآناں برائے خواندن می دہند، اگر ایناں نخوانند آناں نہ دہند، واگر آناں نہ دہند ایناں نہ خوانند، گرفتن ودادن ہر دو، روانیست **الاخذ والمعطی اٰثمان**، اگر نہ چناں باشد بلکہ ایناں لوجہ اللہ تعالٰی می خوانند درو ہیچ چیز بدل بہ دل ہم نہ خواہند تا آنکہ اگر یقینا دانند کہ چیزے نیابند نیز بخوانند آنگاہ بے قرارداد لفظی وعرفی چیزے خدمت ایشاں کردہ شود مضائقہ نیست ہمچناں درجائیکہ گرفتن ودادن معہود بعرف شدہ است، اگر خواندگان پیش از خواندن صراحۃً شرط کنند کہ مارا ہیچ نہ دہندہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

بعده [عـــه] دہندگان خدمت از پیش خویش کنند نیز رواست لان الصریح یفوق الدلالہ [1] کما فی الفتاوٰی امام قاضیخاں۔ واگر خواہند کہ شرط کنند وحلال باشد، صورتش آنست کہ حافظاں وقاریان رابرائے وقت معین، مثلا روز فلانے از ہفتہ، ساعت صبح تادہ ساعت برائے کار وخدمت خویش بر اجرت معینہ ہرچہ براں تراضی طرفین شود، اجیر کنند، بر قدرآن ساعات ایناں نوکر شدند وتسلیم نفس برایناں واجب شد مستجراں رامی رسد کہ ہر خدمت کہ خواہند فرمایند، از انجملہ کہ میلاد مبارک بخوانند، یا قرآن عظیم خواندہ ثواب بفلاں مسلمان رسانند، ایں روا باشد ودادن واجب، و گرفتن حلال، زیرا کہ حالا اجارہ برمنافع نفس ایناں واقع شد نہ برطاعات، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے، اگر اجرت کی شرط پر پڑھنا حلال ہوجائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ قراء اور حفاظ حضرات کو مقررہ وقت مثلا کوئی دن ہفتہ میں یا گھنٹے مثلا صبح سے دس بجے تک اپنی خدمت یاکام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں، اجیر بنالیں، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں، انہی خدمات میں سے میلاد خوانی وقرآن خوانی برائے ایصال ثواب فلاں بھی ہوگی، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے، طاعات وعبادات پر نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۶تا۱۷۸: از قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور مرسلہ مولوی محمد مہدی حسین بریلوی قانونگو ۱۴ستمبر ۱۹۱۲ء

(۱) نوکری گرداور قانونگوئی جس میں حسب ذیل کام کرنا ہوتا ہے شرعًا جائز ہے یانہیں؟

(۱) کاغذات پٹواری جن میں زمینداران وکاشتکاران کی صحت اندارج کی بابت موقع پر اور نیز کاغذات ماضیہ کی بابت جانچ کی جاتی ہے،

(۲) تحقیقات موقع بابت حقوق کاشتکاران وزمینداران بمقدمات تنازع اراضیات لگان،

(۳) تصدیق پٹہ وقبولیت وتیاری نقشہ جات متعلقہ وکوشش ادائے مالگذاری وزرتقاوی تقسیم شدہ وغیرہ۔

عـــه: دراصل بعض است وظنی انہ بعدہ است۔ عبدالمنان۔

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوٰی الرجلین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۴

(۲) جو گرد اور قانون گو لینا پسند کرتے ہیں، ان کو حسب ذیل آمدنی ہوتی ہے یہ آمدنی جائز ہے یا نہیں؟

(۱) علاوہ تنخواہ معینہ کے پٹواریاں بعوض اس رعایت کے کہ ان کے کام میں جو تاخیر خلاف ان کے قواعد کے ظہور میں آئیں اس کی رعایت کی جائے، اور ان کو جرمانہ سے بچایا جائے کچھ ماہوار یا سال تمام پر دیتے ہیں، لیکن سب کام سرکاری میعاد انتہائی کے اندر ختم کرلیا جاتا ہے،

(۲) تصدیق پٹہ وقبولیت میں مقر کچھ حقوق خوشی سے دیا کرتے ہیں

(۳) تحقیقات موقع میں جس فریق کے حقوق فائق متصور اور امید کامیابی معلوم ہوتی ہے اس سے بعوض تحریر رپورٹ واجبی کے جو کچھ وہ دیتا ہے لیا جاتا ہے۔

(۴) دیہات میں منجابت زمیندار مقدم، و پدھان نذر دیتے ہیں، بلحاظ افسری بلا اس وقت کسی کام کے۔

(۳) اس تنخواہ مندرجہ سوال اول وآمدنی مندرجہ سوال دوم کے اندوختہ سے مصارف حج وزیارت ودیگر ضروریات دینی جائز ہے یا نہیں، اور بحالت عدم جواز کوئی طریقہ اس روپے سے ادائے کارروائی مندرجہ بالا کا ہو سکتا ہے، مثلاً تبادلہ اس روپے کا اگر اشرفی ہائے خزانہ سے کرلیا جائے وغیرہ۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر ان کاموں کو دیانت وامانت سے انجام دے، اور ان میں جو ظلم اور لوگ بڑھا لیتے ہیں ان سے مخلوق کو بچانے کی نیت سے یہ نوکری کرے اور اس سے زائد اور کوئی ناجائز کام اسے کرنا نہ ہو، تو یہ نوکری جائز ہے بلکہ خلق پر دفع ظلم ودیگر اہلکاران کی نیت پر ثواب پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ سب مدین رشوت وحرام ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) تنخواہ بشرائط مذکورہ حلال ہے، اور اس سے ہر نیک کام جائز ہے، اور آمدنی سوال دوم حرام ہے اور اسے کسی کام میں صرف کرنا جائز نہیں، سوا اس کے کہ جن سے لی ہے ان کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کردے، ایسی آمدنی والا اگر حج وغیرہ چاہے تو روپیہ بے سودی قرض لے لے، وہ حلال ہوگا، اور وہ قرض اگرچہ اس مجلس میں اپنے ناپاک روپے سے ادا کردے گا تو قرض لیئے ہوئے روپے میں خباثت نہ آئے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: از گونڈہ محلّہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحٰق

کوئی طوائف جو اپنے پیشہ میں مبتلا ہے، قرآن شریف پڑھنے یا پڑھوانے کی خواہش رکھتی ہے، اور اس کے عوض میں استاد معلم حافظ ناظرہ خوان کی کچھ خدمت کرے تو پیسہ جو طوائف پیشہ کا قطعًا حرام ہے، لینا استاد معلم کو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے حافظ وقاری کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عالمگیریہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ یہ روپیہ جو اجرت زنا یا غنا کا ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے وہ ان کے ہاتھ میں مثل غصب کے ہے، وہ کسی شیئ کے معاوضہ میں لینا جائز نہیں۔ امام اگر اس پر اصرار کرے تو اسے امامت سے معزول کرنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از نواکھالی ڈاکخانہ رائے پور ملک بنگالہ مسئولہ فضل حق صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

علمائے کرام فضلائے عظام کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ یہ استیجار علی الطاعات خصوصا تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل، ایصال ثواب کی نیت سے ارواح موتی کے واسطے ایک مدت دراز سے رواج چلا آرہا ہے، فی الحال دیوبندی محصل بعض علماء نے حرام کہہ کر اٹھالینے میں بڑے کوشاں ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ فی زماننا استیجار علی الطاعات خصوصا تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا حسب الحکم کتب فقہیہ جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جواز شامی وبرکوی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تحریرات جو حرمت استیجار علی التلاوۃ والتسبیح کو ثابت فرمائے ہیں اس کا کیا جواب ہے، مترصد کہ حضور از راہ مہربانی استفتاء ہذا کا جواب مع اپنے مہر اور متعلقین علماء کی مہر و دستخط سے مزین کرکے جلد تکلیف ارسال منظور فرمائیں

الجواب: حق یہی ہے کہ استیجار علی الطاعات حرام و باطل ہے، سوا تعلیم علوم دین واذان وامامت وغیرہا بعض امور کے کہ متاخرین نے بضرورت فتوائے جواز دیا تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز و حرام ہیں

کما حققه المولی المحقق السید امین الدین الشامی رحمه الله تعالٰی فی شفاء العلیل [1]۔	جیسا کہ محقق امین الدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شفاء العلیل میں تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

[1] شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ الخ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۷۵،۱۷۶

دیوبندی عقیدے والے ضرور کفار مرتدین ہیں جن کے کفر وارتداد پر علمائے کرام حرمین شریفین نے فتوے دئے، کہ حسام الحرمین وتمہید ایمان بآیات قرآن میں شائع ہوئے، مگر یہ ضرور نہیں کہ کافر جو بات کہے باطل ہو، نصارٰی کہتے ہیں یہود کا دین باطل ہے، اور ان کا یہ کہنا حق ہے، یہود کہتے ہیں نصاری کا دین باطل ہے، اور ان کا یہ کہنا حق ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱: مسئولہ ظہور محمد صاحب از شہر کہنہ ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی کے چند مالک وزمیندار ہیں، ان میں سے ایک نمبردار ہے، کل کارروائی تحصیل وصول وغیرہ کی نمبردار کرکے تقسیم کردیتا ہے، چنانچہ ایک اراضی کا کرایہ نامہ نمبردار نے ایک سال کے لئے ایک شخص کو لکھ دیا، کرایہ دار ونمبردار کی مرضی سے کرایہ نامہ میں کرایہ دار نے یہ بات تحریر کرادی کہ درصورت اراضی خالی پڑی رہنے کے بھی کرایہ مقررہ ادا کرے گا، اب وہ کرایہ دار بعد ۹ ماہ کے کہتا ہے کہ اراضی میں نے خالی کردی، تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، ایسی صورت میں نمبردار کو کرایہ دار سے ان تین ماہ کا کرایہ کہ جس سے کرایہ دار کو نفع نہیں پہنچا ہے، لینا چاہئے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ نمبردار کو بلامنشاء اپنے شرکاء یا ان کے کرایہ دار کو تین ماہ مذکور کا کرایہ اپنے اختیار سے چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ کرایہ دار نے زمین باختیار خود خالی چھوڑی، تو اس پر ان تین ماہ کا بھی کرایہ واجب ہے، نمبردار کو اگر شرکاء کی طرف سے کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہے تو وہ کرایہ سب کی طرف سے ہوا تین ماہ کا کرایہ اگر وہ کرایہ دار پر چھوڑ دے گا، اور شریکوں کے حصہ کا کرایہ اسے دینا پڑے گا، اور اگر شرکاء کی طرف سے اسے اختیار نہ دیا گیا، بطور خود بزعم خود نمبرداری اس نے ایسا تصرف کیا تو اور شرکاء کے حصوں کا غاصب ہوا، مگر ازانجا کہ عقد اجارہ اس نے کیا ہے، کرایہ کا مالک وہی ہوگا، اگرچہ حصہ شرکاء کے کرایہ میں ملک خبیث ہوگی، اس صورت میں وہ تین ماہ کا کرایہ باختیار خود چھوڑ سکتا ہے، اور اس صورت میں اسے لازم ہے کہ باقی شرکاء کے حصے کا کرایہ یا تو ان کو دے اور یہی بہتر ہے یا فقراء پر تصدق کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ منشی مجید حسن صاحب از جنگل بن بٹول ڈاکخانہ بڑھاپور ضلع بجنور ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے یہاں کام ہنڈی کا

ہوتا ہے اور بینک میں روپیہ کا لین دین ہے، روپیہ سود پر جو کہ بینک کو دیتے ہیں اور ایسے ہی جو کہ بینک سے لیتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں سود کا برتاؤ ہے، اور یہی قرضہ پر سود چلاتے ہیں فدوی کی یہ عرض خدمت شریف ہے کہ جبکہ شیخ صاحب کے یہاں سود کا لین دین ہے، ایسی صورت میں ایسے شخص کے کارخانہ میں نوکری کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نزدیک کیا ہے، اگر اجازت ہے تو اس کی بھی دلیل ارقام فرمائیں، اگر ناجائز ہے اس کی وجہ بھی فرمادیں، جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانہ کے مالک کے یہاں سود کا لین دین ہے میرا دل ایک منٹ ٹھہرنے کو نہیں چاہتا ہے، اسی وجہ سے خدمت میں گزارش کی گئی خدا چاہے جیسا ارشاد فرمادیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

اور ایک یہ دریافت کرنا ہے کہ وکیلوں کے یہاں محرری کرنا جائز ہے یا نہیں ہے، ان کے یہاں بھی مقدمات رجوع سود کے ہوتے اور بلا سود کے بھی ہوتے ہیں، ایک میرے علم میں حافظ عبدالرشید، وکیل ہیں، وہ کہتے ہیں جو کام بلا سود کا ہوا کرے گا وہ تم سے کرالیا کروں گا، اور سودی دعوی میرا دوسرا محرر کرلیا کرے گا، مگر شرعًا جیسا حکم ہو ارشاد فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کے پاس مال حلال وحرام مختلط ہو۔ مثلاً تجارت بھی کرتا ہے اور سود بھی لیتا ہے اس کے یہاں کی نوکری شرعًا جائز ہے، اور جو کچھ بھی وہ دے اس کے لینے میں حرج نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمیں دے رہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔

به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه کذا فی الهندیة[1] عن الظهیریة عن الامام محمد رضی الله تعالٰی عنه۔	جب کسی چیز کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو یہی ہمارا موقف ہے، یوں ہندیہ میں ذخیرہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے حوالے سے منقول ہے۔ (ت)

وکلاء کے یہاں محرری میں کچھ خیر نہیں، سودی معاملہ کے سوا ان کے یہاں اور معاملات بھی اکثر خلاف شرع ہوتے ہیں، اکثر دعاوی باطلہ ہوتے ہیں جن کو وہ حق کرنا چاہتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں انھیں بھی باطل کی آمیزش بغیر اپنے لئے سرسبزی نہیں جانتے، غرض ان کے معاملات ناحق سے شاذ و نادر ہی شاید خالی ہوتے ہیں، اور تحریر اعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[2]۔	گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور حدیث میں ہے:

وعلی الکاتب مثلہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کاتب پر بھی اس کی مثل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۳: مسئولہ سید عبدالقادر حسن واعظ از سورت سید واڑہ روز دوشنبہ ۶ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسلمان اپنا مکان شراب بیچنے کے لئے اور شراب نوشی کے لئے کرایہ سے دے تو درست ہے یا نہیں؟ اور اس کی ایسی کمائی کا کھانا دوسرے مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان مکان کرایہ پر دے اس کی غرض کرایہ سے ہے، اور اعمال نیات پر ہیں، یہ نیت کیوں کرے کہ اس لئے دیتا ہے کہ اس میں شراب نوشی و شراب فروشی ہو، ایسی حالت میں کرایہ اس کے لئے حلال اور اس کے یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں، ہاں جو اس حرام نیت کو شامل کرلے کہ وہ اب خود ہی گنہگار بنتا ہے، اور اگر وہ مکان ایسی جگہ واقع ہے جہاں ان مفاسد کا اظہار باعث ضرر وخرابی ہمسائگان ہوگا، تو ناجائز، یہ باعث فتنہ ہوا، اور فتنہ حرام، بہرحال نفس اجرت کے کسی فعل حرام کے مقابل نہو عـــہ حرام نہیں ہے، یہی معنی ہیں اس قول حنفیہ کے کہ:

یطیب الاجر وان کان السبب حراما کما فی الاشباہ وغیرھا [2] فاحفظ فانہ علم عزیز فی نصف سطر، واللہ تعالٰی اعلم	اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہے، جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، اس کو محفوظ کرلو، یہ ایک سطر میں نادر علم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

عـــہ: میرے خیال میں یہاں بھی ناسخ سے لغزش ہوگئی، اس میں "نہو" کے بجائے "ہو" لکھا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲ وغمز عیون البصائر الفن الثانی کتب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۷۱ وردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ بنے خاں سوداگر پارچہ محلّہ نالہ متصل کٹرہ ماندرائے بریلی ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

مجلس میلاد پڑھنے کے لئے پیشتر ٹھہرالینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے، اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے، اور وہ بھی اس سے بطور پیشگی بطور بیعنامہ یا سائی جمع کرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَاتَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؗ"[1]۔	میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ (ت)

یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: مسئولہ محمد لطف علی محکمہ سروے آف انڈیا رام نگر منڈی ضلع نینی تال ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! السلام علیکم! بعد ادائے آداب کے عرض یہ ہے کہ کمترین محکہ سروے میں بملازمت سرکار ممتاز ہے، اور اپنی زندگی کا بیمہ مبلغ چار ہزار روپیہ کے واسطے محکمہ ڈاک خانہ میں کیا ہے شرح ماہوار چند تیرہ روپیہ سات آنہ ہے، کمترین نے شروع یکم اگست ۱۹۱۳ء کو کیا تھا اور شرط یہ تھی کہ اگر کمترین ۴۵ سال کی عمر تک زندہ رہے گا تو کمترین کو چار ہزار روپے دئے جائیں گے اور اگر کمترین کا اس سے پہلے انتقال ہوا تو انتقال ہونے پر کمترین کے عزیزوں کو چار ہزار روپے دے دئے جائیں گے۔ اب التجا یہ ہے کہ مہربانی فرماکر آپ فتوٰی دیں کہ یہ شرعا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر شرعا درست ہے تو اس کی زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ عنایت فرماکر مفصل تحریر فرمایئے، عین نوازش ہوگی فقط

الجواب:

یہ شرعاً قمار محض ہے، وہ ماہوار کہ اس میں دیا جاتا ہے وقت مشروط سے پہلے واپس نہیں لیا جاسکتا نہ شرعًا وہ محکمہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، وقت واپسی جتنا جمع ہوا تھا اس کی ہر سال کی زکوۃ لازم آئے گی، اور اگر اس سے زائد ملے گا تو اس کی زکوۃ نہیں کہ بیمہ کرانے والے کی ملک نہ تھا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۶: از شہر رجمنٹ اکا کور نمبر ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب مہارنپوری ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام مجید کا پڑھنا اور پڑھانا، امامت کا کرنا، اور ماہواری یا فصل پر روپیہ وصول کرکے کلام مجید کے ذریعہ پر اپنی پرورش اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں، زید ان امامت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

کرنے والوں سے بہت نفرت کرتا ہے اور جو لوگ امامت اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور پرورش اپنے بچوں کی محنت مزدوری سے کرتے ہیں ان سے بہت خوش رہتا ہے اور ان کو نگاہ عبرت سے دیکھتا ہے۔

الجواب:

جو اللہ عزوجل کے لئے امامت و تعلیم و تعلم کرتے ہیں ان سے خوش ہونا بہت بجا ہے، اور جو تنخواہ لیتے ہیں ان سے نفرت کرنا بیجا ہے، کہ اب ان کاموں پر اجرت لینا روا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۷: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

اجرت تعلیم قرآن وامام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

متاخرین نے تعلیم امامت پر اخذ اجرت کے جواز پر فتوٰی دیا ہے۔

کتب الحنفیه طافحة بذلك ومن لایعلم فحسبه جواب من یعلم. واللہ تعالٰی اعلم۔	حنفی کتب اس سے لبریز ہیں اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے والے کا جواب کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۸تا۱۸۹: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اجرت کی چیزوں کی مثل گاڑی وکشتی وغیرہ کی اجرت نہ دینا کیسا ہے؟

(۲) جس زمین کی مالگزاری مالک لیتا ہے اس میں اگر پانی ٹھہرا اور مچھلی ٹھہری تو مالک کہتا ہے یہ مچھلی ہماری ہے اگر رعایا نہ دے تو گنہگار تو نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) حرام ہے۔

(۲) مباح مچھلی جو پکڑلے اسی کی ہے، مالک کو اس پر دعوٰی نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰: از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ پیشہ ور کام کراتے ہیں آدمیوں سے، اور اس شرط پر کہ آدھ آنہ روپیہ کے حساب سے گیارھویں شریف کے لئے کاٹتے رہیں گے اس

میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے نہیں دیتے، ہم چاہے اپنے گھر یا جیسے جی چاہے گا ویسے ہی دیں گے ایسی پابندی کا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس کو جبر کا کوئی اختیار نہیں، اگر جبراً کاٹے گا ظلم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: از شہر مدرسہ اہل سنت وجماعت مسئولہ مولوی محمد عثمان طالبعلم بنگالی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک جائداد نیلام کی خریدی جس میں رنڈیاں رہا کرتی ہیں ان سے کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو کرایہ وہ اپنے زرحرام سے دیں کہ زنا یا غنا کی اجرت میں ملا ہے اس کا لینا حرام ہے، اور اگر زرحلال سے دیں مثلاً کسی سے قرض لے کر یا وہ بلا اجرت ورشوت محض انعام میں ملا تو حلال ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: از فیض آباد کھڑکی علی بیگ مسئولہ سید عبداللہ صاحب سب انسپکٹر

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ خالد کا ایک مقدمہ دس پندرہ ہزار کا کچہری میں تھا، خالد نے زید سے کہا کہ میری ڈگری ہوجائے زید نے بایں شرط دعا کرنے کا وعدہ کیا کہ درصورت ڈگری کے مبلغ دو ہزار روپیہ بطور حق الدعاء خالد زید کو دے گا۔ خالد نے منظور کرلیا، اتفاق سے ڈگری ہوگئی، خالد نے زید کو زرمذکورہ دے دیا، یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

خالی دعا پر اجرت ٹھہرالینا بوجوہ حرام ہے، اور وہ روپے کہ اسے ملے محض حرام ہے، ان کا لینا دینا سب حرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ وہ روپے خالد کو واپس کردے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ محمد شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان معمار کو بتکدہ کی نوتعمیر یا مرمت کرنا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو کوئی ایسا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مکروہ ہے اور جو کرے مستحق سزا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: از چوہر کوٹ بارکھاں ملک بلالوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ دریں ملک عرف است کہ یک شخص چند گو سفنداں یامادہ گاواں وغیرہم باجارہ بادیگر بااین وعدہ می دہد کہ تاسال چار یا ہفت، ہشت، ایں مال رابچراند، اقرار این است کہ اصل مال خود ملک من است، وہرچہ افزاید یعنی زاید، نصف نصف است، ایں راہنیم سودی می گویند، آیا ایں اجارہ جائز است یانہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ ہمارے ملک میں عرف یہ ہے کہ بکریاں اور گائے وغیرہ دوسرے کو اس شرط پر بطور اجارہ دیتے ہیں، ایک یا سات یا آٹھ سال اس مال کو چراؤ، اور قرار دیتے ہیں کہ اصل مال مالک کا اور زائد ہوجائیں تو زائد میں نصف نصف ہوگا، اسے نصف سود کہتے ہیں، کیا یہ اجارہ جائز ہے یانہیں؟ (ت)

الجواب:

ایں اجارہ حرام است بوجوہ **منہا الجہالۃ، ومنہا الغرر، ومنہا معنی قفیز الطحان۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	یہ اجارہ حرام ہے کئی وجوہ سے، ایک جہالت، ایک دھوکا، اور ایک چکی کی پسائی میں قفیز کا معنی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۵: از کھریرا ضلع مظفر پور ڈاکخانہ رائے پور مرسلہ شریف احسن صاحب ۳شعبان ۱۳۳۶ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ میں دس روپے کا تحصیلدار ہے چونکہ وہ امانت دار ہے، اور مواخذہ آخرت سے بھی خرچ ہوجانے پر ڈرتا ہے، اس لئے انجمن سے استدعا کرکے (للعہ عہ) ماہانہ داخل انجمن کرنے پر ٹھیکہ لیا، اور بقیہ آمدنی اپنے اور اپنے اہل وعیال وزادراہ وغیرہ کے لئے اپنی تنخواہ مقرر کرالی ہے، شرعًا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

حرام ہے کہ بوجہ عدم تعلیق تنخواہ اجارہ فاسد ہوا، اور عقود فاسدہ سب حرام ہے، اور واجب الفسخ ہیں اس صورت میں وہ صرف اجر مثل لے سکے گا، اور وہ بھی اس کے حق میں خبیث ہوگا، اجر مثل سے زیادہ جو کچھ بچے انجمن میں داخل کرنا لازم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از لاہور انجمن نعمانیہ مرسلہ سلیم اللہ خاں جنرل سیکریٹری انجمن ۱۴ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دینی مجالس میں دینی تعلیم کے لئے جو مدرسین وغیرہ ملازم رکھے جاتے ہیں اور قواعد منضبط مجلس پر ان سے بوقت قبولیت ملازمت کے دستخط کرالئے جاتے

ہیں بعد میں اگر ایسے ملازم ان قواعد کی خلاف ورزی کرکے ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جائیں، یا کوئی ایسا امر کریں جو قواعد مذکورہ کے خلاف ہو جس کو منظور کرچکے ہوں تو ایسے ملازمین کے کارگردگی کی تنخواہ ضبط کرلینے اور نہ دینے کا مجلس مذکورہ کو شرعًا اختیار ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے قواعد ہر ایک مجلس انجمن مدرسہ مکاتب اسلامی میں مندرج ہیں، رائج ہیں۔ کیا یہ شرعًا بھی درست ہے اور قابل تعمیل ہے یا نہیں؟ ملازمین کی طرف سے حجت کی جاتی ہے کہ ان کی کارروائی کی تنخواہ ان کا حق واجبی ہے، اور وہ کسی طرح رکھ لینا شرعا جائز نہیں ہوسکتا، براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعیہ بہت جلد مطلع فرمائیں،

المستفتیان: سلیم اللہ جنرل سیکریٹری، تاج الدین احمد سیکرٹری، نور بخش سیکرٹری۔

الجواب:

مدرسین وامثالہم اجیر خاص ہیں، اور اجیر خاص پر وقت مقررہ معہود میں تسلیم نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ ہو، مثلاً مدرسین وقت معہود پر مہینہ بھر برابر حاضر رہا، اور طالب علم کوئی نہ تھا کہ سبق پڑھتا، مدرس کی تنخواہ واجب ہوگئی، ہاں اگر تسلیم نفس میں کمی کرے مثلاً بلا رخصت چلا گیا، یا رخصت سے زیادہ دن لگائے، یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دئے، یا حاضر تو آیا لیکن وقت مقرر خدمت مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام اگرچہ نماز نفل یا دوسرے شخص کے کاموں میں صرف کیا کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہوگئی، یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں کہ اگرچہ اجرت کام کی نہیں تسلیم نفس کی ہے، مگر یہ منع نفس ہے، نہ کہ تسلیم، بہر حال جس قدر تسلیم نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی، معمولی تعطیلیں مثلاً جمعہ، وعیدین ورمضان المبارک کی، یا جہاں مدارس میں سہ شنبہ کی چھٹی بھی معمول ہے، وہاں یہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ ان ایام میں بے تسلیم نفس بھی مستحق تنخواہ ہے، سوا اس کے اور کسی صورت میں تنخواہ کل یا بعض ضبط نہیں ہوسکتی، تسلیم نفس کامل کرکے اور بات میں باوصف قبول واقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام، معہذا حقوق العباد میں مطلقًا اور حقوق اللہ میں جرم کرچکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صور معدودہ کے سوا قاضی شرع کو ہے نہ عام لوگوں کو اور امر ناجائز رائج ہو جانے سے جائز نہیں ہوسکتا، یونہی ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا نہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کرلینی مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی یہ سب باطل وخلاف شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیان سوال سے

ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز وگناہ ہے، کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقد فاسد حرام ہے۔ اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررکے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ اجر مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہوں، اجر مثل اگر مسمّٰی سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلا نہ کریں،

درمختار میں ہے:

الاجیرالخاص ویسمی اجیر وحد وھو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص و یستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعلم کمن استؤجر شھر للخدمة، ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ(بل ولا ان یصلی النافلة"شامی"ولو عمل نقص من اجرته بقدر ماعمل، فتاوٰی النوازل[1]۔	اجیر خاص کا نام اجیر وحد ہے، اور جو کسی کے لئے خاص ہو کر مقررہ عمل کرے اور مقررہ مدت میں اپنے آپ اس کے سپرد کردے اگرچہ عمل نہ کرے مثلا کسی نے ایک ماہ خدمت کے لئے ملازم رکھا ہو، اجیر خاص کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کا کام کرے بلکہ اس کو اس وقت میں نفل نماز بھی نہ چاہیے، شامی، اور اگر اس نے کسی اور کا کام کیا تو اس کی اجرت میں اتنی کمی کی جاسکے گی۔ فتاوٰی نوازل۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث کانت البطالة معروفة فی یوم الثلثاء والجمعة وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ[2]۔	جہاں منگل اور جمعہ اور رمضان وعیدین کی تعطیل مروج ہے وہاں ان کا مشاہرہ لینا جائز ہے۔ (ت)

بزازیہ پھر بحر پھر شامی میں ہے:

معنی التعزیر باخذ المال علی القول به امساك شیئ من مال عند مدة	تعزیر بالمال کا جہاں قول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ملزم کا وہ مال کچھ مدت کے لئے روک لیا جائے

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۱ وردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۰

لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ الا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ اولبیت المال۔ کما یتوھمہ الظلمۃ۔ اذا لایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]۔	تاکہ وہ جرم سے باز آجائے اور پھر حاکم مال واپس کردے یہ معنی نہیں کہ حاکم اس مال کو اپنے لئے یا بیت المال کے لئے وصول کرے جیسا کہ ظالم لوگوں نے خیال کررکھا ہے کیونکہ کسی مسلمان کو شرعی وجہ کے بغیر کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے۔(ت)

شرح معانی الآثار امام طحاوی پھر مجتبٰی پھر ابن عابدین میں ہے:

التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[2]۔	تعزیر بالمال ابتداء اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ (ت)

شرح ہدایہ امام عینی میں ہے: العمل بالمنسوخ حرام[3] (منسوخ پر عمل حرام ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ وبعدہ لیس ذٰلك لغیر الحاکم والزوج والمولٰی[4].	گناہ میں مشغول کو ہر مسلمان تعزیر کرسکتا ہے اور بعد میں حاکم، خاوند آقائے غیر کو یہ حق نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یقیمہ ای التعزیر الواجب حقاﷲ تعالٰی بخلاف التعزیر الذی یجب حقا للعبد فانہ لتوقفہ علی الدعوی لایقیمہ الا الحاکم الا ان یحکما فیہ اھ فتح[5]۔	"ہر مسلمان تعزیر قائم کرسکتا ہے" کا مطلب یہ ہے وہ تعزیر جو اللہ تعالٰی کے حق پر واجب ہو، بخلاف اس تعزیر کے جو بندے کے حق پر واجب ہو کیونکہ وہ بندے کے دعوی پر موقوف ہوتی ہے اس کو حاکم کے سوا کوئی نہیں قائم کرسکتا الایہ کہ دونوں فریق اس کے لئے کسی کو ثالث بنالیں اھ فتح (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۹

[3] البنایۃ فی شروح الہدایۃ

[4] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۷

[5] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دارحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۱

فتاوٰی غیاثیہ میں ہے:

الاتری انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر اوعلی الربا لایفتی بالحل [1]۔	کیا دیکھ نہیں رہے کہ اگر لوگ شراب فروخت یا سود کے معاملات مروج کرلیں تو حلال ہونے کا فتوٰی نہ دیا جائے گا۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل، وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق، رواہ الشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھما [2]۔	لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ ایسی شرطیں بناتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور جو شرط کتاب اللہ کی رو سے جائز نہ ہو وہ باطل اگرچہ سو شرطیں ہوں اللہ تعالٰی کا فیصلہ حق ہے اور اللہ تعالٰی کی جائز کردہ شرط حق ہے، اس کو شیخین (بخاری ومسلم) نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد [3]	ایسی شرائط اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں جو مقتضٰی کے مخالف ہوں۔(ت)

اسی میں ہے:

ان فسدت بجھالۃ المسمی وبعدم التسمیۃ وجب اجر المثل باستیقاء المنفعۃ بالغا ما بلغ والا تفسد بھما بل بالشروط او	اگر اجارہ شیئ کی جہالت اور عدم ذکر کی وجہ سے فاسد ہو تو منافع حاصل کرنے پر مثلی اجرت لازم ہوگی خواہ جتنی بھی ہو ورنہ ان دونوں صورتوں میں بلکہ ایسی دیگر شرائط سے بھی فاسد ہوگا یا

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النساج مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۹۰۔۲۸۹ وکتاب المکاتب ۱/ ۳۴۸ کتاب الشروط ۱/ ۳۷۷ وصحیح مسلم کتاب العتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

الشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجر المثل علی المسمی لرضاہما بہ وینقص عنہ لفساد التسمیۃ[1]۔	مقررہ معاوضہ معلوم ہونے کے باوجود شیوع پایا جائے تو مثلی اجرت مقررہ سے زائد نہ ہوگی کیونکہ مقررہ پر دونوں راضی تھے، کم ہو تو کم کردی جائے کیونکہ مقرر فاسد ہوچکا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

یجب علی کل واحد منہما فسخہ اعداما لفساد، لانہ معصیۃ فیجب رفعہا، بحر۔ ولذا لایشترط فیہ قضاء قاض، لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء، درر، واذا اصر احدہما علی امساکہ، وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیہما حقا للشرع بزازیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	دونوں فریقوں پر واجب ہے کہ اس کو فسخ کریں کیونکہ گناہ کو ختم کرنا ضروری ہے، بحر۔ اور اسی لئے اس فسخ کے لئے قاضی کی قضاء ضروری نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعا واجب ہو وہ قضاء کی محتاج نہیں، درر، جب دونوں فریقین قائم رکھنے پر مصر ہوں اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبرا فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہوجائے، بزازیہ، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مسئولہ محمد مسعود علی میر محلّہ بدایوں بروز دوشنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ممالک متحدہ میں ایک عرصہ سے جدید بنک کھولے گئے ہیں جن کو زبان اردو میں دیہاتی بنک کہا جاتا ہے، اور جن کے دفتروں میں صدہا مسلمان ملازم ہیں، تنخواہ پاتے ہیں، ان بنکوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی پونجی بالعموم حسب ذیل تین طریقوں سے فراہم کی جاتی ہے:

اول: دس دس یا بیس بیس روپیہ کی قیمت کے حصص قائم کئے جاتے ہیں اور کم از کم ایک حصہ کا خریدار ممبر مانا جاتا ہے اس ہر بنک میں صدہا ممبر ہوتے ہیں ہر حصہ کی قیمت بالعموم بیس چھ ماہی قسطوں میں یعنی دس سال میں قابل ادا ہوتی ہے۔

دوم: اکثر رقوم بمد امانت جمع ہوا کرتے ہیں۔

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

سوم: قرض لیا ہوا روپیہ بھی اس کی پونجی میں شامل ہوتا ہے۔

اصل مقصد ان بنکوں کا یہ ہے کہ اپنے ممبروں کو سخت ضرورت کے وقت سادہ سود کے کم نرخ پر قرض دے کر مہاجنوں کے سود در سود اور بھاری شرح کی مار سے ضرور تمند ممبروں کو جن میں مسلمان اور ہل ہنود دونوں از قسم زمیندار وزراعت پیشہ وتجارت پیشہ ودیگر کاروباری شامل ہیں محفوظ رکھا جائے، ملازمان بنک کارہائے مفوضہ میں ممبران بنک کو کفایت شعاری کی ہدایت کرتے رہنا اور غیر ضروری کاموں کے لئے قرض نہ لینے دینا ایک اہم فریضہ ہے، بنک جو اپنے ممبروں کو قرض ادا کرتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ممبران اپنا اپنا کاروبار چلانے کے لئے ضروری روپیہ بنک سے قرض لیتے ہیں جس کی شرح سود بالعموم ایک روپیہ سے سوا روپیہ سیکڑہ تک سادہ ہوتی ہے، اور یہ قرض مع سود بالاقساط ادا کیا جاتا ہے، اس طرح پر قرضداروں کو مہاجنوں سے قرض لینے کے مقابلہ میں بہت زیادہ منفعت رہتی ہے۔ مثلاً کسی معمولی حیثیت کے مسلمان ممبر نے سخت ضرورت کے وقت پانچسو روپیہ بنک سے قرض لے، تو یہ قرض پانچ سال میں بالاقساط مع سادہ سود کے آٹھ سو پچھتّر روپیہ کی تعداد میں بنک کو ادا کیا جائے گا۔ اور بالفرض اگر کوئی قسط کسی مجبوری سے نہ ادا ہوسکے تو بلا کسی تاوان کے قرضدار کو مزید مہلت ملے گی، یعنی بجائے پانچ سال لے ساڑھے پانچ سال میں ادا ہوسکتی ہے، درانحالیکہ مہاجن سے پانچسو روپیہ قرض لینے میں دو روپیہ کی سود در سود کی شرح سے کم نہیں ملے گا، اور ششماہی سود شامل اصل ہو کر پانچ برس کے عرصہ میں (ال صمالع للعہ) روپیہ یعنی بنک کے قرضہ سے دوگنا دینا پڑے گا، اور اگر پانچ سال کے بجائے ساڑھے پانچ برس تک یہ قرض رہ گیا تو تقریبا دوہزار روپیہ دینا پڑینگے جیسا کہ اکثر مسلمان جو سودی قرض لینے کے عادی ہیں، مہاجنوں کے چنگل میں پھنس کر بغیر تباہ ہوئے نہیں بچتے، اس لحاظ سے یہ بنک ان مسلمان ممبروں کے لئے زیادہ مفید کہی جاسکتی ہے، جو ضروری اور غیر ضروری کاموں کے لئے بلحاظ کفایت شعاری سودی قرض لینے کے عادی ہیں قرض پر سود کی رقم جو بنک کو اصل کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بطریق ذیل پیدا کی جاتی ہیں:

ا۔ زراعت پیشہ لوگ جس میں اکثر مشرکین ہوتے ہیں، بغر زراعت ضروری روپیہ بنک سے قرض لے کر زراعت کرتے ہیں اور اس کے ماحصل سے جو مقدار قرض سے کئی حصہ زیادہ ہوتا ہے کچھ جزوی رقم سود کے نام سے قرضہ بنک میں ادا کرتے ہیں۔

ب۔ اسی طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی تجارت کے ماحصل سے (یعنی منافع سے)۔

ج۔ اسی طرح کاروباری مثلاً ایک نجار نے دس روپے قرض لے کر اوزار خریدے اور سال بھر میں دو سو روپیہ پیدا کئے، اسی آمدنی سے ادائے قرض میں بجائے دس روپے کے بارہ روپے بنک میں داخل ہوتے ہیں۔

ملازمان بنک کے کارہائے متعلقہ یعنی فرائض حسب ذیل ہوتے ہیں:

اولاً دفتر میں متعلقہ حساب وکتاب درست کرنا۔

ثانیاً: اس بات کی سخت نگرانی کرنا کہ ممبران بنک کسی غیر ضروری کام کے لئے قرض نہ لیں اور فضول کام میں روپیہ خرچ نہ کریں۔

ثالثاً: ماتحتوں کے کام کی نگرانی رکھنا، جانچ کرنا، سودی قرض وصول کرنا، تنخواہ جو ان ملازموں کو ملتی ہے وہ بنک سے منافع سے ملا کرتی ہے جس میں مذکورہ بالا سود کا روپیہ بھی شامل ہے، نظر براں ان بنکوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا جائز، اور ایک ضرورتمند مسلمان ملازمت پیشہ جو اس بنک میں ملازم ہے اور اپنی محنت کے عوض مقرر تنخواہ پاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے، اگر اس کی ایسی ملازمت ناجائز ہے تو کس حد تک، اور حسب ذیل اشخاص کی حیثیتوں اور ایسے ملازم بنک کی حیثیت میں کیا فرق ہے،

(۱) ایک مسلام جو سرکاری بنک میں اپنا روپیہ امانتاً جمع کراتا ہے اور اسی امانت پر سود کے نام سے منافع حاصل کرتا ہے۔

(۲) ایک مسلمان جو محض مشرکین سے سود لیا کرتا ہے۔

(۳) ایک مسلمان جو سود دیا کرتا ہے۔

(۴) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ مال میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ اس مالگزاری کی آمدنی سے ملتی ہے جس میں بقاعدہ زمینداری باقایا لگان پر کاشتکاروں سے بالعموم سود لیا ہوا اور غیر مسلم مالگذار کا جائز وناجائز طریقہ پر پیدا کیا گیا ہوا روپیہ شامل ہوتا ہے کیونکہ یہ سب مخلوط آمدنی مالگزاری سرکاری میں داخل ہوا کرتی ہے۔

(۵) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ دیوانی میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ کورٹ فیس وغیرہ کی آمدنی سے جس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جس کو مہاجن سود کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں ملا کرتی ہے۔

(۶) ایک مسلمان چنگی کا ملازم جس کی تنخواہ چنگی کی آمدنی سے جو بلحاظ ٹیکس وغیرہ بالعموم سود خوار اقوام کی کمائی سے جمع کی جاتی ہے ملا کرتی ہے۔

(۷)ایک مسلمان جو کسی ایسے غیر محتاط مسلمان رئیس کے پاس ملازم ہے جس نے اپنی آمدنی کے ذرائع کو عام احتیاط سے مستثنٰی کر رکھا ہے۔
(۸) کسی ایسے انگریزی مدرسہ کا مدرس جس کا کاروبار چندہ پر مبنی ہے اور چندہ دہندگان میں سود خوار اقوام بھی شامل ہےں،ایسے چندہ کی آمدنی سے تنخواہ پانے والا مسلمان مدرس۔
(۹)ایک مسلمان تجارت پیشہ جو اپنے مال کو سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کیا کرتا ہے۔
(۱۰)ایک مسلمان زراعت پیشہ جس کو اپنا غلہ وغیرہ سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کرنے سے کوئی عار نہیں ہے اور یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ آیا ایسی جائداد یعنی زمینداری وغیرہ جس کو کسی ڈپٹی کلکٹر یا کسی جج یا کسی منصف یا کسی وکیل مختار نے اپنے ایسے پیشہ کی آمدنی سے پیدا کیا ہو اکل حلال سمجھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی محتاط لوگ جائز آمدنی سمجھ سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔ بینوا توجروا

الجواب:

بنک کی صورت مذکورہ حرام قطعی ہے،اور یہ فائدہ کہ بنیوں سے آدھا یا چہارم سود لیا جائے گا سود دینے والے کا ایک دینوی فائدہ سہی مگر دینے والے اور لینے والے کے اخروی مضرت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں،اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا"[1]، "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ"[2]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا چھوڑ دو،پھر اگر نہ مانو تو اللہ ورسول سے لڑائی کے لئے تیار ہوجاؤ۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی کرنیوالوں پر،اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

---
[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹
[3] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

صحیح حدیثوں میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الرباء ثلثه وسبعون حوبا ایسرها ان ینکح الرجل علی امه[1]۔	سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

ایک حدیث میں ہیں:

من اکل درهما من الربا وهو یعلم انه ربا فکانما زنی بامه ستا وثلثین مرة[2]۔	جس نے دیدہ دانستہ سود کا ایک درہم کھایا (جو یہاں کے تقریباً ساڑھے چار آنے کے برابر ہوتا ہے) اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔

اس حساب سے سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے زنا کرنا ہوتا ہے۔ تو یہ منفعت جتانا کہ بنئے کو دونا دینا ہوگا۔ یہ آدھا لیں گے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ، وہاں ہزار بار مثلاً ماں سے زنا کرنا ہوگا۔ یہاں آؤ کہ ہم تو پانسو باری کریں، یہ کیا خاک فائدہ ہوا۔ یا اس سے گزر کریوں سمجھئے کہ بنئے کو یہاں نہ جاؤں وہاں اسی ہزار جوتے پڑینگے، ہم چالیس ہزار مار کر چھوڑ دینگے ان کے سر کی خیر تو چالیس ہزار میں بھی نہیں، یہ سب شیطانی دھوکے اور مہمل ہوسیں ہیں، شرعی طریقہ برتیں کہ خود بھی ان عظیم آفتوں سے بچیں، اور قرض لینے والے بھی اور بنک کو دل خواہ نفع بھی ہو جائے اور لینے والے بھی بنیوں کی مصیبت سے بچیں، اس کے متعدد طریقے ہمارے رسالہ کفل الفقیه الفاهم میں مذکور ہیں ازاں جملہ آساں تر یہ کہ مثلاً کوئی شخص سو روپیہ سال بھر کے وعدہ پر قرض لینا چاہتا ہے اور بنک یہ چاہے کہ اسے روپیہ مل جائے اور مجھے نفع ہاتھ آئے تو اسے روپیہ قرض نہ دے بلکہ سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً یک سو دس یا ایک سو باہر کو بیع کرے، یہ بیع ہے ربا نہیں،

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود، (اس کا جواب کہ) اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

[1] المصنف لعبد الرزاق ما جاء فی الرباء حدیث ۱۵۳۴۴ و ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴ و شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] الترغیب والترهیب الترهیب من الرباء مصطفی البابی مصر ۳/ ۷ و ۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

ملازمت کی صورتیں جو سائل نے لکھیں اس کا جواب کلی کہ انھیں اور ان جیسے دس ہزار کو شامل ہو، یہ ہے کہ ملازمت دو قسم ہے:
ایک وہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت جس میں سود کا لین دین، اس کا لکھنا پڑھنا، تقاضا کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے، وہ مال حلال بھی اس کے لئے حرام ہے، اور مال حرام ہے، تو حرام در حرام۔
دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہٖ امر جائز کی ہو مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مال حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔ نہ بدلا نہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز۔

قال محمد به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه[1]۔ہندیة عن الظهيرية۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، ہم اسی کو اختیار کریں گے جب تک عین حرام چیز کا علم نہ ہو، ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے۔(ت)

یہ حکم ملازمتوں کا ہے، مزارع یا تاجر کا غلہ ومال کسی کے ہاتھ بیچنا اسی قسم اخیر کے حکم میں ہے اور سود لینا خواہ گورنمنٹ سے ہو یا مشرکین سے خود فعل ناجائز ہے، یہ قسم اول کے حکم میں داخل ہے، اور سود دینا اگر محض مجبوری شرعی سے ہو جس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، تو اجازت ہے۔

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربا[2]۔	محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے۔(ت)

ورنہ حرام، اور دینا لینا یکساں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: مولوی حشمت علی صاحب محلّہ گڑھیاں بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک جگہ پڑھانے پر نوکر ہے، جمعرات کو صبح کے وقت زید کی کچھ طبیعت علیل تھی مگر اس وجہ سے کہ پڑھائی میں حرج نہ ہو پڑھانے چلا گیا، ساڑھے نو بجے تک پڑھایا، بعد ازاں زیادہ طبیعت خراب ہوئی اور پڑھایا نہ گیا تو زید نے اس سے جس کے یہاں پڑھاتا تھا کہا کہ مجھ سے اب باقی وقت کام نہیں ہوتا ہے مجھے چھٹی دے دیجئے، تب اس شخص نے زید کو جواب دیا کہ اپنا وقت گیارہ بجے تک پورا کردیجئے ورنہ رخصت یوم کی تنخواہ وضع ہوگی، زید نے اس کے جواب میں کہا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

کہ میں ربع یوم کی چھٹی چاہتاہوں اگر آپ منظور نہ کریں توصرف ربع یوم کی تنخواہ وضع کرلیں، نصف یوم کی تنخواہ وضع کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ میں نے ربع یوم کام کیاہے ربع باقی ہے۔
دریافت طلب یہ ہے کہ جب زید نے ربع یوم کام کیااور ربع یوم نہیں کیااور رخصت چاہی، توشرعاً زید کی ربع یوم کی تنخواہ وضع ہونا چاہئے یانصف یوم کی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس روز جتنے گھنٹے کام میں تھاان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہوگی، ربع ہوتو ربع یا کم زیادہ جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہوگی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھااور ایک گھنٹہ نہ کیاتواس دن کی تنخواہ کاچھٹا حصہ وضع ہوگا۔ زیادہ وضع کرنا ظلم ہے۔

مسئلہ ۱۹۹: از بدایوں مولوی محلّہ مرسلہ شاہ حاجی اعجاز حسین صاحب ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے تین لڑکیاں اور دولڑکے اپنی وفات پر چھوڑے، اور ایک حقیت چھوڑی، بڑالڑکا اس حقیت کا کاروبار کرتا رہا، اور بخوشی دیگر بھائی بہن کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاتا رہا، اب اس کا انتقال ہوا، اس حقیت میں سے ایک کھیت برابر اپنی کاشت میں رکھا تھا، اب اس متوفی کالڑکا وارث ہوا، لیکن وہ کھیت جس کا لگان جمع بندی میں (للعہ عہ) یا کچھ درج ہے اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیاتو بجائے (للعہ عہ) کے (عہ) میں اٹھا، اب اس موروثی کھیت کالگان جو اور جس قدر (للعہ عہ/) سے زیادہ ہوا، اس کا مالک متوفی کا صرف لڑکا ہوا، یا وہ زیادتی لگان بھی شرعاً سب میں تقسیم کرنا چاہئے، مکرر یہ ہے کہ وہ کھیت جو قانوناً موروثی بھی ہے وہ علیحدہ کرنے پر لگان مندرجہ جمع بندی کے علاوہ ہر حال میں متوفی کے وارث کو پہنچتا ہے۔

الجواب:

جبکہ وہ جائداد غیر منقسم ہے، اس کا ہر جز جس میں یہ کیفیت بھی ہے، جملہ ورثہ میں مشترک ہے نہ تنہا متوفی کا پسر اس کا مالک تھا، نہ اب پسر اس کا مالک ہو۔ برضائے دیگر ورثہ اس کی آمدنی صرف ایک کے صرف میں آنا، جائداد کا اس کو ہبہ نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو جائداد قسمت بلا تقسیم اپنے شریک کو بھی ہبہ کرنا باطل وناتمام ہے، اب کہ موہوب لہ مرگیا ہبہ باطل محض ہوگیا، اور جائداد جملہ ورثاء باقین ووارثان پسر متوفی میں مشترک رہی، درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیمایقسم ولو وہبہ لشریکہ [1]۔	ہبہ تام نہیں ہوتا قابل تقسیم چیز میں اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی کے موانع الرجوع میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد فریقین میں سے کسی ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد اور اگر قبضہ سے پہلے موت واقع ہوجائے تو باطل ہو جائے گا۔(ت)

یہ موروثیت شرعا کوئی چیز نہیں، نہ پسر متوفی اسے جبرا اپنی کاشت میں رکھ سکتا تھا نہ اس کے بیٹے کو یہ دعوی پہنچتا ہے، رہا اس کھیت کا لگان سوال بصیغہ مجہول ہے کہ اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیا، معلوم نہیں کہ کس نے اٹھایا، اگر سب ورثاء نے اٹھایا، یا سب کے اذن سے ایک نے اٹھایا، یا ایک نے اٹھایا اور باقیوں نے اسے جائز کیا، تو اس کا لگان حصہ رسد سب شرکاء کی ملک ہے، (للعہ عہ/) ہو یا (عہ/) یا ایک پیسہ۔ یا ہزار روپے، اور ایک مثلا پسر متوفی نے بے رضائے باقی ورثہ اٹھایا، اور باقیوں نے اٹھانے کے بعد بھی اسے نافذ نہ کیا تو اس کا لگان اسی اٹھانے والے کی ملک ہوگا، مگر اپنے حصہ میں ملک طیب اور اوروں کے حصوں میں بھی ملک خبیث کہ اس پر فرض ہے کہ باقی شرکاء کو ان کے حصوں کی قدر اس میں سے دے، اور یہی افضل ہے اور ان کے لئے طیب ہے، ورنہ فقراء پر تصدق کرے، اپنے صرف میں لانا حرام ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

المنافع لاتتقوم الابالعقد، وھو صادر منہ بلاوکالۃ سابقہ ولا اجارۃ لاحقۃ فملکھا الشریك العاقد، لکن ملکہ فی غیر ملکہ ملك خبیث، فیجب علیہ التصدق بہ اودفعہ لشرکائہ خروجا من الاثم و الثانی افضل لخروجہ من الخلاف ایضا[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں جبکہ یہ عقد مالک سے صادر ہو بغیر سابق وکالت اور بغیر اجازت لاحق کے ہو، تو شریک عقد کرنے والا مالک ہوگا لیکن غیر کے حصہ میں ملک خبیث ہوگی جس کا صدقہ کرنا یا اپنے شریک کو دینا واجب ہے تاکہ گناہ سے فارغ ہوجائے، دوسری صورت (شریک کو دینا) افضل ہے، تاکہ اختلاف سے بچ جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

مسئلہ ۲۰۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے کہ اجیر اور ملازم میں کیافرق ہے،ملازم کا ۲۴ گھنٹہ میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہیں جو ملازمت سے خالی ہو،اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غلام سے جتنے دن چاہے کام لے،جتنے دن چاہے چھٹی دے،یا کسی خاص کام پر مقرر کرے،یا مختلف کام اس کے منصب کے موافق لے،اگر کوئی شخص کسی خاص کام پر مقرر ہو تواس کے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کام جس پر مقرر ہے چھڑا کر دوسرے کام پر ضرورۃ بھیج دے،ملازم کو کوئی عذر کرنے کا موقع نہیں۔نہ اس کام کے معاوضہ کا مستحق،اجیر میں یہ بات نہیں ہے وہ مقید نہیں،جتنی دیر کام کرے گا اتنی ہی دیر کی اجرت کا مستحق ہوگا،جب تک چاہے کام کرے گا،جب تک چاہے گا نہ کرے گا۔ہاں ملازم سے پہلا کام چھڑا کر دوسرے کام کے عوض میں خود آقا اس کا معاوضہ مقرر کرے تواس کے لینے کا مستحق ہوجائے گا،ملازم مقررہ چھٹیوں میں کام نہ کرنے کی حالت میں تنخواہ کا مستحق اور اجیر کام نہ کرنے کی اجرت نہیں پاسکتا،اسی طرح اجیر مقررہ وقت میں جتنے گھنٹے کام کرے گا اتنے ہی گھنٹوں کی اجرت کا مستحق ہوگا اور ملازم اگر مقررہ مدت سے ایک دو گھنٹہ کام کرکے بغیر منظوری چھوڑ دے،تو آقا اس کے کل دن کی تنخواہ اس کی کاٹ سکتاہے،یہ قول اس کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

یہ سب ہوس محض،اور اس کا اختراع بے اصل ہے شرع میں اجیر اجیر خاص واجیر مشترک دونوں کو عام ہے،اجیر خاص کو اردو میں ملازم اور نوکر کہتے ہیں،اجیر مشترک پیشہ ور،کہ اجرت پر ہر شخص کا کام کرتے ہیں،کسی خاص کے نوکر نہیں،جیسے راج،مزدور،بڑھئی،درزی وغیرہم ملازم کا اگر وقت معین کیاجائے،مثلاً صبح سے شام تک،یا رات،کے نو بجے تک،یا مدرسوں کی نوکری ہے،مثلاً ۶ بجے سے ۱۲ بجے تک پھر ۲ بجے سے ۵ بجے تک،تو وہ اتنے ہی گھنٹوں کا ملازم ہے۔مقررہ گھنٹوں کے علاوہ خود مختار ہے کہ اس کا اتنا ہی وقت بیکار ہے،توزید کا کہنا کہ ملازم کا ایک گھنٹہ بھی ملازمت سے خالی نہیں،جہالت سے خالی نہیں،ملازم جو کسی کار خاص پر ہو جیسے مدرس،اس سے وہی خاص کام لیا جائے گا،دوسرے کام کو کہا جائے تواس کا ماننا اس پر لازم نہیں،ہاں خدمت گار ہر گونہ خدمت کرے گا،مقید نہ ہو نا صرف اجیر مشترک راج،بڑھئی،،اور ان کے امثال میں ہے جن کا کام بکتا ہے،وقت نہیں بکتا،اس میں یہ بات صحیح ہے کہ جب تک چاہے کام کرے۔

کرے گا پائے گا ورنہ نہیں، بخلاف اجیر خاص کہ اس کا وقت بکا ہوا ہے، اس وقت میں اسے حرام ہے کہ بے مرضی مستاجر کام سے انکار کرے، اور اگر کام نہ ہو اور وقت عــہ دے تنخواہ پائے گا۔ اور وقت نہ دے تو نہ پائے گا، اگر وقت دس گھنٹے مقرر ہے اور ایک دن کی تنخواہ مثلاً دس آنے ہے اور اجیر نے دو گھنٹے وقت دیا، آٹھ گھنٹے غیر حاضر رہا، تو یہ غلط اور جبر و ظلم ہے کہ آقا اس کے کل دن کی تنخواہ کاٹے گا، ہرگز نہیں بلکہ صرف آٹھ گھنٹوں کی ۸/، شریعت کے احکام جو نہ جانتا ہو اس پر حرام ہے کہ احکام لگائے، اس پر فرض ہے کہ جاننے والوں سے پوچھے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱تا۲۰۳: از لکھنؤ حضرت گنج سول اینڈ ملیٹری ہوٹل مرسلہ رزاق محمد ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید مسلمان پیشہ ور اور تاجر ہے اور ہوٹل جس میں عموماً انگریز لوگ ٹھہرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ زید ان کے جملہ طعام و قیام کا منتظم ہے، ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ اور ہر چیز مہیا کرتا ہے۔ اپنے مسافروں کا مثل شراب و سور وغیرہ کے پابند ہے۔ یعنی اس قسم کی چیزیں بھی وہ خرید کرتا ہے، اور ان کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، لہٰذا مسلمان کو ایسی تجارت کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) زید ہوٹل کا مالک ہے مگر ہوٹل وغیرہ خود نہیں کرتا بلکہ عمارت کرایہ پر دوسرے لوگوں کو دے رکھی ہے جو اس کو مثل ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں۔ اور وہی کام کرتے ہیں جو زید کرتا تھا، لہٰذا اس کو جو کرایہ ملتا ہے مکان ہوٹل کا، وہ کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) زید بوجہ مسلمان ہونے کے ہر قسم کی امداد اسلامی بھی کرتا ہے، اور حج و زکوٰۃ و صدقہ و خیرات و تعمیر مساجد و یتیم خانہ و کفن دفن و دعوت خاص و عام و میلاد شریف وغیرہ کرتا ہے شریعت حقہ کا آمدنی نمبر ۲ کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) حرام حرام حرام اور موجب لعنت، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا ومبتاعھا وبائعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا	یعنی اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اور جو اسے پئے، جو پلائے، جو مول لے۔ جو بیچے، جو نچوڑے، جو نچڑوائے، جو اٹھا کر لائے۔

عــہ: اندازہ سے بنایا گیا ہے۔ ۱۲۔

والمحمولة اليه[1] (رواه ابوداؤد وابن ماجة)وزاد الترمذی واٰكل ثمنها[2]، والله تعالٰی اعلم	جس کے لئے اٹھا کر لائی جائے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ت) اور ترمذی نے یہ زیادہ کیا جو اس کے دام کھائے ان سب پر والله تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ اس نے صرف مکان کرائے پر دیا ہے، کرایہ داروں نے ہوٹل کیا اور افعال مذکورہ کرتے ہیں تو زید پر الزام نہیں "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى"[3] (کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگی۔ت) اس صورت میں وہ کرایہ کے لئے جائز ہے۔ اگر اس نے کسی اسلامی جگہ میں خاص اس غرض ناجائز کے لئے دیا تو گنہ گار ہے، مگر کرایہ کہ منفعت مکان کے مقابل ہے نہ ان افعال کے اب بھی جائز ہے، ہدایہ میں ہے:

من اٰجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار او كنيسة او يباع فيه الخمر بالسواد فلا باس به لان الاجارة ترد على منفعة البيت ولا معصية فيه انما المعصية بفعل المستاجر[4] اھ(ملخصا)**اقول:** وهذا هو محمل ما فی الغمز عن القنية وفی جامع الرموز عن المنية وفی المنح عن شمس الائمة الحلوانی، وفی ردالمحتار عن غرر الافكار عن المحيط عن الامام ان الاجر طيب و ان كان السبب حراما[5] كما حققناه فی ما علی ردالمحتار علقناه	جس نے مکان کرایہ پر دیا کہ اس میں آتش کدہ یا گرجا یا وہاں شراب فروخت کی جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اجارہ کا انعقاد مکان کی منفعت پر ہوا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے گناہ تو کرایہ دار کے فعل سے ہوا اھ (ملخصا) **میں کہتا ہوں** جو غمز میں قنیہ سے اور جامع الرموز میں منیہ سے اور منح میں شمس الائمہ حلوانی سے اور ردالمحتار میں غرر الافکار اس میں محیط سے اس میں حضرت امام اعظم رحمہ الله تعالٰی سے منقول ہے کہ اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہو، کا یہی محمل ہے جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۱ و سنن ابن ماجہ ابواب الاشربہ باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۳۵

[4] الہدایہ کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

[5] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸ والاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲

فاحفظه فانه مزلة ومعضلة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حاشیہ میں کی ہے اس کو محفوظ کرلو، یہ پھسلنے کا اور مشکل مقام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) یہ سب افعال اس سے جائز ہیں کہ صورت مذکورہ میں وہ آمدنی ناجائز نہیں۔ کما تقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۴ تا ۲۰۶: از پیلی بھیت محلّہ احمد زئی مرسلہ مولوی عبدالسبحان صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ :

(۱) امام جمعہ اور امام پنجوقتہ کا اکثر جگہوں پر تنخواہیں مقرر کرکے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ختم کلام مبارک یعنی رمضان شریف میں نقدی ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ واحادیث کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) تین چار باتیں کہ مستثنٰی ہیں ان میں ختم نہیں، اس کے جواز کا حکم نہایت مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر ثواب کچھ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از شفاخانہ فریدپور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتیمبرپور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے ملازمت کی، اور ملازمت کرنے کے بعد جو کچھ قاعدے تھے معلوم ہوئے کہ ان قانون پر نوکری کرنا ہوگا، اوقات کی پابندی بھی معلوم ہوگئی، اگر زید ان قاعدوں کے خلاف کرے پورے وقت تک کام نہ کرے، اور قاعدوں کے مطابق نہ کرے، بلکہ کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں صرف کردے، تو اس کو نوکری کا پیسہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو جائز پابندیاں مشروط تھیں ان کا خلاف حرام ہے، اور بکے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا بھی حرام ہے اور ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: از کلکتہ زکریا اسٹیٹ ۱۸ مسئولہ عبدالسعید ناگوری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمان اشخاص کی دکان شرکت میں کلکتہ، بمبئی یا کسی اور مقام پر ہے، دکان کی کل رقم میں تقریباً چہارم سود کا روپیہ لگا ہوا ہے، ایسی دکان میں کسی مسلمان کو ملازمت

کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز اس کی آمدنی سے کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی اعانت ہو سکتی ہے یا نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

اس دکان کی ملازمت اگر سود کی تحصیل وصول یا اس کا تقاضا کرنا یا اس کا حساب لکھنا، یا کسی اور فعل ناجائز کی ہے تو ناجائز ہے۔

قال تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے، اور سود دینے والے اور سود لکھنے والے، اور سود کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور اگر کسی امر جائز کی نوکری ہے تو جائز ہے، تنخواہ میں وہ روپیہ کہ بعینہٖ سود میں آیا ہو نہ لے، اور مخلوط و نامعلوم ہو تو لے سکتا ہے۔ یونہی ایسے نامعلوم روپے سے مسجد و مدرسہ کی اعانت بھی ہو سکتی ہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ مال حلال غالب ہے۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ذخیرہ سے وہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہمارا یہی موقف ہے جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے معاہدہ اور وعدہ اقرار تقریری اور تحریری کیا تھا کہ اگر عمرو اپنے پاس سے خرچ کرکے کرے گا اور کامیابی ہو گی تو بجائے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

دینے معاوضہ میں اپنے نصف مقدمہ میں سے مکان وغیرہ دوں گا، یعنی نصفا نصف پر تصفیہ ہوگیا تھا، اب جبکہ بفضلہٖ تعالٰی ابتداء تا انتہاء عمرو کی کوشش وجانفشانی اور کثیر روپیہ صرف کرنے کے بعد ہر طرح سے تمام وکمال کامیابی حاصل ہوگئی، تو اب زید ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا نہیں کرتا ہے اور اوروں کے بہکانے سے گریز وانکار کرتا ہے، تو اس صورت میں کل مسلمانوں کو زید اور اس کے بہکانے والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور جو زید اور اس کے بہکانے والے ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا کریں تو کیا اجر ملے گا، اور پورا نہ کرنے میں کیا سزا ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ معاہدہ شرعاً فاسد ہے، اور اس کا پورا کرنا شرعاً جائز نہیں، زید وعمرو دونوں کو ناجائز ہے، عمرو نے جتنا روپیہ صرف کیا وہ ذمہ زید قرض ہے، اور جو کوشش کی اس کی اجرت مثل پائے گا یعنی ایسی کوشش پر کیا اجرت ہونی چاہئے، یہ زر مجموعہ زید سے لے سکتا ہے۔ جائداد پر اس کا کوئی دعوی نہیں۔ اور عقد فاسد کے ارتکاب سے دونوں گنہگار ہوئے توبہ کریں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۰: از شہر بریلی محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو وبکر بذریعہ زمینداری ایک جگہ کے مالک ہیں اور زید مہتمم ومنتظم ذریعہ آمدنی زمینداری مذکور کا ہے، اور خالد زید کی طرف سے کارپرداز ہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے ایک قطعہ اراضی کی بابت باہم خالد کارپرداز زید وعبداللہ کے معاہدہ ہوا، کہ ایک مدت تک پاس عبداللہ کرایہ پر رہے گی اور عبداللہ کرایہ ماہ بماہ بحالت خالی رہنے اور کام لانے کی صورت میں زید کو ادا کرے گا اور قبل معاہدہ جو عیب کہ اراضی مذکورہ میں تھا خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا یعنی عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ سابق میں جو کرایہ دار اس اراضی پر بیٹھا تھا اس پر اعتراض محکمہ چنگی کی طرف سے ثابت نہ بیٹھنے اس اراضی پر ہوچکا ہے چنانچہ اس کے جواب میں عبداللہ نے خالد سے کہہ دیا تھا کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا، بعد گزرنے تخمیناً چار ماہ کے وہ صورت عیب کی جس کو خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا عبداللہ پر پیش ہوئی اور حاکم وقت کی طرف سے عبداللہ کو جو انتظام کہ اراضی مذکورہ میں عبداللہ کرنا چاہتا تھا اور کررہا تھا۔ نہ کرنے پر مجبور کیا گیا اور عبداللہ پر مقدمہ قائم ہو کر ایک روپیہ جرمانہ ہوا، اس واقعہ کے چند روز کے بعد اراضی مذکورہ کو خالی کردیا، خالد کارپرداز زید نے عبداللہ سے کوئی عہد شکنی نہیں کی، اب عبداللہ کو کرایہ خالی اراضی کا دینے میں عذر ہے، بلکہ جتنی مدت عبداللہ کا واقعی قبضہ رہا اس قدر بھی کرایہ دینے پر رضامند نہیں، جرمانہ کا روپیہ اور خرچ مقدمہ میں جو روپیہ صرف ہوا ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ

مالکان اراضی پر ہونا چاہئے، ایسی صورت میں عبداللہ کو بموجب تحریر کرایہ نامہ کے کرایہ ادا کرنا چاہئے یا اراضی خالی کرنے کی تاریخ تک، یا جرمانہ کا ایک روپیہ اور مقدمہ میں جو خرچ ہوا تھا وہ مجرٰی کرکے ادا کرنا چاہئے، اور خالد کو بھی بموجب کرایہ کے وصول کرنا چاہئے یا کس قدر اور عبداللہ وزید وعمرو سب مسلمان بھی ہیں۔

الجواب:

جرمانہ وخرچ مقدمہ ذمہ مالکان ڈالنا ظلم محض ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

دفع مغارم سلطانیة بغیر اذن شریکه لایلزم شریکه شیئ مما دفع حیث لم یاذن له بالدفع لیرجع علیه بحصة منها[2]۔	اپنے شریک کی اجازت کے بغیر سرکاری جرمانہ دیا تو جو کچھ دیا شریک اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، لہٰذا ادا کرنے والا شریک سے جرمانہ کا حصہ وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

لحقهم خسران بسبب الدعوٰی غرمه احدٰهم بعد ماقال له الباقون ادفع ذٰلك مهما غرمت فعلینا بقدر حصتنا فدفعه ویرید الرجوع علیهم بقدر حصتهم فله ذٰلك[3] اھ، فقد شرط للرجوع فاذا کان هذا فی الشرکاء فکیف هنا۔	باقی شرکاء نے کہہ دیا کہ جو ٹیکس لاگو ہو تو ادا کردینا ہم اپنا حصہ ادا کردیں گے تو اس نے ادا کردیا اب یہ باقی حضرات سے ان کے حصے کے مطابق وصول کرنا چاہے تو اس کو یہ حق ہے ان حضرات کے اس دعوی کے مطابق یہ ادائیگی برداشت کرنی ہوگی اھ تو جب وصول کرنے کی شرط مفقود ہو اور معاملہ بھی شرکاء میں ہے تو یہاں کیسے ہوسکتا ہے۔(ت)

حسب بیان سائل زمین سے ٹال رکھنا مقصود تھا، اور چنگی نے اس سے ممانعت کردی،

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۳۵

[2] فتاوٰی خیریة

[3] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۴۳

توجب تک ٹال رہی اس کا کرایہ ضرور واجب ہے، اور جب سے خالی کردی اس کا اصلا استحقاق نہیں، اس بیچ میں جتنے دن عبداللہ کے قبضے میں رہی، اگر اس میں کوئی انتفاع اس نے زمین سے حاصل کیا، اس کے حساب سے کرایہ دے گا ورنہ نہیں، اور دونوں صورتوں کا کرایہ مثل دے گا جو اجر مسمّٰی یعنی کرایہ قرار یافتہ سے زائد نہ ہو، مثلا اجر مثلی یعنی بازاری نرخ سے اس کام کے لئے کرایہ مثل دے گا جو ماہوار ہے، اور ٹھہرا روپیہ یا روپیہ سے زیادہ تو روپیہ دے گا، اور ٹھہرا بارہ آنے تو بارہ ہی آنے دے گا۔ اس لئے کہ یہ اجارہ اس قرارداد پر ہوا کہ اگر چنگی ممانعت کردے مالکان زمین کو اس سے بحث نہیں عبداللہ کرایہ دے گا، یہ شرط خلاف مقتضائے عقد ہے اس سے اجارہ فاسد ہوگا۔ فریقین پر اس کا فسخ واجب تھا کہ ازالہ گناہ لازم ہے، اور اجارہ فاسد میں اجر مثل لازم آتا ہے کہ اجر مسمّٰی سے زائد نہ ہو، متن ہدایہ میں ہے:

لاانفطع ماء الرحی والبیت مما ینتفع بہ لغیرا الطحن فعلیہ من الاجر بحصتہ[1]۔	اگر آٹے کی چکی کا پانی منقطع ہو جائے اور وہ کمرہ پسائی کے بغیر بھی قابل انتفاع ہے تو اس نفع کے حصہ کا اجر کرایہ دار پر لازم ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

فاذا استوفاہ لزمتہ حصتہ[2]۔	اگر اس نے فائدہ پایا ہو تو اتنے کا معاوضہ لازم ہوگا۔ (ت)

اس مسئلہ کی غایت تحقیق و تنقیح فتاوٰی میں ملاحظہ ہو، خلاصہ میں ہے:

وفی مجموع النوازل استاجر حماما ببدل معلوم ان علیہ الاجر حال جریانہ وانقطاعہ فھذا الشرط مخالف لمقتضی عقد الاجارۃ فیفسد[3]۔	مجموع النوازل میں ہے کہ ایک حمام مقررہ کرایہ پر لیا اس شرط پر کہ چالو ہو یا نہ ہو ہر حال میں کرایہ لازم ہوگا تو یہ شرط مقتضٰی عقد کے خلاف ہے لہٰذا اجارہ فاسد ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۱۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۱۴۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۲۱

لو شرط شرطاً فاسداً قبل العقد ینبغی الفساد لو انتقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الھزل۔وقدسئل الخیرا لرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقد اخالیا عن الشرط، فاجاب بانہ صرح فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرھا بانہ یکون علی ماتواضعا [1] اھ اماما فی الدر استاجر رحی فمنعہ الجیران عن الطحن لتوہین البناء وحکم القاضی بمنعہ ھل تسقط حصتہ مدۃ المنع قال لا۔مالم یمنع حسامن الطحن [2] اھ قال ط ثم ش المراد و اللہ تعالٰی اعلم ان یحال بینہ وبین الدوارۃ فلا یقدر علیھا [3] اھ فکتبت علیہ **اقول:** یجب حملہ علی ما اذا کان منع القاضی جبرا لخاطر الجیران لا حکما حتمالو خالفہ	اگر فاسد شرط لگائی اگرچہ عقد سے قبل لگائی ہو اور اس کو فریقین عقد کی بنیاد بنائیں تو فساد ہوگا جیسا کہ فقہاء نے مذاقیہ بیع میں اس کی تصریح کی ہے،علامہ خیر الدین رملی سے سوال ہوا کہ دو حضرات نے بیع الوفاء کو عقد سے قبل طے کرلیا اور پھر عقد کے وقت شرط کا ذکر نہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض، تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ بیع طے کردہ شرط پر مانی جائے گی اھ، لیکن جو درمختار میں ہے کہ کسی نے آٹے کی پن چکی کرایہ پر لی اور پڑوسی نے اپنی عمارت کے نقصان کے خدشہ سے پسائی سے روک دیا اور قاضی نے روک دینے کا حکم دیا ہو تو کیا اس روکنے کی مدت کا کرایہ ساقط ہوگا، تو فرمایا کہ ساقط نہ ہوگا جب تک عملاً نہ روک دے،اھ اس پر طحطاوی نے پھر شامی نے فرمایا کہ عملاً روک دینے کا مطلب یہ ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔کہ ایسی رکاوٹ ڈالی جائے کہ چکی چلانے پر قدرت نہ ہو،اھ، میں نے اس پر لکھا ہے **میں کہتا ہوں**،اس کو اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جس میں قاضی پڑوسی کی درخواست پر منع کردے نہ کہ ایسی صورت پر کہ یہ قاضی کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۶

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷

لصادرہ اور عزرہ کیف وقد صرحوا قاطبۃ ان لحوق ضرر غیر مستحق بالعقد عذر یفسخ بہ،وھذا منہ لاشک،واللہ تعالٰی اعلم۔	حکم کی خلاف ورزی کرئے اور قاضی اس کو تعزیر لگائے، کیونکہ سب نے تصریح کی ہے کہ ایسا ضرر جو عقد میں شامل نہ ہو،اس کا پایا جانا ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے فسخ ہوسکے گا اور تعزیر والی صورت ایسا ہی عذر ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۱: از موضع دلیل گنج تھانہ امریاپر گنہ جہاں آباد مسئولہ محب اللہ صاحب ضلعدار ۲۵ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مسلمان اس ضلع پیلی بھیت میں کاشت موروثی کو جس کی نقشی پختہ ہے گرو رکھتے ہیں اور کچھ روپیہ اصلی کاشتکار کو دے کر اس کی علیحدہ تحریر کرالیتے ہیں،اور زمین کو اپنی کاشت میں رکھ کر اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور نقشی کا روپیہ زمیندار کو خود ادا کرتے رہتے ہیں،اور اس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ دو سال تک یا پانچ سال تک باوجود موجود ہونے روپیہ کے اصلی کاشتکار زمین کو نہیں چھڑاسکتا،مگر بعد گزرنے معاہدہ کے کاشتکار اصلی روپیہ کل ادا کرکے زمین گرو سے چھڑاسکتا ہے،اور بعض بعض شخص اصلی روپیہ میں سے ایک روپیہ سال یا ۸ سال کم بھی لے لیتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ علماء نے اس صورت میں زمین کا گرو رکھنا جائز قرار دیا ہے **بینوا توجروا**

الجواب:

اصلی کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہوتا ملک زمیندار ہے وہ مستاجر ہے،جب اس نے دوسرے کے پاس گروی رکھی اور زمیندار کی باقی اس دوسرے نے دی اور زمیندار نے اس سے قبول کی،تو یہ رہن کی اجازت نہ ہوئی،رہن واجارہ جمع نہیں ہوسکتے،بلکہ اب یہ دوسرا شخص مستاجر ہوگیا،اب وہ پہلا جدا ہے اس پر اس دوسرے کا صرف خالص قرض رہا،وہ جب دے اسے قبول کرنا لازم ہوگا،اور زمین چھوڑنا کسی وقت ضرور نہیں،اس زمین سے کاشتکار اصلی کو کوئی تعلق نہ رہا،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲ عـــہ : از احمد آباد گجرات محلّہ جمال پورہ متصل مسجد کارنج مرسلہ مولانا عبدالرحیم صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں شہر احمد آباد میں بعض "حافظ القرآن" حضرات اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر سوم وچہلم منانے جاتے ہیں، اور "کلام مجید" پڑھ کر اموات کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور وہاں سے اجرت لیتے ہیں اور اس میں جُہلاء بہت ثواب سمجھتے ہیں، آیا یہ ایصال ثواب کرکے اُجرت لینا جائز ہے یا حرام ہے۔

اُجرت لے کر ایصال ثواب کرے تو اموات کی خدمات میں ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

اور جو حافظ القرآن اُجرت لے کر ثواب کرنے کے لئے احباب اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر تشریف لے جاتے ہیں ان کے پیچھے نمازی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اُجرت پر کلام اللہ شریف بغرض ایصال ثواب پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز ہے، اور پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہ گار۔ اور اس میں میت کے لئے کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کی مرضی وصیت سے ہو تو وہ بھی وبال میں گرفتار۔

قال اللہ تعالٰی "لَاتَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ (ت)

اور یہ کہنا کہ ہم اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور دینے والے بھی ہمیں اللہ کے لئے دیتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ اگر یہ نہ پڑھیں تو وہ ایک حبہ ان کو نہ دیں، اور اگر وہ نہ دیں تو یہ ایک صفحہ نہ پڑھیں، اور شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ **المعروف کالمشروط**[2] (معروف مشروط کی طرح ہے۔ ت) بلکہ اس ظاہری

عـــہ: ھذہ الفتوٰی وثلثۃ بعدہ کانت متفرقۃ فی ابواب شتّٰی ماعدا باب الاجارۃ فی الجلد الثامن ۱۲ عبدالمنان اعظمی	آٹھویں جلد (قدیم، جدید ۱۹) میں یہ او اس کے بعد کے تین فتوے مختلف ابواب میں متفرق تھے ان کو اجارہ میں یہاں منتقل کیا گیا ہے۔ عبدالمنان اعظمی (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۲، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

شرط نہ کرنے سے ایک اور خباثت بڑھ جاتی ہے اجارہ جو امر جائز پر ہو وہ بھی اگر بے تعین اجرت ہو تو بوجہ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقد حرام ہے، نہ کہ وہ اجارہ کو خود ناجائز تھا، وہ تو حرام در حرام ہوگیا، یہ حاوی جس میں یہ بیہودہ حکم ۴۵ درم والا لکھا ہے، حاوی قدسی نہیں، حاوی زاہدا ہے، کما فی ردالمحتار [1] (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ت) اور یہ زاہدی ایک معتزلی بدمذہب تھا، کما فی الردالمختار فی الاسفار [2] (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے۔ت) اور اس کا یہ حکم قوانین شرع سے محض جُدا، اور یہ تجدید شرع مطہر پر صریح افتراء ہے۔

جو حافظ اس کا پیشہ رکھے فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ اسے امام بنانا گناہ اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب، ہاں اگر اس کی حلت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے یہ پڑھوانے والے وقت معین کے ساتھ مثلاً روزانہ صبح کے ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک اور شام ۲ بجے سے ۴ بجے تک، یا جو وقت مقرر کریں، ایک اجرت معینہ پر مثلاً ۴ روز یا جو قرار پائے، ان حافظوں کو اپنے کار خدمت کے لئے نوکر رکھیں، اس وقت معین کے لئے یہ ان کے ملازم ہوگئے انھوں اختیار ہے جو کام چاہیں لیں، ازاں جملہ یہ کہ فلاں میت کے لئے قرآن عظیم پڑھو، اب یہ حلال ہے، دینا واجب اور لینا روا، کہ اب یہ اجارہ قرآن خوانی پر نہیں، بلکہ ان حافظوں کے منافع نفس پر ہے، یہاں تک کہ اگر یہ اس وقت مقرر پر پابندی کے ساتھ حاضر رہیں اور مستاجرین ان سے کچھ کام نہ لیں، جب بھی تنخواہ واجب ہوگی۔

لان المستحق علیھم انما کان تسلیم النفس وقد حصل کما ھو حکم "اجیر الواحد"۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ پابند تھے کہ اپنے نفس کو سونپ دیں، اور یہ کام ہوگیا جیسا کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ مولوی امیر اللہ صاحب ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ۵ روپیہ ماہوار کا نوکر تھا اس نے خود نوکری ترک کردی، رقعہ کے ذریعہ سے بقیہ تنخواہ مانگی، ذیقعدہ سنہ حال کی ۲۸ سے چھوڑی، چنانچہ عبارات اس کی بلفظہ درج ہے: "میں نے ۲۸ ذیقعدہ بروز پنجشنبہ کو

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] ردالمحتار

کام چھوڑا، اسی ماہ مذکور کی تنخواہ چاہی ہے" چونکہ یہ ذیقعدہ ۳۰ کا ہوا تو ۲۸، ۲۹، ۳۰ تین دن کی تنخواہ منہا ہونی چاہئے یا ایک دن ہفتہ کی، جمعہ کی تعطیل تھی، ترک توروزگار کے بعد بھی تعطیل جمعہ وجمعرات ملنا چاہئے، یا ۲۷ یوم کی واجب ہے؟ اتنے دن کی تنخواہ مجموع آٹھ آنہ ہوئے، ایک دن کی ۲/۰۲ پائی ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں ۲/۰۲ پائی کاٹو اور دو دن تعطیل کے مجھے ملنا چاہئے، آیا یہ قاعدہ شرعی یا عرفی وغیرہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایام تعطیل کی تنخوہ بحال ملازمت ملتی ہے۔ شرعاعرفا یہی قاعدہ ہے، اگر ترک ملازمت تاریخ ۲۸ سے ہوا تو تین دن کی تنخواہ کا وہ مستحق نہیں،

فان البطالة ترفية عما عليه من الاشتغال وبعد ترك الاجارة لاشغل عليه فلا ترفية فلا اجرة۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ تعطیل لازمی مشغولیت سے آرام کے لئے ہوتی ہے تو اجارہ ختم ہونے کے بعد کوئی مشغولیت نہ رہی تو آرام کا ہے کا تو اجرت کا استحقاق نہ رہا واللہ تعالٰی اعل وعلمہ جل مجدہ واتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۴: مسئولہ احمد حسن بنگالی طالب علم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

واعظ یا حافظ نے وعظ یا قرآن ختم کیا اور بغیر طلب کے اگر کسی نے کچھ دیا تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے اگر نہ مشروط ہو نہ معروف، ورنہ واعظ کے لئے علی الاختلاف جائز، اور قرآن خوانی پر بالاتفاق ممنوع **علی مانقلہ "ط" حققه علامة الشامی فی ردالمحتار**[1] (طحطاوی کی نقل پر جس کو علامہ شامی نے ردالمحتار میں ثابت رکھا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۵: از بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مقدمہ کے اندر گرفتار ہو کر کے کسی دوسرے شخص سے اپنی حالت کے واسطے دعا کروائے، اور بھی اس دعاخواں کو کچھ روپیہ چاہئے یا نہیں؟ اور ان کو روپیہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۴

الجواب:

حلال ہے اگر کچھ نہ دینے کا ذکر آیا، نہ عرف ورواج کی راہ سے معاوضہ ثابت تھا، اور یونہی بطور حسن سلوک اسے کچھ دے دیا جب تو خود ظاہر کہ اسے لینے میں اصلاحرج نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کو نماز عمدہ طور پر پڑھتے دیکھے اس کا دل خوش ہو کچھ روپیہ بطور نذر یا ہدیہ یا انعام کے اسے دے، تو اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، کہ یہ اُجرت سے اصلا تعلق نہیں رکھتا، اور اگر باہم قرارداد ہولیا کہ ہمارے مقدمہ کے لئے فلاں ختم پڑھو اور وقت واُجرت وغیرہ کی صحیح تعین کردی جس سے اجارہ میں جہالت نہ رہے تو یہاں یہ بھی حلال ہے کہ اس صورت میں ثواب مقصود نہیں بلکہ قضائے حاجت کی تدبیر و علاج، تو یہ اس طرح ہوا جیسے مریض پر پڑھ کر پھونکنے کی اجرت لے، اس کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک گاؤں میں ٹھہرے، وہاں کے لوگوں نے برخلاف عادت عرب مہمانی نہ دی، رئیس دیہہ کو سانپ نے کاٹا، لوگ ان کے پاس آئے، انھوں نے سو دنبے ٹھہرا لئے، سوہ فاتحہ شریف پڑھ کر دم کردی، اچھا ہوگیا، پھر صحابہ کو خیال آیا کہ کہیں قرآن مجید پر اُجرت لینا نہ ہوگیا ہو، ان بکریوں کو نہ کھایا، جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور نے اجازت دی اور فرمایا:

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ[1] رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس چیز پر اجرت لو اس میں سب سے زیادہ حق کتاب اللہ کو ہے۔ اس کو بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ردمحتار میں ہے:

ان المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقا، جوزو الرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحطاوی لانہا لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی[2]۔	متقدمین جو اُجرت لینا منع فرماتے ہیں انھوں نے بھی دم کرنے پر اُجرت لینا جائز کہا ہے خواہ یہ دم قرآن کے ساتھ ہو، جیسا کہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ خالص عبادت نہیں بلکہ ایک علاج ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشرط فی الروایۃ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴ وصحیح البخاری کتاب فضائل القرآن ۲/ ۷۴۹، کتاب الاجارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۴

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

ہاں اگر خالی دعا بغیر کسی ختم یا عمل کے ہو تو اس پر اجارہ ٹھہرانے کے کوئی معنی نہیں کہ اتنے کہنے میں اس کا کیا صرف ہوتا ہے کہ الٰہی فلاں کی حاجت بر لا، جس پر اجرت لے گا نہ اس پر اجارہ معہود ہے۔

والاجارۃ انما جوزت استحسانا علی خلاف القیاس لدفع حاجات الناس فمالیس من اجاراتھم لم یکن من حاجاتھم۔	اور اجارہ کا جواز خلاف قیاس لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے اور لوگوں میں جو اجارہ مروج نہیں وہ لوگوں کی حاجت نہیں ہے۔(ت)

ہندیہ میں ذخیرہ سے ہے:

اذا استاجر موضعا معلوما من الارض لیتدفیھا الاوتادیصلح بھا الغزل کی ینسج جاز لانه من اجارات االناس،ولو استاجر حائطا لیتدفیھا الاوتاد یصلح علیھا ابریسم لیسنج به شعرا اودیباجا لایجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی لان ھذا لیس من اجارات الناس فی عرف دیارنا ینبغی ان یجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا لان االناس تعاملوا ذٰلك فی فصلین جمیعا[1]۔	جب کوئی معین جگہ اجرت پر لی کہ وہاں کیلئے گاڑ کر سوت کو کپڑا بننے کے لئے درست کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ لوگوں کی عادت ہے اور اگر کوئی دیوار کرایہ پر لیا کہ وہاں کیلئے گاڑ کر بننے کے لئے ریشم درست کرکے یا اونی یا دیبا جی کپڑا بنائے تو یہ جائز نہیں، ہمارے بعض مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ لوگوں کے عادی اجارہ نہیں ہے اور ہمارے علاقہ کے عرف میں جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں دونوں چیزوں میں لوگوں کا تعامل ہے، بعض ہمارے مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

خانیہ وکبرٰی وعالمگیریہ میں ہے:

وللفظ لھذہ قال للدلال اعرض ضیعتی وبعھا علی انك اذا بعتھا فلك من لاجر کذا فلم یقدر الدلال علی اتمام لامر ثم باعھا دلال اٰخر قال ابولقاسم لو عرضھا الاول وصرف فیه	عالمگیریہ کے الفاظ میں ہے، دلال کو کہا کہ میر زمین کو فروخت پر لگا جب تو فروخت کرے تو اتنی اجرت دوں گا تو دلال یہ کام مکمل نہ کرسکا پھر دوسرے دلال نے فروخت کردی، ابوالقاسم نے فرمایا اگر پہلے دلال نے فروخت پر لگائی اور اس نے اس پر

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الاجارہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۲

روزجارا یعتد بہ فاجر مثلہ لہ واجب بقدر عنائہ و عملہ.قال ابوللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا ھو القیاس، و لایجب لہ استحسانا اذا ترکہ وبہ ناخذ وھو موافق قولہ یعقوب اذ اترکہ وبہ ناخذ وھو موافق قول یعقوب رحمہ اللہ تعالٰی ھو المختار[1]۔	روزانہ محنت کی ہو تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو مثلی اجرت اس کی محنت اور کام کے مطابق دینی ضروری ہے حضرت ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا قیاس یہی ہے لیکن جب پہلے نے عمل ترک کردیا تو اجرت واجب نہ ہوگی ہمارا یہی موقف ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے یہی موافق ہے، یہی مختار ہے۔(ت)

اسی میں تبیین سے ہے:

منھا(ای من شرائط صحۃ الاجارۃ)ان تکون المنفعۃ مقصودۃ معتاداستیفائھا بعقد الاجارۃ ولایجری بھا التعامل بین الناس فلا یجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثیاب علیھا[2]۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	ان میں بعض اجارہ کی صحت شرائط میں کہ مقصود منافع وہ ہوں جن کو عقد اجارہ میں حاصل کرنا لوگوں کی عادت ہو اور لوگوں کا اس پر تعامل نہ ہو اسی لئے کپڑے خشک کرنے کے لئے درخت کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۶ عـــہ: از ضلع بارہ بنکی مرسلہ منشی کریم الدین ضلعدار کورٹ علاقہ سورج پور تمام ہتھونڈہ ضلع بارہ بنکی ۱۹ محرم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بموجب قاعدہ مجریہ صاحبان بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ واودھ، ملازمان محکمہ کورٹ آف وارڈ مین کی تنخواہ ماہانہ سے فی روا پیہ ۱/ وضع ہوتا ہے۔اور اس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاست متلقہ سے لی جاتی ہے۔ مثلًا عہ کے تنخواہ دار سے ۴/عہ وضع کیاگیا۔اور ۱۰/ ریاست سے لیاگیا کل عہ/۴ وصول ہوکر سیونگ بینک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے۔اور اس بینک مذکورہ کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے۔جب ملازمت ختم ہوجائے تو یہ کل زراصل و

عـــــہ:ثلثہ مسائل کانت منثورات فی جلد سابع۔ عبد المنان اعظمی	(یہ تین مسائل ساتویں جلد میں متفرق تھے۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۱

سود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا۔آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہو کر بعد ختم ملازمت دیا جائے،ہر طرح وہ اس ملازم کی ملک ہے،اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہوا س کا (۱/۳۲) کہ حسب قرارداد معروف و معہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔وہ بھی حقیقۃً اسی تنخواہ کا جز ہے۔(عہ/)کا ملازم واقع میں برائے قاعدہ مقررہ(عہ/۱۰)ماہوار کا ملازم ہے جسے (عہ/) گورنمنٹ اور (۱۰/) ریاست سے ملیں گے اگرچہ ماہ بماہ سہ (عہ ۱۲/) پائے گا،اور (۲عہ/) گورنمنٹ کا اور (۱۰/) ریاست کا جملہ (۴ ۱عہ/) تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں گے،شرعاً اگرچہ یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے کہ ایک جزواجرت ایک مدت مجہولہ کے لئے مؤجل کیا گیا،کیا معلوم کہ ختم ملازمت کب ہو،اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسد بیع واجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد وگناہ ہو جاتا ہے۔اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے:

کل جہالۃ تفسد البیع تضد الاجارۃ[1]	ہر وہ جہالت جو بیع کو فاسد کرتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے۔(ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

جل جہالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ[2]	جو جہالت بیع میں مؤثر ہے وہ اجارہ میں بھی مؤثر ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کل ماافسد البیع یفسدھا[3]۔	جو بیع کو فاسد کرے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایصح البیع بثمن مؤجل الی الحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب،	وہ بیع جس کے ثمن کے لئے فصل کی کٹائی یا گہائی یا انگور کی اترائی کو میعاد بنایا گیا ہو صحیح نہیں کیونکہ

[1] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۶۵

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

لانہا تتقدم وتتاخر [1] (ملخصا)۔	یہ امور آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں۔(ملخصا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الزاھدی باعہ بثمن نصفہ نقد ونصفہ اذا رجع من بلد کذا فہو فاسد [2]۔	زاہدی میں ہے کسی چیز کو یوں فروخت کرنا کہ اس کی نصف قیمت نقد اور نصف فلاں شہر سے واپسی پر دوں گا تو وہ فاسد ہوگی۔(ت)

مگر اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اُجرت، کہ یہاں وہی اجر مثل ہے، واجب ہوجاتی ہے۔اور وہ اجیر کی ملک ہے۔

درمختار میں ہے:

حکم الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال [3]۔	فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ استعمال کرلینے پر مثل اجرت واجب ہوتی ہے۔(ت)

بلکہ منیہ وقنیہ وجامع الرموز ومحیط غرر الافکار وغیرہا کی رو سے اس ملک میں خبیث بھی نہیں ہوتا۔اجیر کے لئے طیب ہوتی ہے اگرچہ اصل عقد گناہ وفاسد تھا۔ردالمحتار میں ہے:

الاجر یطیب وان کان السبب حراما کذا فی المنیۃ قہستانی [4] اھ الخ ونقل منہ مثلہ السید الحموی فی غمز العیون عن القنیۃ ثم عقبہ بقولہ لم یذکر وجہہ فلینظر [5] اھ وذکر الشامی عن منح الغفار الا شمس الائمۃ الحلوائی قال تطیب الاجرۃ فی الاجارۃ الفاسدۃ اذا کان اجر المثل وذکر فی المسئلۃ قولین واحدھما اصح فراجع نسخۃ صحیحۃ [6] اھ۔	اجرت حلال ہے اگرچہ سبب حرام ہو، جیسا کہ منیہ میں ہے، قہستانی الخ، اور سید حموی نے غمز العیون میں قنیہ سے اس کی مثل نقل کیا ہے، اور پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ انھوں نے اس کی وجہ ذکر نہ کی تو غور کرنا چاہئے اھ، علامہ شامی نے منح الغفار سے نقل کیا ہے کہ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہے کہ اجارہ فاسدہ میں اجرت حلال ہے جب وہ مثلی اجرت کے برابر ہوں اور انھوں نے مسئلہ میں دو قول ذکر کئے اور دونوں میں ایک اصح ہے تو صحیح نسخہ کی مراجعت چاہئے۔اھ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث لعربی بیروت ۴/ ۱۱۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

[5] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[6] ردالمحتار کتاب لاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بنک میں بنام ملازم جمع ہوتی ملک ملازم ہے۔وہی وہ زیادت کہ ڈاکخانہ بنام سود دیتا ہے اسے بہ نیت سود لینا ہر گز جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔(ت)

اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مال گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقم جائز بحال استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں فقراء ومساکین ودیگر اہل استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں،اگرچہ دینے والے اسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [2] وقد فصلنا القول فی ھذا المرام فی فتاوٰینا بما لامزید علیہ۔	اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت پر ملے گی،اور ہم نے اس مقصد میں تفصیلی قول اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔جس پر زائد کی گنجائش نہیں۔(ت)

اصل یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو،جب انتظامات شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہل استحقاق مثلا طلبہ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدمات دینیہ مثلا درس وتدریس ووعظ وافتاد تصنیف میں صرف کررہے ہوں اگرچہ لکھو کھا روپے کے،مالک اغنیا کثیر المال ہوں اور بیوہ،یتیم،لنجے،اندھے،فقراء،مساکین،جو کچھ اس میں سے برضائے سلطنت بے عذر وفتنہ وارتکاب جرائم پائیں ان کے لئے جائز ہے،اگرچہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے۔

فانھم انمایأخذون وینوون ماھولھم فلا باس علیھم ممانوی غیرہم	کیونکہ وہ لوگ لیتے ہیں اور اپنی نیت پر فائدہ پاتے ہیں تو غیر کی نیت کا ان پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال وظفر بما ہو موجہ لہ لہ اُخذہ دیانۃ,وللمودع	جس کا بیت المال میں جتنا حق ہے اس کے مطابق خود لے لینے میں دیانۃ جائز ہے۔اور جس کے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

صرف ودیعة مات ربها ولاوارث لنفسه اوغیرہ من المصارف[1]۔	پاس امانت ہے اگر امانت رکھنے والا فوت ہوجائے تو اور اس کا کوئی وارث نہ مصرف ہے تو امانتدار کہ صرف کرنا جائز ہے۔(ت)

وجیز کردری وغیرہ میں ہے:

فاذا کان من اہله صرفه الی نفسه وان لم یکن من المصارف صرفه الی المصرف[2]۔	جب امانتدار خود صرف کااہل ہے یعنی مصرف ہے تو خود صرف کرسکتاہے اگر خود مصرف نہ ہو تو مصرف صرف کرے۔ (ت)

اسی طرح تنویر الابصار مسائل شتی وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے۔اور جب لینے والے کادینے والے پر کوئی مطالبہ شرعیہ آتا ہو کہ وجہ صحیح کے نام سے نہ مل سکتاجب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے۔جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ ومسلمان وغیر مسلمان کسی کافرق نہیں رہتا۔مثلازید نے عمرو کے سوروپے چرالئے،عمرو کے پاس ثبوت قانونی نہیں،اپنامال یوں لینے عاجز ہے تو جائز ہے کہ سوروپے تک عمرو سے کسی وجہ جائز قانون کے نام سے وصول کرلے،اگرچہ شرعاوہ نام ناجائز ہو،درمختار میں ہے:

لو امتنع والمدیون مدیده واخذہا لکونه ظفر بجنس حقه[3] اھ،والتفصیل الجمیل فی فتاوٰنا بتوفیق اللّٰه تعالٰی واللّٰه تعالٰی اعلم۔	جب قرضدار قرض کی ادائیگی نہ کرے تو قرض خواہ اپنے حق کی جنس پر قبضہ میں کامیاب ہوجائے تو لے سکتاہے اھ،اور بہترین تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۷: ازاروہ بنگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

بھنگ اور افیون کا گورنمنٹ سے ٹھیکہ لے کر دکان کرے تو بھنگ لینااور دکانداری کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

بھنگ اور افیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام ہے۔اور خارجی استعمال نیز کسی دوامیں قدر قلیل جزو ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تفتیر نہ ہو،اندرونی بھی جائز،تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں،تو ان کی بیع حرام نہیں،مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خریدے،لیکن اکثر وہی

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی الہندیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۹

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

ہیں تو ان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اسلم احتراز، اور ٹھیکہ یہاں غالبا بایں معنٰی ہے کہ گورنمنٹ سے ان کو اجازت دی جاتی ہے، دوسرا نہیں بیچ سکتا، یہ ایک قانونی بات ہے جس کا ان پر الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: از شہر ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ بر مکان جمعدار سمندر خان مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر مسجد کے احاطہ میں کوئی درخت پھولوں کا ہو اور وہ ٹھیکہ کسی ہندو کو دیا جائے اور وہ پھول بُتوں پر چڑھائے جائیں، اور اس کا پیسہ عمارت مسجد میں لگانا، روشنی وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

ٹھیکہ دینا حرام ہے اور اس کا روپیہ حرام، پھر بتوں پر چڑھانے کے نیت سے ہو تو اور سخت، اور اگر یہ نہیں بلکہ ہندو کا مال اس کی رضا سے ایک نام عقد کے حیلہ سے حاصل کرنا ہو، اور ان پھولوں کے توڑنے کے لئے کافر کا مسجد میں آنا جانا نہ ہو تو حرج نہیں، اور وہ روپیہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۹ عـــہ**:** مسئولہ محمد محمود از قصبہ باندہ ضلع شاسٹی متصل بمبئی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ کوئی شخص مقرر کرکے بطور اجرت کے وعظ کرے اور وعظ گوئی کو پیشہ اور سلسلہ معاش جان کر بسر اوقات کرنی اختیار کرے، جائز ہے یا ناجائز؟ تفسیر رؤفی والے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ناجائز اور قریب حرام کے فرماتے ہیں (آیہ کریمہ): "لَاتَشْتَرُوْابِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ"[1] (اور میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ت) **فقط۔**

الجواب:

اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے۔ درمختار میں اسے یہود ونصارٰی کی ضلالتوں میں سے گنا[2] **مگر کم من احکام یختلف باختلاف الزمان، کما فی العلمگیریہ**[3]۔

عـــہ: **مسئلتان من مجلدات سوٰی ماذکرت** ۱۲ عبدالمنان اعظمی (یہ دو۲ مسئلے مختلف جلدوں میں تھے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[3] ردالمحتار الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

(بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ت) کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالات زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنٰی کیں: امامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گنا و بس، فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں، میں چند چیزوں پر فتوی دیتا تھا، اب ان سے رجوع کی، ازانجملہ میں فتوی دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہٰذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰الف: مسئولہ مولوی عبدالرحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ فیض الغرباء ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ فیض الغرباء آرہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچہری کی ججی، سب ججی، منصفی، رجسٹراری کی نوکری شرعاً جائز بلاکراہت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس نوکری میں خلاف ماانزل اللہ حکم کرنا پڑتا ہو ہرگز جائز نہیں، اگرچہ سلطنت اسلام کی ہو، ائمہ دین نے تیسری صدی کے آخر میں اپنے زمانہ کے سلاطین اسلام کی نسبت فرمایا: **من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر** (جس نے ہمارے زمانہ کے حاکم کو عادل کہا وہ کافر ہے۔ت) ان قضاۃ کی نسبت قرآن عظیم میں تین الفاظ ارشاد ہوئے "**الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾**"[1]، "**الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾**"[2]، "**الْکٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾**"[3]، جب قاضیان اسلام سلطنت کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں، رہی رجسٹراری، اس میں اگرچہ حکم نہیں، مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا، اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۵
[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷
[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس پر گواہی کرنے والوں پر، اور فرمایا سب برابر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی ۱۳۰۲ھ

(دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی)

مسئلہ ۲۲۰(ب): از بدایون ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ ٹھیکہ دیہات کا جو فی زمانناشائع وذائع ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ زمین تو مزارعین کے اجارہ میں بدستور ہے، اور توفیر مستاجر کو ٹھیکہ میں دے دی گئی کہ اس قدر توفیر کا گاؤں اتنے میں ٹھیکہ دیا، بحساب اقساط اس قدر بلاعذر کمی وصول وغیرہ ادا کرو، پھر اگر ٹھیکہ دار نے رقم معین سے کسی قدر اگرچہ ایک پیسہ ہو، یاہزار روپیہ زائد وصول پایا وہ اس کا حق سمجھا جاتا ہے اور وصول میں کمی رہے تو اس مقدار کا اپنے گھر سے پورا کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور برتقدیر بیشی مستاجر کہ قدر زائد اور درصورت کمی مؤجر کو مقدار باقی لینا حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر اسے ناجائز کہا جائے تو کیا فرق ہے کہ مزارعین کو زمین ٹھیکہ پر دینا جائز ہے۔ اور یہ

صورت ناجائز۔ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ ت)

الجواب:

یہ ٹھیکہ شرعاً محض باطل وناجائز ہے ہر گز ہر گز کوئی صورت اس کے جواز وحلت کی نہیں، نہ یہ معاہدہ کسی قسم کا اثر پیدا کرسکے، نہ عاقدین پر اس کی پابندی ضرور، بلکہ فی الفور اس کا ازالہ واجب، نہ مقدار وصول میں ٹھیکہ دار کا کچھ حق، نہ گاؤں سے اس کو کسی قسم کا تعلق۔ اس پر فرض ہے کہ جس جس قدر منافع خالص وصول ہو کوڑی کوڑی مالک کو ادا کرے، خواہ وہ رقم معین سے زائد ہو یا کم، اگر ایک پیسہ اس میں سے رکھ لے گا اس کے لئے حرام ہوگا، نہ مالک کا مقدار وصول سے زیادہ میں کچھ استحقاق، مثلاً ہزار کو ٹھیکہ دیا نو سو وصول ہوئے، تو اسی قدر مالک کے لئے حلال ہیں نو سو روپے سے کوڑی زائد لے گا تو اس کے لئے حرام محض ہے۔ اور گیارہ سو کی نشست ہوئی تو یہ پورے گیارہ سو خاص مالک کے ہیں ٹھیکہ دار[عہ] کا ان میں ایک حبہ نہیں یہاں تک کہ اگر ٹھیکہ دار توفیر سے دست بردار ہو کر یہ چاہے کہ حق محنت میں کچھ اجرت ہی پاؤں، تو اس کا بھی مطلق استحقاق نہیں۔

لانہ انما عمل لنفسہ والباطل شرعًا لاینقلب صحیحاً بالتراضی فیجب علیہما التخلی عنہ ازالۃً للمنکر وقد اوجبوا التفاسخ فی العقود الفاسدۃ تاثماً فماظنك بالباطلات۔	کیونکہ اس نے اپنے لئے کام کیا ہے اور شرعًا باطل چیز باہمی رضامندی سے صحیح نہیں بن سکتی تو دونوں پر اس سے علیحدگی ضروری ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہوسکے جبکہ فقہاء کرام نے فاسد عقود میں فسخ کرنا لازم قرار دیا ہے تو باطل عقود میں تیرا کیا خیال ہے۔ (ت)

جن لوگوں کے پاس کسی حقیت دیہی کا چند سال تک ٹھیکہ رہا ہو ان پر فرض ہے کہ تمام برسوں کی واصلباقی بلحاظ تحصیل خام لگا کر ایک دوسرے کے مواخذہ سے پاک ہو جائیں مثلاً زید نے عمرو کو اپنا گاؤں بعوض ایک ہزار روپے کے تین برس تک ٹھیکہ دیا اور تین ہزار روپے وصول پائے اب دیکھا جائے کہ عمرو کو ان برسوں میں کیا وصول ہوا تھا، اگر ہر سال مثلاً بارہ سو روپے پائے تھے تو اس پر چھ سو روپے زید کے واجب الادا تھے اور ہر سال آٹھ سو روپے ملے تھے تو چھ سو اس کے زید پر رہے، اور ایک سال ہزار پائے تھے، دوسرے سال آٹھ سو۔ تیسرے سال بارہ سو۔ تو دونوں بے باق ہیں، افسوس کہ عام بندے یہاں تک کہ علماء اسی مسئلہ سے سخت غافل ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ

عــــہ: فی الاصل "کٹکنہ دار" لعلہ زلۃ من الناسخ ۱۲۔

العلی العظیم۔

اصل کلّی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتا ہے یونہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خالص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شیئ بدستور ملک مالک پر باقی رہے اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے۔ جو اجارہ خاص کسی عین وذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے اَللّٰھُمَّ اِلاَّ مَا اسْتَثْنَاہُ الشَّرْعُ کَاِجَارَۃِ الظَّئر للاِرْضَاعِ (ہاں مگر وہ جس کو شرع نے مستثنٰی کردیا ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ۔ ت) وغیر ذلک، اسی لئے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لئے ناجائز، کہ سکونت منفعت اور ثمر عین گائے کو لادنے کے لئے اجارہ میں لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین حوض سنگھاڑے رکھنے کے لئے اجارہ میں لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے بونا منفعت ہے، مچھلیاں عین۔

فی ردالمحتار عن البزازیۃ الاجارۃ اذا وقعت علی العین لاتصح فلا یجوز استیجار الاٰجام والحیاض لصید السمك اورفع القصب وقطع الحطب اولسقی ارضھا اولغنمہ منھا وکذا اجارۃ المرعی، والحیلۃ فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیۃ، و یبیح الماء والمرعی [1] الخ، وفی الفتاوٰی الخیریۃ لنفع البریۃ قد صرحوا بان عقد الاجارۃ علی اتلاف لاعیان مقصودا کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا، لا ینعقد و کذٰلك لو استاجر بستانا لیاکل ثمرتہ، [2] و المسئلۃ مصرح بھا فی منح الغفار و کثیر من	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ جب اجارہ عین کی ہلاکت پر ہو تو صحیح نہ ہوگا، جیسے پودوں کے ذخیرے اور حوض مچھلی پکڑنے اور ناڑ کاٹنے اور لکڑی کاٹنے یا ان زمینوں کو سیراب یا جانوروں کو پلانے کے لئے اور یونہی چراگاہ اجارہ پر لینا اور ان سب امور کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہاں کوئی معین جگہ جانور رکھنے کے لئے کرایہ پر حاصل کرے، اور پانی اور چارہ کو مالک مباح کردے الخ، اور فتاوٰی خیریہ لنفع البیریہ میں ہے کہ فقہاء کرام پر اجارہ منعقد نہ ہوگا، جیسے گائے دودھ کے لئے اور باغ کو اس کا پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینا جبکہ یہ مسئلہ

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

الکتاب۔	منح الغفار اور بہت سی کتب میں تصریح شدہ ہے۔(ت)

اب اسی اجارہ کو دیکھئے تو یہ ہر گز کسی منفعت پر وارد نہ ہوا کہ زمیں بغرض زراعت تو مزار عین کے ٹھیکہ میں ہے۔ بلکہ خاص توفیر یعنی زر حاصل یا بٹائی کا غلہ اجارہ میں دیا گیا اور اسی کا استہلاک مفاد عقد ہوا، **اذمن المعلوم ان الحبوب والنقود ولاینتفع بھا الا باتلافھا** (اور ظاہر ہے دانے اور نقد زر سے ان کی ہلاکت کے بغیر نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ت) اور پر ظاہر کہ زروطعام اعیان سے ہیں نہ منافع سے اگرچہ محاورہ ہندیان میں تمام حاصلات دیہی کو بلفظ منافع تعبیر کیا جاتا ہے۔ عین اشیائے قائمہ بالذات کو کہتے ہیں، اور منفعت معانی حاصلہ فی الغیر عین امور محسوسہ کی جنس سے ہے اور مفنت معنی معقول عین کہ چند زمانے تک بقا ہے۔ اور منفعت ہر آن متجدد۔

فی ردالمحتار المنفعۃ عرض لاتبقی زمانین [1]۔	ردالمحتار میں ہے نفع ایک عرض چیز ہے جس کا وجود دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔(ت)

اب نفس جزئیہ کی تصریح کلمات علمائے کرام سے لیجئے، امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ فاضل مدقق صاحب در مختار رحمہ اللہ تعالٰی علیہما فتاوٰی خیریہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ، وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری و المزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ اوما یجب علی المتقبلین من اجرۃ الحوانیت اولاجل تناول ثمرۃ الاشجار من بساتین القرٰی وحصۃ الوقف من الزرع الخارج فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا لافرق	اگر اجارہ عین چیز کے اتلاف پر مقصود ہو تو باطل ہوگا جیسا کہ تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور جیسے گائے کہ دودھ کے لئے اجارہ پر ہوجائے گا جو منعقد نہ ہوگا تو جب زید نے دیہات زمین اور دکانیں اجارہ پر حاصل کیں تاکہ حصہ کی آمدنی یا مقررہ کرایہ وصول کرے یا دکانوں کا کرایہ حاصل کرے یا دیہاتوں کے باغات کے پھل کھائے یا اوقاف کی زمینوں کا فصلانہ وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لے تو اجارہ باجماع علماء باطل ہے اس میں زید وبکر کا

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳

بین زید وبکر فی ذٰلك لانها باطلة والحال هذه والباطل یجب اعدامه لاتقریره فترفع ید زیدو عمرو عن القوی والمزارع زید وعمرو عن القری و المزارع والحوانیت[1]۔	کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ باطل ہے جب یہ صورت ہے تو اس باطل کا ازالہ ضروری ہے۔نہ کہ اس کو بحال رکھنا جائز توزید عمرو کا قبضہ ان سے ختم کرنا ضروری ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سئل فی الالتزام والمقاطعة علی مایتحصل من قریة الوقف من خراج مقاسمة وغیر ذٰلك بمال معلوم من احدالنقدین یدفعه الملتزم ویکون له مایتحصل منها قلیلا کان اوکثیراهل یجوز ام لا،اجاب،الواقع علیه فی المقاطعة المشروحة اعیان لامنانفع فهی باطلة المشروحة اعیان لامنافع فهی باطلة بالاجماع، و اذا وقعت باطلة کانت کالعدم[2] الخ ملخصا۔	آپ سے سوال ہوا کہ وقف گاؤں کے حصہ کی وصول کا ٹھیکہ وغیرہ مقررہ مال کے بدلے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں ٹھیکہ قلیل ماہو یا کثیر ہو،توجواب دیا کہ یہ ٹھیکہ عین اشیاء پر ہے منافع پر نہیں لہٰذا یہ بالاجماع باطل ہے توجب باطل ہے تو کالعدم ہے۔الخ ملخصًا(ت)

اسی میں ہے:

سئل ایضا فی تیماری اُجر المتحصل من تیماره لاٰخر بمبلغ معلوم هل تصح ام لا،اجاب لا تصح وعلی کل وحدمنهاردماتناوله[3] الخ۔	کھجور کے باغ والے نے حاصل ہونے والے پھل کا مقررہ نقد پر دوسرے کو ٹھیکہ دیا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور فریقین پر لازم ہے کہ جوکچھ دیا ہے واپس کریں۔الخ۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۶

[2] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۷

[3] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۸

المقرر فی کلام مشائخنا باجمعھم ان الاجارۃ تملیك نفع بعوض وانھا اذا وقعت علی استھلاك الاعیان فھی باطلۃ ومماصر حوابہ ان من استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا اوکرما لیاکل ثمرتہ فھو باطل ومما یقطع الشغب قولھم "جعل العین منفعۃ غیر متصور "فاذا علم ان الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاك الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیہ اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانہ لزوم المستاجران یرد جمیع ماتناول من المزاعین من غلال ونقود وغیر ذٰلك[1]۔	ہمارے تمام مشائخ کے کلام میں ہے کہ اجارہ منافع کا عوض کے بدلے مالک بننے کا نام ہے اور اگر یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہو تو باطل ہوگا، اور ان کی تصریحات میں ہے کہ جو شخص گائے کو دودھ پینے کے لئے یا انگور کا درخت پھل کھانے کئے لئے اجارہ پر لے تو یہ باطل ہے۔ اور اس عمل کے غلط ہونے پر ان کا یہ قول قطعی ہے کہ عین چیز کو اجارہ قصدا عین چیز کو ہلاک کرنے پر واقع ہوا ہے تو باطل ہوگا تو اجارہ مذکورہ جب زمین سے انتفاع پر نہیں بلکہ زمین سے حاصل آمدن کو وصول کرنے پر دو طرح سے ہے یعنی مقررہ حصہ کی وصولی اور درختوں کے پھل کی وصولی کے عوض مقررہ دراہم، تو یہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے او باطل چیز کا ہمارے علماء کے اتفاق کے مطابق کوئی حکم نہیں ہے اور جب ہم نے باطل کہہ دیا تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے جو کچھ مزارعین سے غلہ یا نقد وصول کیا واپس کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلہ فلایملك المستاجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی	معلوم ہونا چاہئے کہ کہ جب اجارہ قصدا عین چیز کو تلف کرنے پر ہو تو وہ باطل ہوگا مستاجر جو کچھ بھی ان اعیان چیزوں میں سے حاصل کرے وہ اس کا مالک

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۶۔۱۳۵

علی ماکانت علیه قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولها ویضمنها بالاستهلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیه التصرف فیها لعدم مبلکه وذٰلك کاستئجار بقرۃ لیشرب لبنها اوبستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار مافی یدالمزاعین لاکل خراجه الذی یحصل بالمقاسدۃ فانه عین وقع علیها الاستیجار قصدا ومثله باطل کما علمت [1]۔	نہ بنے گا یہ اجارہ سے قبل کی حالت پر ہوں گی لہٰذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لی جائیں گی اور اگر وہ ان کو ہلاک کرچکا ہو تو ان کا ضمان اس سے وصول کیا جائیگا کیونکہ کسی چیز میں باطل موثر نہیں ہوتا اس لئے اس پر ان میں تصرف حرام ہوگا کیونکہ وہ ان کا مالک نہیں ہے اور یہ گائے کے دودھ یا باغ کو پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا اور اسی کی مثل مزارعین سے مقررہ حصہ کی وصولی کا مالک بننے کے لئے ٹھیکہ لینا ہے کیونکہ یہ بھی عین چیز پر قصدا اجارہ ہے اور ایسی صورت باطل ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ المذکورۃ باطلة غیر منعقدۃ لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ فاذا علم ذٰلك فلیس للمستاجر ان یتناول شیئا من الغلال اھ [2]۔	مذکورہ اجارہ باطل ہے اور غیر منعقد ہے جیسا کہ تمام علماء تصریح کرچکے ہیں کہ جب اجارہ قصدا عین چیز کو تلف کرنے کے لئے ہو تو وہ منعقد نہیں ہوتا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہیں ہوتا۔جب یہ معلوم ہوگیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ وہ کوئی آمدن وصول کرے اھ (ت)

ردالمحتار علی درمختار میں ہے:

امامایفعلونه فی هذا الازمان حیث یضمنها من له ولایتهالرجل	لیکن وہ عمل جو اس زمانہ میں کیا جارہا ہے کہ کارمختار کسی مقررہ معاوضہ پر زمینوں کے حصہ

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۷

بمال معلوم لیکون له خراج مقاسمتها ونحوه فهو باطل، اذ لایصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا و لابیعا لانه معدوم [1] اھ، **قلت** وھکذا افصح به الفاضل المحقق مولٰنا امین الملة والدین محمد بن عابدین الشامی الدین رحمه الله تعالٰی صاحب ردالمحتار علی ردالمختار فی کتابه النفیس الجلیل الحری بان یکتب علی الحناجر ولو بالخناجر المسمی"بالعقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة" وغیرہ فی غیرہ والعبد الضعیف الاٰن فی قریة بعیدة عن وطنی لیس عندی ھٰھنا من الکتب الفقهیة الارد المحتار و الخیریة لو لاذٰلك لاثبت بتصریحات جلیلة اخری تفتح اعین الغافلین وفیما اوردنا کفایة للعاقدین والحمد لله رب العالمین۔	کی وصولی کو ٹھیکہ وغیرہ پر دے دیتاہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ درست نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو فنا کرنے پر اجارہ اور بیع بھی نہیں کیونکہ وہ قابل وصول حصہ ابھی معدوم ہے اھ۔ **میں کہتاہوں** اور یونہی فاضل محقق مولانا امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب ردالمحتار حاشیۃ درمختار نے اپنی کتاب جو کہ نفیس جلیل اس قابل ہے کہ اس کو حلقوموں پر لکھاجائے اگرچہ خنجروں سے لکھا جاسکے جس کا نام "العقود الدریة فی تنقیح الحامدیه" ہے اور دیگر علماء نے دیگر کتب میں فرمایا اور یہ ناتواں بندہ اس وقت اپنے وطن سے دور ایک قریہ میں ہے میرے پاس سوائے ردالمحتار اور خیریہ کوئی بھی فقہ کی کتاب نہیں ہے اگر یہ عذرہ ہوتا تومیں ایسی مزید تصریحات جلیلہ کو بیان کرتا جو غافل حضرات کی آنکھوں کو کھول دیتیں اور جو کچھ میں نے ذکر کردیا ہے وہ عقل والوں کے لئے کافی ہے۔والحمدللہ رب العالمین۔(ت)

ان نصوص صریحہ کے بعد بھی حکم میں کچھ خفا باقی ہے؟اور یہیں ظاہر ہوگیا وہ فرق جس سے سائل سوال کرتاہے کہ مزارعوں کو زمین بغرض زراعت دی جاتی ہے،وہاں اجارہ بونے جوتنے پر وارد ہوتاہے کہ وہ منفعت ہے نہ کسی عین کے استہلاک پر فافترقا،اسی لئے امام خیرالدین نے ارشاد فرمایا:

عقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع	مذکورہ عقد اجارہ زمین سے زراعت کے انتفاع وغیرہ

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی فی الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

على الانتفاع بالارض بالزرع ونحوه بل اخذ المتحصل[1] الخ كما اسمعناك نصه۔	پر واقع نہیں بلکہ متحصل کی وصولی پر ہوتا ہے الک جیسا کہ ہم نے ان کو نص آپ کو سنادی ہے۔(ت)

معہذا کچھ فرق نہ سہی جب شرع مطہر سے اس کی حلت اور اس کی حرمت ثابت، پھر مجال مقال کیا ہے۔

"قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" [2]، والله تعالٰی المسئول لاصلاح احوال الائمة المرحومة ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔	انھوں نے کہا کہ بیع بھی ربا کی طرح ہی ہے۔حالانکہ الله تعالٰی نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام فرمایا ہے۔اور الله تعالٰی سے ہی امت مرحومہ کی اصلاح کے لئے سوال ہے۔بھلائی کی طرف پھرنا اور نیکی کی قوت صرف الله بلند وعظیم سے ہے۔(ت)

ہوا یہ کہ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنے دیہات کا کام خود نہ کرنا چاہا اور دوسرے کو بطور کارپردازی بتقرر تنخواہ سپرد کرنے میں غبن کثیر ومحنت قلیل وبے پرواہی کارندگان کا احتمال قوی سمجھا۔

کما هو مشاهد فی کثیر من ابناء الزمان الامن عصمه الله وقلیل ماهم۔	جیسا کہ بہت سے اہل زمانہ میں یہ مشاہدہ ہے۔ہاں الله تعالٰی جس کو محفوظ فرمائے،اور وہ تو لیل لوگ ہیں۔(ت)

بخلاف اس صورت کے جب ایک شخص کے ذمہ رقم محدود باندھ دی جائے اور یہ قرار پائے کہ جہاں سے جانے اسے پورا کرے۔ یہاں تک کہ اس پر ضمانتیں یا ایک سال کی توفیر پیشگی لی جاتی ہے تو احتمال غبن کے تو کچھ معنی ہی نہ رہے۔کوشش دلسوزی اول توکیونکر نہ کرے گا،اور نہ بھی کرے تو اپنا کیا نقصان اس قسم کی باتیں ذہن میں جما کر یہ عقد باطل عاطل ایجاد کیا حالانکہ ان کی نادانی کا نتیجہ تھا،کاش! اگر حضرات علماء لاخلاء الکون عنهم وکثر الله فی بلادہ امثالهم (کائنات ان سے خالی نہیں ہے الله تعالٰی نے ان جیسوں کی کثرت اپنے تمام بلاد میں فرمائے ہیں۔ت) کی طرف رجوع لائے تو ایسی صورت نکلنا ممکن تھی جس میں ان کا اطمینان بھی رہتا،ٹھیک دار کے سر رقم معین ہو جاتی غبن وغیرہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کے خدشوں سے نجات ہاتھ آئی، اور مؤجر و مستاجر دونوں اکل حلال کھاتے نافرمانی ملک جبار سے امان پاتے ہیں مگر کم ہیں وہ پاک مبارک بندے جنھیں اپنے دین کا اہتمام ہے، الٰہی! اس اذل وارذل کو اپنے ان محبوبوں کا خاکپا بنا اور امت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اصلاح احوال فرما اٰمین بجاہ ھذا النبی الکریم علیہ وعلی الہ وافضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۱: از شاہجہانپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ بشیر الدین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کا ایک موضع ہے جس میں قدیم الایام سے ایک بت خانہ اور اس کے چڑھاوہ میں قریب تین سو روپیہ سالانہ کے رقم آتی ہے۔ زید بوجہ قدامت کے بت خانہ کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی پرستش کو بند کرسکتا ہے اصل رقم آمدنی موضع مذکور کی دو سو روپیہ سالانہ ہے، ایک ہندو ٹھیکہ دار موضع مذکور کا چار سو روپیہ پر لینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اصلی آمدنی کی موضع مذکور کی صرف دو سو روپیہ سالانہ ہے۔ ٹھیکہ دار رقم چڑھاوہ کے خیال سے دو سو روپیہ اصل آمدنی پر بڑھاتا ہے مگر زید کوئی تفصیل آمدنی موضع اور آمدنی چڑھاوہ کی نہیں کرتا ہے بلکہ یہی کہتا ہے کہ میں ٹھیکہ موضع کا دیتا ہوں تو زید کا چار سو روپیہ سالانہ پر موضع مذکور کا ٹھیکہ دینا ہندو کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سرے سے دیہات کا یہ ٹھیکہ ہی جس طرح آج کل رائج ہے کہ زمین زراعت پر مزارعین کے پاس رہتی ہے اور ٹھیکہ دار توفیر کا ٹھیکہ لیتا ہے بالاتفاق حرام ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی تیماری اٰجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم ھل تصح امر لااجاب لاتصح، وعلی کل واحد منھما ردماتناولہ[1]۔	ان سے سوال کیا ہوا ایک نے اپنے کھجور کے باغ سے حاصل ہونے والے پھل کو دوسرے کو مقررہ رقم سے ٹھیکہ پر دیا۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں۔ اور فریقین پر لازم ہے کہ وہ لین دین واپس کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافھا فھی باطلۃ فاذا علم ذٰلك علم الحکم فی اجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ وانہ باطل وقد افتیت بذٰلك مرارا وصورۃ ما رفع الی فی قریۃ اٰجرھا المتکلم علیھا الاٰخر لینا ول ما یتحصل من خراجھا ورسوم انکحتھا وزکوٰۃ مواشیھا ھل یجوز فاجبت فانھا باطلۃ لاتجوز[1] الخ۔	ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ جب اجارہ عین چیز کو کھانے یا تلف کرنے پر ہو تو باطل ہوگا جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے دیہات کی آمدن یا وہاں سے حاصل ہونے والے حصہ کو ٹھیکہ پر دینے کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ باطل ہے۔اور اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہوں اور میرے پاس مسئلہ کی جو صورت پیش ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک قریہ کے مختار نے وہاں سے حاصل ہونے والی آمدن وہاں ہونے والے نکاحوں کے مروجہ عطیات اور جانوروں کی زکوٰۃ کا ٹھیکہ دوسرے شخص کو مقررہ رقم پر دے دیا تو کیا یہ جائز ہے،تومیں نے جواب دیا کہ یہ ناجائز اور باطل ہے۔الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

امام مایفعلونہ فی ھذا الایمان حیث یضمنھا من لہ ولا یتھا الرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا ونحوہ فھو باطل اذ لایصح اجارۃ لو قوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا الانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ[2]۔	لیکن وہ عمل جو آج کل لوگ کرتے ہیں کہ توقریہ سے حاصل ہونے والی آمدن کے حصے کو مختار کار شخص دوسرے کو ٹھیکہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ عین چیز کو تلف کرنے پر یہ قصداً اجارہ ہے بیع نہیں ہے کیونکہ محصولات ابھی معدوم ہیں جیساکہ خیریہ میں اس کا بیان ہے۔(ت)

بلکہ جواز کی یہ صورت ہے کہ جس سے ٹھیکہ دے سال تمام پر خیال کرے کہ کتنے مزارعوں کا پٹہ ہنوز باقی ہے۔جس جس کا ہوان سے اجازت لے کہ اب ہم یہ سارا گاؤں یا اس کی فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر تمام وکمال فلاں شخص کو زراعت کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دیتے ہیں تم اجازت دے دو

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۰۔۱۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

(اور انھیں سمجھادے کہ یہ زمیں ہمیشہ تامیعاد پٹہ تمھارے ہی پاس رہے گی، ہم اپنے ایک مسئلہ شرعی کے لحاظ سے یہ امر کرتے ہیں) جب وہ اجازت دے دیں تو مستاجر سے کہے اس سارے گاؤں یا اس میں فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر کی زمین اس قدر روپے سالانہ پر زراعت کے لئے ہم نے تیرے اجارہ میں دی کہ تجھے اختیار ہے جو چاہے بوئے قبول کرلے، اب اجارہ صحیح ہوگیا، اور جو روپیہ قرار پایا مالک کو لینا حلال ہوگیا خواہ مستاجر خود زراعت کرے یا دوسروں کو اٹھادے۔

غرض زبانی عقد یوں کرلیا جائے کہ شرع میں اسی کا اعتبار ہے، دستاویز میں اگریوں لکھا جانا انگریزی طور پر کچھ خلل انداز ہو تو اختیار کہ تحریر ٹھیکہ اسی قاعدہ پر کرے کہ شرعاوہ تحریر خلاف تقریر کوئی چیز نہیں۔ خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونه یصدر من لفظه فی محکمة ویکتب فی حجة فی سجلات فلیس بلازم شرعا واللفظ بانفرادہ کاف شرعا والزیادة لایحتاج الیها [1]۔	لیکن محکمہ میں آرڈر اور رجسٹروں میں اندراج شرعا کوئی شرط نہیں صرف لفظی عقد ہی کافی ہے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

العبرة بما تلفظ لا لما کتب الکاتب [2] اھ ملخصین،	تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کے لکھے ہوئے کا اھ، دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔ (ت)

رہا یہ کہ مستاجر کو اس پر نفع لینا مثلا سو روپے سال پر ٹھیکہ لے، اب اپنی طرف سے ایک سو یا سوا سو پر اٹھادینا کسی حالت میں روا ہوگا۔ اس کی صورتیں جدا ہیں جن کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں کہ وہ صورت مستفسرہ میں کافر ہے اسے احکام شرعیہ کی کیا پرواہ، نہ ہمیں کوئی ضرورت کہ اس کے لئے اکل حلال کی تدبیر کریں،

"اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ" [3]۔	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۲

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۹-۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

اس طور پر اصل اجارہ بھی جائز ہوگیا۔اور وہ مندر کا خدشہ بھی دفع ہوا کہ اس نے تو زمین زراعت کے لئے ٹھیکہ پر دی ہے۔آگے جو نافرمانیاں ناحفاظیاں ٹھیکہ دار کرے اس کے سر ہیں،اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ اجارہ دیہات کی تمام تحقیق فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے رسالہ "**اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی**" میں ذکر کی جس کی ضرورت نہایت اشد کہ آج کل ایک زمانہ اس سے غافل،اور صحیح وجائز طریقہ ملتے ہوئے صرف جہالت کے سبب گناہ عظیم واکل حرام میں مبتلا،**نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۲۲۲: از شہر کہنہ نوادہ مرسلہ شیخ محمد حسین ولد حافظ اکرام اللہ ۱۳رجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی حقیت زمینداری کا ٹھیکہ تین سال کے واسطے اس شرط سے دیتاہے کہ آمدنی حقیت میں سے بعد ادائے مالگزاری سرکار بیس روپے سالانہ ٹھیکہ دار لیا کرے۔اور سو روپے سالانہ زید مالک زمینداری کو دیا کرے۔اور تین سال کا زر توفیر زید اپنے ٹھیکہ دار سے پیشگی لیتاہے۔تو اس صورت میں ٹھیکہ دار کو بیس روپے سالانہ لینا شرعا جائز ہوگا یا نہیں؟اگر نہیں تو اس کے جواز کی کیا صورت شرعا ممکن ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت ناجائز وحرام ہے۔

کما حققناہ فی فتاوٰنا ونص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار وردالمحتار وغیرہا من الاسفار۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور فتاوٰی خیریہ،عقود الدریہ،درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتبھ میں اس پر نص ہے۔(ت)

ہاں جواز یوں ہوسکتا ہے کہ زید کو یہ شخص تین سو روپے بلا سود دست گرداں دے دے،اور زید اسے اپنی حقیت کی تحصیل تشخیص کے لئے بیس روپے سال پر اجیر مقرر کرے۔قرض دہندہ دیانت وامانت سے کام کرے،جو منافع خالص ہو اس سے بیس روپے سال اپنی اجرت تحصیل کے لئے اور باقی جس قدر بچے سو روپے ہوں خواہ کم خواہ زائد،وہ سب مالک کو پہنچائے یا اپنے قرض یا مجرا لے یہاں تک کہ تین سو روپے ادا ہوجائیں،اس کے بعد جو بچے سب مالک کو دے پھر تحصیل پر اس کے اجیر ہونے کو چاہیں دونوں شخص باقی رکھیں یا فسخ کریں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳: از ریاست رامپور مرسلہ صاحبزادہ ابراہیم علی خان صاحب خلف صاحبزادہ عباس علی خاں صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کا ٹھیکہ بجمع (معمہ لالع عہ) ہندہ کو سات سال کے لئے دیا اور پٹہ میں چند شرائط کیں، ایک یہ کہ اگر کوئی قسط حسب تفصیل مندرج پٹہ ادانہ ہوگی تو زید کو اختیار فسخ اجارہ و ضبطی زر نقد امانت وضمانت کا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ گاؤں میں نکاسی آٹھ ہزار دو سو روپے کی ہے، کٹکنہ دار موضع میں جاکر اسامیاں سے تحقیق کرے اگر اس نکاسی میں کچھ کمی ثابت ہوگی تو کٹکنہ دار کو جمع سے مجرا دی جائے، بعدہ زید نے ہندہ کو بے دخل کرکے قبضہ اپنا کرلیا، ہندہ نے نالش کی، مدعا علیہ نے حسب شرط پٹہ بوجہ نادہندی ہندہ اختیار فسخ حاصل ہونے کاعذر کیا، حاکم نے بدیں بناکہ شرط مجرائی کمی شرط نہیں وعدہ ہے اور عقد میں نہیں بعد عقد پٹے میں ہے، اور بلفظ شرط نہیں بلفظ (اور) ہے۔ اور شرط بھی ہو تو مطابق عرف مستاجران ہے، نیز ملائم عقد ہے کہ سرکار میں دستور ہے، اول رقبہ وتعداد قلبہ قائم کرکے تگد مہ آمدنی دیہہ کا نقشہ میں درج فرماتے ہیں، اسی نقشے کے اطمینان پر مخلوق ٹھیکہ لیتی ہے اگر رقبہ یا شمار قلبہ میں کمی ہوئی تو وقت استغاثہ مستاجر عذر اس کا مقبول ہوکر مستاجر کو زر جمع سے کمی مجرا دلائی جاتی ہے۔ اور قسط میں بدعہدی باعث فسخ اجارہ نہیں ہوسکتی، شرع میں قاعدہ کلیہ ہے کہ مضاف کرنا فسخ کا طرف کسی زمانے کے صحیح ہے۔ اور معلق کرنا عموما جائز نہیں یہ صورت تعلیق کی ہے۔ فیصلہ بحق مدعیہ کیا، دیگر علماء استفتاء ہوا، انھوں نے اس عقد کو بوجہ شرط فاسد کہ قسط نہ دینے سے ضمانت ضبط کرنا شرعا ممنوع ہے۔ اور جبکہ بحال کمی نکاسی مقدار کمی اجرت سے مجرا ہونی ٹھہری تو اجرت میں جہالت ہے۔ اجارہ فاسد قرار دیا، اب علماء دین کی خدمت میں معروض ہے کہ شرعا اس صورت میں حکم محقق کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

انا للہ وانا الیہ راجعون، الی اللہ المشتکی من قلۃ العلم وذلۃ العلماء ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی رب الارض ورب السماء۔	ہم اللہ تعالٰی کے لئے اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور اللہ تعالٰی کے دربار میں ہی علم کی قلّت اور علماء کی غلطی کی شکایت ہے۔ نیکی ک طرف پھرنا اور اس کی قوت زمین و آسمان کے رب اللہ تعالٰی بلند وبالا سے ہے۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں فیصلہ بحق مدعیہ ہونا سراسر ناجائز وواجب الرد ہے۔اور عقد مذکور شرعا کوئی عقد ہی نہیں، ہر گز نہ اجارہ صحیحہ نہ فاسدہ بلکہ محض باطل ومسترد ہے۔اس وقت فریقین فتوی کے کلام و تحریرات فقیر کے پیش نظر ہیں، اگر ان کے مدارک کی طرف تنزل کیا جائے تو دونوں باوقعت فریق سے معارک فقہیہ میں بہت کچھ کہنا ہوگا۔ مگر فضول وبے اصل امر میں اضاعت وقت کی حاجت نہیں صحیح فاسد ہونے میں خود غور وبحث کا موقع تو اس وقت ہے شرعا وہ کوئی عقد بھی ہو، یہاں سوا ہوا کے عقد کا نام بھی نہیں محض باطل وبے حقیقت ہے۔ تو سرے سے دعوی مدعیہ اصلا قابل سماعت نہیں بلکہ لائق التفات ہی نہیں، فیصلہ اس کے حق میں صادر ہونا کیا معنی۔

اصل یہ ہے کہ دیہات کا یہ ٹھیکہ جو آج کل ہندوستان کثیر الجہل والطغیان میں جاری ہے کہ زمین دیہیہ مزارعین کے اجارہ میں رہتی ہے اور توفیر ومحاصل کٹکنہ دار کے اجارہ میں دئے جاتے ہیں اور یہی صورت اس مسئلہ دائرہ میں واقع ہوئی (جس پر پٹے کے الفاظ کہ نکاسی اس قدر رہے۔ کٹکنہ دار آسامیوں سے تحقیق کرلے۔اور تجویز حاکم کے الفاظ کہ سرکار میں دستور ہے۔اول رقبہ و تعداد قلبہ قائم کرکے الٰی آخرہ دلیل روشن ہے محض ناجائز وباطل ہے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت کے بطلان پر ہمارے علماء کا اجماع ہے۔اس کا فانی ومعدوم کردینا فرض ہے۔نہ کہ باقی رکھنا، کٹکنہ دار کا قبض فورا اٹھا دینا لازم ہے۔یہ عقد کالعدم ہے محض بے اثر ہے۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس مسئولہ کی تحقیق روشن اپنے فتاوٰی میں ذکر کی، یہاں چند نصوص علمائے کرام ذکر کروں کہ مولٰی عزوجل چاہے تو تنبیہ غافلین وایقاظ نائمین وہدایت مسلمین ہوں۔

امام علامہ خیر الملۃ والدین رملی اپنے فتاوٰی "خیریہ لنفع البریہ" میں فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری و المزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا و الباطل یجب عدامہ	اجارہ جب قصدا عین چیز کے تلف کرنے پر ہو تو باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے اور یہ گائے کو دودھ پینے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا جو ناجائز ہے تو جب زید دیہات، باغات، زمینوں اور دکانوں کو وہاں سے حاصل ہونے والے ذرائع آمدن کو حاصل کرنے کے لئے ٹھیکہ پر لے تو ہمارے علماء کے مطابق یہ اجارہ باطل ہے جبکہ باطل کو ختم کرنا ضروری

لاتقریرہ فترفع یدزید وعمرو عن القری والمزارع والحوانیت[1] (ملخصا)	ہے نہ کہ ان کو بحال رکھنا لہٰذا زید وعمرو کا قبضہ ان دیہات اور زمینوں اور دکانوں سے ختم کرنا ضروری ہے۔(ملخصا)۔(ت)

اسی میں ہے:

عقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیه اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم له باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانه لزم المستاجر ان یرد جمیع ماتناوله من المزارعین من غلال ونقود وغیر ذٰلك[2]۔	مذکورہ اجارہ کا انعقاد زمینوں سے زراعت کے انتفاع پر نہیں ہے بلکہ ان سے حاصل ہونے والی دونوں قسم کی آمدن یعنی مقررہ حصہ اور سرکاری لگان پرا جارہ ہے تو یہ مقررہ رقم پر اجارہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے۔اور باطل چیز علماء کے اتفاق کے مطابق قابل حکم نہیں ہے اور جب ہم نے اس کو باطل قرار دیا ہے تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے مزارع حضرات جو کچھ غلہ یا نقد وغیرہ وصول کیا ہے اس کو واپس کرے۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلا یملك المستاجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی علی ماکانت علیه قبل الاجارۃ فیوخذ من یدہ اذا تناولھا ویضمنھا بالاستھلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیه التصرف فیھا لعدم مبلکه وذٰلك کاستیجار بقرۃ لیشرب لبنھا او	اجارہ جب اتلاف اعیان پر قصدا واقع ہو تو باطل ہوگا اور مستاجران اعیان میں سے کسی چیز کا مالک نہ بنے گا بلکہ اجارہ سے قبل حالت پر باقی رہیں گے لہٰذ مستاجر کے قبضہ سے واپس لئے جائیں گے اور ہلاک کردئے تو ان کا ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل چیز کچھ اثر نہیں رکھتی اس لئے ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا تصرف حرام ہوگا اور یہ ایسے ہوگا جیسے گائے دودھ پینے کے لئے یا

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۶۔۱۳۵

بستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار مافی ید المزارعین لاکل خراجه [1] الخ۔	باغ پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لیا ہو، اور اسی طرح اگر اس نے مزارعین میں سے محاصل کو اپنے کھانے کے لئے ٹھیکہ پر لیا ہو تو باطل ہے۔الخ

مغنی المستفتی عن السوال المفتی میں ہے:

سئل فی تیماری اُجر المتحصل من تیماره الاجر وقبض المستاجر قدرا معلوما من متحصل تیماره فهل تکون الاجارة المزبورة غیر صحیحة اجاب نعم وقدافتی بذٰلك الخیر الرملی مرارا کما هو مذکور فی فتاواه من الاجارة ونقولها کثیرة محصلها انها اجارة وقعت علی استهلاك الاعیان وهی باطلة [2]۔	ان سے سوال ہوا کھجور کے باغ والے نے اپنے باغ کی آمدن کو دوسرے کے پاس ٹھیکہ پر دیا اور مستاجر نے اس باغ کی آمدن کی کوئی مقررہ مقدار حاصل کی ہو تو کیا یہ اجارہ صحیح ہے یانہیں؟ توانھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اس پر متعدد بار خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی نے فتوٰی دیا ہے جیسا کہ ان کے فتاوٰی کے باب الاجارہ میں مذکور ہے جس کی کثیر نقول موجود ہیں، ان فتاوٰی کا حاصل یہ ہے کہ یہ اجارہ عین چیز کو تلف کرنے پر ہے اور یہ اجارہ باطل ہے۔(ت)

عقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ میں ہے:

لایجوز استیجار الارض لذٰلك لانه استیجار علی استهلاك العین والاجارة انما تنعقد علی استهلاك المنافع [3]	استہلاک عین پر اجارہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اجارہ منافع حاصل کرنے پر ہوتا ہے۔الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجر ها لاجل اخراجها لاللزراعة ویسمی ذٰلك التراماو	ہمارے زمانہ میں مروج ہے کہ مستاجر زمینوں کو زراعت کی بجائے ان کے محاصل کو مزارعین سے وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لیتے ہیں اس

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۳۲

هو غیر صحیح کما افتی به الخیر الرملی فی عدة مواضع[1]۔	طریقہ کار کو وہ "التزام" کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ متعدد مواقع پر یہ فتوی دیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

اما ما یفعلونه فی هذه الازمان حیث یضمنها من له ولایتها لرجل بمال معلوم لیکون له خراج مقاسمتها ونحوه فهو باطل۔ اذ لایصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانه معدوم کما بینه فی الخیریة[2]۔	وہ جو ہمارے زمانہ میں لوگ التزام کا عمل کرتے ہیں کہ مختار کا مقررہ رقم زمینوں کی وصولیوں کو ٹھیکہ پر دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو تلف کرنے پر قصداً واقع ہوا ہے اور بیع بھی نہیں ہے کیونکہ وہ چیز معدوم ہے جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں یہ بیان ہے۔(ت)

یہاں نقول میں کثرت ہے اور قدر مذکور میں کفایت، شرعاً، وہ صورت ممکن تھی کہ لوگ اگر اسے اختیار کرتے ان کا مقصود ملتا اور مال حرام وعقد باطل کے وبال وآثام سے محفوظ رہتے مگر اتباع شرع مطہر کی فکر کسے، جب علماء غافل ہوں جہاں سے کیا شکایت، رامپور اسلامی ریاست ہے کیا عجب کہ وہاں اس حق مبین کا اثر ہو۔ محو باطل واجرائے طریقہ جائزہ پر نظر ہو، ارشادات ائمہ کا اسی قدر سنناکار گر ہو، واللہ الھادی وولی الایادی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴ و ۲۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) دیہات کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ وزن کشی کا ٹھیکہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اجارہ دیہات کی سبیل بھی چنداں دشوار نہیں، زراعت کے لئے جیسا ایک کھیت کا اجارہ پر دینا جائز یوں ہی سارے گاؤں کا، مگر وقت واحد میں زمین واحد دو مستقل مزارعوں کے اجارہ میں

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخروج دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی فی الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

نہیں ہوسکتی، لہٰذا سال تمام پر جن کاشتکاروں کے پٹے کی میعاد ختم ہوگئی وہ تو زمین خالی ہی ہے جن کی میعاد باقی ہے ان سے کہہ لیاجائے اور سمجھا دیا جائے کہ ہم جواز شرعی کے لئے ایسا کرتے ہیں، زمین تم سے نکالی نہ جائے گی، بلکہ مستاجر کی طرف سے تمھارے پاس رہے گی، تم میں ہم میں جو معاہدہ تھا جس کے ابھی اتنے سال باقی ہیں، وہ فسخ کرلو کہ ہم سارا گاؤں زراعت کے لئے فلاں کو اجارہ پر دے دیں، فلاں کی طرف سے یہ زمین بدستور تا میعاد پٹہ تمھارے پاس رہے گی، اس صورت میں ٹھیکہ توفیر کانہ ہوا، جو بالاجماع حرام ہے۔ بلکہ زراعت کے لئے زمین کا جو بالاجماع جائز ہے اور اگر اس صورت میں دقت سمجھی جائے اور ضرور کسانوں خصوصا ہنود عنود کو اس کا سمجھانا اور ان کا راضی ہونا خالی از دقت نہیں، تو وہی باغ وبہار والی تدبیر کی جائے، یعنی گاؤں میں چوپال اور مکان سکونت اور افتادہ زمینیں اور کاشت سے خالی کھیت اور وہ کھیت جن کی میعاد پٹہ تمام ہوگئی، اور بنجر غرض جس قدر اراضی کسی کے اجارہ میں نہیں وہ تمام وکمال مستاجر کو سنین معینہ کے لئے اجرت معینہ پر (جتنا زر ٹھیکہ رکھنا منظور ہو) زراعت وسکونت وانتفاع کے لئے مباح کردی جائے اور اراضی مزروعہ مقبوضہ مزارعین کی توفیر نقد خواہ بٹائی جو کچھ ہو مستاجر کو اتنے برسوں کے لئے مباح کردی جائے، یوں بھی دونوں کے مطلب حاصل ہیں، غرض ہے یہ کہ "مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ" [1] (جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ت) کوئی دشواری نہیں کہ اس شریعت مطہرہ سمحہ سہلہ غرہ بیضائے نے آسان نہ فرمادی ہو۔ وللہ الحمد۔

(۲) وزن کشی کے ٹھیکہ سے اگر یہ مراد ہے کہ "تولا" کچھ روپے زمیندار کو دے کہ اس سال گاؤں بھر کی "راسیں" وہی تولے دوسرا نہ تولنے پائے، اور وہ ہر کاشت کار سے اپنے تولنے کی اجرت لے تو یہ محض حرام، اور وہ روپیہ زمیندار کو دیا نری رشوت ہے۔ اور دوسرے کو تول سے ممانعت محض ظلم ہے۔ اس کی نظیر اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ ہے۔ کہ بیع تو اس میں اور خریداروں میں ہوگی، یہ ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعا خالص رشوت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ نواب صاحب محلّہ بہاری پور بریلی

عالمان شرع نے کیا حکم ہے اس میں دیا گر کسی نے ٹھیکہ دکانوں کا مالک سے لیا

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

لے کے ٹھیکہ پھر یہ اس نے انتظام اپنا کیا سب دکانوں کا کرایہ اس نے زائد کرلیا
پس یہ زائد جو اسے حاصل ہوا ہے اس سے زر اس کے استعمال میں ہے فائدہ یا کچھ ضرر
اگر اس شخص کو ٹھیکہ سے کم آمد ہوئی اور پوری کردی اس نے پاس سے اپنے کمی
اس کمی کا لینا کیا مالک کو جائز ہوگیا اس میں جو حکم شریعت ہو مجھے دیجئے بتا

الجواب:

جتنی اجرت پر کہ مستاجر نے لی مالک سے شے اسے زائد پر اٹھانا چاہے تو یہ شکل ہے
اپنا کوئی مال جو قابل اجارہ کے ہوئے اس کو اسی شیئ سے ملا کر دونوں کو ایک ساتھ دے
یازیادت شیئ میں کردے مثل تعمیر مکان کھونٹیاں کہگل کنواں چونہ مرمت ایں وآں
یابدل دے جنس اجرت جیسے وہاں ٹھہرے روپے اس کے یاں آنے میں گو بدلے میں لے ان کے روپے
یا کوئی کام اپنے ذمہ کرلے اس ایجار میں تا زیادت اس عمل کے بدلے ہو اقرار میں
جیسے جاروب دکان اصلاح اسباب دکاں اور جو خدمت کے ہو شایاں اجرت بے گماں
اور اگر یہ کم پہ دیتا ہے تو دے مختار ہے مالک اُجرت پوری لے گا اس سے جو اقرار ہے
یوہیں خالی ڈال رکھتا جب بھی تو لیتا وہ دام
اب کمی سے کیا اسے واللہ اعلم والسلام

مسئلہ ۲۲۷: مرسلہ نجم الحسن صاحب از تحصیل بسواں ضلع سیتاپور ۱۵صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر وعمرو تینوں سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ ہیں زید زمیندار، بکر تاجر، عمرو نوکری پیشہ، زید کا عمرو قرابت دار ہے، اور بکر کا دوست، عمرو کی معرفت زید وبکر میں یہ معاملہ ہوا کہ زید نے اپنے دوگاؤں پندرہ سو روپے سالانہ پانچ سال کے لئے بکر کو ٹھیکہ دیا، بکر نے پندرہ سو روپے بلا سودی پیشگی زید کو دئے جس کی ادائیگی سال اخیر میں قرار پائی، بکر نے عمرو کو نوکر رکھ لیا، اور گاؤں کی تحصیل وصول سپرد کردی، بروقت ٹھیکہ ہونے کے زید وبکر میں یہ حلف ہوا کہ ایک دوسرے کے نقصان کا روادار نہ ہوگا، اور کبھی کسی مفسد یا مخالف کی دراندازی پر فریقین عمل نہ کریں گے، دو سال دونوں گاؤں بکر کے ٹھیکہ میں رہے، اور قریب قریب سات سو روپے کے منافع ہوا، عرصہ کے بعد زید وبکر کو عمرو کی چالاکی وبدنیتی عمرو کے افعال واقوال سے ثابت ہوگئی، دونوں کو یقین ہوگیا کہ عمرو نے ضرور نقصان پہنچایا، اور پہنچائے گا، زید وبکر میں اتفاق ہے، زید سے بکر نے کہا کہ میں گاؤں کا کام نہیں کرسکتا کیونکہ عمرو سے کام نہیں

لیناچاہتاہوں عمرو پر اعتبار نہیں رہا، بہتر یہ کہ میں ٹھیکہ چھوڑدوں، پیشگی جو پندرہ سو روپیہ میں نے دیا ہے وہ دے دو میں تجارت میں لگادوں، زید نے کہاکہ میں ٹھیکہ چھڑانا نہیں چاہتا، اور تم جانتے ہو کہ میں نادار ہوں، زرپیشگی بھی یکشمت ادانہیں کرسکتا، زید وبکر دونوں متردد ومشوش تھے، ایک رئیس مسلمان سنی وحنفی نے بطور ثالث یہ فیصلہ تجویز کیاکہ ٹھیکہ چھڑالیا جائے، اور پندرہ سو روپے قسط بندی کرکے چار سال میں ادا کردئے جائیں بکر کے اطمینان کو دستاویز ہوجائے، اور ایک گاؤں مکفول کردیا جائے بجز اس کے کہ اس وقت منافع کا کچھ ذکر بکر نے نہیں کیا، ثالث کی تجویز کو زید وبکر دونوں نے بحلف منظور کرلیا، ہفتہ کے بعد ثالث کے روبرو زید سے بکر نے دستاویز کا مسودہ مانگا۔ اس وقت زید سے بکر نے کہاکہ اگر اس وقت پندرہ سو روپے دوتو میں لے لوں اور تجارت میں لگادوں اور چار سال میں اگر روپیہ ادا ہوا تو منافع لوں گا، زید نے کہا منافع کیسا کبھی اس کا ذکر نہیں ہوا، اور نہ ثالث کے روبرو ذکر آیا، محض پندرہ سو روپے کی ادائیگی ٹھہری، بکر سود خوار نہیں ہے، مگر جاہل ہے، مفسدوں نے اس کو سمجھادیا کہ یہ ٹھیکہ کا منافع ہے سود نہیں ہے، بکر نے کہاکہ قبل ٹھیکہ ہونے کے مبلغ ڈھائی سو روپیہ کو ہم کو چھوٹ دیا گیا ہے۔ زید نے کہا نہیں میں نے ایک گاؤں میں کل (عہ مہ /) چھوٹ دیا ہے۔ زید نے بکر سے پوچھاکہ میری تمھاری بالمشافہ گفتگو ہوکر چھوٹ دی گئی ہے۔ بکر نے کہاکہ نہیں مجھ سے عمرو نے کہا ہے، زید نے کہاکہ عمرو کو یقین تھاکہ ٹھیکہ ہوجانے کے بعد میں ضرور نوکر رکھ لیا جاؤں گا، اس طمع پر بکر نے جھوٹ کہہ دیاکہ ڈھائی سو روپے چھوٹ دے کر پندرہ سو روپے ٹھیکہ ہوتا ہے۔ زید نے عمرو سے دریافت کیاکہ ڈھائی سو روپے چھوٹ کیونکر دی گئی، عمرو نے جواب صاف نہ دیا، زید نے چھوٹ کا اقبال نہ کیا، بکر نے کہا ہم منافع ضرور لیں گے، زید نے دستاویز لکھ دی، پندرہ سو روپے اصل اور چار سو منافع ٹھیکہ، زید وبکر پابند شریعت ہیں، بدعہدی اور منہیات شرع سے بچنا چاہتے ہیں نیک نیتی سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ پندرہ سو روپے کے علاوہ جو بنام منافع ٹھیکہ چار سو روپیہ جو درج دستاویز ہوا ہے یہ جائز ہے یا سود ہے؟ شرح وبسط کے ساتھ جواب عنایت ہو، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ منافع قطعی سود اور حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: **کل قرض جر منفعۃ فھو ربا**[1] قرض سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔ بلکہ اس ٹھیکے کے دو سو برسوں میں سات سو

---

[1] کنزالعمال حدیث نمبر ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

روپے جو منافع کے بکر کو ملے وہ بھی حرام ہیں کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے محض حرام ہے۔ جتنے پر ٹھیکہ دیا گیا اگر اس قدر نشست ہوئی اور وہ مالک کو دے دی گئی، تو اس کے لئے حلال ہے کہ اس کی ملک کا نفع ہے۔ اور اگر اس سے کم ہوئی اور مستاجر کو وہ رقم اپنے پاس سے پوری کرنی ہوئی تو یہ زیادت مالک کو حرام ہے، اس کا حق اسی قدر ہے۔ جس قدر نشست ہوئی، مثلاً پندرہ سو کو ٹھیکہ اور کسی سال ہزار ہی بیٹھے تو یہ ہزار ہی مالک کو حلال ہیں، رقم قرارداد پوری کرنے کو پانچ سو اگر اور لے گا وہ حرام ہونگے اور اگر کسی سال دو ہزار روپے بیٹھے اور مستاجر مالک کو صرف پندرہ سو دے گا پانسو خود لے گا، یہ پانسو اس کا حرام ہیں۔

فان ہذہ اجارۃ علی استہلاك العین و ما الاجارۃ شرعا الا تملیك المنافع فکل اجارۃ وردت علی الاعیان فھی باطلۃ وحرام الاماخصہ النص وھوا جارۃ الظئر و المسئلۃ مصرح بھا فی کثیر من الاسفار کالفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار ورد المحتار۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ عین چیز کے تلف پر اجارہ ہے جبکہ شرعاً صرف منافع کی تملیک پر اجارہ ہو سکتا ہے تو ہر ایسا اجارہ جو عین چیز کو تلف کرنے پر واقع ہو وہ باطل اور حرام ہے الاوہ کہ شرع نے اس کو خاص طور پر مشروع کیا ہو جیسے دایہ کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر رکھنا، اور یہ مسئلہ بہت سی کتب میں تصریح کردہ ہے جیسے فتاوٰی خیریہ، عقود الدریہ، در مختار اور ردالمحتار میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

کتاب المنٰی والدرر لمن عمد منی اٰرڈر [۱۳۱۱ھ]

(خواہشات اور موتیوں کی فراہمی اس کے لئے جس نے منی آرڈر کا قصد کیا)

مسئلہ ۲۲۸: از کیمپ میرٹھ بازار لال کورتی مرسلہ جناب مولوی عبدالسمیع صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

بخدمت شریف مخدوم ومکرم محقق ومدقق جناب مولانا محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ۔

بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفرع رائے خورشید انجلاء باد اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے یہاں سے بعوض مساکین کے تنخواہ کسی کے دو روپے، کسی کے تین روپے معین ہے، ان میں سے پانچ چار آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو دو روپے کے واسطے سفر کرکے آنا دشوار ہے اور یہ دقت کہ اس قدر تنخواہ ہے اور اس قدر کرایہ لگ جائے گا، تم ہم کو منی آرڈر کرکے روانہ کردیا کرو، میں نے یہ دیکھا کہ صیغہ منی آرڈر جابجا جاری ہے مدارس وغیرہ میں، پس ان بیچاروں شکستہ دلوں کا کام کرکے بہتر ہے کہ ثواب حاصل کروں جب نظر جواز وعدم جواز پر گئی تو بنظر سرسری یہ دیکھ لیا کہ ہم جو کچھ زیادہ دیتے ہیں وہ اجرت دیتے ہیں، اس بات کے لئے ڈاک والوں نے مرسل الیہ کے گھر روپیہ پہنچا کر اس کے دستخط کرائے پھر وہ رسید اس سے وصول کرکے ہم تک پہنچائی، بناءً علیہ یہ رباء نہیں، برسوں سے لوگوں کی کارروائی اسی طرح ہوتی رہی اب بعض [عہ] علماء نے فتوٰی حرمت منی آرڈر کا چھاپ دیا

عہ: یعنی رشید احمد گنگوہی ۱۲۔

ہے کہ ربا ہے اور حرام میں نے جو تاویل اپنے نزدیک سمجھی تھی اگر یہ درست ہے یاآپ اپنی رائے سے اس میں اور کوئی وجہ شرعی پیدا کرسکیں اس سے مطلع فرمائیں کہ بعض مساکین کا نہایت درجہ حرج ہے، **والسلام**

الجواب:

جناب مولانا و بالفضل اولٰنا زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

فقیر چار مہینہ سے اس قریہ میں ہے نامہ نامی بریلی ہو کر یہاں آیا، جواب حسب فہم قاصر حاضر رسید بریلی ارسال فرمائیں، والسلام وہ فتوٰی مطبوعہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ یہ ربا ہے دوآنے دس کے عوض دس ملتے ہیں مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دوآنے کاہے کے دئے جاتے ہیں، شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اُجرت کھولی گئی ہے، دوآنے قطعاً وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہیں جیسے لفافہ پر اور پارسل پر ۴/ وغیرہ ذلک اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کرسکتا یہ ہر گز نہ اس کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اس روپیہ کے معاوضہ میں کمی بیشی مقصود۔

وھذا من البدیھات التی لایتوقف فیھا الا امثال المفتین الذین لا بصر لھم فی الدین۔	یہ ان بدیہیات میں سے جس میں دینی بصیرت نہ رکھنے والے مفتیوں کے سوا کسی کو توقف نہیں ہے۔(ت)

ان بزرگوں کے اکثر فتاوٰی فقیر نے ایسے ہی عجائب پر مشتمل پائے، ابھی قریب زمانے میں ان کا ایک فتوٰی دربارہ جواز شہادت ہلال بذریعہ تار برقی نظر سے گزرا جس میں تار کو خط پر قیاس کیا، جامع یہ کہ لکھنا لکھنا ایک سا، قلم سے لکھا خواہ بانس طویل سے گویا حضرت کے نزدیک تار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی لمبے بانس سے لکھ دیتے ہیں، پھر لطف یہ کہ خود اصل مقیس علیہ میں حکم غلط، علماء تصریح فرماچکے، ایسے امور شرعیہ میں خطوط کا اعتبار نہیں، ظلم پر ظلم یہ کہ وہ بانس طویل ہی کی تحریر سہی تار بھیجنے والا بیچارہ اس لمبے بانس سے خود نہیں لکھتا بلکہ تار بابو سے کہتا ہے وہ ایک واسطہ ہوا جہاں کو تار دیا گیا وہ دوسرا واسطہ بیچ میں تار موصول نہ ہوا تو وسائط کی گنتی ہی کیا، اور یہ اکثر کفار و فساق و مجہول الحال ہوتے ہیں، اس نفیس سند سے جو خبر آئے اس پر امور شرعیہ کی بناء کرنی ان مفتیوں کا ادنٰی اجتہاد ہے۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بے اعتباری میں ایک مفصل فتوٰی لکھا جس میں سے اس مسئلہ کی تحقیق تام

کما ینبغی منکشف ہوسکتی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، مسئلہ دائرہ کی طرف رجوع کروں، اور توفیق الٰہی مساعدت فرمائے تو حقیقت منی آرڈر ایسی روشن وجہ پر بیان میں آئے جس سے ان صاحبوں کا شبہ باذنہٖ تعالٰی مستاصل ہوجائے۔

فاقول: وباللّٰہ التوفیق منشاء غلط منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہے، متبوع نے اجمالًا اس کا دعوٰی کیا، تابع نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں مگر حقیقت امر سے بیگانگی رہی، بات یہ ہے کہ منی آرڈر کرنے میں دو قسم کے دام دئے جاتے ہیں، ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسرا محصول مثلاً دس روپے دو آنے اور جس طرح ہر عاقل فقیہ پر واضح کہ یہ پہلے دام اگر بعینہٖ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں تو یہ خاص اجارہ ہوتا یا یوں ہوتا کہ مرسل بعینہٖ انھیں کا پہنچانا چاہتا اور ڈاک والے ان داموں کے یہاں رکھ لینے اور وہاں ان کی نظیر دینے کا ضابطہ مقرر نہ کرلیتے بلکہ کبھی بعینہٖ انھیں کو پہنچاتے۔ کبھی بطور خود انھیں یہاں رکھ کر مرسل الیہ کو وہاں کے خزانے سے دیتے تو بھی محض اجارہ رہتا اور صورت خلاف میں ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ تھا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرف امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے۔

کما فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ لواستاجر لیحمل ھذہ الدراھم الی فلان فانفقھا فی نصف الطریق ثم دفع مثلھا الی فلان فلا اجرلہ لانہ ملکھا باداء الضمان[1]۔	جیسا کہ ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی دوسرے تک معینہ دراہم پہنچانے کے لیے اجیر بنایا تو اس نے آدھے راستے میں وہ دراہم خرچ کرلیے اور مرسل الیہ کو ان دراہم کی مثل اور دے دئے تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ خرچ کردہ دراہم کا ضمان دے کر وہ ان کا خود مالک بن گیا۔ (ت)

مگر جبکہ یہ امساک عین ودفع مثل ضابطہ معلومہ معہودہ ہے کہ واضعان قانون ڈاک نے اپنی آسانی کے لئے وضع کیا اگرچہ مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی اس کا مطلب بعینہٖ روپیہ بھیجنے میں بھی بدایۃً حاصل تھا تاہم بوجہ ضابطہ وتعارف جبکہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں تحقق معنٰی قرض ماننا غلط نہیں اگرچہ عاقدین بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔

فان العبرۃ للمعانی والمعھود عرفا	کیونکہ معانی کا اعتبار ہے اور عرف میں معین معلوم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ باب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

كالمذكور لفظاً۔	چیز لفظوں میں مذکور کی طرح ہے۔(ت)

یونہی ہر ذی عقل نبیہ پر یہ بھی روشن ہے کہ یہ دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دئے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بیشک ربا ہوتی یایوں ہوتا کہ جس کام کے عوض دئے جاتے وہ کوئی منفعت مقصودہ صالح ورود عقد اجارہ نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا مگر حاشا یہاں ہر گز ایسا نہیں بلکہ وہ مثل سائر کارروائیہائے ڈاکخانہ کے یقینا اجرت میں دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے، لینے والے اجرت ہی جان کر لیتے ہیں ہر گز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ۲/ سود کے ہیں جو الٹا مدیون دائن سے لیتا ہے ڈاکخانے کی اصل وضع ہی اس قسم کی اجارات کے لیے ہے، تو یہاں عقد اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اُجرت ہونا اصلا محل تردد نہیں، اگر کہے کاہے کی اجرت ہاں مرسل الیہ کے گھر تک جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور اس سے رسید لانے کی کیا یہ منفعت مقصودہ مباحہ نہیں جس پر شرعا ایراد وعقد اجارہ کی اجازت ہو، اور جب ہے بیشک ہے تو عجب عجب ہزار عجب کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصد اجارہ کریں عوض منفعت جو کچھ دیں اور اسے اجرت ہی کہیں اجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کرکے اس اجرت کو معاوضہ قرض ور با قرار دیں شرع مطہر میں **معاذ اللہ** اس حکم کی کوئی نظیر ہے، حاشاللہ بلکہ شرع میں مہماامکن تصحیح کلام وعقود پر نظر رہتی ہے **کما لایخفی علی من خدم الفقه** (جیسا کہ فقہ کی خدمت کرنیوالے پر مخفی نہیں ہے۔ت) نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد، پر کہ صراحۃً عکس مراد شرع ہے ایک ہلکی سی مثال پیش پا افتادہ یہی ہے کہ دس روپے دوآنے کے عوض دوروپے دس آنے خریدیں تو مالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملائے تو وہ عین ربا مگر شرع مطہر جنس کو خلاف جنس کے طرف صرف فرما کر ربا سے بچاتی ہے **کما نصوا علیه قاطبة** (جیسا کہ سب نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) پس ثابت ہوا کہ صورت منی آرڈر میں اگرچہ اجارہ محضہ نہیں مگر زنہار وزنہار قرض محض بھی نہیں جیسا کہ ان مفتی صاحبان نے توہم کیا اور اسی بناء پر فیس کو اجرت سے نکال کر ربا کردیا بلکہ یہاں حقیقۃً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حضرات تویکسر حل ہوگئے، وہ ۲/ ربا کا خیال بدیہی الضلال صرف اسی توہم پر مبنی تھا کہ یہ قرض محض ہے، جب ثابت ہوا کہ ایسا نہیں بلکہ یہاں اجارہ بھی ہے اور یہ ۲/ اُجرت ہیں نہ فضل خالی عن العوض، تو انھیں ربا کہنا محض جہالت،

بحمد اللہ اتنی ہی تقریر سے وہ دود لیلیں بھی کہ یہاں تابع نے انتفائے اجارہ پر قائم کیں منتفی ہوگئیں:

دلیل اول: روپیہ تلف ہو جائے تو بھیجنے والا طالب ضمان اور انگریز ذمہ دار، تو ثابت ہوا کہ اجارہ نہیں کہ محصول کو اجرت پر محمول کیا جائے۔

اقول اوّلاً: کیا وجوب ضمان مطلق نافی اجارہ ہے، کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے صدہا صورتوں میں اجیر پر ایجاب ضمان کا حکم ہے، اور خاص ید ضمان کی ضرورت ہو تو ذرا اجیر مشترک میں اقوال ائمہ واختلاف فتوٰی ازمہ پر نظر ہو۔

ثانیاً: اطلاق نفی ضمان ہی مانئے تو غایت یہ ہے کہ طلب ضمان ناجائز ہو اور انگریزوں کا ذمہ بری، اس سے اصل عقد کیوں بدل گیا، بہت لوگ عاریت پر تاوان لیتے اور جاہل مستعیر ذمہ دار بنتے ہیں، کیا اس سے نفس عاریت منتفی ہو جائے گی، ہاں شاید یہ خیال کیا ہو کہ کلام مسلم حتی الامکان وجہ صحیح پر حمل کرنا چاہئے، جبکہ ہم نے اجارہ میں مطلقاً ضمان بحالت ہلاکت طالب ضمان نہ مانی تو یہ طلب خلاف شرع ہو گی لہٰذا اجارہ نہ ٹھہرانا چاہئے، مگر سبحان اللہ مسلمانوں کی اور طرفہ طرفداری کی کہ اسی خیال سے کہ صورت ہلاک میں جو بشدت نادر ہے، کہیں طلب ضمان نہ کر بیٹھیں جو ایک مختلف فیہ ممنوع ہے، لہٰذا اصل عقد ہی ربا لازم ودائم مان کر مسلمانوں کو مرتکب حرام اجماعی ٹھہرا دیجئے، یعنی کشتن باید تا تپ نباید **فرمن المطر ووقف تحت المیزاب** (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہوا۔ت)

ثالثاً: کس نے کہا کہ اجارہ محضہ ہے معنی قرض یقیناً متحقق اور رد مثل اس کا خاص حکم، تو یہ تضمین بربنائے اجارہ نہ ہو، بربنائے قرض سہی، اب اسے اجارہ سے کیا تنافی رہی۔

دلیل دوم: اجارہ ہو تو بعینہٖ اسی روپے کا پہنچانا لازم ہو، لیکن یہ امر نہ بھیجنے والا ضرور خیال کرتا ہے۔ نہ ڈاک والے کرتے ہیں۔

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ قیاس استثنائی کس اعلٰی درجہ نفاست پر ہے، تالی لزوم نفس الامری اور استثناء رفع خیال لزوم یا رفع عمل کیا اگر عاقدین کسی حکم واقعی عقد کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں، یا اس پر عمل نہ کریں تو اس سے وہ عقد عقد ہی نہ رہے گا عدم حکم مستلزم عدم عقد ہے یا عدم اعتقاد و عمل، اصل کلام وہی ہے کہ بیشک لازم ہوتا۔ اگر اجارہ محضہ ہوتا یہاں تو ڈاکخانہ فلاں جگہ جا کر ادائے زر اور وہاں سے لا کر ایصال رسید پر اجیر اور زر داخل کردہ کا مستقرض ومدیون ہے تو جو چیز وہاں دے گا عین نہیں دین کا بعینہٖ پہنچانا کیونکر متصور اور اس کا لزوم کہاں کا حکم، بالجملہ ان داموں کی اجرت ہونے سے انکار کرنا اور عوض قرار دے کر ربا ٹھہرانا یونہی صحیح تھا کہ اسے قرض محض خالی عن الاجارہ ثابت کرتے اور دونوں دلیلیں بغرض تمامی صرف اس قدر پر دال کہ وہ اجارہ محضہ نہیں، تو دلیل کو دعوٰی سے

اصلاً مس نہیں۔

ثم اقول: وباللّٰہ التوفیق۔ وبہ الوصول الی ذری التحقیق (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ اور اسی سے تحقیق کی بلالندیوں تک پہنچنا۔ ت) حقیقت امر یہ ہے کہ ڈاکخانہ قطعاً اجیر مشترک اور اس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرت عمل پھر ضوابط ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کئے:

ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار و ضمین قرار پاتا ہے۔ جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ و منی آرڈر۔

دوسرے وہ جس میں ذمہ ضمان نہیں، جیسے خطوط و پاکٹ بیرنگ و باٹکٹ۔

اور یہیں سے واضح ہوگیا کہ یہ ادائے ضمان بربنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، ولہٰذا بیمہ میں صرف ضمان دیتے ہیں، حالانکہ وہاں قرض کا اصلا احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجئے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلا اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپیہ جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار داد امساک عین و دفع مثل ڈاک خانہ کو قرض دے رہے ہیں ڈاکخانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقینا لینے دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقود ڈاکخانہ عقد اجارہ ہی جانتے ہیں، اور خود اسی کے لئے صیغہ ڈاک کی وضع اور فیس کو یقینا اُجرت جان کر دیتے لیتے، اور در صورت تلف تاوان کو مثل بیمہ وغیرہ اسی شرط ذمہ داری کی بناء پر سمجھتے ہیں، نہ یہ کہ یہ لوگ سمجھیں ہم نے قرض دیا تھا اسے ڈاکخانہ سے لینا ہے ڈاک خانہ سمجھے میں ان کا قرضدار تھا مجھے ادا کرنا ہے۔ ہاں بعد تلف ڈاک خانہ اسی ذمہ داری کے سبب اس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لئے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن ومدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ تو یہ اقرار ضمان ہرگز بنائے اقراض واستقراض نہیں بلکہ اجیر مشترک پر شرط ضمان ہے۔ اب یہ مسئلہ مثلثہ بلکہ مربعہ ہے اور سب اقوال مصححہ سب مفتی بہا۔

قال العلامۃ خیر الدین الرملی فی فتاواہ وانا **اقول:** بل مخمسۃ بل مسدسۃ [1]عدم الضمان مطلقا، [2]الضمان بشرط الصلح علی النصف [3]جواز الصلح جبرا۔ [4]التفصیل بکون الاجیر صالحا فیبرأ، [5]اوغیرہ فیضمن او مستورا فیصالح۔	یہ علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ہے۔ اور **میں کہتا ہوں** بلکہ پانچ چھ [6] صورتیں ہیں: [1]مطلقاً عدم ضمان، [2]نصف پر صلح کی شرط پر ضمان، [3]جبراً صلح کا جواز، اور [4]اجیر کے صالح ہونے پر اس کا بری ہونا، یا [5]غیر صالح ہونے پر ضمان ہونا، یا [6]مستور الحال ہونے پر قابل صلح ہونا۔ (ت)

امامین جلیلین صاحبین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اجیر مشترک ضامن ہے۔ ولہٰذا

جو کچھ اس کے کام کرنے میں ضائع ہو بالاجماع اس کا تاوان دے گا اگرچہ شیئ میں اس کی طرف سے کوئی تعدی و تقصیر نہ واقع ہوئی ہو بخلاف اجیر خاص کہ امین ہے۔ ولہٰذا جب تک تعدی نہ کرے اصلا ضمان نہیں، اگرچہ اس کے فعل سے تلف ہو، یہ مذہب امیر المومنین فاروق اعظم و مرتضائے اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی اور یہی امام دارالہجرۃ سیدنا امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بدائع و غایۃ البیان و غیرہما میں قول امام عدم ضمان کو قیاس اور اس قول صاحبین کو استحسان قرار دیا۔ امام اجل فقیہ ابو جعفر ہندوانی اسی طرف میل فرماتے۔ امام زیلعی نے تبیین الحقائق پھر علامہ طوری نے شرح کنز الدقائق میں اس کو بہ یفتی فرمایا۔ جامع الفصولین و خزانۃ المفتین و فتاوٰی انقرویہ و واقعات المفتین میں ہے:

قیل یفتی بقول (ابی حنیفہ) رحمہ اللہ تعالٰی وقیل قول عطاء وطاؤس وھما من کبار التابعین وقول س وم (ابی یوسف ومحمد) رحمھما اللہ تعالٰی قول عمر و علی رضی اللہ تعالٰی عنھما احتشاما وصیانۃ لاموال الناس[1]۔	بعض نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا اور بتایا گیا آپ کے قول کی بنیاد حضرت عطاء اور طاؤس کے قول پر ہے جو کبار تابعین میں سے ہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول حضرت عمر فاروق اور علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول پر مبنی ہے لوگوں کے مال کے احترام اور حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ (ت)

شرح ہدایہ علامہ اتقانی میں ہے:

قول ابی حنیفۃ قیاس لان المال امانۃ فی یدہ وہلاك الامانۃ من غیر صنع لایوجب الضمان وقولھما استحسان ووجھہ اثر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول قیاس پر مبنی ہے کیونکہ اس کے پاس امانت ہے جبکہ بغیر دخل امانت کی ہلاکت موجب ضمان نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کا قول استحسان ہے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی عمل کی وجہ سے۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۷۱ و فتاوٰی انقرویہ کتاب الاجارۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۳۲۳

[2] غایۃ البیان

شرح الکنز ملا مسکین میں ہے:

المتاع فی یدہ غیر مضمون عند ابی حنیفۃ و ھو القیاس وقالا علیہ الضمان استحسانا [1]۔ باختصار۔	اس کے ہاتھ میں سامان امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے موجب ضمان نہیں اور یہی قیاس ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اس پر ضمان ہوگا استحسانا، باختصار۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع لایضمن عندہ وھو القیاس و قالا یضمن الامن حرق غالب اولصوص مکابرین وھو استحسان [2] اھ مختصرین	بدائع میں ہے امام صاحب کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہوگا۔ قیاس یہی ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے ضمان وصول کیا جائے گا الایہ کہ بے قابو آگ یا سرکش ڈاکو سے ضیاع ہوجائے، یہ استحسان ہے اھ دونوں مذکورہ عبارتیں مختصرا(ت)

تبیین میں ہے:

بقولھما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس وبہ یحصل صیانۃ اموالھم [3]۔	صاحبین کے قول پر آج کل فتوٰی دیا جائے کیونکہ لوگوں کے احوال میں تبدیلی ہوگئی ہے جبکہ اس فتوٰی سے لوگوں کے مال محفوظ ہوں گے۔(ت)

تکملہ طوری میں ہے:

قد تقدم ان بقولھما یفتی فی ھذا الزمان لتغیر احوال الناس [4]۔	یہ گزرا ہے کہ لوگوں کے حالات بدل جانے کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

قال الفقیہ ابو جعفر الضمان علی القصار و	ابو جعفر فقیہ نے فرمایا کہ دھوبی پر ضمان ہوگا اور

---

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵

[4] بحرالرائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۷

قال الفقیہ ابو اللیث انما قال لانہ کان یمیل فی الاجیر المشترك الی قول ابی یوسف ومحمد [1]۔	فقیہ ابواللیث نے فرمایا انھوں نے یہ بات مشترک اجیر کے متعلق صاحبین کے قول کی طرف میلان کی وجہ سے فرمائی ہے۔(ت)

امام اجل ابوبکر بلخی فرماتے ہیں خلاف اس صورت میں ہے جبکہ اجیر مشترک پر ضمان ٹھہرانہ لی جائے ورنہ اگر پہلے سے شرط ہو جائے جب تو بالاجماع اس پر ضمان لازم۔ جامع الفتاوٰی والنوازل واشباہ والنظائر وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

شرط علیہ الضمان اذا ھلك یضمن فی قولھم جمیعا لان الاجیر المشترك انما لایضمن عند ابی حنیفۃ اذا لم یشترط علیہ الضمان اما اذا شرط یضمن قال الفقیۃ ابو اللیث الشرط وعدم الشرط سواء لانہ امین [2]۔	ہلاک ہوجانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا کیونکہ مشترکہ اجیر کے متعلق جب شرط نہ لگائی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضمان نہیں لیا جائے گا لیکن شرط لگانے پر ان کے نزدیک بھی ضمان ہوگا۔ فقیہ ابواللیث نے فرمایا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ وہ امین ہے۔(ت)

انقرویہ میں شرح مجمع علامہ ابن فرشتہ سے ہے:

ان شرط ان یضمن لوہلك عندہ یضمن اتفاقا کذا فی الجامع وذکر فی الخانیۃ و تتمۃ الفتوٰی علی انہ لا یضمن [3]۔	اگر اس کے پاس ہلاک ہوجانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا، جامع میں یوں ہے۔ اور خانیہ اور تتمۃ الفتاوٰی میں ہے کہ ضمان نہیں لیا جائے گا۔(ت)

شرح کنز ملا مسکین میں ہے:

قیل اذا شرط الضمان علی الاجیر المشترك یصح عند ابی حنیفۃ وصار کان الاجر فی مقابلۃ العمل و الحفظ جمیعا۔	بعض نے کہا کہ مشترک اجیر پر ضمان کی شرط لگائی تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح ہے یوں وہ عمل اور حفاظت دونوں پر اجیر قرار پائے گا۔

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارات فصل فی القصار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۴۴

[2] خلاصہ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الاول مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الاجارہ فی ضمان الاجیر المشترك دار اشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۳

کذا فی شرح الوقایۃ وھو قول الفقیۃ ابی بکر والفقیۃ ابو اللیث یفتی بانہ لو شرط علیہ الضمان لایصح[1]۔	شرح وقایہ میں یوں ہے، اور یہ ابوبکر کا قول ہے۔اور فقیہ ابو اللیث کا فتوٰی یہ ہے کہ اگر اس پر ضمان کی شرط لگائی تو صحیح نہیں ہے۔(ت)

وجیز امام کردری نوع فی الحمامی میں نوازل سے ہے:

دخل الحمام وقال للحمامی احفظ ہذہ الثیاب فخرج ولم یجدھا ان شرط علیہ الضمان یضمن اجماعا ان سرق اوضاع والالا[2]۔	حمام میں داخل ہوا اور حمام والے کو کہا ان کپڑوں کی حفاظت کرنا وہ حمام سے نکلا تو کپڑوں کو غیب پایا اگر اس نے حمام والے پر ضمان کی شرط لگائی تھی تو بالاتفاق ضامن ہوگا اس نے چوری یا ضائع کئے ہوں ورنہ نہیں(ت)

اس کے بعد خود فرمایا:

وقد ذکرنا انہ لاتاثیر للشرط وتاویلہ انہ لما شرط علیہ الضمان فقد قابل الاجر بھما فیکون علی الخلاف فی المشترك[3]۔	ہم نے ذکر کردیا ہے کہ شرط کا کوئی اثر نہیں ہے تو اس کی تاویل یوں ہوگی کہ اگر اس نے شرط قبول کرلی تو گویا اس نے دو چیزوں پر اس کو اجیر بنالیا لہٰذا یہ مشترک اجیر کی صورت کے خلاف معاملہ ہوا۔(ت)

ذخیرہ وخلاصہ وعمادیہ وغمز العیون وغیرہ میں ہے:

وھذا اللفظ للذخیرۃ کان الفقیہ ابوبکر یقول ضمن الحمامی اجماعا وکان یقول انما لا یضمن الاجیر المشترك عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یشترط علیہ الضمان اما اذا شرط یضمن وکان الفقیہ ابو جعفر یستوی بین شرط الضمان وعدم الشرط	ذخیرہ کے الفاظ میں ہے کہ ابوبکر فقیہ، حمام والے کو بالاجماع ضامن قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مشترک اجیر پر جب شرط ضمان نہ لگائی تو وہ ضامن نہ ہوگا لیکن اگر شرط لگادی تو ضامن ہوگا اور فقیہ ابو جعفر شرط اور عدم شرط کو مساوی قرار دیتے تھے اور ضمان

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاجارات الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاجارات الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

وکان یقول بعدم الضمان قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالٰی وبه ناخذ ونحن نفتی به[1] اھ. **قلت** ومعنی ھذا الکلام ان الفقیه ابا جعفر کان یستوی بینھما علی قول الامام وکان یقول لایضمن عندہ وان شرط اماھو بنفسه فقد کان یمیل الی قولھما کما قدمنا عن الخانیة عن الفقیه ابی اللیث۔	اور ضمان کا قول نہ کرتے، اور فقیہ ابواللیث نے فرمایا ہمارا یہی موقف ہے، اور ہم یہی فتوٰی دیں گے۔ اھ **میں کہتا ہوں** اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے قول پر دونوں صورتیں مساوی ہیں اگر چہ شرط بھی لگائی ہو ضامن نہ ہوگا، لیکن ان کا اپنا رجحان صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ ہم نے خانیہ سے ابواللیث کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

قنیہ واشباہ میں ہے:

محله عند عدم اشتراط الضمان علیه اما معه فیضمن اتفاقا[2]۔	اس کا محل ضمان کی عدم شرط ہے لیکن شرط کی صورت میں بالاتفاق ضامن ہوگا۔ (ت)

جمہور ائمہ متاخرین نے ائمہ مذہب وصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات دیکھ کر وہ قول فیصل اختیار فرمایا کہ اجیر اگر صلحائے متقین سے ہے تو قول امام مختار یا اس کے خلاف ہے تو قول صاحبین وایجاب ضمان اور مستور الحال ہے تو دونوں قول کے لحاظ سے نصف ضمان واجب نصف ساقط، اور شک نہیں کہ یہ قول جامع الاقوال ومراعی احوال وارفق بالناس واحفظ للاموال ہے کہ تغیر حالات زمانہ اس پر حامل ہو اور اس میں ارفق واحتیاط دونوں پہلو کا لحاظ رہا، امید کی جاتی ہے کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے یونہی حکم فرماتے۔ فتاوٰی خیریہ وفتاوٰی اسعدیہ میں ہے:

مسئلة الاجیر المشترك فیھا ثلثة اقوال بل اربعة عدم الضمان مطلقا والضمان مطلقا والصلح علی النصف جبرا عملا بالقولین وفی جامع الفصولین رامزا لفوائد صاحب المحیط لوکان الاجیر صالحا	مشترک اجیر کے مسئلہ میں تین بلکہ چار قول ہیں، مطلقًا عدم ضمان، مطلقًا ضمان، نصف نقصان پر جبرًا ضمان تاکہ دونوں اقوال پر عمل ہو، اور جامع الفصولین میں صاحب محیط کے فوائد کا اشارہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اجیر صالح شخص ہے تو قسم لے کر بری کیا جائے گا۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاجارات الفن الثانی ادراۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۲

یبرأ بیمینه ولوکان بخلافه یضمن، ولو کان مستورا یؤمر بالصلح فهٰذه اربعة اقوال کلها مصححة مفتی بها واما احسن التفصیل الاخیر[1] اھ مختصرا۔	اور غیر صالح ہو تو ضمان لیا جائے اور مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ دیا جائے تو یہ چار قول ہوئے، اور تمام کے تمام پر فتوٰی صحیح ہے اور آخری تفصیل کیا اچھی ہے اھ مختصرا۔ (ت)

فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

اختار ابوجعفر وابواللیث رحمهما الله تعالٰی فیه ان کان صالحا یبرء بیمینه وان کان مستورا یؤمر بالصلح و افتی بذٰلك کثیر من المتاخرین وھو اولٰی من غیرہ و اسلم وبمثله افتی الخیر الرملی[2]۔	ابو جعفر اور ابواللیث کا مختار یہ ہے کہ اگر وہ صالح شخص ہو تو قسم لے کر بری کردیا جائے، اور اگر وہ مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ کیا جائے اس پر بہت سے متاخرین نے فتوٰی دیا ہے اور یہ قول دوسروں کی نسبت اولٰی ہے اور خیر الدین رملی نے اسی طرح فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

منح الغفار وطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

ھو فتوٰی القاضی الامام جلال الدین الزاھدون[3]۔	امام جلال الدین زاہدون کا یہی فتوٰی ہے۔ (ت)

بالجملہ چار قول مفتٰی بہ سے دو قول پر بیمہ و منی آرڈر وغیرہما میں ڈاکخانہ سے یہ قرارداد ضمان جائز و صحیح ومقبول ہے اور انسان کو عمل ونجات کے لئے ایک ہی قول مفتٰی بہ کافی نہ کہ متعدد نہ کہ جب وہی ارفق وہی استحسان ہونے کے علاوہ حالت زمانہ اسی کے داعی اور وہی حفظ اموال ناس کا مراعی ہو باوصف ان شدتوں سختیوں کے جو قوانین ڈاک میں ضیاع مال بیمہ و منی آڈر پر رکھی ہیں کہ نوکریاں جائیں قیدیں اٹھائیں سزائیں پائیں، پھر بھی خائنوں بددیانتوں کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں عدم ذمہ داری کی حالت میں ظاہر ہے جو کچھ ہوتا ہے تو فقیہ نبیہ اس شرط پر ضمان کے جواز میں اصلا تردد نہ کرے گا۔ وباللّٰه التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة باب ضمان الاجیر دار المعرفة بیروت لبنان ۲/ ۱۴۱، الفتاوٰی الاسعدیة کتاب الاجارة باب ضمان الاجیر المطبعة المخربة مصر ۲/ ۲۷۶

[2] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب الاجارة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۴۰۔ ۱۱۳

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاجارة باب ضمان الاجیر دار المعرفة بیروت ۴/ ۳

ثم اقول: وبہ استعین۔ان مفتیان زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ ومہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی مگر اس تقریر منیر سے بحمد اللہ سبحنہ وتعالٰی وہ شبہ بھی حل ہوگیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادم فقہ کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس، ہمارے علمائے کرام نے سفتیجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ ہر مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اس نے حاصل کیا و**کل قرض جر منفعۃ فھو ربا** (جو قرض نفع مند ہو وہ ربا ہے۔ت) بظاہر منی آرڈر وہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکا کھاتی ہے دونوں کا حال ایک ہے حالانکہ اگر ذرا تامل کو کام میں لائے تو آفتاب روشن کی طرح متجلی ہو کہ ان میں باہم زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو قرض جر منفعۃ فہو ربا بلا شبہ صادق، ہنڈوی کرنے والوں کی کوٹھیاں دادوستد ہی کے لئے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لئے مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا فلہذا قرض دیتا ہے اور اس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے، علماء نے سفتیجہ کی تفسیر ہی یہی فرمائی، ہندیہ میں کافی اور ردالمحتار میں کفایہ سے ہے:

واللفظ للشامی صورتھا ان یدفع الی تاجر مالاقرضا لیدفعہ الی صدیقہ وانما یدفعہ قرضا لا امانۃ لیستفید بہ سقوط خطر الطریق[1]۔	شامی کے الفاظ میں ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ تاجر کو قرض دیا کہ وہ یہ قرض میرے دوست کو پہنچادے اور رقم امانت کی بجائے قرض کی صورت میں دی تاکہ راہ کے خطرہ سے محفوظ رہے۔(ت)

بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتٰی بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کے لئے کافی ووافی، مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اسی قدر افادہ سقوط خطر کے لئے متکفل، قرض دینے سے اس کی کوئی غرض اصلا متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع، فرض کیجئے اگر ڈاکخانہ زر منی آرڈر بعینہٖ بھیجا کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرارداد یہ ضمان کا مستحق ہوچکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو الٹا نقصان دیتا ہے، کہ مصر و عرب و شام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جاکر ازانجا کہ وہاں سکہ سیم نہیں سکہ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اس پر بہت کچھ بٹالیا جاتا ہے، غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجرا یعنی اہالی ڈاک نے اپنے آسائش و تحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا، ذمہ داری بیمہ و منی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں ان ذمہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان، لہٰذا یہ ٹھہرالیا کہ زرداخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں **یدفعہ قرضا یستفید بہ** (کسی فائدہ کے حصول کے لئے قرض دیا۔ت) صادق نہیں بلکہ **یاخذ قرضا یستفید بہ. ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (قرض فائدہ کے لئے لیتا ہے، تحقیق یوں چاہئے، اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہی ہے۔(ت)

بالجملہ یہ وجوہ تو جواز منی ارڈر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتیں، ہاں یہاں ایک اور امر قابل نظر و غور تھا اذہان مفتیان اگر اس طرف جاتے تو کہا جاتا کہ طرف فقہی پر کلام کیا وہ یہ کہ بلاشبہہ یہ عقد عقد اجارہ اور فیس اجرت عمل۔ اور قرض تنہا پر نفع مستقرض اور سفاتج پر قیاس مختل، مگر جبکہ یہ قرض مفروض و داخل ضابطہ ہے تو اجارہ ایسی شرط پر ہوا جس میں احد العاقدین کا نفع ہے اور مقتضائے عقد نہیں، اسی قدر منع و فساد عقد کے لئے بس ہے **ولکنی اقول وبحول اللہ تعالٰی اجول** (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی دی ہوئی طاقت سے لکھتا ہوں۔ت)

ہنوز بلوغ شرط تاحد افساد میں اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز رہے گی اور صحت جواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد وامصار واقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر وسائر ہونا تو محتاج بیان نہیں، مگر فقیر وہ کلمات علماء چند ابحاث میں ایراد کرے جو اس مسئلہ شرط کو واضح کرکے **بعونہ تعالٰی مانحن فیہ** کا حکم روشن کردیں، بحث اول شرط سے اصل نہیں منصوص دربارہ بیع وارد کہ:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من بیع الشرط، رواہ ابوحنیفۃ	حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرط والی بیع سے منع فرمایا، اس کو امام ابوحنیفہ

قال حدثنی عمر وبن شعیب عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] ومن طریق الامام رواہ الطبرانی فی معجمہ الاوسط [2] والحاکم فی علوم الحدیث ومن جھتہ ذکرہ عبدالحق فی احکامہ وسکت عنہ قال ابن القطان(وھو علی بن محمد الحموی الفاسی ذاك المتاخر المیت ۶۲۸ھ ثمان وعشرین وستمأۃ)فی کتاب الوھم والایھام(ولااری ھذا الاسم الابالھام فانہ قد وھم فیہ واوہم فی کثیر من المقام)بعد ماذکر الحدیث المذکور من کتاب الاحکام علتہ ضعف ابی حنیفۃ فی الحدیث [3] اھ اقول: عفااللہ عنك یاابن القطان الست ذلك المعروف المشھور بالتعنت فی الرجال حتی اخذت تلین ذلك الجبل الشامخ ھشام بن عروۃ ولو اجتمعت انت ومؤن من امثالك وامثال شیوخک	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا، انھوں نے فرمایا مجھے یہ حدیث عمرو بن شعیب نے اپنے دادا سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے طریقہ سے اس کو طبرانی نے معجم الاوسط اور حاکم نے علوم حدیث میں اور امام صاحب کے طریقہ سے اس کو عبدالحق نے اپنے احکام میں ذکر کیا اور جرح نہ کی، ابن قطان (اور وہ علی بن محمد حمیری فاسی متاخرین میں ہیں ان کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی ہے) نے اپنی کتاب "الوھم والایھام" میں کہا (میری رائے میں کتاب کا یہ نام الہامی ہے کیونکہ ان کو اسی کتاب میں بہت سے وہم لاحق ہوئے اور کئی مقامات پر اس نے وہم پیدا کئے ہیں) اس نے اس کتاب میں اس حدیث کو "کتاب الاحکام" سے نقل کرکے کہا کہ اس حدیث میں کمزوری یہ ہے کہ اس کے رواۃ ابوحنیفہ حدیث میں ضعیف ہیں اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ابن قطان تجھے اللہ تعالٰی معاف فرمائے کیا آپ وہی نہیں جو رجال حدیث کے متعلق ہٹ دھرمی میں مصروف ہیں۔ تو نے ایک بلند پہاڑ (ہشام بن عروہ) پر طعن شروع کردیا ہے اور تو اور تیرے جیسے سیکڑوں اور تیرے مشائخ

[1] جامع المسانید الباب التاسع الفصل الثانی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۳۵۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/ ۱۸۴

[3] بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام حدیث ۱۳۰۱ درطیبہ مکہ المکرمہ ۳/ ۵۲۷

وشیوخ مشایخك لم تبلغوا جمیعا قوۃ ابی حنیفۃ و لاقوۃ غلمانہ ولاقوۃ ہشام ولااقرانہ فی العلم و الحدیث ولکن علتکم انتم ایھا الناس التعنت و التقشف وقلۃ الدرایۃ لمسالك التعرف وھذا ابو محمد عبدالحق کان اعرف منك بالحق حیث صحح الحدیث بایرادہ فی الاحکام والسکوت عنہ۔	اور مشائخ المشائخ جیسے سیکڑوں بھی جمع ہوجائیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کی قوت درکنار، ان کے غلاموں اور ہشام اور ان کی ہم مثل علم اور حدیث والوں کو نہیں پہنچ سکتے، لیکن تم نے اپنی ہٹ دھرمی اور پراگندگی اور معرفت درایت کے راستوں کی کم علمی کی وجہ کو ذریعہ طعن بنالیا ہے حالانکہ صاحب کتاب الاحکام عبدالحق یہ تجھ سے حق کو بہتر جانتے ہیں جنھوں نے اس حدیث کو ذکر کرکے اس پر سکوت سے اس کی صحت بتادی۔(ت)

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اجارہ کو اس پر قیاس فرمایا۔ ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع لانہ بمنزلتہ الاتری انہ عقد یقال ویفسخ[1]۔	اجارہ کو شرطیں فاسد کردیتی ہیں جیسے بیع کو فاسد کرتی ہے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے عقد کو اقالہ اور فسخ لاحق ہوتے ہیں۔(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

قال القدوری فی مختصرہ وذٰلك لانھا عقد معاوضۃ محضۃ تقال وتفسخ فکانت کالبیع وکل افسد البیع افسدھا[2]۔	قدوری نے اپنی مختصر میں فرمایا: یہ اس لئے کہ خالص عقد معاوضہ ہے جو اقالہ اور فسخ کے قابل ہوتا ہے تو یہ بیع کی طرح ہے جو چیز بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اس کو بھی فاسد کرے گی۔(ت)

اور بیع میں شرط افساد یا شرط عدم تعارف شرط ہے۔ ہدایہ میں ہے:

کل شرط لایقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین	ایسی شرط جس میں فریقین میں سے کسی ایک یا مبیع اگر فائدہ کا اہل ہے تو اس کا فائدہ شرط

[1] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۹

[2] غایۃ البیان

اوللمعقود علیه وھو من اہل الاستحقاق یفسدہ الا ان یکون متعارفا لان العرف قاض علی القیاس[1]۔	کیا جائے تو وہ بیع کو فاسد کردے گی بشرطیکہ عرف میں وہ شرط معروف نہ ہو کیونکہ قیاس پر عرف غالب ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فسادالعقد بسبب شرط(لا یقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لاحدھما او لمبیع من اہل الاستحقاق ولم یجز العرف به ولم یرد الشرع بجوازہ)امالو جری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریکه او ورد الشرع به کخیار شرط فلا فساد[2]۔	کسی شرط کی وجہ سے عقد کے فساد کا سبب قاعدہ کی رو سے ایسی شرط ہے جس کو نہ تو عقد قبول کرے اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس شرط میں فریقین یا نفع کا مستحق ہو تو مبیع کا فائدہ ہو بشرطیکہ اس شرط پر عرف قائم نہ ہو اور نہ ہی شریعت نے اس کے جواز کو بیان کیا ہو لیکن اگر عرف میں اس کا جواز مروج ہو جیسے پیشگی آرڈر پر جوتا سلوانا یا اس شرط کے جواز پر شریعت وارد ہو جیسا کہ شرط خیار، تو فساد نہ ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ظاہر ہے اور تمام کتب مذہب میں دائر، اور مقیس کی طرف وہی حکم متعدی ہوگا جو اصل مقیس علیہ میں تھا نہ کہ زائد، لاجرم متن غرر میں فرمایا:

تفسد بالشرط المفسد للبیع[3]۔	اجارہ، بیع کی فاسد شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے۔ (ت)

متن نقایہ میں فرمایا: **یفسدھا شروط تفسد البیع**[4] (بیع کو فاسد کرنیوالی شرطیں اجارہ کو فاسد کردیتی ہے۔ت) متن اصلاح میں تھا **الشرط یفسدھا**[5] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ت) شرح ایضاح میں فرمایا: **المراد شرط یفسد البیع**[6] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ت)

بحث ثانی: کیا لازم ہے کہ وہ عرف زمان اقدس حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے واقع ہو، **اقول:** بعض علماء کی تقریر میں ایسا واقع ہوا **لیجعله من تقریر**

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۲
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷
[3] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۳۰
[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۲۔۱۱۱
[5] اصلاح
[6] شرح ایضاح

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تاکہ عرف اس کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر و تائید بنادے۔ت) مگر حق یہ کہ یہ ہر گز ضرور نہیں ہزار ہا فروع مذہب و صدہا کلمات ائمہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں۔امام برہان الدین ہدایہ اور محقق علی الاطلاق اس کی شرح فتح میں فرماتے ہیں:

(من اشتری نعلا علی ان یحذوھا البائع) المراد اشتری ادیما علی ان یجعلہ البائع نعلالہ ویمکن ان یراد حقیقتہ ای نعل رجل واحدۃ علی ان یحذوھا ای یجعل لہ شراکافلا بد ان یراد حقیقۃ النعل (فالبیع فاسد) قال المص (ماذکرہ) یعنی القدوری (جواب القیاس) ووجھہ مابیناہ من انہ شرط لایقضیہ العقد وفیہ نفع لاحد المتعاقدین وفی الاستحسان یجوز البیع ویلزم الشرط (للتعامل) کذٰلک ومثلہ فی دیارنا شراء القبقاب علی ھذا الوجہ ای علی ان یسمرلہ سیرا ومن انواعہ شراء الصوف المنسوج علی ان یجعلہ البائع قلنسوۃ اوقلنسوۃ بشرط ان یبطن لھا البائع بطانۃ من عندہ[1] اھ مختصرا۔	جس نے اس شرط پر جوتا خریدا کہ اس کو بائع سلائی کرکے بنائے اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار نے چمڑا خریدا کہ اس کا جوتا سلائی کرکے بنادے، اور ممکن ہے حقیقت مراد لے کر ایک پاؤں کا جوتا کہ ایک ہی پاؤں کی پیائش کے مطابق تسمہ لگادے اس صورت میں حقیتا ایک ہی مراد ہوگا تو بیع فاسد ہوگی، مصنف نے فرمایا کہ قدوری نے جوذکر کیا ہے وہ قیاس پر مبنی جواب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ جو مقتضی عقد نہیں ہے اور اس شرط میں ایک فریق کا فائدہ بھی ہے اور جبکہ استحسان کے طور پر یہ جائز ہے اور تعامل کی وجہ سے سلائی کی شرط لازم ہوجائیگی اور اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑائیں اسی شرط پر خریدنا یعنی ان کو پٹے لگادے گا اور اسی قسم سے ہے بنی ہوئی اون ٹوپی بنانے کی شرط پر یا ٹوپی خریدنا استرا اپنے پاس سے لگانے کی شرط پر اھ مختصرا۔ (ت)

ردالمحتار میں اس کا بعض نقل کرکے فرمایا:

وفی البزازیۃ اشتری ثوبا اوخفا خلقا علی ان یرقعہ البائع ویسلمہ	بزازیہ میں ہے کہ کپڑا یا پرانے موزے اس شرط پر خریدے کہ بائع مرمت کرکے دے تو

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۵

صح اھ ومثله فی الخانیة قال فی النھر بخلاف خیاطة الثوب العدم لتعارف اھ قال فی المنح فان قلت نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن بیع وشرط فیلزم ان یکون العرف قاضیا علی الحدیث قلت لیس بقاض علیه بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وھو قطع المنازعة والعرف ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الاالقیاس والعرف قاض علیه اھ **قلت** وتدل عبارة البزازیة والخانیة و کذا مسئلة القبقاب علی اعتبار العرف الحادث و مقتضی ہذا انه لوحدث عرف فی شرط غیرالشرط فی النعل و الثوب والقبقاب ان یکون معتبرا اذا لم یؤد الی المنازعة[1]۔	صحیح ہے، اور اسی کی مثل خانیہ میں ہے، نہر میں فرمایا، بخلاف کپڑے کی سلائی، کیونکہ اس میں تعارف نہیں، اھ منح میں فرمایا کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بیع اور اس کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے تو اس سے لازم آجائیگا کہ عرف حدیث پر غالب ہے۔ میں کہتا ہوں عرف حدیث پر غالب نہیں بلکہ عرف قیاس پر غالب ہے کیونکہ حدیث میں منع کی علت جھگڑا ہے جس کی وجہ سے عقد بے مقصد بن جاتا ہے جبکہ عقد کا مقصد جھگڑے کو ختم کرنا ہوتا ہے اور عرف اس جھگڑے کو ختم کرتا ہے تو اس طرح عرف حدیث کے موافق ہوا تو اب صرف قیاس مانع ہے جس پر عرف غالب ہوا اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس پر بزازیہ اور خانیہ کی عبارت دال ہے، اور یونہی کھڑاؤں کا مسئلہ جدید عرف پر مبنی ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر جوتے، کپڑے اور کھڑاؤں میں مذکورہ شرط کے علاوہ کوئی اور شرط عرف میں جاری ہوجائے تو وہ بھی معتبر ہوگی بشرطیکہ وہ جھگڑے کا باعث نہ ہو۔ (ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

ان اشترط صرما علی ان یخرز البائع له خفا اوقلنسوة بشرط ان یبطن له البائع من عندہ فالبیع بھذا الشرط جائز للتعامل[2]	اگر چمڑے کا ٹکڑا جوتا بنادینے کی شرط پر خریدا یا ٹوپی استر لگادینے کی شرط پر خریدی کہ بائع اپنے پاس سے لگائے تو تعامل کی وجہ سے اس شرط پر بیع جائز ہوگی (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

وکذا لو اشتری خفابہ خرق علی ان یخرز البائع وثوبا من خلقانی وبہ خرق علی ان یخیطہ ویجعل علیہ الرقعۃ[1]۔	اور یونہی اگر پھٹا ہوا موزہ خریدا اس شرط پر کہ بائع پیوند لگا کردے یا پرانا پھٹا کپڑا پیوند لگانے کی شرط پر خریدا۔(ت)

اسی میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

لو اشتری کرباسا بشرط القطع والخیاطۃ لایجوز لعدم العرف[2]۔	اگر نیا کپڑا کٹائی اور سلائی کی شرط پر خریدا تو عرف نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔(ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

صح وقف کل (منقول فی تعامل) للناس کفأس و قدوم ودراھم ودنانیر وقدر وجنازۃ وثیابھا ومصحف وکتب لان التعامل یترك بہ القیاس لحدیث ماراہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن" بخلاف مالا تعامل فیہ کثیاب متاع وھذا قول محمد وعلیہ الفتوی اختیار[3]۔(باختصار)	ایسی منقولہ چیز کا وقف جائز ہے جس میں عرف ایسا ہو مثلاً کلہاڑی، تیشہ، دراہم، دنانیر، ہانڈی، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، قرآن مجید اور کتب، کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس چیز کو مسلمان پسند کریں تو وہ عنداللہ پسندیدہ ہے۔ بخلاف اس کے جس میں تعامل نہ ہو، مثلاً سامان والے کپڑے، یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اختیار (بالاختصار)(ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

وقف کرا علی شرط ان یقرضہ لمن لابذر لہ لیزرعہ لنفسہ فاذا ادرك اخذ مقدارہ ثم اقرضہ لغیرہ وھکذا	گندم ایک کُر (پیمانہ) وقف کی جس کے پاس بیج نہ ہو اس کو قرض دی جائے تاکہ وہ اپنی زراعت کرلے اور جب گندم کی فصل اترے تو اتنی مقدار واپس کردے، پھر وہ اسی طرح دوسرے کو قرض

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۴

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

جاز،وقف بقرہ علی ماخرج من لبنھا اوسمنھا للفقراء ان اعتادوا ذٰلك رجوت ان یجوز[1]۔	دی جائے،اور یوں ہی گائے وقف کی جائے کہ اس کا دودھ یا گھی فقراء کو دیا جائے اگر لوگ یہ عادت بنالیں تو مجھے امید ہے کہ جائز ہوگا۔(ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

رجل وقف بقرۃ علی ان مایخرج من لبنھا وسمنھا وشیرازھا یعطی ابناء السبیل ان کان ذٰلك فی موضع تعارفوا ذٰلك جاز کما یجوز ماء السقایۃ[2]۔	کسی شخص نے گائے وقف کی کہ اس کا دودھ یا گھی اور دہی مسافروں کو دیا جائے اگر کسی علاقہ میں یہ تعارف ہو تو جائز ہے جیسے مشکیزے کا پانی۔(ت)

اسی میں ہے:

وقف المنقول مقصودا فان کان کراعا اوسلاحا یجوزہ فیما سوی،ذٰلك ان کان شیئا لم یجر التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان لایجوز عندنا وان کان متعارفا کالفأس والقدوم والجنازۃ وثیاب الجنازۃ ومایحتاج الیه من الاوانی والقدور فی غسل الموتی و المصاحف قال محمد یجوز الیه ذھب عامۃ المشائخ منھم الامام السرخسی کذا فی الخلاصۃ وھو المختار و الفتوٰی علی قول محمد کذا قال شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی مختار الفتاوٰی[3]۔	اگر منقول بامقصد چیز کو وقف کیا اگر وہ سواری یا ہتھیار ہو تو جائز ہے ان کے علاوہ اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کو وقف کرنا عرف میں مروج نہیں جیسے عام کپڑے اور حیوانات، تو ہمارے نزدیک جائز نہیں اور وہ متعارف ہو جیسے کلہاڑی اور تیشہ اور جنازہ کی چارپائی اور اس کا کپڑا اور میت کو غسل میں کام آنے والے برتن اور قرآن مجید،تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔اسی کو عام مشائخ جیسے امام سرخسی وغیرہ نے اپنایا ہے۔خلاصہ میں ایسے ہی ہے،وہی مختار ہے اور فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔امام شمس الائمہ حلوانی نے یوں فرمایا اور فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۶۲-۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۶۱

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے فصل وقف المنقول میں ہے:

جعل فی المسجد بواری اوغلق باب اوحصیر لم یکن له ان یرجع وکذٰلك لو علق فیه سلسلة او حبلا للقندیل لان هذا یترك فی المسجد دائمًا عادة فیکون للمسجد [1] ۔	مسجد میں بچھونا، دروازے کا تالا، چٹائی دی تو واپس لینے کا حق نہیں، اور یونہی اگر قندیل کی زنجیر یا رسی دی ہو کیونکہ عادتاً یہ چیزیں دائمی طور پر مسجد میں رکھی جاتی ہے، لہٰذا یہ مسجد کے لئے مختص ہو جائیں گی۔(ت)

غرر ودرر میں ہے:

(عن محمد صحته فی المتعارف وقفیته) کالفأس و المر والقدوم والمنشار والجنازة وثیابها والقدور و المراجل اذا اوقف علی المسجد جاز واما وقف الکتب فکان نصیر بن یحیی یجیزه والفقیه ابوجعفر یجیزه وبه ناخذ خلاصه [2] اھ ملخصًا۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کلہاڑی، پھاوڑی، تیشہ، آرہ، زجنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، ہنڈیا، دیگ مسجد کے لئے وقف کئے تو جائز ہے، ولیکن کتابوں کو وقف کرنا اسے نصیر بن یحیٰی اور فقیہ ابو جعفر جائز کہتے ہیں اور ہمارا یہی موقف ہے خلاصہ، اھ ملخصًا۔(ت)

غنیہ علامہ شرنبلالی میں برہان سے ہے:

زادمحمد ماتعورف وقفه کالمصاحف والکتب والقدور و المقدوم والفأس والمنشار والجنازة وثیابها وما یحتاج الیه من الاوانی فی غسل الموتی و علیه عامة المشائخ وبه یفتی [3] ۔	جن چیزوں کے وقف پر تعارف ہے ان میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید، کتب، ہنڈیا، تیشہ، کلہاڑی، آرہ، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا اور میت کے غسل میں ضروری برتن کا اضافہ فرمایا ہے، عام مشائخ کا یہی موقف ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔(ت)

نقایہ وشرح علامہ برجندی میں ہے:

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی المشاع قلمی نسخہ ۱/ ۲۱۷

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷-۱۳۶

[3] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیة درر الحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۶

صح عند(محمد وقف منقول فیہ تعامل کالمصحف ونحوہ)من الکتب والطشت والقدوم والقیاس ان لا یجوز وھو قول ابی حنیفۃ لانھا مما لایتأبد لکن القیاس یترك بالتعامل(وعلیہ الفتوٰی)[1] اھ ملتقطا۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جن منقولہ چیزوں کے وقف میں تعامل ہے جیسے قرآن مجید وغیرہ کتب اور طشت، تیشہ کے وقف کو جائز قرار دیا ہے اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہیں، یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے۔ کیونکہ یہ دائمی چیزیں نہیں ہیں لیکن تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوگیا، اور اسی پر فتوٰی ہے۔اھ ملتقطا۔(ت)

رد المحتار میں ہے:

قال المصنف فی المنح لماجری التعامل فی زماننافی البلاد الرومیۃ فی وقف الدراھم والدنانیر دخلت تحت قول محمدن المفتٰی بہ فی وقف کل منقولہ فیہ تعامل کما لایخفی وقد افتی مولانا صاحب البحر بجواز وقفھا ولم یحك خلافا اھ ولا شك فی کونھا من المنقول فحیث جرٰی فیھا تعامل دخلت فیما اجازہ محمد ولھذا لمامثل محمد باشیاء جری فیھا التعامل فی زمانہ قال فی الفتح ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ماذکرہ محمد لمارأوا جریان التعامل فیھا وذکر منھا مسئلۃ البقرۃ و مسئلۃ الدراھم والمکیل حیث	مصنف نے منح میں فرمایا رومی علاقہ میں ہمارے زمانہ میں دراہم ودنانیر کاوقف عرف میں جاری ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے مفتی بہ قول جس میں منقول کا وقف جائز ہے میں داخل ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور مولانا صاحب بحر نے اس کے جواز کا فتوٰی دیا اور کوئی مخالف قول نقل نہ فرمایا اھ اوراس منقول میں تعامل کے جاری ہونے میں شک نہیں ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے جواز میں داخل ہوگا،اسی لئے جب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے زمانہ میں تعامل والی اشیاء کی مثال بیان فرمائی تو فتح میں کہا کہ بعض مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ذکر کردہ اشیاء پر کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا جن میں تعامل دیکھا انہی چیزوں میں گائے دراہم اور کیلی چیز کے مسئلہ کو ذکر فرمایا

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایہ کتاب الوقف نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹، شرح النقایۃ للبرجندی فصل الوقف نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۷۲

قال ففی الخلاصة وقف بقرة علی ان مایخرج من لبنها وسمنها یعطی لابناء السبیل قال ان کان ذٰلك فی موضع غلب ذٰلك فی اوقافهم رجوت [عـــه] ان یکون جائزا.قال فعلی هذا القیاس اذا وقف کرا من الحنطة علی شرط ان یقرض للفقراء ثم یؤخذ منهم ثم یقرض لغیرهم ان یکون جائزا وقال ومثل هذا کثیر فی الری وناحیة دماوند اھ وبهذا ظهر صحة ما ذکرہ المص من الحاقها بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی به وانما خصوها بالنقل عن زفر لانها لم تکن متعارفة اذا ذاک.قال فی النهر ومقتضی مامر عن محمد وعدم جواز ذاك ای وقف الحنطة فی الاقطار المصریة لعدم تعارفه بالکلیة نعم وقف الدراهم	اور کہا خلاصہ میں ہے کہ گائے وقف کی کہ اس کا دودھ اور گھی مسافروں کو دیا جائے، اور فرمایا کہ اگر کسی مقام میں لوگوں نے وقف میں تعامل بنایا ہو تو مجھے امید ہے کہ یہ جائز ہوگا۔ اور فرمایا اس پر قیاس ہوگا جب کوئی شخص گندم کا کُر (پیمانہ) اس شرط پر وقف کرے کہ ضرور تمند فقیر کو یہ قرض دیا جائے اور پھر واپس ملنے پر دوسرے فقیر کو قرض دیا جائے تو لازما جائز ہوگا اور کہا کہ رے اور دماوند کے علاقہ میں اس قسم کا کثیر رواج ہے اھ اس سے مصنف کا مذکورہ کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے متعارف مفتی بہ کے ساتھ الحاق کی صحت معلوم ہو گئی، امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول کے ساتھ گندم مذکور کے مسئلہ کو وفقہاء کا مختص کرنا اس لیے ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے زمانہ میں یہ معاملہ متعارف نہ ہوا تھا اور نہر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول شدہ کا مقتضی اسگندم کو وقف کرنے کا عدم جواز ہے کیونکہ مصری علاقہ میں ابھی اس کا بالکل تعارف

عـــه: **قلت** هذه نسخة کتبها فی نسختی الخلاصة علی الهامش والذی فی متنها جاز ان کان تعارفوا ذٰلك کما فی النقایة اھ کما هو عبارة الظهیریة الاٰتیة ۱۲ منه۔

میں کہتا ہوں یہ نسخہ میرے پاس خلاصہ کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے اور اس کے متن میں ہے کہ اگر لوگوں کا اس پر تعارف ہو تو جائز ہے جیسا کہ نقایہ میں ہے اھ جیسا کہ ظہیریہ کی آئندہ عبارت میں ہے ۱۲ منہ (ت)

والدنانیرتعورف فی الدیار الرومیة اھ قوله لان التعامل یترك به القیاس فی البحر عن التحریر هوالاکثر استعمالا وفی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اھ فظاھر ما قدمناه اٰنفامن زیادة بعض المشائخ اشیاء جری التعامل فیها وعلی هذا فالظاہر اعتبارالعرف فی الموضع اوالزمان الذی اشتره فیه دون غیر ہ فوقف الدراھم متعارف فی بلاد الروم دون بلادناووقف الفأس والقدوم کان متعارفا فی زمن المتقدمین ولم نسمع به فی زماننا فالظاھر انه لایصح الآن ولئن وجدنا دارا لایعتبر لما علمت من ان التعامل ھوا الاکثر استعمالا فتامل[1] اھملخصا۔	نہیں ہے ہاں دراہم ودنانیر کے وقف رومی علاقہ میں موجود ہے،اھ اس کا قول کہ کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہو جاتا ہے بحر میں تحریر سے منقول ہے کہ یہ استعمال کثیر ہے اور شرح بیری میں مبسوط سے منقول ہے کہ عرف سے ثابت شدہ نص کی طرح ہے اھ،تو اس سے ابھی ہمارا بیان کردہ ظاہر ہوا کہ مشائخ کا بعض چیزوں کو شامل کرنا تعامل کی بناء پر ہے اور اس بنیاد پر ظاہر ہوا کہ جس علاقہ یا زمانہ میں عرف مشہور ہوا وہی معتبر ہے دوسروں کے لئے معتبر نہیں تو دراہم کا وقف روم کے علاقہ میں متعارف ہے ہمارے علاقہ میں یہ معروف نہیں ہے اور کلہاڑی اور تیشہ کا وقف متقدمین کے زمانہ میں تھا اپنے زمانہ میں ہم نے یہ نہیں سنا تو ظاہر یہ ہے کہ اب یہ جائز نہیں اگر کہیں نادر طور پر موجود ہو تو معتبر نہ ہوگا کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ تعامل وہ ہوتا ہے جس کا استعمال زیادہ ہو،تو غور کرو،اھ ملخصا۔(ت)

اسی میں تتارخانیہ سے ہے:

عن ابی یوسف یجوز بیع الدقیق و استقراضه وزنا اذا تعارف الناس ذٰلك استحسن فیه[2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ آٹے کی بیع اور اس کو قرض بطور وزن دینا اگر عرف بن جائے تو استحسانا جائز ہوگا(ت)

اسی میں بحوالہ طحطاوی فتاوٰی غیاثیہ سے ہے:وعلیه الفتوٰی[3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۵۔۳۷۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۲

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۲

تنویر ودر میں ہے:

(یستقرض الخبز وزناً وعدداً)عنه محمد وعلیه الفتوٰی ابن الملك واستحسنه الکمال واختارہ المصنف تیسیرا،اختیار [1]۔	روٹی کو گنتی اور وزن دونوں طرح قرض دینا لینا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے۔اور اسی پر فتوٰی ابن مالک ہے۔اس کو کمال نے پسند کیا اور مصنف نے آسانی کی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔(ت)

اختیار پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

ھوالمختار لتعامل الناس وحاجاتھم الیه [2]۔	لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی بناء پر بھی مختار ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

(مانص)الشارع(علی کونه کیلیا)کبُرٍّ وشعیر اوتمر وملح(اووزنا)کذھب وفضة(فھو کذلک)لایتغیر (ابدافلم یصح بیع حنطه بحنطة وزنا کمالو باع ذھبا بذھب اوفضة بفضة کیلا)ولو(مع التساوی)لان النص اقوٰی من العرف فلایترك الاقوٰی بالادنٰی(وما لم ینص علیه حمل علی العرف)وعن الثانی اعتبارا لعرف مطلقا ورجحه الکمال(وخرج علیه سعدی آفندی	شارع نے جس چیز کے کیلی ہونے پر نص فرمائی مثلاً گندم، جو، کھجور اور نمک وہ کیلی اور جس کے وزنی ہونے پر نص فرمائی وہ وزنی ہوگی جیسے سونا اور چاندی۔یہ تبدیل نہ ہوسکیں گی، تو گندم کی خرید وفروخت وزن کے طور پر اور سونے چاندی کی کیل کے طور پر جائز نہ ہوگی، اگرچہ ہم جنس کے ساتھ مساوی لین دین ہو، کیونکہ نص اقوی ہے عرف سے تو اقوی کو ادنی کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے گا اور وہ اشیاء جن پر نص وارد نہ ہوئی ان کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عرف کا مطلّقا اعتبار ہوگا۔اس کو کمال نے ترجیح دی ہے۔اور اسی پر سعدی آفندی نے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۷، حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۲

استقراض الدراهم عدد اوبيع الدقيق وزنا فی زماننا يعنی بمثله وفی الكافی الفتوی علی عادة الناس بحر واقره المنصف [1] اهونقله عن العلامة سعدی فی النهر واقره۔	دراہم کو عدد کے طور پر قرض لینا اور آٹے کو وزن کے ساتھ ہم جنس سے لین دین کرنا متفرع کیا ہے اور کافی میں ہے کہ فتوٰی لوگ کی عادت پر ہوگا۔ بحر، اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ اور اس کو انھوں نے علامہ سعدی آفندی سے نہر میں نقل کیا ہے اور ثابت رکھا۔ (ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود کتاب البیوع فصل سادس میں ہے:

اذا شتری ثمار بستان وبعضها قد خرج وبعضها لم يخرج فهل يجوز هذا البيع۔ظاهر المذهب انه لا يجوز وكان شمس الائمة الحلوانی يفتی بجوازه فی الثمار والباذنجان والبطيخ وغيره ذٰلك وكان يزعم انه مروی عن اصحابنا [2]۔	جب باغ اس حالت میں خریدا کہ اس کا کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ نہ ظاہر ہوا تو یہ کیا یہ جائز ہوگا۔ تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ نا جائز ہے۔ حالانکہ شمس الائمہ حلوانی پھلوں، بینگن، تربوز وغیرہا میں اس کے جواز کا فتوٰی دیا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا یہ جواز ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔ (ت)

بحر الرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل فضلی سے ہے:

استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاطو بيع ثمار الكرم بهذه ا الصفة ولهم فی ذٰلك عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج [3]۔	انھوں نے اس کو پسند کیا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے کیونکہ وہ انگوروں کے پھل کا اسی حالت میں لین دین کرتے ہیں اور لوگوں کی یہ عادت معروف ہے جبکہ لوگوں کی عادت چھڑانا حرج کی بات ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

[1] درمختار کتاب البیوع باب الرباء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

[2] نشر العرف بحوالہ الذخیرۃ البرہانیۃ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۴۰۔۱۳۹

[3] بحر الرائق کتاب البیوع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۱

قدرأیت روایة فی نحوھذا عن محمد فی بیع الورود علی الاشجار فان الورود متلاحق ثم جوز البیع فی الکل وھو قول مالك[1]۔	میں نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے اس طرح کی روایت پودوں پر گلاب کے بارے میں دیکھی ہے حالانکہ گلاب یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے ہیں پھر انھوں نے تمام گلابوں میں بیع جائز فرمایا، اور یہی امام مالک کا قول ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

| قال الزیلعی قال شمس الائمة السرخسی والاصح انه لایجوز لان المصیر الی مثل ھذہ الطریقة عند تحقق الضرورة ولا ضرورة ھنا لانه یمکنه ان یبیع الاصول اویؤخر العقد فی الباقی الی وجودہ او یبیح له الانتفاع بما یحدث فلاضرورة الی تجویز العقدفی المعدوم مصادما للنص اھ قلت لکن لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا لاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحدا لطرق المذکورة و ان امکی بالنسبة الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبة الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج کماعلمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی ھذہ البلدان اذ الاتباع الا کذٰلك والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم | زیلعی نے کہا کہ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت کو ضرورت کی بناء پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پودا خریدنا لینا یا باقی گلاب کی بیع کو ان کے ظاہر ہوجانے تک موخر کردیا جائے یا آئندہ ظاہر ہونے والے گلاب سے انتفاع کو مباح کردے اس گنجائش کے باوجود معدوم گلام کی بیع کو جائز کرنا نص سے متصادم ہوگا اھ، میں کہتاہوں کہ ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا تحقق مخفی نہیں خصوصا دمشق کے علاقہ میں جو کثیر باغات اور پھلوں کا علاقہ ہے تو لوگوں پر جہالت کے غلبے کی وجہ سے ان کو مذکورہ طرق پر پابند کرنا اگرچہ بعض لوگوں کو ممکن ہے لیکن عوام کے لئے یہ ممکن نہیں جبکہ ان کو عادت چھڑانے پر حرج لاحق ہوگا جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا ہے، اور لازم آئے گا کہ اس علاقہ باغات کے پھل فروخت کرنے کا وہاں یہی رواج ہے حالانکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام |

[1] فتح القدیر کتاب البیوع فصل لماذکر ماینعقد به البیع الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۹۲

انما رخص فی السلم للضرورۃ مع انه بیع المعدوم فحیث تحققت ھنا ایضا امکن الحاقة بطریق الدلالة فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان وظاھر کلام الفتح المیل الی الجواز ولذا اوردله الروایة عن محمد بل تقدم ان الحوانی رواہ عن اصحابنا وماضاق الامر الا اتسع ولا یخفی ان ھذا مسوغ اللعدول عن ظاھر الروایة[1] اھ بتلخیص۔	نے ایک ضرورت کے تحت معدوم چیز کی بیع کو بیع سلم کے طور پر جائز فرمایا تو جب یہاں بھی یہ ضرورت متحقق ہے تو اس کو بھی بیع سلم کے ساتھ بطریقہ دلالۃ النص ملحق کرنا ممکن ہے تو اس طرح یہ نص سے متصادم نہ ہوگا۔ فقہاء کرام نے استحسان میں اس لئے اس کو اختیار فرمایا اور فتح کا ظاہر کلام جواز کی طرف مائل ہے اسی لئے انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہاں روایت نقل فرمائی بلکہ پہلے گزرا کہ امام حلوانی نے یہ بات ہمارے اصحاب سے نقل فرمائی اور جب معاملہ میں تنگی آتی ہے تو صرف وسعت ہی لاتی ہے۔ تو مخفی نہ رہا کہ ظاہر روایت سے عدول کا یہ جواز ہے اھ ملخصا۔ (ت)

یہ سر دست تیس ۳۰ کتابوں سے تیس ۳۰ مسئلے ہیں۔ **کتب:** ۱قدوری، ۲ہدایہ، ۳فتح القدیر، ۴ردالمحتار، ۵وجیز کردری، ۶فتاوٰی امام قاضیخاں، ۷منح الغفار، ۸ہندیہ، ۹تاتارخانیہ، ۱۰محیط امام برہان الاسلام سرخسی، ۱۱فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی، ۱۲تنویر الابصار، ۱۳درمختار، ۱۴خلاصہ، ۱۵مختار الفتاوٰی، ۱۶خزانۃ المفتین، ۱۷فتاوٰی کبرٰی، ۱۸دررالحکام، ۱۹غنیہ ذوی الاحکام، ۲۰برہان شرح مواہب الرحمٰن، ۲۱متن نقایہ، ۲۲شرح برجندی، ۲۳بحرالرائق، ۲۴نہر الفائق، ۲۵طحطاوی، ۲۶فتاوٰی غیاثیہ، ۲۷جامع المضمرات، ۲۸شرح نقایہ للقہستانی، ۲۹شرح المجمع لابن فرشتہ، ۳۰اختیار شرح مختار۔

مسائل: ۱بیع نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے، ۲اس میں تسمہ لگادے، ۳بیع چرم بشرطیکہ جوتا سی دے، ۴کھڑاؤں کی بیع میں پھٹے دینے کی شرط، ۵بُنی ہوئی اور ان کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کردے، ۶ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، ۷پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، ۸کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے، ۹جنازے کے لئے چارپائی، ۱۰چادروں ۱۱غسل میت کے لئے گھڑوں لوٹوں کا وقف، اہل حاجت کے لئے ۱۲کلہاڑی ۱۳بسولے ۱۴آرے، ۱۵پھاوڑے کا وقف، ۱۶مسافروں کے لئے طشت، ۱۷ہانڈی، ۱۸بڑی دیگ کا وقف، مساجد کے لئے ۱۹قندیل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

کی رسی، زنجیر کا وقف، [۲۰] قرآن مجید و [۲۱] کتب و [۲۲] غلہ و [۲۳] گاؤ و [۲۴] دراہم ودنانیر کا وقف [۲۵] آٹے سے آٹا تول کو بیچنا نہ کہ ناپ سے، [۲۶] تول پر اٹا قرض لینا، [۲۷] روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے، [۲۸] روٹیوں کا گن کو قرض لینا [۲۹] اموال ستہ ربویہ میں کیل ووزن کا عرف بدلنے پر امام ابویوسف کا اعتبار فرمانا [۳۰] پیڑوں میں کچھ پھل آئے کچھ آنے کو ہیں ایسی حالت میں موجودہ وآئندہ کل بہار کی بیع کو امام حلوانی وامام فضل وغیرہما کا جائز فرمانا اور خود شمار کتب کا محل ہی کیا ہے۔ قطع نظر اور مسائل سے یہی مسئلے اگر دیکھیں تو مذہب کے عامہ متون وشروح وفتاوٰے سے کوئی کتاب ان سے خالی نہ پایئے یہ اور ان کے امثال کثیرہ جن کے خرمن سے خوشہ ابحاث آتیہ بھی ان شاء اللہ العزیز آتا ہے سب برخلاف اصل وقیاس ہیں جنھیں ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے تعامل وعرف پر مبنی فرمایا اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان باتوں کا تعامل زمانہ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے:

حاشا ﷲ ثم حاشا ﷲ وان طلب کل طلب لا عیاہ۔	ہرگز ہرگز نہیں اگرچہ پوری محنت سے طلب کرے عاجز رہے گا۔ (ت)

بھلا کھڑاؤں کا پہننا ہی زمانہ اقدس سے ثابت کرے مصحف وکتب کہاں تھیں کہ وقف ہوتے آٹے میں تول کب تھی اور مساجد میں قندیلیں لٹکانے کی زنجیریں کب تھیں۔

تبدیل کیل ووزن تو خود عرف حادث ہی میں کلام آئے، جس کا غیر ستہ میں اعتبار تو مجمع علیہ اور ستہ میں امام ثانی کے نزدیک جسے محقق علی الطلاق نے ترجیح دی اور درباره مسائل او قاف تو عبارات مذکورہ در مختار، وخلاصۃ وفتح القدیر وعالمگیریہ وفتاوٰی ظہیریہ ونہر الفائق ومنح الغفار وغیرہ نص صریح ہیں کہ سب عرف حادث ہیں، یہاں تک کہ ان میں بہت باتیں زمانہ امام محمد کے بعد پیدا ہوئیں، بالجملہ ان جزئیات میں دلیل قائم ہے تو حدوث پر قدم تو کوئی ثابت کرہی نہیں سکتا۔

ومن ادعٰی فعلیه البیان وعلینا ردہ بابین تبیان ان شاء اللہ العزیز المنان۔	اور جو دعوٰی کرے اس پر بیان لازم ہے اور ہم پر اس کا رد بہت واضح انداز پر لازم ہے ان شاء اللہ العزیز المنان۔ (ت)

بحث ثالث: کیا ضرورت ہے کہ وہ عرف تمام جہان کے تمام مسلمانوں کو محیط وشامل ہو، **اقول:** بعض علماء کے کلام میں ایسا مترشح لیجعلہ من باب الاجماع (تاکہ اجماع کے باب میں داخل کرے) مگر حق یہ ہے کہ نہ یہ اصلا لازم نہ کلمات سائر ائمہ کرام سلف خلف علمائے اعلام اس کے ملائم بلکہ

صراحۃً اسکے خلاف پر قاضی وحاکم۔

اوّلاً: ابھی تحریر الاصول امام ابن الہمام وبحر الرائق وردالمحتار سے گزرا: **التعامل ھوالاکثر استعمالا**[1] (تعامل وہ ہے جس کا استعمال کثیر ہو۔ت) الاشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادۃ اذا اطردت اوغلبت[2]۔	عادت وہ معتبر ہے جب وہ عام اور غالب ہوجائے۔(ت)

ثانیاً: انھیں مسائل مذکورہ کو دیکھئے جن میں علمائے مذہب محل عرف وتعامل مانا کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ تمام بلاد کے تمام عباد کا یہی عرف ہے۔ بھلا کھڑاؤں کہاں کہاں پہنچی جاتی ہے، پٹھے دار کہاں کہاں ہوتی ہے، اون کی ٹوپی کہاں کہاں بنی جاتی ہے، ایک دے کر دوسری اس کے ساتھ کی کہاں کہاں بنی ہے، کلہاڑی، بسولا، آرا، پھاوڑا، چارپائی، گھڑے، لوٹے، دیگ، دیگچی، طشت، دودھ، دہی کے لئے گائے بیچ لے کے غلہ قرض کے لئے روپیہ کہاں کہاں وقف ہوئے ہیں **الی غیر ذٰلک ممالایخفی**۔

ثالثاً: حاشاللہ یہ اگر عرف وتعامل حقیقتاً اجماع کل مسلمانان ہند درکنار اتفاق اکثر مومنین جمیع بلاد ہی مراد علماء ہوتا تو مسئلہ کالمستحیل ہوجاتا اور اس کی بناء پر حکم ناممکن رہتا۔ زمانہ مشائخ کرام میں بحمداللہ تعالٰی الام مغارب ارض سے مشارق تک پھیل چکا تھا، مسلمان اقطار وآفاق میں آباد تھے کوئی شخص ان بلاد وقری وشعاب وجبال کی گنتی بھی نہ بتاسکتا جہاں جہاں **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پکارا جاتا تھا جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، چہ جائے آنکہ مسلمانوں کا شمار چہ جائے آنکہ ان سے کے عمل وعرف پر اطلاع اور بغیر اس کے کسی کام میں حکم لگانا کہ عامہ بقاع کے جمہور مسلمین کا عرف یوں ہے قطعاً محال تو کسی مسئلہ کو عرف وتعامل پر بنا کرنا ہی ممتنع ہوتا، دور کیوں جایئے اب تو ریل بھی آگبوٹ بھی ہے تار بھی ہے، اخبار بھی ہے، ڈاک کے سلسلہ بھی منظّم ہیں۔ مہینوں کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار وامصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں، مدتہامدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں کروڑوں روپے کے صرف مشرق ومغرب کی پیمائش ہوتی ہے۔ بلاد وبقاع کے طول وعرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلسیں بنتی رہتی ہیں، غرض جس قدر دین کا انحطاط وتنزل ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں جسے دنیاپرست عبید النفس ترقی گارہے ہیں زمانہ مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی، اب اس تیسر اسباب و تفتیح ابواب ہی کے زمانے میں کوئی شخص ٹھیک ٹھیک طور پر بتادے کہ آفاق واقطار، شرق وغرب وجنوب وشمال کے بلاد وقری وصحاری وجزائر وجبال میں حقیقی مسلمان جن کا عرف شرعاً ملحوظ ومقصود ہو نہ نیچیری وغیرہم کفار مدعیان اسلام کہ ان جیسے کروڑوں کا تعامل ہو تو مطلقاً مردود ہوں کہاں کہاں آباد ہیں ہر جگہ کے سچے مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کیا ہے کسی معاملہ خاص میں ان میں ہر ایک کا عرف وعمل کس طور پر رہا ہے، حصر بلاد وشمار عباد جو کچھ بیان کرے اس پر دلیل معقول قابل قبول دکھائے، نہ یہ کہ فلاں سال کی مردم شماری میں اسی قدر معدود فلاں اطلس میں اتنے ہی موجود کہ اس حصر اور اس کے جامع ومانع ہونے کی جو قعت ہے ہر ذی عقل وانصاف کو معلوم ومشہود، مردم شماری تو محض مہمل ومختل اٹکل ہے، اطلسیں جن کے محکمے مقرر ہیں اور بڑے بڑے انتظام کروڑوں کے صرف ہیں اور ہزاروں اہتمام حصرو شمار بقاع درکنار جو آنکھوں دیکھی اور قواعد مضبوطہ ہیات پر مبنی ہے یعنی عرض وطول بلاد اس میں اختلاف دیکھئے، کبھی دو اطلسیں متفق نہ پائیے گا ع

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

(ہر آنے والا نئی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ت)

سبحان اللہ! اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمہ مجتہدین پر نظر تھی، علماء نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علماء فی البلاد دوصدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علی امر (فھو کاذب والجواب انہ محمول علی حدوثہ الاٰن) فان کثرۃ العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقھم [1]۔	امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو کسی معاملہ میں اجماع کا دعوٰی کرے تو جھوٹا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات موجود دور کے واقعہ یہ ہے کہ محمول ہے کیونکہ علماء کی کثرت اور غیر معروف علاقوں میں ان کا متفرق ہوجانا ان کے اتفاق کو نقل کرنے میں شبہہ پیدا ہوتا ہے۔(ت)

[1] فواتیح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۱۲

نیز فواتح میں ہے:

تحقیق المقام ان فی القرون الثلثة لاسیما القرن الاول قرن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم کان المجتهدون معلومین باسمائهم واعیانهم و امکنتهم خصوصا بعد وفاة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم زمانا قلیلا ویمکن معرفة اقوالهم و احوالهم للجاد فی الطلب۔ نعم لا یمکن معرفة الاجماع ولا النقل الآن لتفرق العلماء شرقا وغربا و لایحیط بهم علم احد[1] اھ ملخصین۔	مقام کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے تین قرن خصوصا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قرن (زمانہ) جو اول قرن ہے اس میں مجتہدین حضرات اپنے ناموں، ذاتوں اور مقامات کے اعتبار سے خصوصا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد قلیل زمانہ تک معروف تھے اور ان کے اقوال واحوال کی معرفت کے لئے جد وجہد کرنا ممکن تھا، ہاں آج اجماع کی معرفت ممکن نہیں اور نہ ہی اس کو نقل کرنا ممکن رہا کیونکہ علماء کرام شرقا غربا متفرق ہوچکے ہیں جن کو کسی ایک شخص کا علم احاطہ نہیں کرسکتا، اھ مذکور دونوں عبارتیں ملخص ہیں (ت)

جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہوسکتا تو عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکنار نہیں، علماء وجہلاء سب کا علم در آمد ملحوظ ہے۔ اس میں اتفاق کل کیا معنی، اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجہ اولٰی محال و نا ممکن ہے کہ آخر اکثر کل کل علماء سے ضرور اکثر ہے۔

رابعًا: کیا کوئی ایک بار کا بھی نشان دے سکتا ہے کہ ائمہ کرام ومشائخ اعلام نے جب ایک امر میں بربنائے عرف وتعامل حکم فرمانا چاہا ہو تو تمام بلاد وبقاع عالم کے تمام مسلمین کے عرف وعمل کی خبر معلوم فرمالی، ہر ہر شہر وقریہ ودرہ کوہ وجزیرہ وبادیہ میں تحقیق تعارف کے لئے شہود عدل بھیجے ہوں، تمام اسلامی جہاں کی مردم شماری مفتح کی ہو پھر بعد ثبوت حصر وشمار بلحاظ کل نہیں بلحاظ اکثر ہی حکم دیا ہو۔ یا بلا تفتیش خود ہی پیش از حکم ان تمام امور کے پرچے ان کی خدمات عالیہ میں گزرتے ہوں، حاشا اللہ ہرگز نہیں نہ کبھی اس کا قصد فرمایا نہ اصلا اس کی طرف راہ تھی، نہ یہ امور تعامل مسائل عقائد تھے جن پر سواد اعظم کا اتفاق دلائل وبراہین شرع سے خود ہی معلوم ہے۔ نہ یہ

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۳-۲۱۲

حسن عدل، قبح ظلم وتقدیم قاطع علی المظنون کی طرح امور ضروریہ ہیں۔ جن پر اتفاق عقلاء کی عقل خود شہادت دے، نہ ایسے مسائل نزاعیہ تھے جن کی نفی واثبات ورد واحقاق میں فرقے بن گئے ہوں، نہ سالہاسال تحصیل فتاوٰی فقہائے امصار وعلمائے اقطار میں سخت وبلیغ کوششیں ہوئی ہوں، بعد مرور دہور وکر عصور قرائن خارجیہ سے اتفاق اکثر کا علم حاصل ہولیا، اس کے بعد ائمہ نے بربنائے تعامل فتوٰی دیا ہو، ہمیشہ لاجرم اپنے ہی قطر کے بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف وتعامل رکھا اور اسی کو مبنائے احکام قرار دیا ہے۔ انصاف کیجئے تو امر واضح ہے اور انکار مکابرہ اور شکوک بے معنی کی راہ کب بند، مگر عنداللہ انصاف جب صبح مسفر ہو تو تشکک ناپسند، **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل** (اللہ تعالٰی کا قول ہی حق ہے اور وہی راستہ بتاتا ہے۔ت)

خامسًا: ایں وآں پر کیوں نظر کیجئے خود حضرات علمائے کرام ہی سے نہ پوچھ لیجئے کہ عرف وتعامل سے مراد حضرات کیا ہوتی ہے صدہا جگہ علمائے متدلین استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے انھیں مسائل مذکورہ میں دیکھیں محقق حیث اطلق مسئلہ سوم میں فرماتے ہیں:

مثلہ فی دیارنا شراء القبقاب[1]۔	اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑاؤں کو خریدنا۔(ت)

حاوی[عـــہ] پھر خلاصہ پھر فتح پھر ردالمحتار مسئلہ بست ودوم میں: **مثل ھذا کثیر فی الری وناحیۃ دماوند**[2] (رے اور دماوند کے علاقہ میں ایسا کثیر ہے۔ت) ظہیریہ وہندیہ بست وسوم

عـــہ: ذکر مسألۃ وقف الکر والاکسیۃ نقلہا سند مونی فی الخلاصۃ ثم قال المسائل الثلث فی الحاوی وانما لم نعدہ فیما مرلان الشامی نقلہا عن الفتح والفتح عنہا ولم یذکر العزو للحاوی ۱۲۔	پیمانہ کُر اور کپڑوں کے وقف کا مسئلہ سند مونی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے پھر کہا تینوں مسائل حاوی میں ہیں اور میں نے گزشتہ مقام پر اس کو صرف اسی لئے شمار نہ کیا کیونکہ علامہ شامی نے فتح سے اور اس میں خلاصہ سے نقل کیا ہے اور انھوں نے حاوی کی طرف منسوب نہ کیا(ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

میں،ان کان ذلك به فی موضع تعارفوا [1] (اگر یہ ایسے مقام میں ہے جہاں اس پر تعارف ہو۔ت) امام طاہر بن عبدالرشید پھر امام ابن الہمام پھر علامہ شامی ان کان ذٰلك فی موضع غلب ذٰلك فی اوقافھم [2] (اگر یہ ایسے مقام میں ہوں جہاں لوگوں میں اس کا وقف مروج ہو۔ت) علامہ عمر بن نجیم مسئلہ بست وچہارم میں تعورف فی الدیار الرومیة [3] (روم کے علاقہ میں یہ متعارف ہے۔ت) افندی ابن عابدین: دون بلادنا [4] (ہمارے علاقہ میں نہیں۔ت) خادم فقہ ادنی تتبع میں اس کے نظائر غریرہ نکال سکتا ہے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کرکے علمائے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتبارات عرف میں ذکر فرمایا بنظر نبیہ مطالعہ کیجئے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ عرف عام سے ان کی مراد نہ ہرگز مستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، نہ عرف محیط اجماعی، نہ عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم کہ اول قطعاً مثل نص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔

لکونه تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وتقریرہ کقوله اوجب من فعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لان الفعل یحتمل ان یکون خصوصیة له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	کیونکہ یہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر(تائید) ہے اور آپ کی تقریر آپ کے عمل سے زیادہ موجب ہے کیونکہ عمل میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہے۔(ت)

تو اگر نص اسکے خلاف پایا جائے ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحال تاریخ اسے فسخ کردے گا نہ یہ کہ قول اقدس کے مطابق تقریر اقدس کو مطلقاً رد کردیں۔علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فتاوٰی فصول البدائع فی اصول الشرائع بیان ضرورت میں فرماتے ہیں:

اقسام اربعة(۱)ماھو فی حکم النطوق لزومه منه عرفا (۲)مابینه حال	اس کی چار قسمیں ہیں: (۱)وہ جو عرفاً لزوم میں منطوق کے حکم میں ہے (۲)وہ جس کو سکوت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

[3] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

[4] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

الساکت القادر کسکوت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم عن تغییر مایعاینہ من قول اوفعل من مسلم حتی لو سکت عما سبق نہیہ کان نسخا لان تقریرہ علی منکر منکر [1]۔	کرنے والے کا حال بیان کرے حالانکہ وہ بیان پر قادر تھا، جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی مسلمان کا قول یا فعل دیکھ کر اس کو تبدیل کرنے سے خاموشی اختیار فرمائیں حتی کہ ایسی چیز جس پر پہلے نہی وارد ہوچکی ہو تو یہ خاموشی اس کے لئے ناسخ قرار پائے گی کیونکہ برائی پر خاموشی خود برائی ہے۔(ت)

علامہ اجل مولٰی خسرو صاحب درروغرر مراٰۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول میں فرماتے ہیں:

(ماقررہ)صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ان کان مماعلم انکارہ کذھاب کافر الی کنیسۃ فلا اثر لسکوتہ و الادل علی الجواز)ای جواز ذٰلك الفعل من فاعلہ ومن غیرہ اذا ثبت ان حکمہ علی الواحد حکمہ علی الجماعۃ فان کان مماسبق تحریمہ فھذا نسخ لتحریمہ [2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے جس چیز پر تقریر فرمائی اگر وہ چیز ایسی ہے جس کا بُرا ہونا یقینی طورپر معلوم ہو جیسے کافر کا اپنے عبادت خانہ میں جانا تو یہ تقریر وخاموشی موثر نہ ہوگی ورنہ وہ خاموشی اور تقریر اس چیز کے جواز پر دال ہوگی خواہ وہی فاعل کرے یا کوئی اور کرے بشرطیکہ وہاں ایک پر حکم سب کے طور پر ثابت ہو تو اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس کی تحریر پہلے ہوچکی ہو تو یہ تقریر اس حرمت کے لئے ناسخ ہوگی۔(ت)

فاضل محمد ازمیری اس کے حاشیہ میں شرح مختصر الاصول للعلامۃ اکمل الدین سے ناقل:

اذا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعل مکلف ولم ینکرہ قادرا علیہ فان کان الفعل قابلا للنسخ فان لم یسبق تحریمہ دل سکوتہ علی جوازہ وان سبق کان سکوتہ ناسخا	جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی مسلمان مکلّف کا عمل دیکھیں اور آپ منع پر قدرت کے باوجود منع نہ فرمائیں تو اگر وہ فعل قابل نسخ ہو جس کی تحریم پہلے نہ ہوچکی ہو تو آپ کا سکوت اس عمل کے جواز پر دال ہوگا اور اگر پہلے اس عمل کی تحریم ہوچکی ہو تو آپ کا یہ سکوت اس تحریم کے لئے ناسخ قرار

[1] فصول البدائع فی اصول الشرائع

[2] مرأۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول

لتحریمه[1] اھ مختصرات۔	پائے گا۔ اھ مختصرات۔ (ت)

اور دوم عین اجماع تو نص آحاد سے اقوی اور قطعاً مظہر ناسخ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال تو اس کا حقیقتاً معارض نص واقع ہونا معقول ہی نہیں۔ اور بظاہر ہو تو ہر گز مردود نہ ہوگا بلکہ وہی مرجح ہوگا اور نص ناسخ کا بتانے والا۔

وھذا معنی قولھم ان الاجماع لاینسخ اما کونه کاشفا عن ناسخ فاجماع یظھر ذٰلك لمن راجع مطارحاتھم فی المسئلة۔	ان کے قول کہ "اجماع منسوخ نہیں ہوتا" کا یہی معنی ہے لیکن اجماع کا کسی ناسخ کے لئے کاشف ہونا یہ اتفاقی مسئلہ ہے یہ بات اس شخص پر ظاہر جو اس مسئلہ میں فقہاء کی ابحاث پر مراجعت رکھتا ہے۔ (ت)

مسلم وفواتح فصل ترجیح میں ہے:

الاجماع یترجح (علی النص)[2]۔	اجماع نص پر ترجیح پاتا ہے۔ (ت)

فواتح فصل تعارض میں ہے:

الاجماع مرجح ومقدم علی الکل عند معارضته ایاھا لانه لایکون منسوخا بکتاب اوسنة ولایکون باطلا فتعین ان یکون الکتاب والسنة ولوکانت متواترة منسوخة والاجماع کاشف عن النسخ[3]۔	اجماع تمام دلائل پر ترجیح یافتہ اور مقدم ہوتا ہے جس کا ان دلائل سے تعارض ہو، کیونکہ اجماع کتاب یا سنت سے منسوخ نہیں ہوتا اور نہ ہی کتاب وسنت کا مظہر ہے جو کسی کتاب وسنت کا ناسخ ہے اگرچہ یہ متواتر کیوں نہ ہو۔ (ت)

اور رسوم کی حجیت مطلقہ تامہ وافیہ پر نصوص صریحہ ناطقہ، تو اس کا اضمحلال **معاذاللہ** سواد اعظم کا وقوع فی الضلال اور وہ شرعاً محال ہے۔

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتجتمع اُمتی علی الضلالة[4]، وقوله صلی اللہ	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی، اور کہ جماعت پر

[1] حاشیۃ مرأۃ الاصول للفاضل محمد ازمیری

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی فصل فی الترجیح منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۲۰۴

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت فصل فی التعارض منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۱۹۱

[4] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع اللہ ھذہ الامۃ علی الضلالۃ دار المفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

تعالٰی علیه وسلم ید الله علی الجماعة [1]۔ وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علیکم بالجماعة والعامة [2] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتبعوا السواد الاعظم [3] الی غیر ذٰلك مما بلغ مجموعه حد التواتر وقد سردناها وتخاریجها فی رسالتنا "فیه السرین بجواب الاسئلة العشرین ۱۳۱۱ھ"	اللہ کا ید ہے، اور کہ تم پر جماعت اور عوام کا ساتھ لازم ہے۔ اور یہ کہ سواد اعظم کی پیروی کرو وغیرہ ذٰلک آپ کے ارشادات کا مجموعہ تواتر کی حد تک ہے۔ ان احادیث اور ان کی تخریج کو ہم نے اپنے رسالہ "فیح السرین بجواب الاسئلة العشرین" میں جمع کردیا ہے۔(ت)

فصول البدائع میں ہے:

لوندر المخالف مع کثرة المتفقین کان قول الاکثر حجة وان لم یکن اجماعا [4]۔	اگر مخالف میں کوئی نادر قول ہو تو اکثریت کا قول حجت ہوتا ہے اگرچہ وہ اجماع نہ ہو۔(ت)

بالجملہ مقابلہ نص میں ثانی تو مطلقاً مضمحل نہیں اعنی الطلاق العدم (میری عدم کا اطلاق ہے۔ت) اور اول بھی مطلقاً مضمحل نہیں اعنی عدم الطلاق (میر مراد اطلاق کا عدم ہے۔ت) اور ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی وان قیل وقیل (اگرچہ خلاف میں قیل قیل ہے۔ت) بعض نظائر لیجئے قرآن کریم پر اجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد، یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے: تعلیم قرآن پر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی۔ انھوں نے خیال کیا یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی۔ فرمایا:

ان اردت ان یطوقك الله طوقا من	اگر تو چاہے کہ اللہ تعالٰی تیرے گلے میں آگ کا

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعة امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع الله بهذه الامة علی الضلالة دار الفکر بیروت ۱/ ۱۶۔۱۱۵

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۳

[3] المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع الله بهذه الامة علی الضلالة المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۱۵

[4] فصول البدائع فی اصول الشرائع

نار فاقبلها [1]۔رواہ ابوداؤ وابن ماجۃ وفی الباب عن عبدالرحمٰن بن شبل وابی ھریرۃ وعبدالرحمن بن عوف وابی کعب وابن بریدۃ وابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	طوق ڈالے تو اسے لے لے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور اس باب میں عبدالرحمٰن بن شبل اور ابوھریرہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابی کعب اور ابن بریدہ اور ابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا۔ت)

اور قیاس بھی اسی پر شاہد۔

لان القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل ولھذا یعتبر اھلیتہ فلایجوزلہ اخذالاجرۃ من غیرہ کالصوم و الصلٰوۃ کما فی الھدایۃ۔	کیونکہ قربت جب حاصل ہو تو عامل سے واقع ہوتی ہے اس لئے عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اس پر غیر سے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔مثلاً نماز وروزہ عبادات، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔(ت)

اور ہمارے علماء کرام کامذہب بھی تحریر اور صدر اول میں قطعاً رواج معدوم بایں ہمہ عرف حادث و ضرورت کے سبب جواز پر فتوٰی ہوا۔بستان فقیہ امام ابی اللیث میں ہے:

اما اذاعلم بالاجرۃ فقد اختلف الناس فقال اصحابنا المتقدمون لایجوز اخذالاجرۃ وقال جماعۃ من العلماء المتاخرین یجوز فالا فضل ان یشارط للحفظ و تعلیم الھجاء،والکتابۃ فلوشرط لتعلیم القراٰن ارجوان لاباس بہ لان السلمین قدتوارثوا ذٰلك	اگر اجرت پر تعلیم دی تو اس میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب متقدمین نے فرمایا اجرت وصول کرنا جائز نہیں اور متاخرین کی ایک جماعت نے فرمایا جائز ہے۔تو افضل یہ ہے حفظ قرآن، تلفظ حروف اور لکھائی کی تعلیم پر اجرت کی شرط کرے۔ تو اگر تعلیم قرآن پر اجرت کی شرط کی تو مجھے امید ہے اس پر حرج نہ ہوگا کیونکہ مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۹،سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الاجر علی تعلیم القرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۷،مسند احمد بن حنبل حدیث عبادۃ بن الصامت مکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۱۵

واحتاجواالیه اھ[1] مختصرا۔	اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اھ مختصرا(ت)

بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسوله[2]۔رواہ ابوداؤد والطحاوی وفی الباب عن رافع بن خدیج وثابت بن الضحاك وزیدبن ثابت وانس بن مالك وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کرے (اسے ابوداؤد اور طحاوی نے روایت کیا، اور اس باب میں رافع بن خدیج اور ثابت بن ضحاک اور زید بن ثابت اور انس بن مالک اور ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے روایت کیا۔(ت)

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد۔ ولہٰذا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ باتباع جماعت صحابہ وتابعین محرمین مانعین حرام وفاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتوٰی قرار پایا۔ ہدایہ میں ہے:

| قال ابوحنیفة رحمة اللہ تعالٰی علیه المزارعة بالثلث والربع باطلة و قالاجائزۃ.له ماروی انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نھی عن المخابرۃ وھی المزارعة و لانه استیجار ببعض مایخرج من عمله فیکون فی معنی قفیز الطحان ولان الاجر مجھول او معدوم و کل ذٰلك مفسد ومعاملة | امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زمین کا تہائی یا چوتھائی بٹائی حصہ پر دینا باطل ہے۔اور صاحبین رحمہمااللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخابرہ یعنی مزارعۃ سے منع فرمایا، اور یہ مزارع کے عمل سے حاصل شدہ کے کچھ حصہ کو اجرت بنانا ہے۔تو یہ آٹا پسائی کی اجرت آٹا کو بنانے کی طرح ہے اور یہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اور یہ تمام امور عقد کے لئے مفسد ہیں اور |

[1] بستان العارفین للامام ابی اللیث سمرقندی علی ہامش تنبیه الغافلین الباب السابع عشر داراحیاء کتب مصر ص ۲۹۔۲۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی الخابرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۷

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل خیبر کان خراجہ مقاسمۃ بطریق الامن والصلح وھو جائز، الا ان الفتوی علی قولھما لحاجۃ الناس الیھا ولظھور تعامل الامۃ بھا والقیاس یترك بالتعامل کمافی الاستصناع[1] اھ مختصرًا۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اہل خیبر سے زمین کا معاملہ تو وہ امن کے عوض اخراج کی وصولی تھی جو کہ جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور امت کا تعامل پایا جانے کی وجہ سے جبکہ قیاس کو تعامل کے مقابلہ میں ترک کیا جاتا ہے جیساکہ سائی کی چیز بنوانا اھ مختصراً۔(ت)

غرض ایسے تعاملات ضرور حجج مطلقہ ہیں انھیں مطلقًا مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ عرف وتعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضہ نص کی اصلا طاقت نہیں رکھتا جب خلاف کرے گا رد کردیا جائے گا۔ اشباہ میں ہے:

انما العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ[2]۔	منصوص علیہ معاملہ میں عرف معتبر نہیں ہے۔(ت)

پھر فتاوٰی ظہیریہ سے نقل کیا:

محمد بن الفضل یقول السرۃ الی موضع نبات الشعر من العانۃ لیست بعورۃ تعامل العمال فی الابداء عن ذٰلك الموضع عند الاتزار وفی النزع عن العادۃ الظاھرۃ نوع حرج ھذا ضعیف وبعید لان التعامل خلاف النص لایعتبر انتھی بلفظہ[3] اھ۔	محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ ناف سے نیچے بالوں کی جگہ تک عورت نہیں ہے کیونکہ تہبند باندھنے کے وقت اس حصہ کو برہنہ کرنا لوگوں کا تعامل ہے اور لوگوں کی غالب عادت سے ان کو روکنا حرج کی بات ہے۔ اور یہ قول ضعیف اور بعید ہے کیونکہ نص کے خلاف تعامل معتبر نہیں ہے۔ اس کے الفاظ ختم ہوئے اھ(ت)

اسی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

فی اجارۃ الاصل استاجرہ لیحمل	مبسوط کی بحث اجارہ میں ہے کہ کسی غلّہ

[1] الہدایۃ کتاب المزارعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۲۳۔۴۲۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

طعامه بقفیز منه فالاجارة فاسدة۔ وکذا اذا ادفع الی حائك غزلا علی ان ینسجه بالثلث ومشائخ بلخ وخوارزم افتوا بجوار اجارة الحائك للعرف وبه افتی ابو علی النسفی ایضا والفتوٰی علی جواب الکتاب لانه منصوس علیه فلیزم ابطال النص [1] اھ باختصار۔	اٹھانے کی مزدوری میں اس غلہ میں سے قفیز دینا ٹھہرایا تو اجارہ فاسد ہوگا۔ اویوں ہی جولاہے کو بنائی کے لئے دئے ہوئے سوت کا تہائی حصہ بنائی سے دینا، او بلخ اور خوارزم کے مشائخ نے جولاہے کی مذکورہ اجرت کے جواز کا فتوٰی دیا ہے کہ یہ عرف ہے اور ابو علی نسفی نے بھی یہ فتوٰی دیا، جبکہ صحیح فتوٰی وہی ہے جو کتاب میں ہے کیونکہ ایسی اجرت کا عدم جواز منصوص ہے تو اس کے جواز سے نص کا ابطال لازم آئے گا اھ مختصرا (ت)

قدوری وغیرہ متون باب الرباء میں ہے:

مالم ینص علیه فهو محمول علی عادات الناس [2] اھ **قلت** فدل بمفهومه ان مانص علیه لم یحمل علیها۔	جس میں نص موجود نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوگا اھ **میں کہتا ہوں** تو اس کے مفہوم کی دلالت یہ ہے کہ جس میں نص وار ہو وہ عادات پر محمول نہ ہوگا۔ (ت)

ہدایہ کتاب الاجارہ میں ہے:

هو المعتبر فیما لم ینص علیه [3]۔	وہ عرف معتبر ہے جہاں نص نہ ہو۔ (ت)

کفایۃ شرح ہدایہ باب الرباء میں ہے:

تقریر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایاہم علی ما تعارفوا فی ذٰلك بمنزلة النص منه فلا یتغیر بالعرف لانه لا یعارض النص [4]۔	لوگوں کے تعارف پر جہاں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر ہو تو وہ تقریر نص کی طرح ہے تو وہ عرف سے تبدیل نہ ہوگی کیونکہ عرف نص کا مقابلہ نہیں بن سکتا۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] المختصر للقدوری باب الربٰو مطبع مجیدی کانپور ص ۹۴

[3] الهدایة کتاب الاجارات باب الاجر متی یستحق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۳

[4] الکفایة مع فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۵۷۔۵۸

غایۃ البیان کتاب الاجارہ میں فتاوٰی صغرٰی کتاب المزارعۃ سے ہے:

فرع الحاکم عبدالرحمن فی الجامع الصغیر بین هذا عـــہ وبین قفیز الطحان بان قفیز الطحان منصوص علیه فلا یمکن تغیرہ بالتعامل اما هذا فلیس منصوصا علیه فیعتبر فیه التعامل[1]۔	حاکم عبدالرحمٰن نے جامع الصغیر میں زمین کی نصف بٹائی اور آٹا پسائی کے عوض آٹے کے قفیز میں فرق بیان کیا ہے اور کہ پسائی میں آٹا دینے کی ممانعت پر نص ہے اس لئے اس میں تبدیلی تعامل کی وجہ سے ممکن نہیں لیکن حصہ بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت پر نص نہیں ہے اس لئے اس میں تعامل معتبر ہے۔(ت)

نشر العرف میں امام ابن الہمام سے ہے:

لا اعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یکون علی باطل بخلاف النص[2]۔	نص کے مخالف عرف کا اعتبار نہیں کیونکہ عرف باطل چیز پر بھی ہو سکتا ہے بخلاف نص کے (ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

هذا بخلاف مالو تعامل اهل بلدة قفیز الطحان فانه لایجوز ولاتکون معاملتهم معتبرة لانالو اعتبرنا معاملتهم کان ترکا للنص اصلا وبالتعامل لایجوز ترك النص اصلا[3] الخ۔	یہ برخلاف ہے اس عرف کے جس میں علاقہ کے لوگ پسائی میں آٹے کو اجرت بنائیں کیونکہ یہ ناجائز ہے اور ان کا یہ معاملہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہم ان کا یہ تعامل معتبر مان لیں تو نص کا ترک لازم آئے گا جبکہ تعامل کے ساتھ نص کا ترک ہرگز جائز نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب الوصایا میں ہے:

العرف اذا خالف النص یرد بالاتفاق[4]۔	جب عرف نص کے مخالف ہو تو مردود ہوگا بالاتفاق (ت)

عـــہ: ای المزارعۃ بالنصف والربع ۱۲ الفقیر المجیب۔

---

[1] غایۃ البیان

[2] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۵

[3] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۶

[4] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۲

بالجملہ بحمد اللہ تعالٰی بدلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرف عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہو سکتا ہے وہ یہی عرف حادث شائع ہے کہ بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرف قدیم زمانہ رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عرف اعم سواد اعظم کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکان یا وجوبا مقدم علی النص ہیں نہ زمان مشائخ میں ثانیین کی طرف مقابل، نہ واقع ونفس الامر ان کا گواہ نہ راہ فروع ان پر ملتئم نہ کلام ان پر حاکم، ہاں عرف خاص کہ صرف وہ ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص وترک قیاس نہیں اور عرف نادر کہ معدودین کا عمل ہو، بالاجماع اس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورت حکم بتانے کے لئے جس میں حکم شرعی یا مقیس کی اصلا مخالفت یا تغییر نہ ہو نہ کلیۃ نہ تخصیصا ہو عفر مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عرف فرد ہو۔ اعیان ونذور واوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر ادارہ اسی باب اخیر سے ہے ولہذا فتاوٰی علامہ قاسم میں فرمایا:

التحقیق ان الفظ الواقف والموصی والحالف والناذر وکل عاقدین یحمل علی عادتہ فی خطابہ ولغتہ التی یتکلم بھا وافقت لغۃ العرب ولغۃ الشارع[1] اولا۔	تحقیق یہ ہے کہ وقف کرنے والے، وصیت کرنے والے، قسم اٹھانے والے اور نذر والے اور ہر ایسے عقد کو اس کے تخاطب اور لغت جس میں وہ بات کرتا ہے اسی عادت پر محمول کیا جائے گا وہ لغت عرب کے موافق یا شرع کی لغت کے موافق ہو یا نہ ہو۔ (ت)

یہ ہے بحمد اللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ وتحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علماء کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہٖ تعالٰی کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھئے۔

وقد کنت اری فی الباب مباحث الاشباہ وکلمات رد المحتار من مواضع عدیدۃ فلا اجد فیھا مایفید الضبط ویزول بہ الاضطراب والخبط وکان العلامۃ الشامی کثیرا مایحیل المسئلۃ علی رسالتہ نشر العرف فکنت تواقا الیھا مثل جمیل الی بثینہ	میں اس مسئلہ میں الاشباہ کے مباحث اور ردالمحتار کے متعدد مقامات کو دیکھتا تو ان میں کوئی ضبط والی اور اضطراب وپراگندگی کو دور کرنے والی چیز نہ پائی، اور علامہ شامی مسئلہ کو اپنے رسالہ "نشر العرف" کے حوالے کر دیتے ہیں تو میں اس رسالہ کا اس طرح مشتاق ہوا جیسے اونٹنی اپنے

[1] نشر العرف بحوالہ فتاوی العلامۃ قاسم رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۳۳

فلما رأیتها وجدتها ایضالم یتحرر لها مایکفی و یشفی ولم یتخلص فیها ماترتبط به الفروع وتأخذ کلمات الائمة بعضها حجز بعض ولکن ببرکة مطالعتها فی تلك الجلسة فتح۔ (رسالہ نامکمل ملا)	بچے کی، تو جب میں نے وہ رسالہ دیکھا تو اس میں بھی کفایت دینے والی کوئی شافی چیز اور صاف نہ ملی اور فروعات میں ربط اور ائمہ کے کلام میں تطبیق والی کوئی چیز نہ ملی جبکہ ائمہ کے کلمات ایک دوسرے کے موافق نہ تھے، لیکن اس مجلس میں اس کے مطالعہ کے برکت سے کھلا۔(ت)

کتاب الاکراہ

(اکراہ کا بیان)

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۱: از بریلی ساہوکارہ مرسلہ شیام سندر لال چیئرمین ۲ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر تصدیق کرادیا نقل شامل سوال ہے مگر زر ثمن کالین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے۔ مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ ودستاویز مذکورہ کا زید نے کچہری میں کیا، دعوی اور جواب دعوی بھی شامل سوال ہے تو:

(۱) کیا حسب بیان مدعی مندرجہ دعوی بصورت بیع مکرہ کی ہے، اگر ہے تو کیا حکم ہے؟

(۲) مکرہ ہونے کے واسطے بالفعل رجسٹری کے وقت داب ناجائز کا موجود ہونا ضرور ہے یا پیشتر سے تخویف اور آئندہ کے لئے ضرر شدید کا اندیشہ صحیح کافی ہے؟

(۳) ایسی صورت میں جبکہ رجسٹری میں زر ثمن نہیں دیا گیا تو مشتری کے ذمہ حوالگی زر ثمن کا بار ثبوت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عرضی دعوی میں مدعا علیہ کا مدعی کو مدت طویل تک اپنے مکان میں محبوس رکھنا اور کسی سے نہ ملنے دینا اور ناجائز داب کا ذکر ہے داب کا بیان نہیں اور زبانی بیان سائلان یہ ہوا کہ قتل کی تخویف کی اور مدعی اسے باور کرتا تھا، یہ بیانات اگر واقعی ہیں تو وہ بلاشبہ بیع مکرہ اور فاسد ہے۔ اور

بائع کو اس کے فسخ کا اختیار ہے۔ تخویف قتل تو اعلیٰ درجہ کا اکراہ ہے بیع میں مجرد حبس مدید بھی ثبوت اکراہ کو بس ہے۔ درمختار میں ہے:

لو اکرہ بحبس او قید مدیدین حتی باع او اشتری او اقر او اٰجر فسخ او امضی لان اکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضاً شرط صحۃ ہذہ العقود والاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء[1]۔ باختصار۔	اگر کوئی لمبی قید اور یرغمالی کے ذریعہ بیع یا شراء یا اقرار یا اجارہ پر مجبور کرے اور اس نے کردی تو بعد میں اسے اختیار ہے کہ فسخ کردے یا اس پر قائم رہے کیونکہ جان کے خطرے اور اس سے کم ہر طرح جبر رضا کو ختم کرتا ہے جبکہ ان عقود اور اقرار میں رضا شرط صحت ہے اس لئے اس کو فسخ کا اختیار ہے۔ باختصار۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی مجمع الفتاوٰی منع امراتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویہا الاان تہبہ مہرہا فو ہبتہ بعض المہر فالہبۃ باطلۃ لانہا کالمکرھۃ ویوخذ منہ جواب حادثۃ الفتوی زوج بنتہ فلما ارادت الزفاف منعہا الاب الا ان یشہد علیہا انہا استوفت منہ میراث امہا فاقرت لایصح اقرارھا لکونہا فی معنی المکرھۃ وبہ افتی ابوالسعود مفتی الروم قالہ المصنف فی شرح منظومتہ تحفۃ الاقران[2]۔	مجمع الفتاوٰی میں ہے کسی نے اپنی بیوی مریضہ کو اپنے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا تو مجھے مہر ہبہ کرے تو جانے دوں گا تو بیوی نے مہر ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ مجبور کی طرح ہے اور اس سے ایک درپیش مسئلہ کا جواب معلوم ہوگیا کہ بیٹی کا نکاح کردیا جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی تو باپ نے روک لیا اور کہا تو یہ گواہی بنادے کہ میں نے والد سے اپنی والدہ کی وراثت کا حصہ وصول کرلیا ہے۔ بیٹی نے مجبورًا اپنے اقرار پر گواہ بنادئے تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور کی طرح تھی، اور مفتی روم ابوسعود نے یہی فتوی دیا مصنف نے شرح منظومہ تحفۃ الاقران میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ردالمحتار میں ہے:

وبہ افتی الرملی وغیرہ ونظمہ فی فتاواہ بقولہ: ومانع زوجتہ عن اھلھا تھب المھر یکون مکرھا کذالك منع والد لبنتہ خروجھا لبعلھا من بیتہ ثم قال وانت تعلم ان البیع والشراء والاجارۃ کالاقرار والھبۃ وان کل من یقدر علی المنع من الاولیاء کالاب للعلۃ الشاملۃ فلیس قیدا [1]۔	خیر الدین رملی وغیرہ نے یہی فتوٰی دیا ہے اور انھوں نے اپنے فتوٰی میں اس کو نظم کے طور پر یوں ذکر کیا ہے: (ترجمہ) "بیوی کو اپنے والدین سے روکا کہ مہر ہبہ کرے تو یہ مکرہ ہوگا یونہی والد نے بیٹی کو اپنے خاوند کے پاس جانے سے روکا" پھر فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بیع وشراء اور اجارہ۔اقرار اور ہبہ کی طرح ہیں اور بیشک باپ جیسا کوئی ولی جو کسی عام وجہ سے روکنے پر قادر ہو وہ قید نہیں ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

قال علماء نا منع الزوج زوجتہ من اہلھا حتی تھب لہ المھر تکون مکرھۃ والھبۃ باطلۃ قال فی مجمع الفتاوی و فی ملتقط السید الامام عن الفقیہ ابی جعفر من منع امرأتہ عن المسیر الی ابویھا الا ان تھب مھرھا فوھبت فالھبۃ باطلۃ ومثل ذٰلك فی الخلاصۃ والبزازیۃ وکذٰلك ذکر فی التاتارخانیۃ نقلا عن الینا بیع [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے منع کرنا تاکہ مہر ہبہ کرنے پر آمادہ ہو تو یہ مجبوری ہوگی اور بیوی نے ہبہ کردیا تو باطل ہوگا،اور مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ سید امام کی ملتقط میں فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ جس نے مہر ہبہ کئے بغیر بیوی کو اس کے والدین سے روک رکھا ہو اور اس نے ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہوگا،اور اسی طرح خلاصہ اور بزازیہ میں ہے اور یونہی تاتارخانیہ میں ینابیع سے نقل کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

[2] فتاوی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۴

(۲) اکراہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس وقت مکرہ وہ فعل کرے گلے پر چھری یا قید وضرب فی الحال موجود ہو بلکہ اکراہ کنندہ کی طرف سے وعید وتہدید سابق اور اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ لاحق اور مکرہ کا مکرہ کے قابو میں ہونا تحقق اکراہ کے لئے بس ہے۔

خیریہ میں ہے:

الاکراہ یعدم الاختیار فلاصحۃ للاقرار مع الاکراہ والاکراہ فیہ یکون باشیاء منہااذا قال المتغلب لرجل اما ان تقرلی بکذاوالا اقول للظالم الفلانی لقی مالا و وجد کنزا اونحوذٰلك فاذا کان الرجل لہ جرأۃ و ھددہ بمن یسمع کلام الغماز وقال ان لم تقرلی بکذا اسعی بك الی من یاخذك بمجرد کلامی وغلب من ظن المھدد ذٰلك فاقر کاذبا لایلزمہ مااقر بہ کماھو صریح کلام ائمتنا [1]۔	جبر، اختیار کو معدوم بنادیتا ہے لہٰذا جبر کے ساتھ حاصل کردہ اقرار کی صحت نہ ہوگی اور جبر واکراہ کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی غالب آدمی دوسرے شخص کو کہے کہ تو میرے حق میں فلاں اقرار کر ورنہ میں فلاں ظالم کو کہوں گا کہ اس کو مال ملا یا خزانہ ملا یا ایسی ہی کوئی بات اگر یہ شخص جری ہے اور ایسے ظالم کی دھمکی دے جو اس کی بات مانتا ہو اور کہا کہ اگر تو میرے حق میں فلاں اقرار نہ کرے گا تو میں تجھے فلاں کے پاس لے جاؤں گا جو صرف میرے کہہ دینے پر تجھے پکڑے گا اور دھمکی سننے والے کو ظن غالب ہے کہ یہ ایسا کردے گا تو اس نے جھوٹا اقرار کردیا تو اس اقرار سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی جیسا کہ ہمارے ائمہ کا صریح کلام ہے۔(ت)

ہاں اگر اس نے تہدید کی اور اب یہ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس اندیشہ سے کہ پھر اسے قابو ملے تو ایذا پہنچائے گا، کوئی کام کیا تو یہ اکراہ سے نہیں کہ اکراہ سابق زائل ہوچکا اور لاحق معدوم وموہوم ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الھندیۃ عن المبسوط ارسلہ لیفعل فخاف ان یقتلہ ان ظفر بہ ان لم یفعل لم یحل [2]۔	ہندیہ میں مبسوط سے منقول ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کام کرنے کے لئے بھیجا تو اس کو خطرہ ہے کہ اگر میں نے اس کا یہ ناجائز کام نہ کیا تو مجھے قتل کردے گا تو اس اندیشہ پر اس کو ناجائز کام کرنا حلال نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

لزوال القدرة بالبعد لکن یخاف عوده وبه لایتحقق الاکراہ، بزازیة [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دونوں میں بعید فیصلہ کی وجہ سے قتل کی قدرت نہیں ہے۔ لیکن واپسی پر خوف ہو تو اس سے اکراہ متحقق نہیں ہوتا۔ بزازیہ۔ (ت)

(۳) ہاں صورت مذکورہ میں تسلیم وقبضہ ثمن کا بار ثبوت ذمہ مشتری ہے کہ حاکم حکم نہیں کرسکتا مگر حجت شرعیہ اقرار ہے یا بینہ یا نکول، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر اشباہ میں ہے:

القاضی لایقضی الا بالحجة وھی البینة اوالاقرار و النکول [2]۔	قاضی صرف حجت قائم ہونے پر فیصلہ دیتا ہے اور حجت گواہی اقرار اور قسم سے انکار کا نام ہے۔ (ت)

اور مکرہ کا اقرار باطل ہے۔ ابھی خیریہ سے گزرا: لاصحة للاقرار مع الاکراہ [3] (اکراہ سے اقرار کی صحت نہیں ہوتی۔ ت) اشباہ میں ہے: اقرار المکرہ باطل [4] (مجبور شدہ شخص کا اقرار باطل ہے۔ ت) یونہی معتوہ غیر ماذون کا اقرار۔ عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان معتوھا فاقرارہ غیر صحیح [5]۔	پاگل کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور جبکہ اقرار با معتوہ ہونا شہادت عادلہ سے ثابت ہو تو دستاویز میں معمولی عبارت (بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع و رغبت بلاجبر واکراہ) لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں۔ خیریہ میں ہے:

سئل فی ذی ولایة علی قریة قادر علی ایقاع ضرب و حبس ملجئین باھلھا طلب من رجل منھا بیع عقار لہ بھا فباع خائفا منه ایقاع ذٰلك به واقر	ان سے گاؤں کے والی کے متعلق سوال ہوا کہ اس نے قریہ میں زمین والے شخص کو ضرب لگانے اور قید کرنے کی دھمکی دے کر کہا کہ اپنی یہ زمین میرے پاس فروخت کردے تو اس نے دھمکی پر عمل کے خوف سے زمین فروخت کردی کیونکہ دھمکی پر عملی قدرت رکھتا ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۴۳

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

[5] العقود الدریة کتاب الحجر والماذون ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۵۹

انه قبض ثمنه کذٰلك مع ان قیمة المبیع اضعاف الثمن هل ینفذ ہذا البیع علی ہذا الوجه ام لا وان کتب صك لدی قاض علی صفة الطوع والاختیار و عدم المفسد یکون الاعتبار لما فی نفس الامر لا لما کتب اجاب حیث علم بدلالة الحال انه لو لم یبعه یوقع به ضربا شدیدا او حبسا مدیدا فالبیع غیر نافذ والاقرار غیر صحیح فللمکرہ فسخه والاعتبار لما فی نفس الامر لا لما کتب فی الصك[1]۔	اور اقرار کیا کہ میں نے زمین کی رقم اس سے وصول کرلی ہے___حالانکہ وصول کردہ رقم سے اصل قیمت کئی گنا زیادہ ہے۔تو کیا یہ بیع نافذ ہوگی یا نہیں،اور اگر قاضی کے ہاں اشٹام لکھ دے کہ میں نے خوشی اور اختیار سے فروخت کی اور بیع صحیح کی ہے تو اس تحریر کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ واقعی حال کا اعتبار ہوگا۔تو جواب دیا کہ جب معلوم ہے دلالت حال سے کہ اگر وہ فروخت نہ کرتا تو اس کو ضرب شدید اور قید مدید کرتا تو بیع نافذ ہوگی اور اقرار بھی صحیح نہ ہوگا تو مجبور زمیندار کو اختیار ہے کہ فسخ کردے اور اشٹام میں لکھے کا اعتبار نہیں بلکہ نفس الامر واقع کا اعتبار ہے۔(ت)

لاجرم بار ثبوت مشتری پر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

کتاب الحجر

(حجر کا بیان)

مسئلہ ۲۳۲: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ مولٰنا مولوی محب احمد صاحب ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ایک عورت عرصہ چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا ہے کہ کبھی کبھی اس کی عقل میں اختلال آجاتا ہے اور خیال پردہ وستر پوشی کا نہیں رہتا حتی کہ مکان کی چھت سے جو بازار میں واقع ہے سربازار کھڑی ہوجاتی ہے۔ایک مرتبہ چھت سے نیچے گر پڑی اور اکثری حالت یہ ہے کہ ہر قسم کا خیال ستر پوشی وحجاب رہتا ہے۔سب قرابت داران مادری وپدری وصہری کو بتخصیص قرابت جانتی پہچانتی ہے کام متعلق عورات جو خانہ داری کو چاہئیں کرتی ہے۔ایسی حالت میں اس کا اپنی جائداد کسی کو بطور ہبہ دے دینا یا معاف کرنا یا کسی بارہ میں اس کی شہادت مثل رضاعت وغیرہ مقبول وجائز ہے یا نہیں؟اور یہ عورت مجنونہ ومعتوہہ ہے یا کیا۔

بینوا توجروا

الجواب:

ایام دورہ میں زن مذکورہ کا آفت معترضہ علی العقل میں مبتلا ہونا واضح وبدیہی ہے قلّت فہم وفساد تدبیر توظاہر،اور اختلاط کلام اختلاط عقل کو لازم،تو اسی قدر سے معتوہہ ہونا تو صراحۃً ثابت،اور اس کے ساتھ لوگوں کو مارنا گالیاں دینا بھی ہو تو مجنونہ ہے۔بہر حال تبرعات مثل ہبہ مال وبخشش مہر وغیرہ کی اہلیت ہرگز نہیں،اگر ایسے تصرفات کرے گی محض باطل ہوں گے، اور رضاعت وغیرہ

کسی امر میں اس کی شہادت اصلا قابل قبول نہیں پر اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معلوم و معروف نہیں تو یہ احکام حجر تصرفات و ابطال تبرعات والغائے شہادت دائمی ہیں کہ جب افاقہ معہود نہیں تو کسی وقت اطمینان نہیں ہوسکتا، ہر وقت محتمل کہ حالت اختلال میں ہو صرف عاقلانہ باتیں کرنی موجب اطمینان نہیں کہ معتوہ بلکہ مجنون بسا اوقات ٹھیک ٹھک عقل کی باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ ناواقف سنے تو ہرگز احتمال اختلال نہ کرے۔ہاں اگر وقت افاقہ معلوم ہے تو اس وقت اس کا حکم مثل حکم عقلاء ہے۔اس کے تبرعات بھی نافذ ہوں گے اور شہادت بھی مسموع ہے، درمختار میں ہے:

المعتوہ من العتہ وہو اختلال فی العقل [1]۔	المعتوہ، عتہ سے ماخوذ ہے۔اور عقل میں خلل واقع ہوجانے کا نام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ہذا ذکرہ فی البحر تعریفا للجنون وقال ویدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینہما ان المعتوہ ہو القلیل الفہم المختلط الکلام الفاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم بخلاف المجنون اھ وصرح الاصولیون بان حکمہ کالصبی [2]۔	بحر میں یہ تعریف جنون کی لکھی ہے اور کہا کہ معتوہ بھی اس تعریف میں داخل ہے۔اور دونوں میں فرق کے لئے یوں کہنا بہتر ہے کہ معتوہ وہ ہے جو قلیل فہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا جو لوگوں کو ضرب وشتم نہ کرے اور مجنون وہ ہے جو ضرب وشتم کرے اھ اور اصول والوں نے تصریح کی ہے کہ اس کا حکم بچوں والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تصرف المعتوہ ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتہاب صح بلا اذن، وان کان ضارا کالطلاق والعتاق والصدقۃ والقرض (والھبۃ ش)	معتوہ کا تصرف اگر فائدہ مند ہو جیسے اسلام اور ہبہ قبول کرنا تو یہ نافذ العمل ہوگا ولی کی اجازت ضروری نہ ہوگی اور اگر وہ عمل مضر ہو تو ولی کی اجازت کے باوجود نافذ نہ ہوگا جیسے طلاق، عتاق، صدقہ اور قرض، اس پر شامی نے ہبہ

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۶

لاو ان اذن به وليهما، وماتردد من العقود بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الاذن[1].	دینے کا اضافہ کیا، اور اس کا ایسا عمل جو نفع اور نقصان والے دونوں پہلو رکھتا ہو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہونگے جیسے بیع وشراء۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لاتقبل شهادة الصبيان والمجانين والمعتوه بمنزلة المجنون[2]۔	بچوں اور مجنون کی شہادت مقبول نہیں اور معتوہ بچوں کا حکم رکھتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

(كذا شهادة الصبيان بعضهم على بعض فيما يقع في الملاعب، وشهادة النساء فيما يقع في الحمامات لا تقبل، وان مست الحاجة اليها كذا في الذخيرة[3]۔	یونہی بچوں کی کھیل کے متعلق اور عورتوں کے حمام کے متعلق شہادت مقبول نہیں اگرچہ یہاں ضرورت بھی ہے۔ ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

قال الشلبي في حاشية الزيلعي الحق التفصيل فان كان لافاقته معلوم فعقد في ذٰلك الوقت فالحكم فيه كالعاقل، وان لم يكن لافاقته وقت معلوم فعقد في حال الافاقة فالحكم فيه كالصبي اھ والفرق بين الافاقة المعلومة وغيرها انه في المعلوم تحقق صحوه بحسب	زیلعی کے حاشیہ میں شلبی نے کہا حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر معتوہ کے افاقہ کا وقت معلوم ہے اور اس وقت اس سے عقد صادر ہوا تو اس وقت میں عاقل والا حکم ہوگا، اور اگر اس کے افاقہ کا وقت معلوم نہ ہو تو افاقہ کی حالت میں کیا ہوا عقد بچوں والا حکم رکھتا ہے اھ اور افاقہ معلوم ہونے نہ ہونے کا فرق یہ ہے کہ معلوم کی صورت میں اس کی صحت حسب معمول ہوتی

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳، ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۵

عادتہ اماغیر فیحتمل انه حال جنونه تکلم بکلام العقلاء [1] اھ مختصرا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم و علمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ہے اور غیر معلوم ہے ہوسکتا ہے کہ وہ جنون کی حالت میں عقلمندوں جیسی گفتگو کررہا ہو،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۲۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج کہ مرض دماغی ہے۔اسے اختلال عقل وعدم ثبات حواس لازم ہے یا نہیں؟اور اگر کسی عالم کو چند سال مرض رہے طول مرض کے سبب گھبرائے تو دل بہلانے کو شطرنج یا اسی قسم کے کھیل میں کبھی مشغول ہو تو آیا اس سے لازم آتا ہے کہ وہ عالم مجنون یا مسلوب الحواس قرار دیا جائے اور اس کے تصرفات بیع وہبہ وغیرہ باطل کردے جائیں۔بینوا توجروا

الجواب:

فالج اگرچہ مرض دماغی ہے مگر اس سے اختلال عقل وعدم ثبات حواس ہر گز لازم نہیں آتا،آخر عامہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ جب یہ مرض سال بھر سے متجاوز ومزمن ہوجائے تو مریض شرعًا صحیح گنا جائے گا،اور اس کے سب تصرفات نافذ قرار پائیں گے،اگر اس مرض کو بدحواسی لازم ہوتی تو یہ حکم فقہاء کا کیونکر صحیح ہوتا،نہ شطرنج،گنجفہ،چوسر،یا اور اسی قسم کے ہزاروں کھیلوں سے مسلوب الحواسی ثابت ہو،بلکہ خیال کیجئے تو یہ سب کام عقل وحواس چاہتے ہیں،اور یہ بات جدا رہی کہ ایسے افعال عالم کے شان سے بعید ہوں،اول عالم کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں،ثانیا بالفرض شطرنج مطلقًا گناہ ہو تو کسی گناہ سے شرع شریف بطلان تصرفات کا حکم نہیں دیتی اور امام عامر شعبی کہ اکابر ائمہ محدثین سے ہیں شطرنج کھیلا کرتے اب کیا اس بنا پر **معاذاللہ** کوئی انھیں مسلوب الحواس کہہ سکتا ہے،اور بعض جاہل جو کہنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے عالم ہیں جو ایسے افعال کرتے ہیں یا ان کی عقل کدھر گئی کہ عالم ہو کر ایسی باتوں میں مشغول ہیں قطعاً نظر اس سے کہ جہلاء کو کسی کے افعال سے تعرض اور ان پر طعن و تشنیع روا نہیں،حدیث میں ہے:

"عالم بے عمل مثل شمع کے ہے کہ خود جلتا ہے اور تمھیں روشنی پہنچاتا ہے۔" [2]۔یہ محاورہ ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

"اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ	کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحجر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۲۰۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۷۳

وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ"[1]	بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو کیا سمجھتے نہیں۔(ت)

یا اس سے بڑھ کر ارشاد ہوا:

"اَوَ لَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ۝۱۷۰"[2]	کیا اگر ان کے آباء واجداد کسی چیز کی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی راہ یافتہ ہوں۔(ت)

اب کیا قرآن عظیم نے ان لوگوں کو بے عقل کہہ کر ان کی بیع وشراء واجارہ وغیرہا تصرف کو باطل ٹھہرایا ہے۔حاشا وکلا کوئی عاقل ایسا گمان نہیں کرسکتا **ومن ادعٰی فعلیه البیان** (جو یہ دعوی کرے تو اس پر بیان لازم ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اختلال عقل کا شرعا موجب منع نفاذ تصرف کا ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور کیا کیا باتیں اس کے واسطے درکار ہیں،اور اگر کوئی چار سال سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا ہے،ابتداء میں مرض شائد کہ دست وپا وزبان سب پر آفت ہو،پھر تھوڑے عرصہ بعد ہاتھ پاؤں بخوبی تمام کھل جائیں،اور زبان بھی اتنی صاف ہو جائے کہ ادائے مطلب میں عاجز نہ ہو اگرچہ تکلم میں قدرے تکلف رہے۔یہاں تک کہ ایسی حالت میں حج کرے،اور وہاں طواف وسعی صفاومروہ ووقوف وعمرہ وزیارت مدینہ طیبہ وحاضری مشاہدہ متبرکہ میں اپنے پاؤں سے مثل اصحا نہایت سرگرم رہے۔اورا س کے اور افعال بھی مثل عقلاء کے ہوں،دیہات کی تحصیل وتشخیص کرے،بات سنے سمجھے جواب دینے میں فرق نہ ہو۔اور بالفرض اس زمانہ ممتد میں دو تین باتیں اس سے ایسی بھی صادر ہو جائیں جو غفلت وبیخودی پر دلالت کریں،تو آیا انھیں باتوں پر مدار کار رکھ کر اسے مجنون یا معتوہ ٹھہرادیں گے،یا شاذونادر کا اعتبار کریں گے،جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ بار بار بتکرار اکثر افعال وحرکات اس سے اس قسم کے ہوتے اور ہوش کی باتیں کم کرتا۔**بینوا توجروا**

الجواب:

مسلوب الحواسی کی اعلٰی قسم تو جنون ہے **والعیاذ باللہ منه**،اور ادنٰی قسم عتہ،جس کے صاحب کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰

معتوہ کہتے ہیں۔اس میں بھی اسی قدر ضرورت ہے کہ تدبیریں اس کی ٹھیک نہ رہیں، سمجھ اس کی درست نہ ہو، باتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔ابھی بیٹھا ہے خوب ہوش وحواس کی باتیں کررہا ہے،ابھی خرافات وہذیانات بکنے لگا،سودائیوں کی طرح مہمل وبے معنی بہکنے لگا یہاں تک کہ شریعت مطہرہ اس کے اوپر سے اپنی تکلیفیں اٹھالیتی ہے اور نماز وروزہ تک اس کے اوپر فرض نہیں رہتا۔

فی الفتاوی الخیریۃ العتہ قلۃ الفہم واختلاط الکلام وفساد التدبیر وذٰلك بسبب اختلاط العقل فیشبہ مرۃ کلامہ کلام العقلاء ومرۃ کلام المجانین۔[1] وفی رد المحتار حکم المعتوہ کالصبی العاقل فی تصرفاتہ،وفی رفع التکلیف عنہ زیلعی[2]۔	فتاوی خیریہ میں ہے،عتہ__ قلّت فہم،کلام کا اختلاط اور فساد تدبیر ہے۔اور یہ عقل میں خلل کی وجہ سے ہوتا ہے تو کبھی اس کا کلام عقلاء کے کلام اور کبھی مجانین کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے۔اور ردالمحتار میں ہے کہ معتوہ کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے تصرفات اور غیر مکلّف ہونے میں نابالغ عاقل جیسا ہوتا ہے۔زیلعی۔(ت)

اب چاہے زوال عقل اپنی اعلی درجہ کی حد کو پہنچ جائے،یعنی مثلاً اتنی بات کی بھی خبر نہ رہے کہ چیز بیچتے ہیں تو اپنی ملک سے نکل جاتی ہے خریدتے ہیں تو اپنے پاس آجاتی ہے،خرید وفروخت میں نفع کاارادہ چاہیے۔خواہ اس حد کو نہ پہنچا ہو،اور ان باتوں کی ہنوز گونہ تمیز باقی ہو،مگر وہ امور جو ہم نے اوپر ذکر کئے اس میں پائے جانے ضرور ہوں کہ وہ تو معتوہ کی نفس تفسیر میں واقع ہیں،پھر جب تک اس کیفیت کا ثبوت نہ ہو،ہرگز مسلوب الحواسی شرعاً ثابت نہیں ہوسکتی نہ یہاں شاذونادر کا اعتبار کریں،بلکہ اکثر افعال وحرکات فساد عقل واختلال ہوش کے ہونے چاہئیں۔

وفی ردالمحتار ویؤید ماقلنا قول بعضہم العاقل من یستقیم کلامہ وافعالہ الانادرا[3]۔	ردالمحتار میں ہے ہماری بات کی بعض کے اس قول سے تائید ہوتی ہے کہ عاقل وہ ہے جس کی کلام اور افعال درست ہوتے ہیں ماسوائے نادر موقع کے۔(ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۰

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

دیکھو تصریح کرتے ہیں کہ اگر نادراً بعض کلمات وحرکات قانون عقل سے خارج بھی صادر ہوں، تو عاقل ہی کہا جائے گا۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:

فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدہوش ونحوہ اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته[1] الخ۔	قابل اعتماد بات یہ ہے کہ مدہوش اور اس جیسوں کا حکم اس کے اقوال وافعال میں خلل کا غلبہ اور عادت سے خارج ہونے پر لگے گا۔ الخ۔ (ت)

ہر عاقل جانتا ہے کہ بعض اوقات کسی خیال کے استغراق یا تکلیف کی شدت یا فرحت کی کثرت یا اور کسی صورت سے وہ بات بیخودی کی اس سے صادر ہو جاتی ہے کہ جب خیال کرتا ہے تو خود ہی اسے تعجب ہوتا ہے، پھر کیا اسے یہ لازم آسکتا ہے کہ اسے مسلوب الحواس ٹھہرادیں، اور اس کے تصرفات کا نفاذ نہ مانیں، اور یہاں طول عہد مرض ایک قرینہ قویہ بھی ہے کہ اس کی پریشانی میں اگر نادراً کسی ایسے فعل کا وقوع ہو جائے تو کچھ جائے تعجب نہیں۔

فی ردالمحتار عن ہشام ابن کلبی قال حفظت مالم یحفظ احد ونسیت مالم ینسه احد حفظت القراٰن فی ثلثة ایام واردت ان اقطع من لحیتی مازاد علی القبضة فنسیت فقطعت من اعلاها[2]۔	ردالمحتار میں ہشام بن کلبی سے منقول ہے اس نے کہا میں نے حفظ کیا جو کسی نے نہ کیا اور میں بھولا اس طرح کوئی نہ بھولا میں نے قرآن پاک تین دن میں حفظ کرلیا اور میں قبضہ سے زائد اپنی داڑھی سے کاٹنا چاہتا تھا تو بھول کر میں نے قبضہ کے اوپر سے کاٹ دی۔ (ت)

دیکھو ایسا صحیح الضبط قوی الدماغ آدمی جس نے روزانہ دس دس پارہ قرآن مجید کے یاد کرکے تین روز میں کلام اللہ شریف پورا حفظ کرلیا، اس سے ایسی خطاء عظیم واقع ہوئی کہ جس پر وہ خود کہتے ہیں مجھ سے وہ بھول ہوئی جو کسی سے نہ ہوئی، اب کیا اس نادر بات پر ان کی قوت بالکل زائل اور مسلوب الحواسی حاصل پائی جائے گی، بالجملہ جب تک غالب افعال واقوال ایسے ہی نہ ثابت کئے جائیں۔ ہرگز بکار آمد نہیں کہ فقہائے کرام عدم اعتبار نادر کی تصریح فرماچکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے، دونوں کا مہر

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

اسی پر واجب ہے اور اپنی کل جائداد کو بطور ہبہ یا دین مہر ایک زوجہ کے نام یا کسی غیر کو ہبہ دینا چاہتا ہے تاکہ دوسری زوجہ محروم رہ جائے، اس صورت میں یہ زوجہ قاضی و مفتی کے یہاں استغاثہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور زوج کو ان امور سے روک سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگرچہ ایک زوجہ کی محرومی چاہنا خلاف عدل اور دیانۃً بُرا ہے۔ مگر جبکہ جائداد اس عورت کے مہر میں مرہون نہیں، تو یہ اسے کسی طرح کے تصرفات وانتقال سے نہیں روک سکتی چاہے وہ دوسری زوجہ کے مہر میں دے دے، خواہ اسے کسی راہ چلتے کو ہبہ کردے، یا جو چاہے کرے۔

فان امامنا الاعظم رضی اللّٰه تعالٰی عنه لایقول بالحجر بالدین اصلا، وصاحباه وان قالا به فبعد قضاء القاضی بالحجر فحیث لاقضاء لاحجر اجماعا۔ قال فی الهندیة من باب الحجر للفساد لاخلاف عندهما ان الحجر بسبب الدین لایثبت الابقضاء القاضی[1] اھ وقال فی الحجر بسبب الدین عند ابی حنیفة لایحجر علیه ولایعمل حجره حتی تصح منه هذه التصرفات کذا فی المحیط[2] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہمارے امام اعظم رضی اللّٰه تعالٰی عنہ قرض کی بناء پر کسی کو مجبور ہرگز نہ کرتے، اور آپ کے صاحبین رحمہما اللّٰه تعالٰی اگرچہ تصرفات سے منع (حجر) کا قول کرتے ہیں لیکن قاضی کے اس فیصلہ کے بعد تو جہاں قاضی کا فیصلہ نہ ہو وہاں وہ حجر کا حکم نہیں کرتے، ہندیہ نے "باب الحجر للفساد" میں کہا کہ صاحبین رحمہما اللّٰه تعالٰی کے نزدیک بلاخلاف قضاء قاضی سے ہی قرض کی وجہ سے حجر نافذ ہوتا ہے اھ اور "الحجر بسبب الدین" کے باب میں فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللّٰه تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر حجر کا حکم نہ کیا جائے گا۔ اور نہ حجر مؤثر ہوگا حتی کہ اس کے یہ تصرفات صحیح قرار پائیں گے محیط میں یوں ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۶: ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ احمد حسن نے انتقال کیا، ایک لڑکا وزارت حسن نابالغ اور ایک زوجہ اور ایک دختر اور ایک برادر خالہ زاد اور ایک حقیقی ماموں زاد بھائی چھوڑا تو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

اس صورت میں شرعا لڑکے نابالغ اور نیز جائداد غیر منقولہ کا کون ولی مقرر ہوسکتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کوئی عصبہ نہیں تو صرف ولایت نکاح ماں کو ہے۔ نابالغ پر ولایت مال اور جائداد پر اختیار، ماں بہن خواہ ان رشتہ کے چچاؤں کسی کو نہیں۔ جب تک مورث نے ان میں کسی کو وصی نہ کیا ہو کہ باپ کے بعد ولایت مال اس کے وصی کو ہے۔ یعنی جسے اس نے وصیت کی ہو کہ تو میرے بعد میری جائداد یا اولاد کی غور پر داخت کرنا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو اس کے وصی کا وصی، وہ نہ ہو تو پر دادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، پھر وصی الوصی، وعلٰی ہذا القیاس، پھر ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام یا اس کا وصی، ان کے سوا کوئی ولی مال نہیں۔

فی الدر المختار ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم جدہ الصحیح وان علا، ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم القاضی او وصیہ ایھما تصرف صح دون الام او وصیھا، ہذا فی المال بخلاف النکاح [1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے۔ اس کا ولی ترتیب وار، باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی، پھر حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی پھر اسکے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی دونوں میں کوئی بھی تصرف کرے، صحیح ہوگا، ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہیں، یہ مال کے معاملہ میں ہے بخلاف نکاح کے اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: (نوٹ) اصل میں سوال نہیں ہے، لیکن جواب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فاتر العقل کے تصرفات نکاح وعقد بیع سے متعلق تھا جس کو بعد میں ایسے ولی نے جائز کردیا تھا، جو باپ اور دادا کے علاوہ تھا۔ (عبدالمنان)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مدار صحت ونفاذ تصرفات وترتیب احکام میں تو یہ عقل ہے، یہ جو محض بے عقل ہے اس کے تصرفات راسا باطل، کہ اجازت اولیاء کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، اور جو نفع وضرر میں قدرے تمیز حاصل، اور عقل سے کچھ بہرہ ہے، مثلا بیع وشراء کو سالب وجالب ملک اور غبن قلیل وکثیر میں تفرقہ اور مقصود تجارت حصول منفعت جانتا ہے یا مسلوب الحواسی

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

اس کی دائمی نہیں، نہ ہوش میں آنے کا وقت معین، گاہے عقل سے بیگانہ گاہے بالکل ہوشیار وفرزانہ، تو اس صورت میں امثال نکاح وبیع وشراء وغیرہا تصرف اس کے نفع وضرر دونوں کو محتمل، اس ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے، جسے ان تصرفات کا اس کے نفس ومال میں خود اختیار حاصل ہو، اگر ولی نہیں یا ولی کو ایسے تصرفات کی خود پروانگی نہیں، یا ہے مگر وہ جائز نہ رکھے، تو یہ باطل ہوجائیں گے۔

وفی حاشیۃ الدرالمختار للعلامۃ احمد الطحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، واما ذاہب العقل اصلا فان تصرفہ لاتلحقہ الاجازۃ[1] اھ وفی الدر (ومن عقد) عقدا یدور بین نفع وضرر کماسیجیئ فی الماذون (منھم) من ھؤلاء المحجورین (ویعقلہ) یعرف ان البیع سالب للملک والشراء جالب (اجاز ولیہ او رد) وان لم یعقلہ فباطل نھایۃ[2] اھ فی الطحطاویۃ قولہ یعرف ان البیع سالب الخ ویعرف الغبن الیسیر من الفاحش، ویقصد تحصیل الربح والزیادۃ اھ زیلعی، قولہ اجاز ولیہ جعل فی الدرایہ الولی شاملا للعصبات وخصہ ابن فرشتہ فی شرح المجمع بالقاضی ومن	علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی کے حاشیہ درمختار میں ہے لیکن وہ جس کی عقل بالکل زائل ہوگئ ہو تو اس کے کسی تصرف کو اجازت نہیں مل سکتی اھ اور درمختار میں ہے ان مجور لوگوں میں سے اگر کوئی ایسا تصرف جسمیں اس کے لئے نفع ونقصان کے دونوں پہلو ہوں جیسا کہ عنقریب ان میں سے ماذون حضرات کے لئے بیان ہوگا وہ عقد بیع میں یہ جانتا ہے کہ اس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور شراء میں ملکیت حاصل ہوتی ہے ایسے میں اس کے ولی کو اختیار ہے کہ عقد کو جائز کرے یا رد کردے، اور اگر وہ یہ نہیں سمجھتا تو عقد باطل ہوگا اھ۔ اور طحطاوی میں ہے کہ ماتن کا قول کہ بیع سے ملکیت کا زوال ہونا جانتا ہے الخ۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ تھوڑا غبن اور زیادہ کیا ہوتا ہے۔ اور نفع اور مال کو زائد بنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہو اھ زیلعی، ماتن کا قول کہ "ولی اجازت دے" درایہ میں ولی میں عصبات بھی شامل کئے ہیں اور ابن فرشتہ نے مجمع کی شرح میں صرف قاضی کو ولی قرار دیا

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

له ولایة التجارة فی مال الصغیر کالاب والجد والوصی، فلایجوز باذن الاخ والعم والام واجاب المقدسی یحمل ھذا التعمیم علی مال الولی فعله کالنکاح فتصح اجازته من الاخ والعم حموی[1] اھ۔	اور ساتھ ہی اس کو جو نابالغ کے مال میں تجارت کا ولی بنتا ہے جیسے باپ، دادا، اور وصی، تو بھائی، چچا اور ماں کی اجازت صحیح نہ ہوگی، اور مقدسی نے اس کے جواب میں ولایت کو عام کرکے ولی کے اختیاری فعل مثلاً نکاح کو شامل کیا تو بھائی اور چچا کی اجازت صحیح ہوگی۔ حموی اھ (ت)

ہاں اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معین ہو کہ اس وقت خاص بالکل ہوش میں آجانے کا عادی ہے، تو اس حالت افاقہ میں جو تصرف اس سے صادر ہوگا وہ اس میں مثل سائر عقلاء کے ہے **کما ذکرہ الزیلعی وفسرہ الشلبی نقله الطحطاوی** (جیسا کہ زیلعی نے اسے ذکر کیا اور شلبی نے تفصیل کے ساتھ اسے بیان کیا طحطاوی نے اسے نقل کیا۔ت) لیکن یہ صورت یہاں معدوم، کہ سائل کہتا ہے مسلوب الحواسی اس کی دائمی تھی جس سے کبھی افاقہ نہ ہوتا۔ اور اس کے اظہار سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ مہر جو زن مذکورہ کا باندھا گیا اس کے مہر مثل سے کہیں زائد ہے پس صورت مستفسرہ میں یہ نکاح وبیع بہر تقدیر راسا باطل محض ہیں جن کی صحت ونفاذ کی کوئی سبیل نہیں، خواہ زید بالکل ذاہب العقل ہو اور کسی طرح کی تمیز نہ رکھتا ہو، جیسا کہ تقریر سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے یا مجوروں کی دوسری قسم میں داخل ہو جن کے تصرفات کذائیہ اجازت اولیاء پر موقوف رہتے ہیں۔ تقدیر اول پر بطلان نہایت واضح کہ لایعقل محض کے تصرفات کو اجازت اولیاء بھی کام نہیں آتی، کماذکرنا، اور دوسری شق پر جب تقرر مہر میں غبن فاحش ہو، اور مہر مثل سے بہت زیادہ بندھا تو ایسا نکاح خود اب وجد کے سوا اور اولیاء کے ہاتھ کا کیا ہوا اصلاً صحیح نہیں ہوتا۔ پھر انھیں اجازت کا کیا اختیار ہوگا اور قاعدہ مقررہ فقہیہ ہے کہ:

کل تصرف صدر وماله مجیز حالة العقد لاینعقد اصلا۔	ایسا تصرف جس کے انعقاد کے وقت اس کو جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ عقد منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان کان المزوج غیر ھما ای	اگر نکاح کرکے دینے والا باپ اور دادا کا غیر

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

غیر الاب وابیہ ولو الام اوالقاضی لایصح النکاح من غیر کفوءٍ اوبغبن فاحش اصلا [1] اھ ملخصاً۔	خواہ ماں یا قاضی ہو تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا، یا بہت زیادہ گراں مہر پر ہو تو بھی اصلا جائز نہ ہوگا اھ ملخصا۔ (ت)

اسی طرح بیع کہ جب قیمت میں کمی فاحش ہوگی، اجازت ولی سے بھی اصلاح ناممکن، تو یہ وہی تصرف ہوا جس کا حال صدور کوئی مجیز نہیں، اور ایسا تصرف باطل ہوتا ہے۔

فی ردالمحتار علی الدرالمختار للعلامۃ السید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ **قولہ** اجازو لیہ ای ان لم یکن فیہ غبن فاحش فان کان لایصح وان اجازہ الولی بخلاف الیسیر جوہرۃ [2]۔ عـــہ	در مختار کے حاشیہ ردالمحتار علامہ ابن عابدین میں ہے، ماتن کا قول کہ "ولی جائز کردے" یعنی جب غبن فاحش مہر میں نہ ہو اور غبن فاحش ہو تو ولی کے جائز کرنے پر بھی جائز نہ ہوگا بخلاف غبن یسیر کے۔ جوہرہ (ت)

مسئلہ ۲۳۸: از گلشن آباد عرف جاورہ ملک مالوہ محلّہ نظر باغ متصل مکان عالمگیر خان مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی، اس کا ایک لڑکا نو سال کا اور ایک زوج، اور ایک پدر، اور دو برادر وارث رہے، عرصہ ہوا کہ مسماۃ ہندہ کا پدر فوت ہوگیا، اب ان وارثوں میں پسر کے رکھنے اور تعلیم کرانے کا اس وقت کون مستحق ہے۔ اور جو ترکہ ہندہ کا زیور وغیرہ رہا ہے اس میں تصرف کا واسطے تربیت پسر متوفیہ کے کون مستحق ہے، اور کس کے پاس رہے گا بیّنوا توجروا

مرشد دین، ہادی راہ متین جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیضکم، بعد تسلیم بصد تعظیم و

عـــہ: لیس فی ھذا لجواب علامۃ الاختتام وظنی انہ کامل۔ (عبدالمنان الاعظمی)	اس جواب کے اختتام پر علامت نہیں ہے تاہم میرے گمان میں یہ تام ہے۔ (ت) (عبدالمنان الاعظمی)

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۱

تکریم عرض پرداز خدمت سامی ہے۔استفتاء ارسال خدمت سامی ہے۔یہاں کے بعض علماء ایسافرماتے ہیں کہ زوج ہندہ کل ترکہ ہندہ کامالک نہیں ہوسکتا،نہ اس میں تصرف واسطے تعلیم وتربیت پسر کرسکتاہے۔صرف اپنے حصہ چہارم وحصہ پسر ہندہ میں اس کو حق تصرف کا ہے۔ترکہ ہندہ سے چہارم اس کے پدر متوفی کا ہے وچہارم ہندہ کے برادران کو ملنا چاہئے،اندریں باب جیسا حکم شرع ہو اس سے نیاز مند کو آگاہی بخشیں۔فقط۔

الجواب:

لڑکا جبکہ سات سال سے زیادہ علم کا ہے اپنے باپ کے پاس رہے گا،اور متروکہ ہندہ سے جو حصہ پسر کوملا یعنی بارہ۱۲ سہام سے سات سہم،اس میں تصرف شرعی کا اختیار بھی پسر کے باپ ہی کو ہوگا۔ماموؤں کو کوئی تعلق نہیں،جس طرح چھٹا حصہ کہ ترکہ ہندہ سے پدر ہندہ کو پہنچا وہ وارثان پدر ہندہ کا ہے۔اس سے شوہر کو کچھ علاقہ نہیں۔

فی الشامیۃ عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائہ عن الام،لان نفقتہ وصیانتہ علیہ بالاجماع اھ[1]،وفی الدر المختار ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ،ثم القاضی اووصیہ،دون الام او وصیہا،ھذا فی المال[2] اھ مختصرا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فتاوٰی شامی میں فتح سے ہے جب بچہ ماں کی پرورش سے مستغنی ہوجائے تو باپ کو بیٹا واپس لینے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ بچے کا خرچہ اور تربیت والد کے ذمہ بالاجماع ہے اھ،اور درمختار میں ہے بچے کا ولی اس کا باپ پھر اس کا وصی،پھر دادا پھر اس کا وصی،پھر قاضی یا اس کا وصی ہے۔ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہے۔یہ ترتیب مالی ولایت میں ہے اھ مختصرا۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۳۹: از لشکر گوالیار نیابازار مکان حکیم شریف حسین خان مرسلہ علی حسین خاں ۴رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

تسلیمات نیاز مندی معروض خدمت،عرض حال یہ ہے کہ یہاں کچہری صاحب جج یک مقدمہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۰

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

سرپرستی دائر ہے اس کی کیفیت خلاصہ تحریر کرتاہوں: میرے دادا حکیم ولایت علی خاں مرحوم نے تین شادیاں کریں، اول زوجہ سے دوپسر اورایک دختر تولد ہوئے، اول بی بی کی اولاد سے جو کہ دو پسر تھے ان میں سے ایک پسر کلاں لاولد فوت ہوا۔ دوسرا پسر خورد بعارضہ جسمانی ہاتھ پاؤں سے معذور ہنوز بحیات موجود ہے۔ دوسری بی بی کی اولاد سے والد حکیم شریف حسین خاں مرحوم، تیسری بی بی کی اولاد سے ایک پسر مفلوج الاعضا مخبوط الحواس ہنوز موجود ہے۔ دادا صاحب نے قبل از وفات ایک درخواست عرضی بایں مضمون سرکار میں پیش کی کہ بعد وفات میری تنخواہ سالعہ ۳۴۰ وجاگیر جو سرکار سے مقرر ہے بجائے اس میرے نام شریف حسین خاں معہ تنخواہ وجاگیر کے مقرر فرمایا جائے، بعد از چندے دادا صاحب کا انتقال ہوگیا، ایک عرصہ بعد ۲۷ نومبر ۱۸۹۴ء کو تقرری اسم والد سرکار مقرر فرمایا گیا۔ بعد تقرری اس میں والدم تنخواہ خود سے بطور پرورش برادر خورد مفلوج مخبوط الحواس کو عہ عہ ۱۲ روپے ماہوار، اور والدہ مخبوط الحواس کو عہ ۱۲ جملہ عہ ۳۲ روپیہ ماہوار تادم مرگ دے گئے، اور مکان سکونتی دادا صاحب میں مقیم رکھا، اثنائے حال میں والدم حکیم شریف حسین خاں کا بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ماہ جون تاریخ ۱۵ ۱۸۹۷ء کو انتقال ہوگیا، اور ۱۷ جون ۱۸۹۷ء کو والدہ مخبوط الحواس بھی بعارضہ ہیضہ علیل ہوئیں۔ اس وقت مکان سکونتی سے والدہ مخبوط الحواس یعنی میری دادی صاحبہ کو دونوں برادر حقیقی مولوی عبدالغفار و عبدالستار آکر اپنے مکان پر لے گئے، ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو بخانہ برادران مذکور میری دادی صاحبہ فوت ہوگئیں، بعد فوت ہوجانے میری دادی صاحبہ کے ہر دو برادران دادی صاحبہ نے مکان سکونتی ودکانات پر آکر میرے قفل لگائے ہوئے توڑ کر اپنے قفل ازراہ مداخلت بیجا کے لگادئے، جب میں نے فوجداری میں استغاثہ کیا تو مولوی عبدالغفار ملزمان نے اپنی سرپرستی بہ نسبت اس مخبوط الحواس یعنی ہمشیرہ زادہ خود ظاہر کیا چنانچہ یہ مقدمہ درجہ بدرجہ کچہری صاحب جج تک پہنچ گیا ہے صاحب جج نے فتوی شرع شریف بہ نسبت سرپرستی ملزمان مذکور طلب کیا ہے۔ لہٰذا خدمت عالی میں عرض کرکے طلبگار فتوی کا ہوں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق پرستی مخبوط الحواس کی میری جائداد یا بمقابلہ میرے ہر دوماموں مخبوط الحواس کی سرپرستی درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مخبوط ناعاقل یا صغیر نابالغ کی سرپرستی دو امر میں ہے، ایک نکاح، دوسرے مال، اس مخبوط کی ولایت نکاح تو اس کے بھائی کو ہے جو حکیم ولایت علی خاں کی زوجہ اولی سے ہے اور

اس کا ہاتھ پاؤں سے معذور ہونا مانع ولایت نہیں بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، ورنہ سائل کہ اس مخبوط کا بھتیجا ہے اس کا ولی ہے اس کے ہوتے ماموں کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث و الحجب بشرط حریة وتکلیف، فان لم یکن عصبة فالو لایة للام، ثم الاخت، ثم ولد الام، ثم ذوی الارحام العمات، ثم الاخوال[1] الخ، باختصار۔	نکاح میں ولی، عصبہ بنفسہ وراثت اور وراثت سے مانع بننے (حجب) کی ترتیب پر بشرطیکہ وہ آزاد اور مکلّف ہوں اور اگر عصبات نہ ہوں تو ماں کو ولایت ہوگی پھر بہن پھر ماں کی اولاد پھر ذوالارحام پھر پھوپھیوں کو، پھر ماموں کو الخ، باختصار۔ (ت)

اور ولایت مال صرف اس شخص کو ہے جسے حکیم ولایت علی خاں اپنے بعد اپنی اولاد و جائداد کی غور پرداخت سپرد کرگئے اپنا وصی بناگئے ہوں وہ نہ رہا ہو تو وہ شخص جسے وصی مذکور اسی طرح اپنا وصی کرگیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے مخبوط کے دادا نے اپنا وصی کیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے دادا کا وصی اپنا وصی کرگیا۔ ان کے سوا کسی کو اس مخبوط کی ولایت مال نہیں پہنچتی، درمختار میں ہے:

ولیه ابوه ثم وصیه بعد موته، ثم وصی وصیه، ثم بعدھم جده الصحیح، وان علا ثم وصیه، ثم وصی وصیه، ثم القاضی اووصیه هذا فی المال بخلاف النکاح، کما مر فی بابه[2]۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس کا ولی باپ، اس کی موت کے بعد اس کا وصی، پھر وصی کا وصی، پھر ان کے بعد حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی، یہ مالی ولایت ہے اور نکاح کی ولایت اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ نکاح کے باب میں گزرا، والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لئے حد بلوغ کیا ہے؟ مرد ہوں یا عورت۔

---

[1] درمختار کتاب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

الجواب: لڑکا بارہ سال اور لڑکی نو برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ وبالغہ نہ ہوں گے۔ اور لڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعا بالغ وبالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی عـــہ۱ سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کردے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقینا بالغ وبالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ وبالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو تو بھی بالغ وبالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، اور اگر داڑھی عـــہ۲ مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔ درمختار میں ہے:

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل۔ فان لم یوجد فیھما حتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ۔ ولھا تسع سنین [1]۔	لڑکے کے بلوغ احتلام یا بیوی کو حاملہ کرنا یا انزال سے معلوم ہوگا اور لڑکی کا بلوغ حاملہ ہونے حیض اور احتلام سے ظاہر ہوگا۔ اگر دونوں میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق دونوں کی عمر پندرہ سال ہوجانے پر، اور کم از کم مدت بلوغ لڑکے میں بارہ سال اور لڑکی کی نو سال عمر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فان راھقا فقالا بلغنا صدقا، ان لم یکذبھما الظاہر، فیشترط لصحۃ اقرارہ ان یکون یحتلم مثلہ والا لا یقبل قولہ شرح وہبانیۃ، وھما حینئذ کبالغ حکما فلا یقبل جحودہ البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال	دونوں مراہق تھے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم بالغ ہیں تو تسلیم کیا جائے گا کہ بشرطیکہ ان کا ظاہر حال ان کو جھوٹا نہ بنائے تو اس کے اقرار کی صحت کے لئے اس جیسوں کا بالغ ہونا ممکن ہو ورنہ اس کی بات قبول نہ ہوگی وہبانیہ، تو اقرار کے بعد وہ بالغ کے حکم میں ہوں گے لہٰذا اب ان کا انکار قابل قبول نہ ہوگا۔

عـــہ۱: لفظ لڑکی کے بعد "کو" ہونا چاہئے۔ عـــہ۲: یہاں "اگر" زلہ قلم ناسخ سے ہے۔ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

حالہ[1] اھباختصار۔	بشرطیکہ حال موافق ہو اھ مختصرا۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

ولایحکم بالبلوغ ان ادعی وھو مادون اثنتا عشرۃ سنۃ فی الغلام وتسع سنین فی الجاریۃ کذا فی المعدن[2]۔	بلوغ کاحکم لڑکے میں بارہ سال سے کم اور لڑکی میں نوسال سے کم پر دیا جائے۔معدن میں ایسے ہی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانۃ ولااللحی،واما نھود الثدی ففی الحموی انہ لایحکم بہ فی ظاہر الروایۃ،وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی،ابوالسعود،وکذ اشعر الساق والابط والشارب[3]۔واللہ تعالٰی اعلم.	زیر ناف بالوں اور داڑھی کا اعتبار نہیں ہے۔اور لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا،توحموی میں کہاظاہر روایت میں بلوغ کاحکم نہ ہوگا،اور یوں ہی آواز بھاری ہونا بھی معتبر نہیں،جیساکہ ہاملی کی نظم کی شرح میں ہے،ابوالسعود،اور یونہی پنڈلی،بغل او رمونچھوں کے بال بھی معتبر نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۱: ۲۶ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مجنون ہوگیا،اور اس کے ورثاء میں اس کی ایک بیوی (ہندہ)اور اس کے چند لڑکی لڑکا اور اس کا ایک برادر حقیقی خورد عمرو موجود ہے۔زید نے بزمانہ صحت وثبات عقل اپنے مکان مسکونہ کے علاوہ اپنی مملوکہ ایک دوسرے مکان میں عمرو کو بودوباش کی اجازت دے دی تھی،چنانچہ عمرو تخمینا دس سال سے مکان مذکور میں سکونت پذیر ہے،عمروکا چونکہ اب یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ ڈیڑھ دوسال کے بعد بارہ سال گزرنے پر وہ زید کے مکان پر حق موروثیت قائم کرے گا۔اس واسطے ہندہ عمرو سے کہتی ہے کہ اگر میری تم کفالت نہ کرو۔اور مکان کا کرایہ بھی مطلق نہ دو،توزید کے مکان کا کرایہ نامہ ہی لکھ دو،مگر عمرو اس سے قطعاً انکار کرتا ہے۔شرعا اس میں کیاحکم ہے۔آیا ہندہ کا عمرو سے کرایہ نامہ مکان کے تحریر کردینے کے واسطے کہنا شرعًا بجا

---

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الحجر فصل فی ببلوغ الغلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

ہے یا نہیں؟ اور عمرو کا کرایہ نامہ لکھنے سے انکار کرنا شرعاروا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ہندہ مذکور کی ایک لڑکی قریب بلوغ ہے اور ہندہ اس کا عقد کرکے اپنا وارث بنانا چاہتی ہے مگر عمرو مذکور اس امر سے سخت مانع ہے تاکہ ہندہ اپنا کسی کو وراث بنا کر مملوکہ مکان سے بے دخل نہ کرادے، لہٰذا شرعاً ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور ہندہ کو شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا بالدلیل وتوجروا الجزیل۔**

الجواب:

جبکہ زید اس دوسرے مکان کا بھی مالک تھا اور اس نے عمرو کو احساناً سکونت کے لئے دیا تھا تو زید کے مجنون ہوتے ہی وہ عاریت جاتی رہی، اور عمرو کو کوئی اختیار اس میں مفت سکونت کا نہ رہا **لان المجنون لاتصرف له ولا علیه لاحد ولایة التبرع من ماله** (کیونکہ مجنون کا کوئی تصرف معتبر نہیں اور اس کے مال کو تبرع میں دینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ت) عمرو پر لازم ہے کہ وہ مکان کو خالی کردے ورنہ کرایہ نامہ باضابطہ لکھ کر معقول کرایہ جو ایسے مکان کے لئے ہوتا ہے ادا کرے۔ ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ خالی کرایہ نامہ لکھ دینا کافی نہ ہوگا۔ لڑکی کا عقد کسی کفو سے خود کردے، اور وہ نہ مانے تو اس کی ماں کہیں معقول جگہ کردے، ولی اگرچہ عمرو ہے۔ مگر جب وہ بدنیتی سے انکار کرے تو ماں باختیار خود اس کا نکاح کرسکتی ہے۔ حسب بیان سائل اور کوئی لڑکی کا ولی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۲: از پیلی بھیت سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منجملہ چند ورثاء کے صرف ایک وراث کے نام جائداد بذریعہ بیعنامہ جس کا زرِ ثمن مشتری نے ادا نہیں کیا لکھ دی، اس کے چوتھے روز یعنی تحریر بیعنامہ سے بائع فوت ہوگیا بائع کے مرض کی طرف سے غالب گمان اس کے فوت ہونے کا تھا، اور بہت ضعیف گمان اس کے صحت یاب ہونے کا تھا۔ اب اس صورت میں یہ تحریر مرض الموت میں تصور کی جاسکتی ہے۔ اور مرض الموت کتنی مدت تک مانا جاسکتا ہے؟

الجواب:

ہاں یہ تحریر مرض الموت میں ہوئی جب تک مرض سے خوف ہلاک غالب ہو مرض الموت ہے۔ جب مرض مزمن ہوجائے خوف ہلاک غالب نہ رہے اس وقت وہ مرض الموت نہیں رہتا۔ جب تک اس میں نئی ترقی ہو کر پھر خوف ہلاک کا غلبہ نہ ہو جائے۔ درمختار میں ہے:

المختار انه ماکان الغالب منه	مختار قول یہ ہے کہ اتنی مدت جس میں موت

الموت وان لم یکن صاحب فراش [1]۔	عادتاً واقع ہوتی ہے اگر وہ صاحب فراش نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے اس میں محیط سے ہے:

ذکر محمد فی الاصل مسائل تدل علی ان الشرط خوف الهلاك غالبا لا کونه صاحب فراش [2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں فرمایا بہت سے مسائل اس پر دال ہیں کہ غالب طور پر موت واقع ہوسکتی ہو۔ صاحب فراش ہونا شرط نہیں۔(ت)

اسی میں زیلعی سے ہے:

لانه فی ابتدائه یخاف منه الموت۔ ولهذا یتداوی فیکون مرض الموت، وان صار صاحب فراش بعد التطاول فهو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاته من الثلث [3]۔	کیونکہ اس کے ابتداء میں ہی موت کا خطرہ ہوتا ہے اس کا علاج بھی ہو تو اس کو مرض موت کہا جائے گا اور لمبی مدت کے بعد وہ صاحب فراش بنے تو نیا مریض قرار پائے گا حتی کہ صاحب فراش ہونے سے قبل کے تصرفات ثلث میں معتبر ہوں گے(ت)

اور مرض الموت میں ایک وارث کے ہاتھ بیع اگرچہ مناسب قیمت کو بھی ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے ہاں اگر وہ جائز کردیں تو جائز ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی [4]۔	مریض کا اپنے وارث کو مال فروخت کرنا دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان مات منه ولم تجز الورثة بطل، فتح [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس مرض میں فوت ہوگیا اور باقی ورثاء نے جائز نہ کیا ہو تو بیع باطل ہوجائے گی، فتح واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[5] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

مسئلہ ۲۴۳: مستفسرہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم بہاری بروز چہار شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اور زید کے لڑکے دونوں نے مل کر ایک بقال سے اپنے مکان ذاتی پر روپیہ قرض لیا، بعد چند عرصہ کے اس بقال نے کہ جس کا قرض ہے نالش عدالت میں دائر کردی، اب وہ نیلام ہونے لگا۔ اور اس بقال کی ڈگری ہوگئی، توزید کے پوتے حقیقی نے کہ جو زید اور زید کے لڑکے سے ہمیشہ علیحدہ رہتا تھا، اپنی بذات خاص سے وہ روپیہ قرضدار کا ادا کردیا، اور نیلام اپنے نام سے چھڑالیا، اس وقت میں جب یہ قرض ادا کیا گیا تھا اور نیلام چھڑایا گیا توزید زندہ تھا اور زید کا لڑکا بھی زندہ تھا، اب زید فوت ہوگیا اور زید کا لڑکا حیات ہے مگر مثل پیشتر کے اب بھی اپنے باپ سے علیحدہ ہے۔ اب اس وقت میں زید کا لڑکا یعنی اس نیلام چھڑانے والے کا باپ اپنے اس لڑکے کو اس مکان سے نکالتا ہے کہ جس نے قرض ادا کیا تھا اور نیلام چھڑایا تھا اور بوجہ نیلام چھڑانے کے وہ مکان زید کے پوتے کے نام ہے۔ زید کے پوتے کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور زید کے لڑکے نے اپنی دوسری شادی کرلی، زید کے پوتے کو اس والدہ دوسری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا زید کا پوتا اپنا روپیہ جو نیلام میں دیا ہے پاسکتا ہے یا اس مکان کو پاسکتا ہے؟ مطابق شرع شریف کے جواب تحریر فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زر ڈگری کم تھا اور نیلام زیادہ کو ہوا، اور قرض دے کر باقی روپیہ مالکان مکان کو دیا گیا، اگرچہ ایک ہی روپیہ یا اس سے بھی کم ہو اور مالکان نے وہ بقیہ لے لیا، توزید کا پوتا اس مکان کا مالک ہوگیا، زید کا بیٹا اسے نہیں نکال سکتا، اور اگر مالکان مکان نے زر نیلام کچھ نہ پایا تو شریعت میں زید کا پوتا اس مکان کا مالک نہ ہوا۔ نہ وہ شرعاً مکان کا مستحق ہے۔ نہ پسر زید سے زر نیلام کا دعوی کرسکتا ہے مکان پسر زید و وارثان زید کا ہے۔ زید کا پوتا اپنے روپے کا مطالبہ عندالشرع اس بنئے سے کرسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں اس سے نہیں لے سکتا، لہٰذا صبر کرے اس نے خود اپنا مال ضائع کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴تا۲۵۱: مسئولہ عبدالوحید محلّہ سسرارا باغ الہ آباد بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

(۱) شریعت میں مجنون کی کیا تعریف ہے؟

(۲) مجنون کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۳) مجنون کا حق شرعی جو اس کے مورث کے مال سے اس کو پہنچا ہو مجنون کی حالت جنون میں اس کے

حصہ کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۴) شرعاً مجنون وصبی ایک حکم میں ہیں یا علیحدہ علیحدہ؟

(۵) مجنون کی حالت جنون میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۶) ہندہ کے ورثاء زید سے ایسی حالت میں کہ زید مجنون ہے ڈر کر لفظ طلاق کہلوائیں تو طلاق واقع ہوجائیگی یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں اس کا کوئی ولی اس موقع پر موجود نہ ہو۔

(۷) مسلوب العقل ہونے کی حیثیت سے صبی اور مجنون کا ایک حکم ہے یا علیحدہ؟

(۸) صبی کی طلاق حالت صبا میں واقع ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب الملفوظ

(۱) جس کی عقل زائل ہوگئی ہو بلاوجہ لوگوں کو مارے، گالیاں دے، شریعت نے اس میں کوئی اپنی اصطلاح جدید مقرر نہیں فرمائی، وہی ہے جسے فارسی میں دیوانہ، اردو میں پاگل کہتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) مجنون کی ولایت عصبہ کو ہے۔ سب میں مقدم اس کا بیٹا عاقل بالغ، وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا الی آخر العصبات، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) ولایت مال صرف سات کو ہے۔ بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب، اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) شرعاً مجنون وصبی غیر عاقل ایک حکم میں ہیں، اور صبی عاقل کا حکم اس سے جدا ہے۔ وہ خرید وفروخت باجازت ولی کر سکتا ہے اور مجنون نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) مجنون کی طلاق نہیں واقع ہوسکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) ڈرائیں یا نہیں۔ ولی موجود ہو یا نہیں۔ مجنون کے دئے طلاق نہیں ہوسکتی جبکہ اس کا جنون ثابت ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۷) اس کا جواب گزرا کہ صبی لایعقل اور مجنون کا ایک حکم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۸) نہیں واقع ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۲: ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر

تصدیق کرادیا، نقل شامل سوال ہے۔ مگر زر ثمن کالین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے۔ مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعوی اور جواب دعوی بھی شامل سوال ہے۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جبکہ حواس صحیح نہ ہوں اس کی بیع مذکور بغبن فاحش ہے۔ اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

جو شخص کم سمجھ ہو، تدبیر ٹھیک نہ ہو، کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے، کبھی مدہوش کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا گالیاں دیتا نہ ہو، وہ معتوہ کہلاتا ہے۔ شرعا اس کا حکم سمجھ وال بچے کی مثل ہے، اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں۔ اگر یہ ولی رد کردے گا باطل ہوجائے گی۔ اور غبن فاحش کے ساتھ جس طرح حسب بیان سائل صورت سوال میں ہے کہ پچاس ہزار کی جائداد بیس ہزار کو بیع کی، ایسی بیع تو باطل محض ہے کہ ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوسکتی حتی کہ اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کرے تو جائز نہ ہوگی۔

فان الاجازۃ انما تلحق الموقوف وھذا باطل لصدورہ ولا مجیز۔	کیونکہ اجازت تو موقوف کو ملتی ہے۔ جبکہ یہ باطل ہے کیونکہ جب اس کا صدور ہوا تو کوئی اجازت دینے والا نہ تھا۔ (ت)

درمختار میں ہے: **المعتوہ حکمہ کممیز**[1] (معتوہ کا حکم تمیز رکھنے والے کی طرح ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

احسن ماقیل فیہ من کان قلیل الفھم مختلط الکلام فاسد التدبیر الا انہ لایضرب ولایشتم کما یفعل المجنون درر[2]۔	معتوہ کی تعریف بہتر قول یہ ہے کہ وہ قلیل الفہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا ہے صرف یہ کہ وہ ضرب و شتم نہیں کرتا جیسے مجنون کرتا ہے۔ درر (ت)

درمختار میں ہے:

تصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع	بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتا ہے ان کا

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۰

والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتہاب صح بلا اذن وان ضار اکالطلاق والقرض لا،وان اذن بہ ولیھما وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع و الشراء توقف علی الاذن[1] (باختصار)	وہ تصرف جو محض نافع ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر صحیح ہے مثلا اسلام قبول کرنا اور ہبہ قبول کرنا اور وہ تصرف جو نفع وضرر دونوں پہلور کھتا ہو تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے بیع وشراء (باختصار)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ کالبیع ای لو بضعف القیمۃ[2]۔	اس کا قول "بیع" یعنی اگر وہ دگنی قیمت پر بھی ہو۔(ت)

جامع الصغار میں ہے:

لوان الصبی طلق او وہب اوتصدق اوباع بمحاباۃ فاحشۃ اواشتری باکثر من قیمتہ قدر مالا یتغابن الناس فی مثلہ او غیر ذٰلک من العقود فمالو فعلہ ولیہ فی صغرہ لایجوز علیہ فھذہ العقود کلھا باطلۃ لا تتوقف وان اجازہا الصبی بعد البلوغ لاتجوز[3]۔	اگر بچے نے طلاق دی یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا سستا فروخت کیا یا زیادہ قیمت پر خریدا جو بازار کی کمی بیشی سے زائد ہو وغیرہ، تو یہ امور بچے کے لئے ولی اس کی نابالغی میں کرے تو جائز نہ ہوں گے، لہٰذا خود بچے نے کئے تو باطل ہوں گے اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ رہیں گے اور اگر خود بھی بالغ ہونے کے بعد جائز کرنا چاہے تو جائز نہ ہونگے۔(ت)

ہاں اگر معتوہ یا نابالغ کو اس کے ولی مال یعنی باپ نے اور وہ نہ ہو تو باپ کے وصی، اور وہ نہ ہو تو دادا، اور وہ نہ ہو تو اس کے وصی، اور وہ نہ ہو تو حاکم و قاضی نے تجارت کا اذن دے دیا ہے۔ تو اس کی بیع جائز ہے اگرچہ غبن فاحش سے ہو۔ در مختار میں ہے:

فان اذن لھما الولی فھما فی شراء و بیع کعبد ماذون فی کل	اور بچہ اور معتوہ کو بیع وشراء میں ولی کی اجازت ہو تو ماذون غلام کی طرح اس کے تمام احکام

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳
[2] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰
[3] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵

احکامہ [1]۔	ہوں گے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیجوز بیعہ بالغبن الفاحش عندہ خلافا لھما [2]۔	تو غبن فاحش کے ساتھ اس کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگی، صاحبین اس کے خلاف ہیں۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتوہ الذی یعقل البیع والشراء بمنزلۃ الصبی یصیر ماذونا باذن الاب والوصی والجد دون غیرہم خزانۃ المفتین ولو اذن للمعتوہ ابنہ کان باطلا ،وعلی ھذا لواذن لہ اخوہ اوعمہ او واحد من اقربائہ سوی الاب والجد فاذنہ باطل [3] مبسوط (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتاہے وہ بچے کی طرح ہے باپ دادا اور ان کی اجازت سے ماذون ہوسکے گا غیر کی اجازت نہیں، خزانۃ المفتین اور اگر معتوہ کو بیٹا اجازت دے تو باطل ہوگا،اس بنا پر اگر بھائی یا چچا یا کوئی اور قریبی اجازت دے جو باپ دادا کا غیر ہو تو یہ اجازت باطل ہوگی، مبسوط (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۳: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدھو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق صبی کے متعلق جو اصول فقہ میں لکھتے ہیں کہ عندالحاجۃ واقع ہوجاتی ہے، حاجت کی کون کون صورتیں ہیں۔آیا یہ صورت ذیل عندالحاجۃ میں داخل ہوسکتی ہے کہ ایک ناکح بعمر ۱۲ سال ہے اور منکوحہ اس کی بعمر ۲۸ سال، مگر اعمال اس عورت کے فاحشہ ہیں، حاملہ من الزنا ہوجاتی ہے اور اسقاط کرادیتی ہے۔اور ایسا معاملہ اس سے بار بار ہوا ہے اور بوجہ غیر بلوغ ناکح وعدم بیتوتت کے نان ونفقہ سے از حد تنگ ہے۔تو ایک گونہ فعل حرام مذکور اس کا باخذ اجرت حرام اضطراری تصور ہوتا ہے۔برآں التماس ہے کہ بندہ گرداور قاضی علاقہ کا ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الماذون الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۱۲

ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں بڑی تفصیل وکافی جواب سے ممتاز فرمائیں۔

الجواب:

صبی ہر گز اہل طلاق نہیں، نہ اس کے دئے طلاق واقع ہو، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے اگر دے ہر گز نہ ہو گی، اصول میں کہ ذکر حاجت ہے صرف دو صورتوں میں منحصر ہے:-

اول: یہ کہ صبی عاقل کافر کی زوجہ اسلام لائی، حاکم شرع نے صبی پر اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کردیا تفریق ہو گی اور یہ مذہب صحیح میں طلاق قرار پائے گی،

دوم: یہ کہ صبی آلت بریدہ تھا، عورت نے دعوی کیا قاضی نے تفریق کردی، یہ بھی علی الصحیح طلاق ہے وبس۔

تیسری صورت: ایک قول ضعیف پر ہے کہ صبی عاقل **معاذاللہ** مرتد ہو گیا جو اسے طلاق جانتے ہیں طلاق کہیں گے، اور صحیح یہ کہ ردت سے نکاح فسخ ہوتا ہے اگرچہ شوہر ارتداد کرے۔ تو یہ طلاق نہیں، اس مسئلہ کی اعلی تحقیق مع ازالہ جملہ اوہام فتاوی فقیر کتاب الطلاق میں ہے۔ اشباہ احکام الصبیان میں ہے:

لایقع طلاقہ ولاعتقہ الاحکام فی مسائل ذکرناہا فی النوع الثانی من الفوائد [1]۔	اس کی طلاق وعتاق واقع نہ ہوں گی، مگر چند وہ مسائل جن کو ہم نے فوائد نوع ثانی میں بیان کیا ہے حکماً صحت ہو گی۔ (ت)

قواعد میں فرمایا:

الصبی لایقع طلاقہ الااذا اسلمت فعرض علیہ ممیزا فابی وقع الطلاق علی الصحیح وفیما اذا مجبوبا وفرق بینہما فھو طلاق علی الصحیح [2]۔	بچے کی طلاق واقع نہ ہو گی مگر جب بیوی مسلمان ہو جائے اور قابل تمیز بچہ ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اور وہ انکار کردے تو صحیح قول کے مطابق اس کی طلاق صحیح ہو جائیگی۔ اور ذکر کٹا ہو اور قاضی تفریق کردے تو صحیح قول کے مطابق وہ طلاق ہو جائے گی۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۴۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۵۵۔۲۵۴

ظاہر ہے کہ صورت سوال ان صورتوں میں نہیں، تو اس میں وہی حکم ہے کہ لایصح طلاقہ (اس کی طلاق صحیح نہ ہوگی۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۴:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، وصل علی سیدنا ونبینا و اٰلہ وصحبہ وسلم، الی جناب الفاضل العالم مفتی بلد بانس بریلی السید احمد رضا القادری سلمہ اٰمین، سیدنا، ماقولکم دام فضلکم فی رجل کان مرتب سبیل لہ بمکۃ علی یدنا فی کل عام ثلاثین روبیۃ واعطانا فی حیاتہ مدۃ اعوام، ثم توفی الی رحمۃ اللہ، ولنا فی ذمتہ باقی کم سنۃ حق السبیل، ثم اتینا الی وارثہ واطلعناہ علی مابیدنا فاجاب المذکور بانی سأودی عن المیت ماہو محرر بموجب الدفتر وما رضی بربیۃ عشرۃ، وحرر فیہ سندا بارسال المبلغ فی وقت معلوم، ثم لم یرسل فاتینا الیہ ثانیا وطلبنا منہ فاجاب، ان کان شرعا یجب علینا فانا اعطی افتونا ہل یجب علیہ اداء المبلغ الذی علی المیت بموجب اقرار نامۃ سندہ ام لا ولکم الاجر والثواب۔	بسم اللہ الرحمن الرحیم، وصلی اللہ علی سیدنا ونبینا والہ وصحبہ وسلم، بریلی کے فاضل عالم مفتی الشاہ احمد رضا قادری سلمہ آمین کے نام استفتاء، ہمارے آقا آپ کی فضیلت دائم ہو، آپ کا کیاارشاد ہے ایسے شخص کے متعلق کہ وہ ہماری جگہ میں سالانہ تیس روپے کرایہ پر سبیل لگاتارہا وہ اپنی زندگی میں کچھ سال ہمیں تیس روپے دیتا رہا۔ پھر فوت ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ، جبکہ کئی سال کی رقم ہمارا حق اس کے ذمہ باقی ہے۔ پھر ہم اس کے ورثاء کے پاس آئے اور ان کو اطلاع دی کہ ہمارا حق مرحوم کے ذمہ ہے۔ تو اس کے وارث نے جواب دیا کہ مرحوم کے نام رجسٹر میں تحریر شدہ جو رقم ہوگی میں ادا کر دوں گا۔ اور وہ صرف دس روپے دینے پر راضی ہوا اور ادائیگی کے لئے یادداشت لکھ دی کہ فلاں وقت یہ مبلغ تمھیں ارسال کردوں گا۔ مگر اس نے ارسال نہ کئے، تو ہم دوبارہ اس کے پاس آئے اور مطالبہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ اگر شرعا یہ ادائیگی ہمارے ذمہ ہو تو ادا کروں گا۔ لہٰذا آپ فتوٰی جاری فرمادیں کہ کیا میت کے ذمہ اس کے اقرار نامہ کی مطابق جو رقم ہے وہ اس کے وارث پر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ آپ کو اجر وثواب ہوگا۔ (ت)

الجواب:

نعم یجب علی وارثہ القابض بعدہ علی اموالہ ان یؤدی ماعلیہ قال تعالٰی "مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ"[1] وان کان قد ابقاہ ہذا جاریا فیجب علیہ ایضا اداء ماعلی نفسہ الی الاٰن قال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[2] وھذا اوقع العقد بحسب الشرع و وفی بہ صاحبہ کما ھو المرجو، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہاں میت کا وارث جس نے میت کے مال کو قبضہ میں لیا ہے، اس پر میت کے ذمہ قرض کو ادا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا وصیت شدہ یاقرضہ کو ادا کرنے کے بعد، اور اگر وہ معاہدہ پر تاحال عمل پیرا ہوں اور وارث نے اسے باقی رکھا ہے تو وارث پر اپنی طرف سے بھی اس مدت کی یہ ادائیگی واجب ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا "اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو" تو اس نے شریعت کی رو سے یہ عقد واقع کیا ہے اور دوسرے فریق کے لئے اپنے ذمہ کو پورا کردے جیسا کہ امید ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱

کتاب الغصب
(غصب کا بیان)

مسئلہ ۲۵۵: یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید غنی نے اپنے جوان پسر کی آمدنی یہ کہہ کر لینی شروع کی کہ ہم جمع رکھیں گے تاکہ تمھاری شادی پر خرچ کریں، اور واقع لیں اس کے خلاف کیا۔ بلکہ وہ مال اپنے مصارف میں اٹھالیا، تو اس صورت میں زید پر اس کا تاوان آئے گا۔ یا مال پسر کا مالک سمجھا جائے گا بیّنوا توجروا

الجواب:

بیشک تاوان دے گا اور ہر گز رضائے پسر نہ تھی تو گناہ علاوہ،

قال تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ (ت)

باپ بیٹے کے مال کا اس کی زندگی میں ہر گز مالک نہیں۔

وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انت و	اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کا ارشاد ہے کہ تو اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

مالك لابيك[1] من باب البر۔	تیرا مال تیرے باپ کا ہے تو یہ بھلائی کے باب میں ہے قانون نہیں ہے۔(ت)

فتح القدیر کے باب الوطی الذی یوجب الحد میں ہے:

لم تکن له ولاية تملك مال ابنه حال قيام ابنه[2]۔	اس کو ولایت نہیں ہے جو بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا باپ کو مالک بنادے۔(ت)

نہ باپ کو بے رضاواجازت پسر اس کے مال سے ایک حبہ لینے کا اختیار۔

قال الله تعالٰی " اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بغیر اس کے کہ تمھاری رضامندی سے تجارت ہو۔(ت)

مگر جبکہ باپ فقیر محتاج ہو اور بیٹا غنی، تو صرف بقدر نفقہ کے بلااطلاع پسر بھی لے سکتا ہے اگرچہ بیٹا راضی نہ ہو۔

وهو محمل قوله صلى الله تعالٰی علیه وسلم ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه[4]۔قال فی الفتح اخرجه اصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها صح **قلت** والدارمی والبخاری فی التاریخ قال حسنه	اور یہی محمل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا کہ آدمی کا اپنے کسب سے کھانا نہایت پسندیدہ ہے اور بیٹا اس کا کسب ہے فتح میں فرمایا اس کو سنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) کے اصحاب نے تخرج کیا ہے، اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت صحیح ہے، **میں کہتاہوں** اور دارمی

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۵۴۷۱ و ۴۵۹۲۷ و ۴۵۹۲۸ و ۴۵۹۳۲ و ۴۵۹۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۷۹،۵۸۰ ۔ ۲۶۶۔۵۷۷، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات دارالفکر بیروت ۷/ ۴۸۰،۴۸۱، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب ماللرجل من مال ولدہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷

[2] فتح القدیر کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الحث علی المکاسب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات باب نفقہ الابوین دار صادر بیروت ۷/ ۴۸۰

الترمذی قلت وصححه ابو حاتم قال قدس سرہ فان قیل هذا یقتضی ان له ملکا ناجزا فی ماله. قلنا نعم لولم یقیده حدیث رواه الحاکم وصححه البیهقی عنها مرفوعا ان اولادکم ہبة لکم یهب لمن یشاء اناثا ویهب لمن یشاء الذکور، واموالهم لکم اذا احتجتم الیها، ومما یقطع بانه مؤول انه تعالٰی ورث الاب من ابنه السدس مع ولد ولده، فلو کان الکل ملکه لم یکن لغیره شیئ مع وجوده[1] اھ۔	اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے میں کہتاہوں اور اس کو ابوحاتم نے صحیح قرار دیا ہے او رابن ہمام قدس سرہ نے بیان کیا کہ اگر اعتراض کیاجائے کہ اس حدیث کا مقتضٰی یہ ہے کہ بیٹے کا مال باپ کی قطعی ملکیت بن جائے، ہم جواب میں کہتے ہیں ہاں اگر حاکم کی روایت کردہ اور بیہقی کی صحیح کردہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث نے کہ تمھاری اولاد تمھارے لئے ہبہ ہے اللہ تعالٰی جس کو چاہے لڑکے ہبہ کرتاہے اور جس کو چاہے لڑکیاں ہبہ کرتا ہے اور ان کا مال تمھارا ہے جب تمھیں اس کی احتیاج ہو۔ پہلی حدیث کو مقید نہ کیا ہو (حالانکہ وہ اس سے مقید ہے) اور اس کے مؤول ہونے کی قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے باپ کو بیٹے کے مال میں اس کی اولاد کی موجودگی میں چھٹے حصے کا وارث بنایا ہے اگر بیٹے کے کل مال کا مالک باپ ہو تو پھر باپ کی موجودگی کے باوجود غیر کو کچھ نہ ملے۔ اھ (ت)

درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنه الموسر مایکفیه ان ابی ولاقاضی ثمه والا اثم[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	مبتغی میں ہے۔ فقیر باپ کو اپنے امیر بیٹے کے مال سے کفایت کے مطابق چرالینے کا حق ہے جب بیٹا دینے سے انکار کردے اور وہاں قاضی نہ ہو ورنہ باپ گنہ گار ہوگا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: ۲۸ جمادی الاٰخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول کہ سود کا روپیہ اور چوری کا روپیہ اور جوئے کا روپیہ اور غصب کا روپیہ اور جو تجارت سودی روپیہ سے ہو اور وکالت یا مختار کاری کا پیسہ

---

[1] فتح القدیر باب النفقۃ فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۲۳

[2] درمختار کتاب الطلاق باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۴

اور منصفی اور صدر صدوری اور فوج کی تنخواہ کا روپیہ، یہ سب حرام ہیں، اگر اس روپیہ سے کھانا تیار کیا جائے یا کپڑا بنایا جائے تو حرام ہے کھانا، ایسا کھانا حرام ہے۔ اور اس کھانا پر تسمیہ کرنا کفر ہے۔ اور عمرو کا یہ قول ہے کہ یہ پیسہ حرام نہیں ہے بلکہ مالک مال چور کو بعد چرالے جانے مال کے بخش دے اگرچہ چور کو اس کے بخشنے کی خبر ہی نہ ہو، یعنی مالک مال یہ کہہ دے کہ جو میرا مال چور لے گیا ہے میں نے بخشا اور معاف کیا، تو وہ مال چور کی ملک ہوگیا۔ وہ حرام نہیں ہے۔ اسی طرح جوئے وغیرہ اور وکالت اور سود کا بھی یہ حکم ہے۔ اب زید کو جستجو مال کی ہے جو از روئے شرع حرام ہے کہ اسے بچنا اور احتراز کرنا بہتر ہے مسلمانوں کو امید ہے کہ جو پیسہ حرام ہے اس سے آگاہی فرمائی جائے تاکہ اس پیسہ سے بچنا موجب خیرات و برکات کا ہو، اور حرام کے مال سے صدقہ اور خیرات کرکے امید ثواب کی رکھنا یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا من اللہ تعالٰی**

الجواب:

سود اور چوری اور غصب اور جوئے کا روپیہ قطعی حرام ہے۔ اور اسی طرح وکالت و مختار کاری جس طرح اس زمانہ میں رائج قطعاً حرام ہے اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، اور ہر وہ نوکری جس میں خلاف حکم خدا اور سول فیصلہ یا حکم کرنا پڑے خواہ ریاست اسلامی ہو یا غیر کی، قطعاً حرام اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، یونہی ہر معصیت کی اجرت حرام ہے

کل ذٰلك ثابت بالقراٰن العظیم والحدیث، والفقه، و معروف معلوم عند اهل العلم وكل من رزق صحبتهم	یہ سب قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت ہے اور اہل علم اور ان کی مجلس میں رہنے والے حضرات کے ہاں معروف ہے (ت)

اور بے ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے **کما فصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ت) مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے۔

فان الخبث فیما اعطی لا فیما اخذ وھذا ظاہر جدا۔	کیونکہ خبث دئے ہوئے مال میں ہے جو نفع میں لیا اس میں نہیں ہے اور نہایت ظاہر ہے۔ (ت)

اور حرام مال مثل زر غصب ورشوت وسرقہ واجرت معاصی وغیرہ سے جو چیز خریدی جائے اس کی

چند صورتیں ہیں:

[۱] ایک مثلاً غلافروش کے سامنے روپیہ ڈال دیا کہ اس کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے یا بزاز کو روپیہ پہلے دے دیا کہ اس کا کپڑا دے دے، یہ گیہوں اور کپڑا حرام ہے۔

[۲] دوسرے یہ کہ روپیہ پہلے تو نہ دیا مگر عقد ونقد دونوں اس روپیہ پر جمع کئے، یعنی خاص اس حرام روپیہ کی تعیین سے اس کے عوض خریدا، اور یہی روپیہ قیمت میں ادا کیا، مثلاً غلافروش کو یہ حرام روپیہ دکھا کر کہا اس روپیہ کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے اس نے یہی روپیہ اسے دے دیا، اس صورت میں یہ گیہوں حرام ہے۔

[۳] تیسرے یہ کہ نہ روپیہ پہلے سے دیا نہ اس پر عقد ونقد جمع کئے، اس کی پھر تین شکلیں ہیں:

اول: یہ کہ اس سے کہا ایک روپیہ کے گیہوں دے دے، کچھ اس روپیہ کی تخصیص نہ کی کہ اس کے بدلے دے، جب اس نے تول دئے اس نے زرِ ثمن میں جو بعوض گندم اس کے ذمہ واجب ہوا تھا، یہ حرام روپیہ دے دیا، اس صورت میں نقد تو زرِ حرام کا ہوا، مگر عقد کسی خاص روپیہ پر نہ ہوا،

دوم: یہ کہ پہلے اسے حلال روپیہ دکھا کر اس کے بدلے گیہوں لئے، جب اس نے دے دئے اس نے وہ حلال روپیہ اٹھالیا اور قیمت میں زرِ حرام دے دیا، اس صورت میں عقد زرِ حلال پر ہوا، اور نقد حرام کا۔

سوم: یہ کہ اس کا عکس یعنی پہلے اسے حرام روپیہ دکھا کر کہا، اس کے گیہوں دے، پھر دیتے وقت حلال روپیہ دیا، اس صورت میں عقد زرِ حرام پر ہوا اور نقد حلال کا۔

بہر حال تینوں صورتوں میں عقد ونقد دونوں زرِ حرام پر جمع نہ ہوئے نہ پہلے سے زرِ حرام دے کر چیز خریدی کہ حقیقۃً یہ بھی اجتماع عقد ونقد کی صورت تھی، ان تینوں صورتوں میں بھی بڑا قوی مذہب ہمارے ائمہ کا یہ ہے کہ وہ گیہوں حرام ہوں گے، مگر زمانہ کا حال دیکھ کر ائمہ متاخرین نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول اختیار کیا کہ ان شکلوں میں وہ چیز حرام نہ ہوگی اور اس کا کھانا کھلانا، پہننا پہنانا، تصرف میں لانا جائز ہوگا، اس آسان فتوے کی بناء پر ان حرام روپیہ والوں کے یہاں کا کھانا یا پان وغیرہ کھانا پینا مسلمانوں کو روا ہے کہ وجہ حرام سے ان لوگوں کو بعینہٖ یہ کھانا نہیں آتا۔ بلکہ روپیہ آتا ہے۔ یہ اس کے عوض اشیاء خرید کر کھانا تیار کراتے ہیں اور خریداری میں عام طریقہ شائعہ کے طور پر عقد ونقد کا اجتماع نہیں ہوتا۔ بلکہ غالب بیع وشراء صورت ثالثہ کی شکل اول پر واقع ہوتی ہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیة رجل اکتسب مالامن حرام ،ثم اشتری ،فھذا علی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراہم الی البائع اولا ثم اشتری منه بھا ،اواشتری قبل الدفع بھا ودفعھا ۔اواشتری قبل الدفع بھا ودفع غیرہا ،اواشتری مطلقا ودفع تلك الدراہم ، اواشتری بدراہم اخر ودفع تلك الدراہم ،قال ابو نصر یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول ،والیه ذہب الفقیه ابو اللیث لکن ہذا خلاف ظاہر الروایة فانه نص فی الجامع الصغیر ،اذا غصب الفا فاشتری بھا جاریة ،وباعھا بالفین تصدق بالربح ،وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لایطیب ، وفی الثلاث الاخیرۃ یطیب ،وقال ابو بکر لایطیب فی الکل ،لکن الفتوٰی الاٰن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ ،وفی الولوالجیة وقال بعضھم لایطیب فی الوجوہ کلھا وھو المختار ،ولکن الفتوٰی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرۃ الحرام اھ ،و علی ہذا مشی المصنف فی کتاب الغصب

تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے حرام مال حاصل کیا ،اور پھر اس کو خریداری میں صرف کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ یہ حرام دراہم بائع کو دے کر پھر اس کے عوض خریدا ،دوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض میں دے دیا ، سوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض اور مال دیا ،چہارم یہ کہ مطلق خریداری کی ادائیگی میں یہ مال دیا ،پنجم یہ کہ دوسرے دراہم سے خریدا اور ادائیگی میں یہ دراہم دئے۔ ابونصر نے فرمایا پہلی صورت کے بغیر باقی تمام صورتوں میں خریدا ہوا مال طیب ہے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہیں ،اور اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار کیا ہے۔لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے کیونکہ جامع الصغیر میں نص ہے کہ اگر کسی نے ہزار غصب کیا ہو اور اس کے عوض لونڈی خریدی اور دو ہزار میں فروخت کی تو نفع کو صدقہ کرے ،اور امام کرخی نے فرمایا کہ اول اور ثانی صورت میں طیب نہ ہوگا اور آخری تین صورتوں میں طیب ہے ،اور ابوبکر نے فرمایا تمام صورتوں میں طیب نہیں ہے لیکن آج کل فتوٰی امام کرخی کے قول پر ہے تاکہ لوگوں سے حرج کا ازالہ ہوسکے اھ ،اور ولوالجیہ میں ہے کہ بعض نے فرمایا سب صورتوں میں طیب نہیں وہ مختار ہے لیکن فتوٰی آج کل امام کرخی کے قول پر ہے حرام کی کثرت کی وجہ سے حرج کو ختم کیا جاسکے اھ ،اور مصنف نے درمختار وغیرہ کی اتباع

تبعاللدر وغیرہ[1]۔	کرتے ہوئے اسی کو اپنایا ہے۔(ت)

پھر جن صورتوں میں وہ کھانا ان دونوں مذہب پر حرام ہے یعنی دو صورت پیشیں، ان میں اگر بسم اللہ کہہ کر کھایا برا کیا، مگر کافر ہر گز نہ کہا جائے گا، اس کی حرمت ضروریات دین سے ہونا در کنار اجماعی بھی نہیں۔

فان من العلماء من قال یحل ابدال مالایتعین مطلقا، لعدم تعلق العقد بعینه بل بالذمة، فلایسوی الخبث وھو القیاس، وعلیه یبتنی علی مافی فتاوی العلامة الطوری عن المحیط، اشتری بالدراھم المغصوبة طعاما حل التناول۔	علمائے کرام میں سے بعض نے فرمایا کہ غیر متعین طور پر بدلنا حلال ہے کیونکہ عقد حرام متعین پر نہ ہوا بلکہ عقد کا تعلق ذمہ داری سے ہے لہٰذا خبث دوسرے مال میں سرایت نہ کرے گا یہی قیاس ہے۔ اور اسی پر علامہ طوری کے فتوٰی کی بنا ہے، محیط سے منقول ہے کہ غصب کردہ دراہم کے عوض طعام خریدا تو کھانا حلال ہے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی التتمة من قال عند ابتداء شرب الخمر والزنا و اکل الحرام ببسم اللہ کفر وفیه، انه ینبغی ان یکون محمولا علی الحرام المحض المتفق علیه وان یکون عالما بنسبة التحریم الیه، بان تکون حرمته مما علم من الدین بالضرورة کشرب الخمر[2]۔	تتمہ میں ہے کہ جس نے شراب پینے، زنا اور حرام کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھی تو اس میں اس نے کفر کیا تو اس قول کو خالص متفق علیہ حرام پر محمول کرنا چاہئے اور یہ جانتے ہوئے کہ بسم اللہ سے حرام کی ابتداء کر رہا ہے اور وہ حرمت بھی ایسی ہو جس کا علم ضروریات دین میں سے ہو جیسے شراب پینے کی۔(ت)

اور حرام مال کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں، اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زر حرام کے معاوضہ میں خریدی جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں، اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا خواہ اس وجہ سے کہ اسے مالک یاد نہ رہا یا سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۹

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر فصل فی القراءة والصلوٰة مصطفی البابی مصر ص ۱۶۹

مثلاً اس کے مورث نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغصوب کو جانتا ہے۔اور مغصوب منہ سے محض ناواقف، یایوں کہ مالک مرگیااور کوئی وارث نہ رہا، توان سب صورتوں میں شرع مطہر اسے تصدق کا حکم دیتی ہے۔جب اس نے صدقہ کیاتو حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر امید ثواب رکھنا محذور نہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی المحیط من تصدق علی فقیر بشیئ من الحرام یرجو الثواب کفر، وفیه بحث لان من کان عندہ مال حرام فھو مامور بالتصدق به علی الفقراء فینبغی ان یکون ماجورا بفعله حیث قام بطاعة الله وامرہ، فلعل المسئلة موضوعة فی مال حرام یعرف صاحبه، ویعدل عنه الی غیرہ فی عطائه لاجل سمعته وریائه کماکثر ھذا فی ظلمة الزمان وامرائه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	محیط میں ہے جس نے حرام کا صدقہ کرکے ثواب کی امید کی وہ کافر ہوا، اور اس میں بحث یہ ہے کہ جس کے پاس حرام مال ہو اس کو صدقہ کرنے کا حکم ہے فقراء کو صدقہ کرے تو اللہ تعالٰی کے حکم اطاعت کرنے پر ثواب کی امید جائز ہے۔ ہوسکتاہے یہ مسئلہ اس صورت میں ہو جس میں حرام مال کو جانتے ہوئے دوسرے کو محض ریاکاری اور شہرت کے لیے دے جیسا کہ آج کل جابر بادشاہ اور امراء حضرات میں کثیر الوقوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۷: ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسبی یا وہ شخص کہ جس کا مال حرام کا ہو مثل سود خوار وغیرہ کے، اگر وہ کوئی شے مثل لوٹا یا چٹائی یادری وغیرہ مسجد میں ڈال دے تاکہ نمازی اس سے وضو کریں یااس پر نماز پڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے اس کے مال کی حرمت آتی ہے یا نہیں اور اس کی خرید بھی دست بدست اور تعین ثمن کے ساتھ نہیں بلکہ چیز کو خرید کر ثمن بعد کو ادا کرتے ہیں۔

الجواب:

اگر رنڈی نے کچھ روپیہ کسی سے قرض لیااور کسی وجہ سے کوئی حلال مال حاصل کیااور ان چیزوں کی قیمت میں یہی حلال مال دیا، اور خریدتے وقت بھی مال حرام کی طرف اشارہ نہ کیا تھا، یعنی حرام روپیہ دکھا کر یہ نہ کہا تھاکہ اس کے عوض دے دے، جب تو یہ چیزیں بالاجماع اس رنڈی کی ملک طیب و

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص۱۸۹

حلال ہیں جن میں کوئی شبہ حرمت نہیں کہ اس صورت میں مال حرام کو ان اشیاء کی خریداری سے اصلاً تعلق نہ ہوا، اور اگر مال حرام دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حلال دیا، یا مال حلال دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حرام دیا، یا خریدتے وقت کوئی مال نہ دکھایا تھا صرف مطلقاً خریداری کرلی، مثلاً یوں کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے، جب اس نے دے دی، تو اس کی قیمت مال حرام سے ادا کردی، ان تینوں صورتوں میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے۔ مگر فتوٰی امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر دیا گیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ اشیاء اس رنڈی کے لئے حلال ہوں گی، ان وجوہ پر خرید کر مسجد میں لوٹے، چٹائی وغیرہ رکھے گی تو ان لوٹوں سے وضو اور اس چٹائی پر نماز کے جواز کا حکم دیں گے، اگرچہ رنڈی پر اس کے حرام فعلوں کا وبال الگ، ان کے بدلے اجرت لینے کا عذاب جدا۔ اور اس حرام مال کو خرچ میں لانے کا مواخذہ علاوہ، ہاں اگر عقد ونقد دونوں مال حرام میں جمع ہوں، یعنی حرام ہی روپیہ دکھا کر کہے کہ اس کے عوض دے دے، اور قیمت میں دے بھی وہی حرام روپیہ، تو اس قول مفتٰی بہ پر بھی وہ شے حرام وخبیث رہے گی، اور اس میں تصرف ناجائز ہوگا۔ مگر آج کل بیع وشراء میں غالباً یہ صورت واقع نہیں ہوتی۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصدق اذاکان متعینا اوشری بدراہم الودیعۃ او الغصب ونقدہا وان اشار الیہا ونقد غیرہا اواطلق و نقدہالاوبہ یفتی[1] اھ تلخیص واللہ تعالٰی اعلم۔	جب خاص متعین حرام ہو یا امانت کے مال سے یا غصب کے مال سے کوئی چیز خریدی اور وہی نقد دیا ہو تو صدقہ کرے، اور اگر سودے کے وقت حرام دکھایا اور ادائیگی میں دوسرا دیا، یا مطلق سودا کیا اور ادائیگی حرام سے کی تو صدقہ لازم نہ ہوگا۔ اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۸: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب مدرس تحصیل اسکول ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ

زید نے جوئے میں روپیہ کمایا، اور اسی روپیہ سے اس نے اپنے گھر کا اثاثہ اور اسباب درست کیا ہے۔ اب زید تائب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنا ذمہ بری کرے۔ اور جو مال حرام کا اس کے پاس ہے اس کو جدا، تو کیا کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس قدر مال جوئے میں کمایا محض حرام ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۵

فی الدر من السحت ما یأخذ مقامر [1]. (باختصار)	در مختار میں ہے: جوئے میں حاصل کیا ہوا مال حرام ہے۔ (باختصار) (ت)

اور اس سے برائت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا مال جیتا ہے اسے واپس دے، یا جیسے بنے اسے راضی کرکے معاف کرالے۔ وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو واپس دے، یا ان میں جو عاقل بالغ ہوں ان کا حصہ ان کی رضامندی سے معاف کرالے۔ باقیوں کا حصہ ضرور انھیں دے کہ اس کی معافی ممکن نہیں، اور جن لوگوں کا پتہ کسی طرح نہ چلے نہ ان کا، نہ ان کے ورثہ کا، ان سے جس قدر جیتا تھا ان کی نیت سے خیرات کردے، اگرچہ اپنے محتاج بہن، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دے دے، اس کے بعد جو بچ رہے گا وہ اس کے لئے حلال ہے، عالمگیری میں ہے:

کان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردہا، وذٰلك ههنا برد الماخوذ ان تمکن من ردہ، بان عرف صاحبه، وبالتصدق به ان لم یعرفه [2]۔	لینا گناہ ہے اور گناہ کے ازالہ کی صورت اس کو واپس کرنا ہے اور یہاں لئے ہوئے کو رد کرنا ہوگا۔ جب واپس کرنا ممکن ہو کہ اس کے مالک کو جانتا ہو یا پھر معلوم نہ ہو تو صدقہ کرنا ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان علمت اصحابه او ورثتهم وجب ردہ علیهم، والا وجب التصدق به [3]۔	اگر اس کے مالک یا مالک کے ورثاء کو جانتا ہے تو واپس کرنا واجب ہے۔ ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ت)

غرض جہاں جہاں جس قدر یاد ہوسکے کہ اتنا مال فلاں سے ہار جیت میں زیادہ پڑا تھا اتنا تو انھیں یا ان کے وارثوں کو دے، یہ نہ ہو تو ان کی نیت سے تصدق کرے، اور زیادہ پڑنے کے یہ معنی کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جوا کھیلا کبھی یہ جیتا کبھی یہ، اس کے جیتنے کی مقدار مثلاً سو روپے کو پہنچی، اور یہ سب دفعہ کے ملا کر سوا سو جیتا، تو سو سو برابر ہوگئے، پچیس اس کے دینے رہے۔ اتنے ہی اسے واپس دے، وعلی هذا القیاس، اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیة الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جوئے سے کمایا ہوگا اتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کردے، عاقبت یونہی پاک ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹:

چہ فرمایند علمائے ومفتیان شرع متین درحق کسیکہ بحیلہ ومکر از دوست خود زر گرفت، وگفت کہ اگر نہ دہی ایں مضرت بتورسانم، یابرائے رنجانیدن خلق اللہ واظہار غلبہ، وصولت خود باشخصے بزرگ ومعززدوستی کرد، تاکہ خلائق ازیں کس بہ تعلق آں شخص بزرگ بہ ترسند۔ **بینوا توجروا۔**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو حیلہ اور مکر کے ساتھ دوست سے مال وصول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر نہ دے گا تو تجھے فلاں پریشانی میں مبتلا کروں گا۔ یا وہ شخص اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تنگ کرتا ہے اپنا غلبہ اور دبدبہ قائم کرنے کے لئے کسی معزز اور بڑے آدمی سے دوستی بتاتا ہے تاکہ اس کے تعلق سے لوگ اس سے مرعوب رہیں۔ **بینوا توجروا** (ت)

الجواب:

بمکر وحیلہ ووعید وتہدید بناحق زر از کسے گرفتن حرام قطعی ست، باز اگر ایں بزور ستاند غصب باشد، واگراں بترس مضرت خویش دہد رشوت بود ہر دوحرام وفی النار، ومستوجب غضب جبار قہار ست، **والعیاذباللہ تعالٰی، قال تعالٰی** "**لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ**"[1] الآیۃ۔ ورنجانیدن وترسانیدن خلق اللہ تجبر وتکبر ہمہ محرمات قطعیہ است، در حدیث ست حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایند **شَرُّ النَّاسِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّخَافُ لِسَانَه،**	مکروفریب اور ڈرادھمکا کر کسی سے مال لینا قطعی حرام ہے۔ پھر اگر طاقت کے ذریعہ لیتا ہے تو یہ غصب ہے، اور اگر اپنے شر سے ڈرا کرلیتا ہے تو رشوت ہوگی جبکہ دونوں طریقے حرام جہنم اور اللہ تعالٰی کے غضب کے مستوجب ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، الآیہ، اور اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تکلیف دینا، ڈرانا اور ان پر اپنا جبر اور تکبر ظاہر کرنا قطعی محرمات میں سے ہے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بدترین مرتبے کا وہ آدمی ہے کہ لوگ اس کی زبان سے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اَوْیخَافُ شَرّہ، بدترین مردم در منزلت روز قیامت کسے باشد کہ بندگان خدا از زبان وزیان اوخائف وترساں باشند، اخرجه ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الغیبة [1] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی تعالٰی عنه وخود فرمودہ سیدالانام علیه وعلٰی آله افضل الصلٰوۃ و السلام لا ینبغی علی الناس ولد بغی والامن فیه عرق منه ستم و تعدی برمردماں نکند مگر زنازاندہ یاکسیکہ دروے رگے از زنا ست رواہ الطبرانی [2] فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن، والله تعالٰی الھادی۔	اور اس کے زیان سے خوف زدہ ہوں، اس کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہوئے تخریج کیا، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود فرمایا کہ لوگوں پر ظلم وتعدی نہ کرے گا مگر وہ شخص جو زنازادہ ہے یا اس میں زنا کا دخل ہے۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی الھادی (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ گاذر کے یہاں گیا، اور اس کے یہاں سے دوسرے شخص کا بمعاوضہ اس کے آیا، وہ کپڑا استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر پھر گم شدہ پارچہ اس کے بدلے نہ ملے تو وہ کپڑا جو غیر کا اس کے پاس آیا ہے وہ گاذر کو دے دے یا کسی محتاج کو؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر لینے سے پہلے معلوم ہو کہ یہ کپڑا غیر کا ہے تو سرے سے لینا ہی درست نہیں، اور دھوکے میں لے لیا پھر معلوم ہوا تو استعمال میں لانا حلال نہیں۔

کما نصوا علیه فی مسئلة تبدیل الملاۃ والمکعب بملاۃ غیرہ او مکعبه	جیسا کہ فقہاء نے کپڑا اور جوتے کے مسئلہ میں نص فرمائی کہ اگر ایک کے دوسرے کپڑوں اور جوتوں

[1] موسوعة رسائل ابن ابی الدنیا ذم الغیبة والنمیمة حدیث ۸۳ کتاب الصمت ۲۲۰ موسسة الکتب الثقافیه بیروت ۲/ ۸۷ و ۵/ ۱۵۱

[2] مجمع الزوائد بحواله المعجم الکبیر کتاب الخلافة باب فی عمال السوء دار الکتب بیروت ۵/ ۲۳۳، مجمع الزوائد بحواله المعجم الکبیر کتاب لحدود والدیات باب فی اولاد الزنا دار الکتب بیروت ۶/ ۲۵۸، کنز العمال بحواله طب حدیث ۱۳۰۹۳، ۵/ ۳۳۳ و حدیث ۳۰۴۵، ۱۱/ ۱۹ موسسته الرسالة بیروت

كما فى الخانية والهندية وغيرهما وقد قال الله تعالٰى "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟"[1]. وقال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايحل لمسلم ان ياخذ عصا اخيه بغير طيب نفس منه.قال ذٰلك لشدة ماحرم الله من مال المسلم على المسلم،رواه ابن حبان[2] فى صحيحه عن ابى حميدى الساعدى رضى الله تعالٰى عنه.وفى الخانية والهندية والبزازية، واللفظ لهذه.اذا قال القصار هذا ثوبك وقال المالك ليس هذا ثوبى لايحل لبسه ولابيعه فهذا نص المسئلة اما ماذكروا عقيبه من الاستثناء بقولهم الا ان يقول ربه اخذته عوضا عنه ويقول القصار نعم[3]اھ.**فاقول**:يجب حمله على ماذا علم اوساغان يكون الثوب اللقصار،و قد ذكر فى الخانية وخزانة المفتين فروعا.فصلوا فيها بين مايكون الثوب للقصار اولغيره.اما اذا علم۔

میں تبدیل ہوجائیں، جیساکہ خانیہ او ہندیہ وغیرہ میں ہے، اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا تجارت صرف رضامندی سے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کی چھڑی اس کی رضامندی کے بغیر لے لے۔آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی مسلمان کا مال مسلمان پر شدید حرام ہونے کی وجہ سے ہے۔اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور خانیہ، ہندیہ اور بزازیہ میں بزازیہ کے الفاظ میں، جب دھوبی نے کہا یہ تیرا کپڑا ہے اور مالک کہے یہ میرا نہیں ہے پھر مالک اپنے کپڑے کے عوض اس کپڑے کو لے تو اس کا استعمال اور فروخت کرنا اس کو جائز نہ ہوگا۔اور یہ مسئلہ میں نص ہے لیکن فقہاء کرام نے اس کے بعد یہ جو فرمایا کہ اگر مالک کپڑے لیتے وقت دھوبی سے پوچھے کہ یہ کپڑا میرے کپڑے کے عوض میں ہے اور وہ جوب میں ہاں کہے تو جائز ہوگا اھ، تو **میں کہتا ہوں**، یہ ان کی بات اس صورت پر محمول ہے جب مالک کو یقین ہو یا دھوبی یقین دلائے کہ دھوبی کا کپڑا ہے، خانیہ اور خزانۃ المفتین میں مذکور تفصیل ہے تو انھوں نے دھوبی او رغیر کے کپڑے میں فرق کیا ہے لیکن معلوم ہو کہ یہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۱۶۶ کتاب البیوع المطبعۃ السلفیہ مدینۃ المنورۃ ص ۲۸۴

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الاجارات الفصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۲۹

ان الثوب لغیرہ فکیف یحل لك لبسه و تملکه بمعاوضة جرت بینك وبین من لایملك من دون اجازۃ من الملك ھذا امما لایتصور، فلیتأمل ولیحرر	غیر کا کپڑا ہے تو پھر تجھے کیسا پہننا اور فروخت کرنا جائز ہوسکتا ہے جبکہ تیرے اور غیر مالک کے درمیان جو معاوضہ طے ہوا ہے وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ہوا ہے۔یہ غیر متصور معاملہ ہے غور کرو اور واضح کرو۔(ت)

اور جبکہ اس نے دھوبی سے لیا اور دھوبی باذن مالک ہوتا ہے، تو اس کے لئے گری پڑی بے وارث چیز کا حکم نہیں ہوسکتا کہ محتاج کو دے سکے، بلکہ گاذر ہی کو واپس دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۱: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ ملا حاجی یعقوب علی خاں ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نزدیک تمام وکمال روپیہ از قسم سود ورشوت ہے۔تو اس قسم کے اموال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ایسے مال وزر سے اقسام نیاز بزرگان وادائے حج درست ہے یا ممنوع؟ اور اس روپیہ کی تبدیل کی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

سود ورشوت اور اسی قسم کے حرام وخبیث مال پر زکوٰۃ نہیں کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں تو انھیں واپس دینا واجب ہے۔اور اگر معلوم نہ رہے تو کل کا تصدق کرنا واجب ہے۔چالیسواں حصہ دینے سے وہ مال کیا پاک ہوسکتا ہے جس کے باقی انتالیس حصے بھی ناپاک ہیں، درمختار میں ہے:

لازکوٰۃ لوکان خبیثا کما فی النھر من الحواشی السعدیة[1]	اگر تمام مال خبیث ہو تو اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی جیسا کہ نہر میں حواشی سعدیہ سے منقول ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

مثل فی الشرنبلالیة وذکرہ فی شرح الوھبانیة بحثا، وفی الفصل العاشر من التاترخانیة عن فتاوی الحجة، من ملك اموالا غیر طیبه لازکوٰۃ علیه	ایسا ہی شرنبلالی میں ہے،اس کو شرح وہبانیہ میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے اور تاتارخانیہ کی دسویں فصل میں فتاوی الحجہ سے منقول ہے کہ جو شخص غیر حلال مال کا مالک بنا اس پر اس مال

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

فیھا[1] اھ ملخصاً۔	کی زکوۃ نہیں ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی القنیۃ لوکان الخبیث نصابا لاتلزم الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ اھ، ومثلہ فی البزازیۃ[2]۔	قنیہ میں ہے اگر خبیث مال نصاب زکوۃ ہو تو اس پر زکوۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ تمام صدقہ کردینے کے قابل ہے لہٰذا اس میں سے بعض کا صدقہ کافی نہ ہو، اھ اور بزازیہ میں بھی ایسا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لان المغصوب ان علمت اصحابہ او ورثتھم وجب ردہ علیھم والا وجب التصدق بہ[3]۔	مغصوبہ مال کے مالک یا اس کے وارثوں کو تو جانتا ہے تو ان کو واپس دینا واجب ہے ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ت)

اور ایسے مال سے نیاز بزرگاں کرنا بھی جائز نہیں۔ نہ ہرگز اس سے کچھ حاصل، کہ نیاز کا مطلب ایصال ثواب ہے اور ثواب ثمرہ قبول ہے۔ اور قبول مشروط بپاکی، حدیث میں ہے:

ان اللہ طیبٌ لایقبل الا الطیب[4]۔	اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ (ت)

خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ"[5]	قصد نہ کرو خبیث کا کہ اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ صلوٰۃ الاستسقاء دارصادر بیروت ۳/ ۳۴۶، کشف الخفاء حدیث ۶۸۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۶۰

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

علماء فرماتے ہیں۔جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھے اس پر کفر عائد ہو۔والعیاذباللہ تعالٰی۔فتاوی ظہیریہ میں ہے:

رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجوا بہ الثواب یکفر [1]۔	ایک شخص نے فقیر کو حرام مال دیا اور اس پر اس نے ثواب کی امید رکھی تو کافر ہو جائے گا۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ اگر اس نے اس مال حرام کو اپنی ملک خاص جان کر بطور تبرع تصدق کیا جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بہ نیت نفل و تطوع تقربا الی اللہ صدقہ کرتا اور اس پر اپنے رب کریم سے امید ثواب رکھتاہے کہ بے ایجاب شرع اس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصہ اپنے رب کی رضا کے لئے صرف کیا،جب تو یہ تصرف حکم شرع سے جدا،اور یہ خیال شرع مطہر کے خلاف ہے۔اور اس پر ہرگز اس کے لئے ثواب نہیں،اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکم تکفیر کیا،اور اگر یوں نہ تھا بلکہ اس مال کو خبیث وناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادم ہوکر تائب ہوا اور بحکم شرع اپنے تصرف میں لانا ناجائز سمجھا،اور اپنے نفس کو اس میں تصرف سے روکا اور ازاں جاں کہ اس کے ارباب معلوم نہ رہے بجاآوری حکم شرع کے لئے اسے تصدق کیا،اور اسی بجاآوری فرمان پر امید وثواب ہوا،تو بیشک اس میں اصلا حرج نہیں،بلکہ اسی کا اسے شرعا حکم تھا،اور اس تصدق پر اگرچہ ثواب صدقہ نہیں،مگر اس امتثال حکم کا ثواب بیشک ہے۔بلکہ یہ فعل اس کی توبہ کا تتمہ ہے۔اور توبہ قطعاً موجب رضائے الٰہی وثواب اُخروی ہے۔پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچا سکتاہے۔**لعموم قولھم ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ** (ان کے اس قول کے عموم کی وجہ سے کہ انسان کو اپنے عملک کا ثواب غیر کے لئے کرنے کا حق ہے۔ت) تو اس توبہ وبجاآوری حکم کا ثواب اگر نذر بزرگاں کریں کچھ مضائقہ نہیں۔

ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق اتقن ھذا افلعلك لاتجدہ فی غیرہ ھذا السطور۔	یہ تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔اس کو مضبوط کر،ہوسکتاہے تجھے ان سطور کے غیر میں نہ ملے۔(ت)

اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں کہ اسے حکم تو یہ تھا کہ جن سے لیا انھیں واپس دے۔وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الظھیریہ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

نہ معلوم ہوں تو تصدق کردے اس کے سوا جس کام میں صرف کیا جائے گا خلاف حکم شرع و موجب گناہ ہوگا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذمہ سے اتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا، **فان الخبث انما ھو فی المجاور فلا یمنع الصحۃ** (کیونکہ خبث یہاں بعد میں لاحق ہوا جو صحت کو مانع نہیں ہے۔ت) پھر بھی اس پر امید ثواب کا محل نہیں بلکہ اسے کہا جائے گا **لا لبیك ولا سعدیك وحجك مردود علیك حتی ترد مافی یدیك** نہ تیرے لبیک قبول نہ خدمت قبول اور تیرا حج تیرے منہ پر مارا گیا یہاں تک کہ تو یہ ناپاک مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس دے۔

نسأل الله العفوو العافیة ھذا ماجزمت به لظھورہ ظھورا بینا ثم اتفق مراجعة ردالمحتار فرأیت فیه التصریح بذٰلك كله حیث قال فی بیان الحض بمال حرام، الحج نفسه لیس حراما بل الحرام ھو انفاق المال الحرام ولاتلازم بینھما كما ان الصلٰوة فی الارض المغصوبة تقع فرضا، وانما الحرام شغل المكان المغصوب، وقال فی البحر یجتھد فی تحصیل نفقة حلال فانه لا یقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فی الحدیث مع انه یسقط الفرض عنه معها ولاتنافی بین سقوطه وعدم قبوله فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارك الحج[1] اھ مختصرا۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں اس کے بالکل ظاہر ہونے پر مجھے جزم حاصل ہوا، پھر مجھے اتفاقا ردالمحتار پر مراجعت ہوئی تو میں نے اس میں اس تمام پر تصریح پائی انھوں نے مال حرام سے حج کے متعلق فرمایا حج فی نفسہٖ حرام نہیں بلکہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے جبکہ ان دونوں باتوں میں تلازم نہیں ہے۔ جیسا کہ مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنے سے فرض ادا ہوجائے گا حرام صرف مغصوب زمین کو استعمال کرنا ہے۔ ار بحر میں فرمایا حلال نفقہ میں کوشش ضروری ہے کیونکہ حرام نفقہ سے حج قبول نہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود فرض ادا ہوجائے گا۔ اور فرض کی ادائیگی اور عدم قبولیت منافات نہیں ہے۔ تو قبول نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہ پائے گا۔ اور فرض ادا ہوجانے کی وجہ سے حج کا تارک ہوکر عذاب کا مستحق نہ ہوگا اھ مختصرا (ت)

اور تبدیل اس طرح سے کہ کسی سے قرض لے کر اپنے خرچ میں لائے، خواہ حج و تصدق و نذر و نیاز و

[1] ردالمحتار کتاب الحج داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۰

تعمیر مساجد وغیرہا میں اٹھائے، اور قرض اس ناپاک مال سے ادا کردے اگرچہ یہ صورت ان تصرفات کے جائز ہونے میں توبکار آمد ہے کہ اب یہ روپیہ جو ان کاموں میں اٹھارہا ہے ناپاک نہیں۔

فی الھندیۃ عن الملتقط اٰکل الربٰو اوکاسب الحرام اھدی الیہ اواضافہ وغالب مالہ حرام لایقبل ولا یاٰکل مالم یخبرہ ان ذٰلک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ[1] اھ مثلہ عن الینابیع۔	ہندیہ میں ملتقط سے منقول ہے کہ حرام کمانے والا یا سود خور ہدیہ دے یا دعوت کرے تو قبول نہ کرے جبکہ اس کا غالب مال حرام ہو اور کھائے نہیں جب تک وہ وضاحت نہ کرے کہ یہ اصل مال میں نے وراثت یا قرض میں حلال حاصل کیا ہے۔ اھ اس کی مثل ینابیع میں ہے۔ (ت)

مگر اس حیلہ سے نہ وہ گناہ اس سے زائل ہو نہ اس ناپاک مال کا وبال سر سے اُترے، نہ اس سے قرض ادا کرنا روا، بلکہ یہ دوسرا گناہ ہوا کہ حکم شرع تو اصحاب حقوق کو واپس دینا یا تصدق کرنا تھا، اس نے کچھ نہ کیا بلکہ اپنی ادائے قرض میں لگادیا، تو ثابت ہوا کہ خبیث مال والوں کو یہ حیلہ نافع نہیں بلکہ مضر وموجب گناہ ہے۔

فان قلت الیس قال فی الھندیۃ الحیلۃ فی ھذہ المسائل ان یشتری نسیئۃ ثم ینقد ثمنہ من ای مال شاء، وقال ابویوسف سألت اباحنیفۃ عن الحیلۃ فی مثل ھذا فاجابنی بماذکرنا کذا فی الخلاصۃ[2] اھ، و انما الحیلۃ لتحصیل الجواز۔ **قلت** انما قال فی اموال الشبھۃ کالجواز السلطانیۃ ای حیث	**اگر تو اعتراض کرے** کہ کیا ہندیہ میں یہ بیان نہیں ہے کہ ان مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ مال ادھار خریدے اور پھر بعد میں معاوضہ کسی بھی مال سے چاہے دیدے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان مسائل کے متعلق حیلہ پوچھا تو انھوں نے جواب میں وہی فرمایا جو ہم نے ذکر کیا، خلاصہ میں یوں ہے اھ، اور جبکہ حیلہ صرف جواز کو طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جواب کے طور پر **میں کہتاہوں**، یہ مذکور قول انھوں نے مشتبہ مال میں فرمایا ہے جیسے سرکاری عطیات

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

لم یعلم کونها عین الحرام ،فانه لایجوز اخذه حتی للفقیر کما نص علیه فی الھندیة ایضا وغیرھا ،ونص عبارته قبل ھذا فی شرح حیل الخصاف لشمس الائمة رحمه الله تعالٰی ان الشیخ اباالقاسم الحکیم کان یاخذہ جائزة السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجه ومایاخذ من الجائزة یقضی بھا دیونه والحیلة فی ھٰذہ المسائل [1] الی اٰخر مامر فھذا انما ھو فی امثال ھذا۔لافی المال الخبیث الواجب التصدق فان فیه مناقضة لما امر به الشرع کما علمت فاعلم ذٰلك وتفھم ،والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم وحکمه عزشانه احکم ۔	جن کے متعلق عین حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا۔لیکن وہ مال جو عین حرام ہونا معلوم ہو تو اس کو لینا فقیر تک کو جائز نہیں ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے۔اور شمس الائمہ خصاف کی حیل کی شرح میں اس سے قبل ان کی عبارت یہ ہے کہ شیخ ابوالقاسم حکیم سرکاری عطیہ لیا کرتے تھے اور آپ اپنی ضروریات کے لئے قرض لیتے اور وہ قرض سرکاری عطیات سے ادا کرتے اور حیلہ ان مسائل کا یہ ہے الٰی آخرہ۔تومذکور قول ان مشتبہ اموال میں ہے نہ کہ خبیث مال میں ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ خبیث میں حیلہ شرعی حکم کے منافی ہے۔جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے۔اسے جان لو اور سمجھ لو۔والله تعالٰی سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم وحکمه عزشانه احکم۔(ت)

مسئلہ ۲۶۲: ۲۶ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کی نمبرداری میں عمرو کی جزوی حقیت شامل ہے۔پٹی جداگانہ زید نے صرف اپنی جائداد کا ٹھیکہ بکر کو دے دیا اور خود ترک وطن کیا،بکر اور عمرو باہم اپنے اپنے حاصلات لیتے رہے۔آخر سال کا حاصل بوجہ تکرار باہمی عمرو وبکر کے عمرو کو وصول نہیں ہوا،تب عمرو نے نالش زید وبکر دونوں پر دائر کی،بالآخر زید پر ڈگری ہو گئی،بحالت اجراء اس ڈگری کے وہ ڈگری بقابلہ زید کے تمادی ایام میں خارج ہو گئی،تو اس ڈگری کا روپیہ ذمہ زید کے واجب الادا ہے یا نہیں؟بینوا توجروا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

الجواب:

سائل مظہر کہ زید وعمرو کی پٹیاں جداجدا ہیں، اور عمرو نے اپنی پٹی کے پٹے اسامیوں کو خود دئے، اور آپ تحصیل کرتا رہا۔ چند سال سے بکر ٹھیکہ دار حقیت زید نے اپنے دباؤ کے سبب عمرو کی پٹی بھی تحصیل لی، اس صورت میں عمرو کا مطالبہ حقیقۃً اپنے اسامیوں پر ہے کہ انھوں نے غیر شخص کو اس کا آتا ہوا کیوں دے دیا، اور بکر نے بوجہ اس زیادہ ستانی کے ظلم کیا مگر زید کی طرف سے کوئی تعدی نہیں۔ نہ اس پر عمرو کا مطالبہ تھا، نہ اس نے اسامیوں سے اس کا حق تحصیل لیا، نہ عمرو کے کوئی خاص معین روپے اسامیوں کے پاس رکھے تھے وہ بکر نے ان سے لے کر زید کو دے دئے۔ تو زید اس مطالبہ سے بالکل بری ہے، اس کی ڈگری محض بیجا ہوئی عمرو کو اس سے کچھ لینا جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "لَاتَزِرُوَازِرَةٌوِّزْرَاُخْرٰی ۚ" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک موضع کا مالک ہے۔ اور بکر زید کی رعایا، گاؤں میں زمین جوتتا ہے اور لگان زید کو دیتا ہے، اور کچھ زمین اور اس گاؤں میں بے لگانی ہے۔ اس میں بکر نے چند درخت لگائے ہیں اور پھل کھاتا ہے۔ اور ان درختوں پر زید اس سے کچھ لگان نہیں لیتا ہے۔ اور حاکم وقت نے بھی یہی حکم جاری کررکھا ہے کہ زمین کا مالک جو ہے وہی درختوں کا مالک ہے صرف پھل پھول کھانے کا بکر کو اختیار ہے اور بکر کو اختیار ہے۔ اور بکر نے بلااجازت زید کے مخالفانہ ان درختوں کو خالد کے ہاتھ فروخت کردیا، زید نے بکر اور خالد پر نالش کی کہ بکر کو بیچنے کا منصب نہیں تھا، اور یہ بموجب حکم حاکم فاسد ہے۔ حاکم نے وہ درخت زید کو دلادئے، اور یہ بھی حکم دیا کہ خالد اپنے روپے کا دعوٰی بکر پر کرے، تو اس صورت میں دراصل وہ درخت حق زید کے ہیں یا بکر کے یا خالد کے؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ درخت بکر نے باذن واجازت زید لگائے، خواہ یوں کہ زید نے صراحۃً خاص بکر، سب سکان دیہہ کو عام اذن دیا، خواہ یوں کہ حسب عرف رواج دیہہ ملاک کی طرف سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۳

مزارعین کو اذن عرفی تھا۔

دوسرے یہ کہ محض بلااذن بطور خود بکر نے لگالئے۔

پہلی صورت میں درخت مطلّقا زید کی ملک ہوں گے مگر یہ کہ خود اذن مذکور کا مطلب ہی یہ ہو اکہ لگانے والا مالک ہوں، مثلا اذن عرفی میں عرف ہی یوں تھا یا اذن صریح میں لفظ یہ تھے کہ اپنے لئے لگالو، تو اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے، اور زمین عاریت، یا یہ کہ بکر نے برخلاف مطلب اذن لگاتے وقت یہ کہہ لیا کہ میں خود اپنے اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے اور وہ بوجہ مخالفت اذن ظالم وغاصب کہ فورا درخت اکھیڑ کر زمین خالی کردینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ بے اذن مالک رکھے گئے، درخت مطلّقا ملک بکر ہوں گے، اور وہ غاصب قرار پائے گا۔ مگر یہ کہ رکھتے وقت اس نے کہہ دیا ہو کہ زید کے لئے لگاتا ہوں، اس صورت میں ملک زید ہوں گے۔ اور بکر کا کوئی دعوی نہیں۔

ھذا جملة الحکم فی ذٰلك وتعرف تفاصیل المسألة من شتی التنویر، والدر، وحواشیه، ووقف الاشباہ۔ و شروحه۔ وغصب الھندیة وغیرھا من الکتب المعتمدة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا یہ خلاصہ حکم ہے، اور تنویر الابصار میں کے مسائل شتّٰی، درمختار اور اس کے حواشی، اور الاشباہ کے وقف اور اس کی شرح، اور ہندیہ کے باب غصب وغیرہ معتبر کتب میں اس کی تفاصیل تجھے معلوم ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۴: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اراضی مسجد کی جو اس کے پیچھے تھی اپنے مکان میں ڈال لی ہے اور دیوار بنوالی، اور تاج محراب مسجد ومینار مسجد دبا کر اپنی دیوار بلند کرلی، ایسے شخص کے واسطے کیا حکم شرع شریف ہے؟ **فقط**

الجواب:

فاسق، فاجر، ظالم، جابر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب النار وغضب الجبار ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایأخذ احد شبرا من الارض بغیر حقه الاطوقه اللہ الی سبع ارضین الی یوم	جو شخص ایک بالشت بھر زمین ناحق لے گا اللہ تعالٰی وہ زمین زمین کے ساتوں طبقوں تک اس کے گلے میں قیامت کے دن تک طوق

القیٰمۃ۔رواہ مسلم [1] عن ابی ھریرۃ والشیخان عن ام المؤمنین وعن سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بنا کر ڈالے گا۔(اس کو مسلم نے ابوہریرہ اور شیخین نے ام المومنین عائشہ اور سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیٰمۃ الی سبع ارضین [2]۔رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	در زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا۔(اس کو بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ اٰخر سبع ارضین،ثم یطوقہ یوم القیمۃ حتی یقضی بین الناس [3]۔رواہ احمد والطبرانی وابن حبان فی صحیحہ بسند جید عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو شخص ایک بالشت زمین ناحق لے لے اللہ تعالٰی اسے تکلیف دے کہ اس زمین کو کھودے یہاں تک کہ ساتویں طبقے کے ختم تک پہنچے پھر قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالے یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب کتاب ختم ہو کر فیصلہ فرمادیا جائے(اس کو طبرانی،احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ شیئا من الارض بغیر حلہ طوقہ اللہ من سبع ارضین	جو کسی قدر زمین ناجائز طور پر لے اللہ تعالٰی ساتویں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق ڈالے،

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب تحریم الظلم وغصب الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث یعلی بن مرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۸۳

لایقبل اللہ منه صرف ولاعدل[1]۔رواہ احمد والطبرانی عن سعد بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه۔	نہ اس کا فرض قبول ہو نہ نفل (اس کو احمد وطبرانی نے سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیثیں اس باب میں متواتر ہیں، اس شخص پر فرض ہے کہ مسجد کی زمین وعمارت فوراً فوراً خالی کردے، اور اپنی ناپاک تعمیر جو ان پر کرلی ہے ڈھا کر دور کردے، اللہ قہار وجبار کے غضب سے ڈرے، ذرا من دو من نہیں بیس پچیس ہی سیر مٹی کے ڈھیلے گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی لئے پھرلے۔ اس وقت قیاس کرے کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہے یا زمین کے ساتویں طبقوں تک کھود کر قیامت کے دن تمام جہاں کا حساب پورا ہونے تک گلے میں، **معاذاللہ** یہ کروڑوں من کا طوق پڑنا اور ساتویں زمین تک دھنسا دیا جانا، **والعیاذباللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۵: رجب ۱۳۱۵ھ از شہر کہنہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کی زوجہ سے بلا طلاق دئے خالد کے نکاح کرلیا، اور خالد بعد معلوم ہو جانے نکاح اپنی زوجہ کے زوجہ کے ساتھ سرکار میں جاکرکے عرضی دی، اور زوجہ خالد نے بھی اپنے نان ونفقہ اور مہر کی عرضی خالد پر دی، اور ہنوز دونوں کا مقدمہ دائر ہے۔ لیکن اس عرصہ میں پنچوں نے جمع ہو کر دونوں کو راضی اپنے فیصلہ پر کر لیا، اور فیصلہ پنچوں کا اس طور پر زید پر ہوا کہ زید کو بوجہ مرتکب ہونے اس امر ناجائز کے مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ اور مبلغ دس روپیہ صرفہ خالد ادا کئے، اور خالد نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور مبلغ مذکور بھی پنچوں نے زید سے ادا کئے، اور اب روپیہ موصوف پنچوں کے تحت میں ہے۔ جب زید نے دیکھا کہ یہ وپیہ بیکار ہاتھ سے جاتا ہے کہ یہ لوگ شیرینی وغیرہ میں صرف کریں گے۔ تو اس نے مجبور ہو کرکے کہا کہ تم لوگ اس روپیہ سے ایک مسجد تعمیر یا مرمت کرو، تو پنچوں نے راضی ہو کر خالد سے بھی روپیہ صرفہ کا لے لیا، یعنی اس کو بھی تعمیر مسجد یا مرمت میں صرف کریں گے۔ بعد اس کے پنچوں میں سے ایک شخص نے پنچوں سے روپیہ لے کر زید کو دے دیا اور کہا کہ ایسا جائز نہیں ہے۔ پھر بعد تھوڑی دیر کے زید سے روپیہ مذکور واپس لے لیا، آیا اس روپیہ کو مرمت مسجد یا تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والطبرانی الترہیب من اخذ الارض حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۶

الجواب:

اول یہ مال حرام تھا کہ جرمانہ جو پنچ لیتے ہیں ناجائز ہے۔

قال المصادرۃ بالمال منسوخۃ عندنا وان کانت فالی الامام دون العوام۔	کیونکہ مالی جرمانہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے۔اگر ہو بھی تو صرف امام تک جواز ہے عوام کو جائز نہیں۔(ت)

اور جو صرف خالد کو زید سے دلایا وہ بھی ناجائز تھا فانہ تضمین باطل لم یرد بمثلہ الشرع (کیونکہ یہ ضمان لگانا باطل ہے شرع میں اس کی مثال نہیں ہے۔ت) مگر جب زید نے اپنی رضا اور خوشی سے اس مسجد میں صرف کی اجازت دے دی، اور اس کی تکمیل یوں کرلی گئی کہ وہ روپیہ اس کو واپس کردیا اور پھر اس سے تعمیر مسجد کے لئے مانگا اور اس نے بخوشی دیا جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا، تو اب اس کے جواز میں شبہ نہیں کمالا یخفی فان الباطل قد زال بالرد (جیسا کہ مخفی نہیں کہ باطل کا زوال واپس کردینے سے ہوگیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۶: از مولوی مرزا خاں پیشاوری ۱۵ محرم ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چیز رکھی ہوئی تھی، وہ چیز لاٹھی فرض کیجئے، دوسرے شخص نے آکر اٹھالی اور اس سے کھیل شروع کیا اور اس کو حرکت جوالہ دی، وہ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور ٹوٹ گئی، اب اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حوالہ کتاب دیجئے اور اگر نہیں ہے تو حوالہ کتاب دیجئے۔ بینو توجروا

الجواب:

جبکہ بے اذن مالک اس نے وہ چیز اٹھالی اور اس کے کھیلنے میں گر کر ٹوٹ گئی، تو اس پر بلاشبہہ ضمان واجب ہے۔ فتاوٰی خانیہ پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا دخل الرجل دار انسان واخذ متاعاو جحد فھو ضامن وان لم یحولہ ولم یجحدہ فلاضمان علیہ الا ان یھلك بفعلہ اویخرجہ من الدار[1]۔	جب کوئی کسی شخص کے گھر داخل ہوا اور سامان لیا اور بعد میں انکار کردیا تو ضامن ہوگا اگرچہ سامان کو جگہ سے تبدیل نہ کیا اور انکار نہ کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا مگر جبکہ اپنے عمل سے ضائع کرے یا سامان گھر سے باہر لے جائے تو ضامن ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۸، فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب فصل فیما یصیر بہ المرء غاصبا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۔۴۷۸

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

دخل رجل علی صاحب الدکان باذنه فتعلق بثوبه شیئ مما فی دکانه فسقط لایضمن لکن تاویله اذالم یکن السقوط بفعله ویده وکذٰلك اذا اخذ شیئا بغیر اذنه مما فی دکانه لینظر الیه فسقط لایضمن، ویجب ان یضمن الا اذا اخذ باذنه اما صریحا او دلالة [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص دکاندار کی دکان میں اجازت سے داخل ہوا اور اس کے کپڑے سے لٹک کر کوئی چیز گر کر ضائع ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا، اس صورت میں کہ وہ چیز اس کے عمل اور ہاتھ سے نہ گری ہو، اور یونہی جبکہ دیکھنے کے لئے دکان سے کوئی چیز بغیر اجازت اٹھائی اور گر کر ٹوٹ گئی تو ضامن نہ ہوگا مگر صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر اٹھائے تو ضمان واجب ہوگا الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۷: از پیلی بھیت قاضی محلّہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

زید کا مال عمرو نے چُرایا، چوری کے بعد زید مرگیا، اس نے لڑکا بکر وارث چھوڑا، اب بکر بھی مرگیا، کوئی اس کی نسل میں نہ رہا جو ترکہ ان دونوں کا پائے۔ اب عقبٰی میں اس مسروق کے معاف کرنے کا مجاز زید ہے یا بکر؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص کسی کا مال چرائے یا جبرا چھین لے یا دبا کر رشوت میں لے۔ یا ظلما تلف کردے، تو ان صورتوں میں علاوہ جرم شرعی کے جس میں خود سرکاری مدعی ہے، (یعنی حقیقی سرکار ابد قرار شریعت نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس ظالم پر مظلوم کے دو ۲ مطالبے عائد ہوتے ہیں، ایک مطالبہ ظلم کہ اسے ستایا آزار پہنچایا، دوسرا مطالبہ مال، مطالبہ ظلم ترمطلقًا اسی مظلوم کے لئے ہے تو اس کی معافی کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ رہا مطالبہ مال، اس میں دو صورتیں ہیں: اگر حیات مظلوم میں وہ مطالبہ مردہ ہوگیا جس کے وصول کی اصلا توقع نہ رہی، مثلا ظالم مرگیا اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا دین جب مردہ ہوجائے اس میں توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہو تو بعد انتقال مظلوم پسر مظلوم کی طرف منتقل ہوگا، اور صورت مسئولہ میں مطالبہ مال کے معاف کرنے کا اختیار بکر کو ہوگا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۹

اور مطالبہ ظلم سے در گزر کا مجاز زید۔ ہندیہ میں ہے:

لومات وترك عينا ودينا وغصبا فى ايدى الناس ولم يصل شيئ من ذٰلك الى الورثة. فالقياس ان يكون الثواب بذٰلك فى الاٰخرة للورثة لانهم ورثوامنه وفى الاستحسان ان توى الدين وتمت التوى قبل الموت فالثواب له لان التاوى لايجرى فيه الارث. فان توى بعده فالثواب للوارث لانه لا يجرى الارث فيه ليقامه وقت الموت، كذا فى الفتاوٰى العتابية[1]۔	اگر کسی نے فوت ہونے کے بعد لوگوں کے ذمہ قرض، عین چیز یا غصب چھوڑا اور ترکہ میں ورثاء کو وصول نہ ہوئی ہوں تو قیاس یہ ہے کہ ظلم برداشت کرنے کا ثواب ورثاء کو ملے کیونکہ یہ اس میت کے بعد ان اموال کے وارث بنے اور جبکہ استحسان یہ ہے اگر ان اموال کا نقصان مرنے والے کی میت سے پہلے مکمل طور پر واضح ہوگیا تو ثواب میت کو ملے گا کیونکہ نقصان میں وراثت نہیں ہے۔ اگر یہ نقصان موت کے بعد تام ہوا تو پھر ثواب ورثاء کو ملے گا کیونکہ ان میں وراثت جاری ہوئی ہے اس لئے کہ موت کے وقت یہ اموال میت کی ملکیت تھے۔ فتاوٰی عتابیۃ میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

سرق شيئا من ابيه ثم مات ابوه لم يؤاخذ به فى الاخرة لان الدين وهو ضمان المسروق انتقل اليه و اثم بالسرقة لان حق على المسروق منه كذا فى الفتاوٰى العتابية، رجل له على رجل دين فتقاضاه فمنعه ظلما حتى مات صاحب الدين وانتقل الى الوارث، تكلموا فيه، قال اكثر المشائخ لايكون حق الخصومة للاول۔ لكن المختار ان	کسی نے اپنے والد کی کوئی چیز چرائی پھر والد فوت ہوگیا تو آخرت میں اس پر ضمان کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ چیز مسروقہ جس کا ضمان تھا وہ وراثت میں بیٹے کو منتقل ہوچکی ہے اور چوری پر گنہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے وقت کے مالک کا جرم کیا ہے۔ یہ فتاوی عتابیہ میں ہے ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا تو مالک نے کسی کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیجا تو مقروض نے ادائیگی سے انکار کردیا پھر وہ مالک فوت ہوگیا اور وہ قرض ورثاء کو منتقل ہوگیا تو اس مسئلہ میں فقہاء کا کلام ہے۔ اکثر مشائخ نے فرمایا ہے کہ مالک کے مقرر کردہ پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

الدین للوارث، والخصومة فی الظلم بالمنع للاول، لافی الدین اذ الدین انتقل الی الوارث، کذا فی الظھیریة[1]۔	شخص کو قرض میں فریق بننے کا حق نہیں ہے۔ لیکن مختار یہ ہے کہ قرض وارثوں کا ہے اور قرض کی ادائیگی سے انکار کے ظلم کا دفاع پہلے مقرر شدہ کے ذمہ ہوگا۔ نہ قرض میں اس لئے کہ قرض وارث کو منتقل ہوچکا ہے، ظہیریہ میں یوں ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی خانیہ وغیرہ میں ہے۔ نیز فتاوٰی خانیہ میں ہے:

رجل مات ولہ علی رجل حق، ولم یخلف وارثا، قالوا یتصدق المدیون بما علیہ من المیت، لیکون ذٰلك ودیعة عنداللہ تعالٰی، فیوصلہ الی خصمہ یوم القیمة[2] **قلت** فافادان من مات لاعن وارث فان الخصومة تنتھی الیہ، ولاینتقل عنہ الی بیت المال وکان الفقہ فی ذٰلك ان الوضع فی بیت المال لیس علی جھة الارث، بل لان الضوائع تصیر فیألللمسلمین کمانص علیہ فی الدرالمختار واوضحة فی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص فوت ہوا اس کا دوسرے پر دین ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء نے فرمایا کہ مقروض اس میت کی طرف سے مال کو صدقہ کرے تاکہ عنداللہ قیامت میں یہ صدقہ امانت بن کر مستحق تک پہنچ جائے **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) اس کا یہ فائدہ ہوا کہ جو وارث چھوڑے بغیر فوت ہوجائے تو اس کے حق میں مطالبہ ختم ہوجاتا ہے او وہ مطالبہ بیت المال کو منتقل نہیں ہوگا، اس میں نکتہ فہم یہ ہے کہ بیت المال کو لاوارث کا مال بطریقہ وراثت منتقل نہیں ہوتا بلکہ لاوارث باقی ماندہ اشیاء مسلمانوں کے لئے ترکہ بنتی ہے جیسا کہ درمختار میں اس پر نص ہے اور اس کی وضاحت ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۸: ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان خام کو پختہ بنوایا، اور کچھ اراضی بکر کے اپنے مکان میں ڈال لی، اس پر بکر نے منع کیا، اس کے منع کرنے پر زید کا بھائی عمرو نے مل کر

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الغصب فصل فی برأة الغاصب والمدیون نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۳

مار پیٹ کی، اس پر بکر نے اپنا سر جھکا یا تاہم وہ باز نہ آئے، اور عمرو اپنے آپ کو متقی تصور کرتا ہے۔ اور اہل محلّہ کے لوگ بھی ایسا ہی قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے یہ سوال قائم کرکے علمائے کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ شاید حکم شریعت کو سن کر عمرو اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم ہو، اور بکر کے ساتھ آئندہ کچھ زیادتی نہ کرے، اور حکم شرعی زید و عمرو ہمراہیان کے مع تفصیل علیحدہ علیحدہ تحریر فرمائے۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو اور اس کے ساتھی سب ظالم اور مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب شدید ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیمة الی سبع ارضین۔ رواه البخاری[1] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	جو شخص زمین میں سے کچھ ٹکڑا ناحق دبا لے قیامت کے دن وہ ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔ (اسے بخاری نے ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اٰذی مسلما فقد اذنی و من اٰذانی فقد اذی اللہ[2] رواه الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم ان ظالم فقد خرج من الاسلام[3]۔ رواه الطبرانی فی الکبیر عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے کو چلا اور اسے معلوم ہو کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا (اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۳

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی ترجمہ اوس بن شرحبیل حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷

زید پر فرض ہے کہ بکر کی زمین اسے واپس دے، اور زید و عمرو اور اس کے سب معاون پر فرض ہے کہ بکر کو راضی کریں اور اس سے اپنا قصور معاف کرائیں، ورنہ روز قیامت اس کے مستحق ہوں گے کہ ان کی نیکیاں بکر کو دی جائیں، بکر کے گناہ ان کے سر پر رکھے جائیں اور یہ جہنم میں ڈال دئے جائیں۔ **والعیاذ باللہ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: از مراد آباد ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، خالد، ولید، عمرو پسران، عابدہ، ساجدہ دختران۔ حامدہ زوجہ چھوڑے، ترکہ زید پر صرف خالد قابض رہا، اس نے ترکہ کو بموجب شرع تقسیم کیا، مگر عابدہ کو زر نقد سے اس کے حصے کا نصف ادا کیا اور نصف دینے کا وعدہ کیا، بعدہ، عابدہ نے انتقال کیا ایک پسر، ایک دختر اور شوہر چھوڑا، وارثان متوفاہ نے خالد سے باقی نصف جو زر نقد تھا طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا، اسی طرح خالد پر تقاضے ہوتے رہے، اور وہ ہفتہ وعشرہ میں ادا کا وعدہ کرتا رہا۔ آخر کار خالد نے کہہ دیا کہ میرے یہاں چوری ہوگئی اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ جو میرے پاس باقی تھا چوری ہوگیا، بعدہ، خالد نے اپنے لئے جائداد خریدی، اب یہ دریافت طلب ہے کہ نصف حصہ عابدہ جو خالد کے پاس رہ گیا ہے از روئے شرع شریف کے خالد کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بقیہ زر نقد حصہ عابدہ کہ خالد کے پاس رہا تھا خالد پر وارثان عابدہ کے لئے واجب الادا ہے۔ اور چوری ہوجانے کا عذر نامسموع، ترکہ مورث میں ورثاء کی شرکت شرکت ملک ہوتی ہے۔ اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے۔ بے وجہ شرعی مثل وصایت وولایت وغیرہا ایک کو دوسرے کے حصہ پر قبضہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

شرکۃ ملك ان یملك متعدد عینا اودینا بارث اوبیع اوغیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبہ[1]۔ (ملتقطًا)	شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد حضرات کسی عین چیز یا دین میں وراثت، بیع وغیرہ کے ذریعہ مالک بنیں، اور یہ تمام حضرات ایک دوسرے کے مال میں اجنبی متصور ہوں گے۔ (ملتقطًا)۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

خالد نے اگر بے اذن عابدہ قبضہ کیاجب توظاہر ہے کہ وہ قبضہ ناجائز تھا،اور بعد تقاضاہر بار اس سے روکے رہنا ظلم بر ظلم،اور اگر ابتداء قبضہ باذن بھی تھا،تو طلب ٹالے بالے حیلے حوالے نے اسے قبضہ ظلم وتعدی کردیا،بہرحال اب چوری ہوجانا یاخود خرچ کرلینا،دونوں کاحکم یکساں ہوگیاکہ تاوان لازم ہے۔ہدایہ میں ہے:

الودیعة امانة فی یدالمودع اذا هلکت لم یضمنه فان طلبها صاحبها فمنعها وهو یقدر علی تسلیمها، ضمنها، لانه متعد بالمنع،وهذا لانه لما طالبه لم یکن راضیا بامساکه بعده فیضمنها بحبسه عنه [1] اه ملتقطا۔	ودیعت مودع کے پاس امانت ہوئی جب ہلاک ہوجائے تو ضمان نہ ہوگا،ہاں اگر مالک نے واپس لینے کا مطالبہ کیااور مودع نے دینے سے انکار کیاحالانکہ دینے پر قادر تھا تو ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا کیونکہ انکار پر وہ ذمہ دار ٹھہرا یہ اس لئے کہ جب مالک نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس کے بعد وہ اس کے پاس رکھنے پر راضی نہ تھا تو وہ روکنے پر ضامن ہوجائے گا اھ ملتقطا۔(ت)

فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ:

فانقلت هذا ظاهر فیما اذا کان قبض خالد باذن عابدة،فانه حینئذ تکون یده یدها،فاذا منعها فقد ازال یدامحقة واثبت مبطلة ولو حکما،فکان غاصبا والغصب یضمن هالکا اومستهلکا اما اذ قبض ابتداء بعد موت المورث من دون اذن الورثة ولا سبق قبض لهم فلم یوجد ازالة ید محققه،وان ثبت اثبات مبطلة ولا غصب	اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ یہ اس وقت ظاہر ہے جب خالد نے عابدہ کی اجازت سے قبضہ کیاتو خالد کا قبضہ عابدہ کا قبضہ قرار پایا توجب خالد نے عابدہ کو دینے سے انکار کردیا تواب یہ قبضہ حق نہ رہابلکہ ناحق ہوگیااگرچہ ناحق ہونا حکما ہے تویوں وہ غاصب بن گیا جبکہ غاصب خود ہلاک کرے یااس سے ہلاک ہوجائے دوونوں صورتوں میں ضمان واجب ہوتا ہے لیکن موت کے بعد قبضہ کو ورثاء کی اجازت حاصل نہیں۔اور نہ ہی ان کو پہلے قبضہ حاصل تھا،تواب موت کے بعد قبضہ سے رہنا،برحق قبضہ زائل نہ ہوا،اگرچہ یہ ناحق قبضہ ہے

[1] الهدایه کتاب الودیعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۷۱

الابعد اجتماعهما ففیم یضمن قلت یضمن ضمان التعدی وان لم یعد غاصبا.قال السید العلامة الازهری فی فتح الله المعین.فان قیل وجد الضمان فی مواضع ولم تتحقق العلة المذکورة کغاصب الغاصب فانه یضمن.وان لم یزل ید المالك بل ازال ید الغاصب.والملتقط اذا لم یشهد مع القدرة علی الاشهاد مع انه لم یزل یدا.وتضمن الاموال بالاتلاف تسبیبا کحفر البیرفی غیر الملك ولیس ثمة ازالة ید احد ولا اثباتها فالجواب ان الضمان فی هذه المسائل لا من حیث تحقق الغصب بل من حیث وجود التعدی کما فی العنایة[1] الخ۔	تو ضمان تب واجب ہوتا ہے جب حق کا زوال اور ناحق کا اثبات دونوں جمع ہوں،تو صرف ناحق قبضہ پر ضمان کیونکر لازم ہوگا،جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہاں ادائیگی سے منع پر ضمان ہے اگرچہ یہ غصب نہیں ہے سید علامہ ازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ کئی مقامات پر ضمان واجب ہوتا ہے حالانکہ وہاں مذکورہ علت نہیں پائی جاتی،مثلاً غاصب ضامن ہوتا ہے،اگرچہ اس نے مالک کا قبضہ زائل نہ کیا بلکہ اس نے غاصب کا قبضہ توڑا ہے اور یونہی گری ہوئی چیز اٹھانے والا جب اس پر گواہ بناسکتا تھا اور گواہ نہ بنائے حالانکہ اس نے بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا اور یوں ہی ہلاکت کا سبب بنانے پر بھی مال کی ہلاکت کا ضامن بنایا جاتا ہے مثلاً غیر کی ملک میں کنواں کھودنا،اس میں بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا، اور نہ ہی باطل قبضہ ثابت ہوا،تو جواب یہ ہے کہ ان مسائل میں اگرچہ غصب متحقق نہ ہوا اس کے باوجود ضمان اس لئے ہے کہ یہاں تعدی پائی گئی ہے،جیسا کہ عنایہ میں ہے الخ۔(ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

سئل ابو حامد عن مسافر حمل امتعته علی سفینة لیذهب الی بلدة.ثم مات ومعه ابنه فاخرج الابن تلك الامتعة من تلك السفینة الی سفینة اخری لیذهب لیسلمها الی سائر الورثة.	ابوحامد سے سوال ہوا کہ مسافر نے سامان ایک کشتی میں رکھا وہ کشتی والا مسافر فوت ہوگیا اس کے بیٹے نے جو ہمراہ تھا دوسری کشتی میں سامان لادا تاکہ باقی وارثوں کو سامان پہنچائے ھ لیکن اس نے اپنے والد کو طے کردہ راستہ کو چھوڑ کر

[1] فتح المعین کتاب الغصب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۱۰

واخذ طریقا یسبلکه الناس غیر الطریق الذی کان المیت علی عزم ان یذهب فیه. ثم غرقت السفینة و مات الابن وضاعت الامتعة. هل یضمن الابن نصیب سائرا لورثة. فقال لا وسئل عنها مرة اخری فقال ان کان اخرجها الی سفینة اخری ومضی بها الی مکان اُخر سوی وطن الورثة ضمن [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لوگوں کے عام معروف راستے پر کشتی کو چلایا اور کشتی بمعہ سامان اور لڑکے غرق ہوگئے، تو کیا اس صورت میں بیٹے پر ضمان عائد ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا ضمان نہ ہوگا۔ پھر ان سے ایک مرتبہ یہی سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر بیٹا وہ سامان دوسری کشتی میں لاد کر سامان کے مالکوں کے وطن کی بجائے دوسرے مقام کی طرف لے گیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۰: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجاں موضع پہمرا مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلا زید چند پسران خود یعنی خالد وبکر وغیرہ واموال منقولہ وغیر منقولہ را گزاشتہ از سرائے فانی بدار باقی رحلت فرمود، اکنوں از خالد اموال مذکورہ پدر متوفی خود را بزور بازو و حسب فرائض اللہ تقسیم مستقیم نانمودہ وبکر وغیرہ ندادہ۔ بقبضہ تصرف خود آوردن از قبیل غصب ست یانہ، وخود خوردن بل دیگراں را کہ خارج از ورثہ باشد خورانیدن، ومہمانی ایشاں نمودن، وخود میزبان گردیدن، وبجانب مستحقان اموال مقبوضہ وامتعہ موصوفہ التفات نہ کردن، ایں فعل شرعا صحیح است یانہ، وغاصب از اشیائے مغصوبہ ضیافت ومہمانی	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلا زید نے اپنی وفات کے بعد منقولہ اور غیر منقولہ مال ترکہ چھوڑا اور ورثاء میں اپنے چند بیٹے خالد اور بکر وغیرہ چھوڑے، اب خالد نے بزور بازو اپنے مرحوم والد کے تمام مال پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق ورثاء میں تقسیم نہ کیا اور بھائی بکر وغیرہ کو کچھ نہ دیا بلکہ اپنے تصرف میں لایا، کیا اس کی یہ کاروائی غصب ہے یا نہیں اور خود کھانا بلکہ غیر وارثوں، مہمانوں کو میزبان کے طور پر کھانا اور مستحق حضرات کی طرف کوئی التفات نہ کرنا شرعا یہ فعل صحیح ہے یا نہیں؟ اور غاصب کو مغصوبہ مال میں سے ضیافت کرنا نیز مہمانوں اور دیگر حضرات کو یہ کھانا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۶۔۵۷

کردن ونیز مہمان وخورندگان رازاں خوردن شرعا نافذ است یانہ، واگر غاصب بر فعل غصب اصرار کند وآں تعامل او معلوم می شود کہ غصب راغصب نہ فہمد بلکہ فعل غصب رانوے از حرفت وپیشہ شمرد، حسب شرع شریف بروجہ تعزیر واجب خواہد شد، بینو بسند الکتاب وتوجروا الی ملك الوھاب۔	شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور غاصب اپنے غاصبانہ عمل پر اصرار کرے اور اس کو معمول کی کاروائی سمجھے اور غصب نہ سمجھے بلکہ غاصبانہ کاروائی کو وہ ہمیشہ بنالے تو کیا شرعا وہ تعزیر کا مستحق ہے کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور ملک الوہاب سے اجر پائیے۔ (ت)

الجواب:

حرکت مذکورہ بالیقین غصب وحرام ست، قال الله تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] وغاصب اگر از عین مغصوب کسے راہبہ کند یا ہدیہ دہد یا ضیافت خوراند یا باجرت و تنخواہ یا قیمت چیزے دہد، بہر صورت مردماں را گرفتن و خوردنش حرام ست وقد تناول الکل الاٰیۃ المتلوۃ کما لایخفی و باصرار بغصب جز زیادت در وبال عذاب واستحقاق نار جہنم چیزے فزوں نشود، و مجرد ایں تعامل دلیل بیش ازیں نباشد، آری اگر ثابت شود کہ غصب حرام شرعی راحلال می دارند، آنگاہ البتہ لزوم کفرست بلکہ عند التحقیق بلا شبہ کفر باشد لان المدار علی کون ما انکرہ من ضروریات الدین و لا شك ان حرمۃ الغصب من دون حیلۃ شرعیۃ کمن یرید اخذ حقہ من المنکر ولا ضرورۃ ملجئۃ تمکن	مذکورہ عمل یقینا غصب اور حرام ہے۔ الله تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، اور غاصب اگر عین مغصوبہ چیز کسی کو دے یا ہدیہ، ضیافت، اُجرت تنخواہ یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر دے تو لوگوں کو لینا اور کھانا حرام ہے اور آیہ کریمہ مذکورہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور غصب پر اصرار سے عذاب اور وبال اور استحقاق جہنم کے علاوہ کیا زائد ہوگا اور اس کو معمول بنالینا اس سے زائد پر دلیل نہیں ہے ہاں اگر معلوم ہوجائے کہ اس نے حرام کو حلال جانا تو اسی وقت لزوم کفر ہوگا بلکہ عند التحقیق بلا شبہ کفر ہوگا کیونکہ کفر کا دار ومدار ضروریات دین کے انکار پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ بغیر حیلہ شرعیہ مثلا کسی سے اپنے حق کے بدلے لینا جبکہ وہ منکر ہو اور بغیر ایسی ضرورت جو اس کو مخمصہ میں مبتلا

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

فی المخمصۃ من ضروریات الدین وبعد ھذا لایتجہ الفرق بکون الحرمۃ لعینہٖ اولغیرہٖ، کما وقع عن بعض العلماء، واللہ تعالٰی اعلم۔	کردے غصب کی حرمت ضروریات دین میں سے ہے تو ایسی صورت میں حرمت لعینہٖ اولغیرہ کافرق کام نہ دے گا جیساکہ بعض علماء سے یہ سرزد ہوا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۱:

چہ می فرمایند فقہائے دن وفضلائے شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلاً زید چہار پسر یعنی عمرو و خالد وبکر وہاشم واموال منقولہ وغیر منقولہ را متروک داشتہ از سرائے فانی بسرائے باقی رحلت فرمود، بعدہ، خالد وبکر وہاشم ازاراضی پدر متوفی ہر یک حسب خرچ خوردپوش بگیرند، ومابقے نزد عمرو موجو است، امام از بہر اوشان قدر زائد است لکن عمرو از قد زائد اخراجات جمیع اراضی خود وبرادارں راانجام فی دہد، تاکہ جہت آں رادفتر سرکاری خوف وتلف برکل مال پیش نیابند، پس درایں صورت عمرو راغاصب وکافر خواندہ ومہمانی ودعوات خوردندوقبول نمودن حسب شرع شریف صحیح است یانہ، ونیز زمین کہ عمرواز کسب خود خریداست باز بوقت قسمت صحیح خالد وغیرہ از شیئ مکسوب عمرو طلبیدن شرعاجائز است یانہ؟	کیافرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلاً زید فوت ہوا اس نے منقولہ وغیرہ منقولہ مال اور چار بیٹے عمرو، خالد، بکر اور ہاشم وارث چھوڑے، خالد بکر اور ہاشم نے اپنے مرحوم والد کی زمین سے خوراک ولباس کے اخراجات کے مطابق حصہ وصول کرلیا اور باقی جو کچھ ہے وہ عمرو کے پاس موجود ہے تاہم دوسروں کی نسبت اس کے پاس زیادہ ہے لیکن اس زائد سے اپنی اور بھائیوں کی تمام زمین کے جملہ اخراجات پورے کرتا ہے تاکہ سرکاری دفاتر سے ضرر رسانی کے خطرے کو پورے مال پر سے ختم کیا جائے۔ تو کیا اس صورت میں عمرو کو غاصب وکافر کہنا اور اس کی دعوت مہمانی کھانا اور قبول کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یانہیں؟ نیز عمرو نے اپنی کمائی سے جو زمین خریدی ہے اس کو تقسیم سے الگ رکھنا صحیح ہے اور خالد وغیرہ کا عمرو کی کمائی کو طلب کرنا شرعاجائز ہے یانہیں؟ (ت)

الجواب:

اگر عمرو برضائے دیگر ورثہ براں اراضی حصہ دیگر قابض ست، وخزانہ از جانب ایشاں می دہد، وہرچہ زیادت محاصل بود	اگر عمرو باقی وارثوں کی رضامندی سے ان کے حصہ پر قابض ہے اور اخراجات سرکاری ان کی طرف سے ادا کرکے باقی آمدن کو مساوی

بعدل قسمت می کند، یا از منافع آناں رابقدر خورد پوش می دہد، وباقی رابرضائے آناں پیش خود جمع می دارد، دریں صورت عمروہر گز غاصب نیست لوجودالاذن من الملاک فی القبض وعدم تصرف باطل فی خراج الارض واگرنہ چناں ست بلکہ بے رضائے آناں بر حصص آنا قبضہ کردہ است ودر حقوق آناں تصرفات بیجا برائے خود می کند، ضرور غاصب بود، واما کافر نیست لانه لایخرج الانسان من الاسلام الا جحودما ادخله فیه درصورت اولی دعوت زید قبول کردن بلادغدغہ رواست، و نیز درصورت ثانیہ اگر دعوت از مال خودش کند، واگر ازمال غصب میکند خوردن مغصوب روا نیست، بلکہ در صورت ثانیہ چوں غاصب ومصر علی الغصب باشد با او اختلاط نشاید کرد، ودعوتش ازمال خودش ہم نباید خورد لیکون زجر الہ ولامۃ لہ۔ زمین کہ عمرو از کسب خود خر یداست خالد وغیرہ راازو حصہ خواستن روانیست، فان سہم الوراث فی المورث دون مملوک وارث اخر، واللہ تعالٰی اعلم۔	تقسیم کرتا ہے یا منافع میں سے ان کے خورد ونوش وپوش کے اخراجات ان کو دیتا ہے اور باقیماندہ کو ان کی رضامندی سے اپنے پاس جمع رکھتا ہے اس صورت میں عمروہر گز غاصب نہیں ہے کیونکہ مالکوں کی طرف سے قبضہ کی اجازت ہے اور زمین کی آمدن میں کوئی باطل تصرف نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ ان کی رضامندی کے بغیر ان کے حصوں پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ان کے حقوق میں بے جا اپنی مداخلت کرتا ہے تو ضرور غاصب ہے لیکن وہ کافر نہیں ہے کیونکہ جو چیز اسلام میں داخل کرتی ہے اسی کے انکار سے اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور پہلی صورت میں اس کی دعوت قبول کرنا بلاشبہہ جائز ہے لیکن دوسری صورت میں اگر اپنے مال سے دعوت کرے تو بھی قبول کرنا جائز ہے اور اگر مغصوبہ مال سے دعوت کرے تو وہ ناجائز ہے اور اگر دوسری صورت میں وہ غاصبانہ کاروائی پر اصرار کرے اس سے میل جول منع ہے اور اس کے اپنے مال کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہئے تاکہ اس کو زجر وملامت ہوسکے عمرو کی اپنی کمائی سے خرید کردہ زمین سے خالد وغیرہ کو حصہ طلب کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وارث کا حصہ مورث کے مال میں ہے دوسرے وارث کی ملکیت میں نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از مجیب نگر ڈاک خانہ مونڈا سواراں ضلع کھیری مرسلہ مجیب رحمان خاں ۴ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔

عجلت تیاری میں غلطی سے ایک چٹائی مسجد کی بانی مسجد نے یہ سمجھ کر کہ ایک چٹائی ایسے تنگ وقت دستیاب نہ ہوسکے گی۔اور مسجد میں دوسری چٹائی بجائے اس کے رکھ دی جائے گی،لے کر میت کے تختوں پر جو قبر میں بچھائی گئی تھی اس لئے کہ مٹی قبر کی دراز تختہ سے نہ چھنے،ڈال دی،اور وہ قبر میں کام آگئی،تو ایسی حالت میں ایسے شخص کے لئے جس نے میت معروضہ سے مسجد کی چٹائی ضرورت مذکورہ میں بحوالہ عجلت بکار مسطورہ اٹھائی،شرع شریف کا کیا حکم ہے؟اور اس کا کفارہ کچھ ہوسکتا ہے یا کیا؟فقط

الجواب:

وہ گنہ گار اور مجرم خاص حقیقی سرکار ہوا،**لعضبہ الوقف فلیس فی تاثمیہ وقف** (اس کے وقف کو غصب کرنے میں گناہ میں کوئی شک نہیں ہے۔ت)اس کا کفارہ صدق دل سے توبہ ہے،**ویتوب اللّٰه علی من تاب** (اللہ تعالٰی توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتاہے۔ت)اور ویسی ہی چٹائی یا اس سے بہتر مسجد میں ڈالنا،اور وسعت رکھتاہے تو خدمت مسجد وحاجت روائی صلحاء و مساکین میں بقدر قدرت پاک نیت سے صرف کرے کہ اس کی خدمت پسند سرکار ہو،اور رحمت توجہ فرماکر گناہ دھودے،

قال اللّٰه تعالٰی "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ "[1]۔واللّٰه تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا:نیکیاں ختم کردیتی ہیں برائیوں کو،یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔**واللّٰه تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۲۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا ور اس نے مال تجارتی اور دیگر جائداد زر خرید اپنی بشراکت اپنے برادر حقیقی عبدالرحیم کے چھوڑی اور اس مال میں سے نفع جائداد سے کرایہ تخمینا بارہ سال کے عبدالرحیم حاصل کرتا ہے۔اور دوسرا مال اور جائداد موروثی جو والدین سے پایا وہ بھی چھوڑا،اب مال اپنا زر خرید اور جائداد موروثی کس طرح پر تقسیم ہوگا۔وارث اپنے چھوڑے،ایک زوجہ،دو بھائی،ایک بھتیجا اور دو ہمشیریں اور تین بیٹیاں اپنی،اور قرضہ عبدالغفور فوت شدہ نے بشراکت عبدالرحیم کے دین مہر اپنی زوجہ دینا چھوڑا،اب اس میں سے کون سا قرضہ ادا کیا جائے گا۔اور ازروئے شرع شریف کے وہ مال کس طرح پر تقسیم ہوگا؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۴

الجواب: حسب شرائط فرائض عبدالغفور کا جو کچھ ترکہ ہے خواہ موروثی، خواہ خرید کردہ۔ اس سب سے عبدالغفور پر جو کچھ دین ہے تقسیم ترکہ سے پہلے اسے ادا کریں۔ دین مہر زوجہ اور دوسرا قرضہ جو عبدالرحیم کی شرکت میں تھا سب برابر ہے، اگرچہ جائداد اس میں مہر وقرضہ کے مجموعہ سے کم یا برابر ہو، تو سب ترکہ مہر وقرض میں حصہ رسد دیا جائے، خواہ کسی وارث کو وراثۃً کچھ نہ ملے۔ اور اگر ترکہ زیادہ ہے تو مہر وقرض میں جس قدر واجب ہے تمام وکمال ادا کرکے، اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی سے عبدالغفور کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کی جائے، باقی کے ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) حصے ہو کر اٹھارہ سہم زوجہ اور تئیس تئیس سہم ہر دختر، اور دس دس سہم ہر برادر، اور پانچ پانچ سہم ہر خواہر کو دیں، اور بھتیجا کچھ نہ پائے گا۔ اور بعد موت عبدالغفور جو نفع مال مشترک سے عبدالرحیم نے حاصل کیا اسے چاہئے کہ عبدالغفور کے حصہ کا نفع اس میں سے اپنے حصہ یعنی بہتّر ۷۲ حصوں سے پانچ حصے نکال کر باقی دیگر ورثاء عبدالغفور کو دے دے،

لانه حصله بوجه خبیث وکان علیه اخراجه، اما صدقۃ اوردا علی المالک، وهوالافضل کما فی الخیریۃ و الهندیۃ وغیرهما۔	کیونکہ اس نے خبیث طریقہ سے حاصل کیا ہے، اس پر اپنی ملکیت سے باہر کرنا لازم ہے یا صدقہ کرے یا مالک کو واپس کرے اور یہ افضل ہے جیسا کہ خیریہ میں اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس صورت میں کہ مہر وقرض مل کر جملہ ترک عبدالغفور سے زائد یا برابر نہ ہو، لان الدین اذا لم یستغرق ینتقل الملک الی الورثۃ (کیونکہ اگر میت کا قرضہ ترکہ پر حاوی نہ ہو تو ورثاء کی ملک ہوگا۔ ت) اور اگر زائد یا برابر تھا تو جو نفع حصہ عبدالغفور سے حاصل کیا ہے تمام وکمال فقیروں پر صدقہ کر دینا اس پر واجب ہے نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

لان الدین المستغرق یمنع ملک الورثۃ کما فی الاشباہ [1]۔ وحق الدائن فی المالیۃ فلا مالک یرد علیه فتعین التصدق وجوبا۔	کیونکہ ترکہ پر اگر قرض حاوی ہو تو ورثاء کی ملک نہ ہوگا۔ جیسا کہ الاشباہ میں ہے اور مالیت پر قرض خواہ کا حق ہے تو اس کا کوئی مالک نہیں ہے جس پر واپس کیا جائے لہٰذا لازماً صدقہ کرنا متعین ہوگا۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

رہاوہ کرایہ جو جائداد مشترکہ سے عبدالرحیم نے بعد موت عبدالغفور حاصل کیا، اس کی نسبت سائل کا بیان ہے کہ وہ جائداد ایک زمین ہے جسے دونوں بھائیوں نے شرکت میں خریدا کہ اس میں کچھ مکان بنوائے یا کرایہ پر چلوائے خاص کرایہ پر دینے کی نیت نہ تھی، اور وہ زمین حیات عبدالغفور میں کبھی پڑی رہتی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا کرایہ پر رہتا **فلم تدخل فی المعد للاستغلال** (تو وہ زمین اجارہ کے لئے تیار میں نہ داخل ہوئی۔ت) تینوں بیٹیوں میں موت عبدالغفور کے وقت ایک جوان تھی دوسری دس برس کی، تیسری دو برس کی، تو اگر مہر وقرض سب ملک کر تمام متروکہ سے کم مقدار پر تھے تو یہ مشترک زمین کہ بعد عبدالغفور کے عبد الرحیم نے خاص اپنے قبضہ مالکانہ میں رکھی اور کرایہ پر چلائی، موت عبدالغفور سے اس وقت کہ یہ دونوں نابالغہ لڑکیاں بالغہ ہو گئیں، ان کے حصہ کا کرایہ جو بازار بھاؤ سے ہو ان دونوں کو دینا واجب ہے چاہے عبدالرحیم نے کم کرائے پر اٹھائی ہو یا زیادہ پر ڈال رکھی ہو۔ مثلاً دونوں لڑکیاں چودہ چودہ برس کی عمر میں بالغہ ہوئی ہوں، تو پہلی لڑکی کے حصے کا چار سال کا کرایہ اور دوسری کے حصے کا بارہ برس کا کرایہ عبدالرحیم پر واجب ہے۔ وعلٰی ہذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاہا اوعطلہا لاتضمن الا فی ثلث فیجب اجرالمثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم وعلی المعتمد تجب الاجرۃ علی الشریك [1] اھ مختصرا۔	غصب کے منافع حاصل ہوں یا معطل چھوڑے ہوں تو تین صورتوں کے علاوہ ان کا ضمان نہ ہوگا تین صورتیں یہ ہیں؟ مغصوبہ چیز وقف ہو یا یتیم کا مال ہو تو بااعتماد قول کے مطابق شریک پر بھی مثلی اُجرت لازم ہوگی اھ مختصرًا (ت)

اور باقی جو وارثوں کے حصص کا کرایہ دار سے حاصل کیا ہو جس صورت میں مہر وقرض متروکہ سے کم ہوں، تو زمین میں سارے حصہ عبدالغفور پر جو کرایہ عبدالرحیم نے وصول کیا ہو سب فقیروں کو دینا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باغوائے نفس امارہ ایک دستاویز اس مضمون کی کہ جو مکان اس کی والدہ ہندہ کا ہے اس کو دونا برابر حصوں میں بطور خود بلااطلاع ورثاء جائز کے اس طرح تقسیم کیا کہ چھوٹے بھائی عمرو کے واسطے چوتھائی سے کم، اور بڑے بھائی زید یعنی اپنے واسطے تین چوتھائی

[1] درمختار کتاب الغصب فصل مسائل آخر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸

سے زائد اور خفیہ طور سے اپنی والدہ ہندہ کو کاغذ مذکور اس طرح پڑھ کر سنادیا کہ مکان مملوکہ و مقبوضہ تمھارا، میں نے دو برابر حصوں میں تقسیم کرلیا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی باور کرادیا، پھر کہا کہ اس پر عدالت میں چل کر خفیہ طور سے رجسٹری کرادو۔ ہندہ نے کہا کہ اس کی خبر میرے چھوٹے لڑکے عمرو کو تو کردو، تو کہا کہ تم میرے اعتبار پر اس کی رجسٹری کرادو اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہندہ نے قطعی انکار کردیا لہٰذا دستاویز نامکمل اور بلا دستخطی رہی جبکہ عمرو کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کی شکایت اپنی والدہ ہندہ سے کی، ہندہ نے کہا کہ مجھے تو دو برابر حصوں میں بانٹنا باور کرایا ہے۔ بربناء اس ناخوشی و تحکم کے ہندہ نے زید سے اس دیور کو جو زید کے بلا رضامندی فریق ثانی کے بطور خود قائم کرلی منہدم کرنے کو کہا، تو زید نے اپنی روباہ بازیوں سے اسے ٹالا اور ایک کرایہ نامہ اپنے نام سے فریق ثانی کی حق تلفی کے واسطے لکھ کر اس میں کرایہ دار بسایا، اس کے روکنے کے واسطے جبکہ عمرو نے زید کو تنبیہ تحریری کی تو اس کو خیال میں نہ لایا بلکہ اپنی بدمعاملگی اور دغابازی پر اب تک مصر ہے۔ اور نہ مکان مذکور کا نصف کرایہ دیتا ہے۔ نہ کرایہ نامہ میں شکرت کرتا ہے۔ نہ دیوار منہدم کراتا ہے۔ بلکہ ہر طریقہ سے فریق ثانی کی حق تلفی پر آمادہ ہے۔ اور کوئی شرعی فہمائش کسی کی اس کو بوجہ طمع نفسانی کے مفید نہیں ہوتی، دیگر یہ کہ یہ شخص وعظ بھی کہتا ہے حالانکہ اس کی تحصیل علم قطعی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، نہ کسی مستند معتبر استاد سے کبھی پڑھا۔ نہ فقہ، نہ تفسیر، نہ حدیث، بلکہ صرف اردو کی چند کتابوں کے ذریعہ سے وعظ گوئی کرتا ہے، تو شرع شریف ایسے شخص کی نسبت کیا حکم فرماتی ہے؟ آیا اس کا ایمان سالم رہا یا نہیں؟ آیا تقسیم مذکور جائز ہوئی یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اسے وعظ کہنا چاہئے یا نہیں؟ اسکی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ تقسیم باطل محض ہے۔ اور زید سخت ظالم، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب نار و غضب جبار ہے۔ مسلمانوں کو اس سے وہی برتاؤ چاہئے جو ظالموں موذیوں سے چاہئے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اسے وعظ کہنا حرام ہے۔ اس کا وعظ سننا جائز نہیں۔ وہ اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہزار بار شہادت دے شرعاً مردود ہے۔ جو اس کی گواہی قبول کرے گا گنہ گار ہوگا۔ یہ سب اس بناء پر ہے جو سائل نے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اظہار کیا، اور واقع کا علم عالم الغیب جل وعلا کو ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: مرسلہ بخش اللہ ساکن بریلی محلّہ گندہ نالہ مورخہ یکم جمادی الاُخری ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو مکان دو شخصوں کے خرید کردہ ہیں، ایک شخص کی خریداری قریب پچیس تیس سال کی، اور دوسرے شخص کی خریداری قریب دس سال کے ہے، جس شخص کا مکان خریدا ہوا قریب پچیس سال کے ہے اس کی کڑیاں دوسرے شخص کی دیوار پر رکھی ہے۔ اب وہ یہ کہتا ہے کہ میری دیوار پر سے کڑیاں علیحدہ کرلو، یہ کہتا ہے کہ میں نے اسی حیثیت سے خریدا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے اور اس شخص کا گمان ہے کہ اس نے خود بعد خرید نے مکان کے یہ کڑیاں رکھوائی ہیں، ایسی حالت میں مستحق ہٹوانے کا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ اس شخص کو اقرار ہے کہ یہ دیوار جس پر میری کڑہیاں رکھی ہیں میری نہیں، اس صورت میں اسے کڑیاں رکھنے کا کوئی حق نہیں، اگر عصبا رکھی ہیں جب تو ظاہر اور اگر سابق کے مالک کی اجازت سے رکھی تھیں تو اس کی اجازت اس کی ملک ختم ہونے سے ختم ہوگئی، اب بے اجازت مالک اس کا اختیار نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، دو۲ مکان دو۲ دیواریں ملی ہوئی ہےں ایک خام ایک پختہ تھی، اس نے اپنی دیوار میں الماری لگائی ہوئی تھی۔ اس میں سے کچھ خام دیوار میں سے کٹی۔ قریب ۱۰/ گرہ کے لیکن الک دیوار کو نہیں معلوم ہوا، اب اس نے اس مکان کو فروخت کیا، ایسی حالت میں خریدار مواخذہ دار کس کا ہے۔ یعنی مالک قبل کا ہے یا مالک مال کا حصہ ہے۔

الجواب:

پہلے مالک سابق کا مواخذہ تھا، اب مالک حال کا، یا تو اس کی رضامندی سے اس قدر زمین کی قیمت اس کو دے دے یا یہ ۱۰/ گرہ زمین کا ٹکڑا خالی کردے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[1] (ظالم کا دخل حق نہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، السنن الکبرٰی کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹

مسئلہ ۲۷۷: مرسلہ شیخ حاجی عبدالعزیز صاحب ۲۲ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دیوار میں تیس برس سے ایک طاق عمرو کے غسل خانہ کا تھا، زید نے جس وقت اپنے مکان کی دیوار کھودی تو عمرو کا تیس برس کا طاق بند کردیا، باجود منت و سماجت بسیار کے بھی نہ مانا، دیگر یہ کہ عمرو کے غسل خانہ کے دو کڑی کے زید کی دیوار میں اور چار پائخانہ کی کڑیوں کے ٹکڑے زید مذکور کی دیوار میں رکھے ہوئے ہیں۔ غدر کے قبل کے ہیں، زید نے بارہا ان کو دیکھا ہے۔ کیونکہ ایام قربانی زید مذکور کا کئی گھنٹہ اس مکان میں قیام رہتا ہے۔ زید نے ہمیشہ ان ٹکڑوں کو دیکھا ہے مگر کبھی کچھ نہیں کہا، اور اب ان کو نکلوادینے کو کہتا ہے۔ دیگر یہ کہ جس وہ طاق بند کیا تھا اس وقت یہ چیزیں بھی اگر ناراضامندی تھی نکلوادیتا، عمرو نے ایک خام مکان خرید کر تعمیر کرانا چاہا اور دیواریں کھدوائیں تو زید کی طرف کی دیوار میں دو الماریاں اور ایک آتش خانہ نمودار ہوا، بلکہ دیوار بھی بڑھی ہوئی ہے۔ عمرو نے جب زید سے کہا کہ اس کو درست کرادو، تو زید نے جواب دیا کہ تمھاری پائخانہ کے ٹکڑے جو ہمارے دیوار میں رکھے ہیں نکلوادو تو ہم بھی الماریاں بند کرادیں گے، اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب:

الماریاں اور آتش خانہ جو زید نے بے اجازت مالک بنایا ہے اس کا بند کردینا اس پر فوراً لازم ہے۔ اور اگر ثابت ہو کہ دیوار اس کی زمین میں بڑھالی ہے تو اتنی دیوار گراکر زمین خالی کردینی لازم ہے۔ رہیں عمرو کی کڑیاں[عہ] اور طاق۔ تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ دوسرے کی دیوار میں باجازت مالک بطور عاریت تھے، نہ کسی حق لازم سے، اور زید کا اب تک سکوت وہ بھی عاریت پر راضی ہونا تھا، اور عاریت کی چیز کا ہر وقت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اب کہ زید راضی نہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ کڑیاں نکال لے، مگر ایک کا دوسرے پر ٹالنا کہ تم یہ کردو تو ہم یوں کریں، جائز نہیں، کہ ظلم فوراً دور کرنا فرض ہے۔ دونوں معاً دوسرے کی ملک خالی کردیں، عالمگیریہ میں ہے:

البائع یؤمر برفع خشب علی حائط المبیعة ولو کان الخشب لاجنبی بحق لازم بملك واجارة فھو عیب لانه	اتارنے کا حکم بائع کو دیا جائے گا اور اگر وہ کڑیاں اجنبی کی ملکیت یا اجارہ پر ہوں تو یہ عیب شمار ہوگا کیونکہ اس میں

عــــہ: لفظ "کڑیاں" اصل میں نہیں ہے شاید قلم ناسخ سے چھوٹ گیا ہے۔ عبدالمنان اعظمی

لیس له ان یمنعه، وان کان باجازة لاخیار له لانه لیس بلازم کذا فی تاتارخانیة [1] اھ مختصرا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مبیع کی دیوار پر سے کڑیاں اس کو منع کا حق نہیں اور اگر اجازت سے ہوں تو اس کو اختیار نہیں کیونکہ وہ لازم نہیں۔ تاتارخانیہ میں یوں ہے اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از بریلی محلّہ شاہ آباد مرسلہ حکیم نذیر الدین صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد غاصبانہ طریقہ سے حاصل کی اور تخمینا پچاس سال تک اس کی آمدنی کو تصرف کرتا رہا، اور اس میں سے قریب نصف جائداد کے فروخت کردی، زید فوت ہوگیا اور اس نے جائداد بقیہ مغصوبہ کے چھوڑی، اور ورثاء غاصب صرف جائداد مغصوبہ موجودہ کو ورثاء حقدار کو دیتے ہیں، جو جائداد فروخت ہوچکی اور نیز محاصل کل جائداد کا دینے سے منکر ہیں، حالانکہ غاصب نے جائداد کثیر المالیت اس تعداد کی چھوڑی ہے کہ اس سے مطالبہ جائداد مغصوبہ کا ادا ہو کر جائداد کثیر المالیت ورثائے غاصب کے لئے باقی رہتی ہے ایسی حالت میں حقدار جائداد مغصوبہ کو ورثان غاصب سے بمقابلہ جائداد یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائداد مغصوبہ موجودہ اور بیع شدہ اور اس کے محاصل کو جس طرح اس کا حصول ممکن ہو حاصل کرلے۔ اور بحالت ہونے جائداد غاصب کے اس کے ورثاء پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق مذکورہ بالا کو ادا کردیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع وہ جائداد زید نے جس سے غصب کی تھی اسے اور اس کے بعد اس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس قدر جائداد اس میں سے موجود ہے اسے بعینہٖ واپس لیں، اور جو زید نے بیع کردی اس کی قیمت جتنی روز غصب تھی دیگر جائداد مملوکہ زید سے جس طرح ممکن ہو وصول کریں، اور اگر وہ جائداد دیہات یا کرائے پر چلانے کے مکان دکان تھے کہ اصل مالک نے اس لئے بنائے یا خریدے، اور زید نے اس سے غصب کرلئے تو جائداد باقیماندہ کے محاصل آج تک کے اور جائداد بیع شدہ کے محاصل اس دن تک جب تک وہ زید کے پاس رہی جائداد مملوک زید سے وصول کریں، ورثائے زید پر ان تمام حقوق کا ترکہ زید سے ادا کرنا لازم ہے اور ممانعت کرنا حرام۔ نیز مالک اور اس کے وارث چاہیں تو یہ بھی کرسکتے ہیں کہ جائداد موجود میں تو وہی کاروائی کریں، اور جائداد بیع شدہ کے محاصل کا بشرط مذکور روز قبضہ زید تک ترکہ زید سے تاوان لیں، اور اس کی قیمت کا تاوان اور روز قبضہ مشتری سے آج تک اس کے

[1] فتاوٰی ہندیہ

محاصل کا تاوان مشتری سے وصول کریں، مشتری نے جو قیمت زید کو دی تھی ترکہ زید سے وصول کرے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو باعه الغاصب وسلمسه فالمالك بالخيار ان شاء ضمن الغاصب، وجاز بيعه والثمن له۔وان ضمن المشتری رجع على الغاصب وبطل البيع ولا يرجع بما ضمن وان باع ولم يسلم لايضمن كذا فی الوجيز للكردری [1]۔والله تعالٰی اعلم۔وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	اگر غاصب نے اسے فروخت کرکے سونپ دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے ضمان لے اب غاصب فروخت کردے رقم اس کی ہوگی اور اگر مالک نے مشتری کو ضامن بنایا تو وہ غاصب سے وصول کرے اور بیع باطل ہوجائیگی اور غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا اور اگر غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا اور اگر غاصب نے فروخت کیا مگر ابھی قبضہ نہ دیا تو ضامن نہ ہوگا۔وجیز کردری میں یوں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹: مسئولہ حافظ محمد سعید صاحب از قصبہ راندیر ضلع سورت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

ماقولكم دام فضلكم ايها العلماء العظام والفقهاء الكرام زادكم الله تعالٰی تعظيما لديه (تمہارا کیا ارشاد ہے اے علماء عظام وفقہاء کرام اللہ تعالٰی کے ہاں تمہاری فضیلت وتعظیم زیادہ ہو۔ت) اس صورت میں زید تاجر نے بلقانی چندہ میں مثلاً ایک سو روپیہ لکھ دئے، اور جب اس چندہ وصول کرنیوالے سکتر نے زید سے روپے چندہ کے وصول کرنے کو گیا، تو زید نے چندہ وصول کرنے والے بکر نام کو کہا کہ میرے روپے فلاں بینک میں جمع ہیں میں تم کو یہ چیک یعنی حکم بینک پر لکھ دیتا ہوں تم بینک سے روپیہ وصول کرلو، اور تم چاہو تو میں میرے نزدیک سے نقد دوں، اس کے جواب میں بکر نام کے سکتر نے کہا کہ چیک دو، زید نے بموجب طلب کرنے کے بکر کو بینک (کہ مسمّٰی پیپل بینک ہے) اس پر حکم یعنی چیک لکھ دیا، مگر بکر مذکور نے روپے وصول کرنے پیپل بینک سے تکاسل اور غفلت کی، اور اندازہ چوبیس روز کے اس چیک کو اپنے پاس بکر نے ڈال رکھے، اس درمیان میں زید نے دوسری چیک اپنے کام کی بینک کو دی ہے وہ برابر بینک والے روپیہ ادا کردئے ہیں، اور یہ بھی بکر تکاسل اور کاہلی نہ کرتا۔ اور بینک میں چیک روانہ کرکے طلب کرتا تو ضرور یہ روپیہ وصول ہوتے، چونکہ زید کے روپیہ جمع تھے اور اب وہ بینک دیوالیہ بن گئے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۸

اور وہ روپے جاتے رہے۔ اور بکر کو تکاسل اس قدر نہ کرتا تو یہ روپے ضائع نہ ہوتے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں یہ روپیہ کس کے ذمہ پر آتے ہیں اور کس کے یہ روپے گئے زید کے یا بکر کے، یا چندہ بلقان کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیوالیہ بننا بینک والے کا ظلم ہے، بکر پر اس کا کچھ الزام نہیں آسکتا، "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" [1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ت) اور چوبیس روز کے تساہل میں بھی اس پر الزام نہیں، وہ کیا جانتا تھا کہ اتنی مدت میں بینک دیوالیہ ہوجائے گا "وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝" [2] (ہم غائب پر حفاظت کرنے والے نہیں۔ت) اور بالفرض اگر وہ جانتا بھی اور بالقصد تکاسل کرتا۔ جب بھی روپے کا الزام اس پر آنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ وہ نہ سبب ہے نہ مباشر، قاعدہ شرعیہ تو یہ ہے کہ:

اذا اجتمع السبب والمباشر اضیف الحکم الی المباشر۔	جب سبب اور ارتکاب کرنیوالے میں معاملہ دائر ہو تو حکم ارتکاب والے کی طرف منسوب ہوگا(ت)

دوسرا قاعدہ ہے:

تخلل فعل الفاعل المختار یقطع النسبة۔	مختار کا فع حائل ہوجائے تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے۔(ت)

تو بکر کے روپیہ جانے کی کوئی وجہ نہیں روپے زید کے گئے، رہا چندہ زید اس میں متبرع تھا، **لاجبر علی المتبرع** (مفت میں دینے والے پر جبر نہیں ہوتا۔ت) تو اس سے بھی مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اس میں اس کا کوئی قصور ہے کہ اس نے تو چیک لکھ دیا تھا اور اگر نہ بھی لکھتا اور وعدہ کرکے پھر جاتا جب بھی شرعاً بُرا تھا، مگر جبر کا اختیار کسی کو نہ تھا، اشباہ میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد [3]۔	وعدہ کے وفا پر جبر نہیں ہوسکتا۔(ت)

ہاں اگر زید اپنی طرف سے دوبارہ دے تو یہ اس کا تطوع ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰، العقود الدریۃ بحوالہ لاشباہ والنظائر مسائل وفوائد من الحظر الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

"وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ "[1]۔	جو شخص مفت میں بھلائی کرے تو اللہ تعالٰی قبول فرمانے اور جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۰: از سہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عبدالجلیل ۱۶ شوال ۱۳۳۳ھ یوم شنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو کامال مسلمان زبردستی کھاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

زبردستی مال کھانے والے ایک دن بڑا گھر دیکھتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۱تا۲۸۳: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ سید نوراللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید کاایک بیٹاجواب بالغ ذی عقل صاحب نصیب تھا، وہ جب مرا تو تجارت بند ہو گئی اور کچھ جائداد دونوں کے کسب سے تھی اب باقی ہے۔ زید کی اب دو زوجہ ہیں، ایک قدیم کفو کی، دوسری جدید غیر کفو کی، زید نے بعوض مہر دو مکان زوجہ کفوکے نام حسب قانون لکھے اور ایک مکان اپنے بیٹے بکر کے نام لکھے، لیکن کل جائداد پر قابض اور ماحصل سے تمتع زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد رہی، جبراوقہرا، پس یہ قبضہ وتمتع شرعًا جائز ہے یانہیں؟

(۲) زوجہ کفو کی دو لڑکیاں ہیں، پس اپنے نام کی جائداد برضائے زوج خود یعنی زید کے، بذریعہ عدالت لڑکیوں کے نام کر دی ہے، بذریعہ عدالت رجسٹری شدہ کاغذ موجود ہے۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ قبضہ کرکے اس سے منتفع ہوں، لیکن زید اور اس کی زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد فسد پر آمادہ ہیں، اور قبضہ نہیں دیتے اور کسی کی نصیحت نہیں مانتے، پس یہ امر ان کو شرعا کیازیبا ہے۔ اور اس فعل کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیاشرعاان کو اس جائداد میں کچھ حق ہے یا شرعاول ظالم اور یہ فعل فسق ہے؟ فقط

الجواب:

(۱) مال غیر سے بے رضا غیر تمتع اور اس پر مخالفانہ قبضہ حرام وحرام خوری ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کامال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

(۲) یہ فعل بھی ظالم اور ظلم کی جزا نار۔

(۳) شرعازید عـــہ کااس میں کچھ حق نہیں اور یہ فعل ضرور ظلم وفسق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۴: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد نمبر مکان ۱۵۴، مسئولہ حبیب احمد بروز یکشنبہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بقال کے یہاں ملازم ہے۔ اور پوری تنخواہ نہ دے، تو وہ اس سے چھپا کر اس کے مال سے یعنی جو اس کے یعنی بقال کا تعلق ہو خود لے لے یعنی بنیے بقال اہل ہنود کا مال چھپا کر مسلمان ملازم کو کھانا روا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تنخواہ پوری نہ دینے کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ جس قدر قرار پائی ہے اس سے کم دیتا ہے۔ اس صورت میں جتنی کم رہتی ہے اتنی مقدار تک اس کے مال سے بے اس کی اجازت کے لے سکتا ہے۔ مثلاً دس روپیہ تنخواہ ٹھہرے ہیں اور اس نے کسی مہینے میں ظلماً پانچ روپے کاٹ لئے تو یہ پانچ روپے کی قدر اس کے مال سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔

دوسرے یہ کہ تنخواہ جتنی ہونی چاہئے تھی اتنی نہیں دیتا۔ مثلاً وہ کام دس روپے ماہواری کے قابل تھا، اور اس نے اسے حاجتمند پاکر وباکر پانچ روپے ماہوار نوکر رکھا اور اس نے قبول کرلیا تو اب نہیں لے سکتا کہ اتنے سے زیادہ میں اس کا حق نہیں، اور مال جو اس کی سپردگی میں ہے امانت ہے اور بذریعہ عقد اجارہ اِس کا اُس کا معاہدہ ہو چکا ہے اور امانت میں خیانت اور معاہدہ میں غدر کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵ و ۲۸۶: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ مسئولہ عبدالکریم بروز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ

(۱) شیئ مشترکہ کو کہ ہر ایک شریک استعمال کرتا ہے تو بروقت ٹوٹنے یا ضائع ہونے کے اس شیئ کا تاوان کس پر ہوگا؟

عـــہ: اصل میں یونہی ہے۔ سوال کی روشنی میں "زید" کے بجائے "ان کا" ہونا چاہئے۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

(۲) زید نے بکر کا مال ناجائز طریق مثلاً غصب یا چوری یا خیانت یا ظلم سے لے لیا تو کیا بکر کو جائز ہے کہ جب زید کے مال پر قابو پائے، تو بمقدار اپنے مال کے اس کے مال میں سے بلا رضامندی زید کے لے لے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر بلا تعدی ٹوٹی یا ضائع ہوئی تو کسی پر نہیں، اور اگر ایک شریک نے قصداً توڑا دیا ضائع کر دیا تو دوسروں کے حصوں کا تاوان دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اپنے حق تک لینا جائز ہے کہ وہ زید کا مال نہیں اس کا ہے۔ اصل مذہب میں جنس مال کی اجازت ہے۔ مثلاً سو روپے اس کے اس نے ظلماً لے لئے اسے اس کے روپے نہوں[عہ] اور فتوٰی اس پر ہے۔ کہ اپنے حق کی جنس نہ ملے تو غیر جنس سے بھی مقدار حق تک لے سکتا ہے۔ **لان الضمان ضمان العقود ولیس الضمان ضمان الحقوق کما فصله فی ردالمحتار** (کیونکہ یہ ضمان عقود والا ہے حقوق والا ضمان نہیں جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب بازار صندل خاں بریلی بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ

امام مسجد سابق جو بغداد شریف وغیرہ کہہ کر باہر شہر کے گیا ہو تو اس کے اسباب کو حجرہ مسجد سے بلااجازت لے کر جس کو چاہے اور اپنے صرف میں لائے بلا رائے اہل محلّہ کے، پس صرف کرنیوالے پر کیا حکم شرع ہے۔ فقط

الجواب:

اسباب اگر اس کی ملک ہے تو اس میں یہ تصرفات حرام ہیں اگرچہ اہل محلّہ کی رائے سے ہوں، اور اگر مسجد کا مال ہے کہ امام کے صرف میں رہتا تھا تو جس لئے وقف تھا اسی میں صرف ہو سکتا ہے اپنے صرف میں لانا یا جسے چاہے دے دینا اب بھی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸ تا ۲۹۲: از علی گڑھ محلّہ بالائے قلعہ مسئولہ محمد عبدالمجید معرفت عبدالرحیم وکیل یکشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم کو ضرورتاً قومی چندہ یومیہ جمع کرکے ایک چاہ بنانے کا شوق ہوا اور کل قوم نے یومیہ چندہ متفق ہو کر جمع کرنا شروع کیا، اس چندہ میں امیر وغریب سب شریک تھے، تقریباً دو سو روپیہ ہو جانے پر قوم نے ایک برادری کے شخص کو معتبر سمجھ کر وہ رقم

عہ: اصل میں ایسے ہی ہے لیکن شاید یہ عبارت اس طرح ہو "اسے اس کے روپے ہی لینے ہوں گے" عبدالمنان اعظمی۔

امانۃاس کے سپرد کردی،اوریومیہ چندہ بدستور جاری رکھا،اور اس سے کہہ دیا کہ جب یہ رقوم چاہ بنانے کے قابل ہوجائے گی تو تم سے یہ روپیہ لے کر چاہ بنایا جائے گا۔کچھ عرصہ کے بعد اس امانت دار نے بغیر مشورہ قوم کے اپنی رائے سے ضرورت والے، لوگوں کو وہ روپیہ قرض بلاسود قوم ہی کے لوگوں کو دینا شروع کرکے انھیں مقروض آدمیوں کو اپنا طرفدار بنالیا،جب قوم کو یہ حال معلوم ہوا تو اکثر نے چندہ دینا بند کردیا،اور قوم کے اعتراض پر امین نے یہ جواب دیا کہ میں نے اس روپیہ کا نام خزانہ بیت المال رکھ دیا ہے۔سوال یہ ہے کہ وہ روپیہ جو قوم نے ایک خاص کام یعنی چاہ بنانے کے لئے جمع کیا تھا،اب اس امانتدار نے بلارضامندی ورائے قوم کے خزانہ بیت المال بنالیا ہے۔یہ فعل اس کا شرعا درست ہے یانہیں اور اس کا نام خزانہ بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یانہیں؟

(۲) اب وہ امین قرض روپیہ حیثیت داروں کو دیتا ہے غریب لوگوں کو نہیں دیتا،اور دیتا ہے تو کسی امیر کی ضمانت پر،اکثر توغریبوں کو یہ جواب دیتا ہے کہ تم کو دے کر واپس کہاں سے لیں گے کیا شرعا یہ درست ہے کہ خزانہ بیت المال جو عام چندہ ہے اس میں سوائے امیروں کے غریبوں کو قرض نہ دیا جائے؟

(۳) جو شخص روپیہ قرض لینے کی غرض سے چندہ دے اور پھر قرض بھی لے،تو یہ چندہ دینے والا مستحق ثواب ہے یانہیں؟ مثلا ایک شخص کچھ روپیہ قرض لیتا ہے۔جب تک قرض لیا ہو اور روپیہ ادانہ ہو تب تک وہ چندہ دیتا ہے بعد کو بند کردیتا ہے۔

(۴) قوم امانت دار سے حساب روپیہ کا مانگتی ہے،اب وہ امین حساب پیش نہیں کرتا کیا شرعا اس پر حساب پیش کرنا ضروری ہے یانہیں؟

(۵) جو لوگ روپیہ قرض نہیں لیتے اور اس امانت دار کی رائے کے شریک نہیں ہوتے ان سے وہ امین یہ کہتا ہے کہ تم اس بیت المال کے خلاف نہیں ہو بلکہ کلام پاک کے خلاف ہو،کیا خزانہ بیت المال کا یہ طریقہ ہے،اس صورت سے کلام پاک سے ثابت ہے؟ فقط

الجواب:

یہ فعل اس کا حرام ہے اور اس کا یہ نام حدیث سے ثابت نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ کی ایجاد ہے۔**واﷲ تعالٰی اعلم**۔ غرض یہ ساری کاروائی حرام ہے۔اسے کلام اﷲ کے خلاف کہنا شیطنت ہے۔اور وہ جو قرض ادا ہونے تک چندہ دیتا ہے وہ معنی سود ہے۔اور یہ شخص امانت دار نہیں غاصب ہے اور اس کے ذمہ تفہیم حساب لازم نہیں،بلکہ جس قدر جمع تھا سب کا واپس دینا اس پر فرض ہے اور اگر اس پر اس نے

کچھ نفع حاصل کیاہو تو وہ اس پر حرام ہے، یا تو انھیں اہل چندہ کو واپس دے جن کے روپے سے نفع حاصل کیا ہے۔اور یہی بہتر ہے، ورنہ جتنا مال نفع لیا ہے فقراء پر تصدق کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۳: از کلکتہ شہر ۲۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کتب فروش نے میرے ملک میں آکے بطور نذرانہ کے ایک جلد کلام اللہ پیش کیا، اور چند کتب اور بھی، عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ جس نے نذرانہ دیا ہے وہ ایک دوسرے شخص کی دکان پر ملازم ہ۔اور ان کتابوں کا وہ مالک نہیں ہے۔بغیر حکم اپنے مالک کے وہ کتابیں دی ہیں، اس صورت کو ہم کو کیالازم ہے۔کتابوں کو اس شخص کو واپس کردوں یا مالک کتاب کو دے دوں، مگر اس صورت میں رسوائی کا خیال ہے۔اور ممکن ہے کہ اپنی تنخواہ میں حساب کرلیاہوں۔مگر مجھے کیا حکم شرعا ہے؟

الجواب:

وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں کیف وقیل۔نہ مالک دکان کو دی جائیں کہ کتب فروش کے غصب یا سرقہ پر یقین نہ ہوا، اور مسلمان کا حال حتی الامکان صلاح پر حمل کرنا واجب، بلکہ اسی کتب فروش کو واپس کردی جائیں کہ اگر واقع میں اس کی تھیں فبہا، ورنہ اسے دینے سے بری الذمہ ہوگیا، درمختار میں ہے:

ردغاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول یبرأ عن ضمانه [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	غاصب سے غصب کرنے والے نے مغصوب کو پہلے غاصب پر واپس کردیا تو اس سے ضمان ساقط ہوجائیگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض موسم میں زید کا مکان قیام گاہ مردمان ہر شہر ودیار ہوتا ہے۔دور دور سے لوگ آتے اور اس کے مکان کی کوٹھری میں اقامت کرتے ہیں، جو شخص جس میں ٹھہرتا ہے اسے زید وہ مکان سپرد کر دیتاہے۔کہ اس میں رہے اور اپنا مال واسباب رکھے اور اس کی حفاظت کرے، انھیں لوگوں میں عمرو نے بھی ایک مسکن میں قیام کیااور حسب دستور وہ مسکن زید نے اسے سپرد کردیا، اور بنظر خیر خواہ عمرو کو اگاہ کردیا کہ اس موسم میں لکھوکھا آدمی آتے ہیں، اپنے مال کی خوب نگرانی کرو، عمرو باوجود اس اطلاع کے ایک دن اس مسکن کو تنہا بے قفل چھوڑ کر باہر گیا، جب آیا اس کا مال

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

چوری ہوگیا تھا اس صورت میں شرعاً عمرو زید سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

شرعاً جب تک کسی شخص پر سرقہ کا ثبوت کافی نہ پہنچے اس پر نادیدہ حکم روا نہیں، خصوصاً جبکہ اس کی حفاظت بھی ذمہ زید نہ تھی، اور ایسا مجمع عام اور اس میں خود عمرو کی یہ بے احتیاطی پس اس صورت میں ہرگز عمرو کو زید پر دعوی نہیں پہنچتا۔ اور اس سے مطالبہ تاوان صریح مخالفت شرع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ:

انیسویں جلد کتاب الغصب پر ختم ہوئی،

بیسویں جلد کا آغاز کتاب الشفعہ سے ہوگا